تفسیرِ مکی

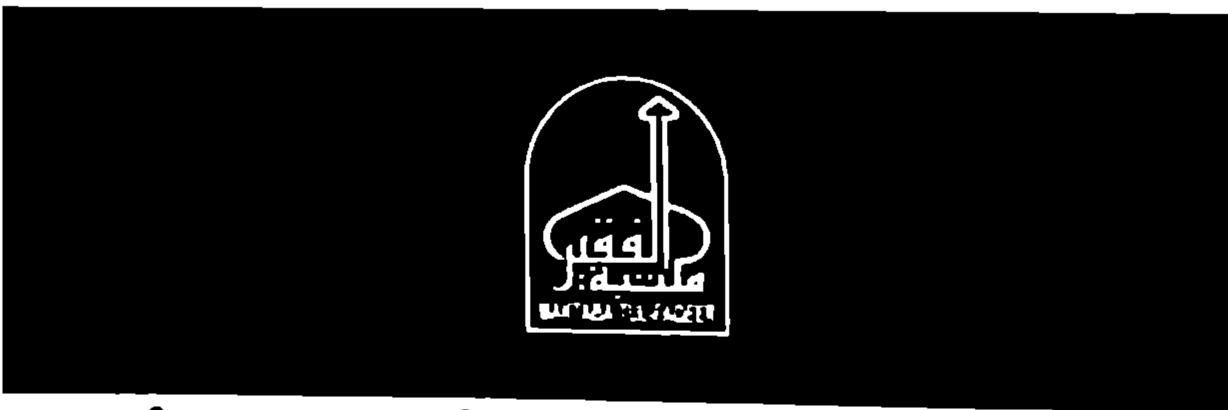
جلد ششم

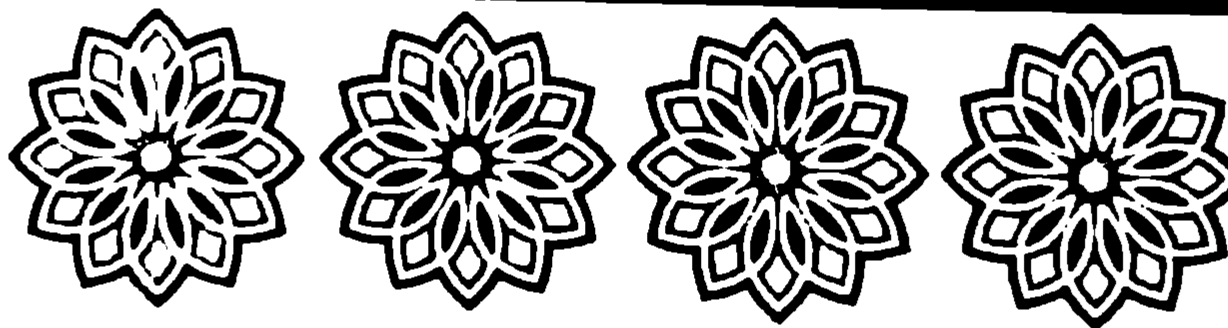
اُستاذ العرب والعجم فضیلۃ الشیخ

حضرت اقدس مولانا محمد مکی حجازی دامت برکاتہم

المدرس بالمسجد الحرام بمکۃ المکرمۃ







تفسیرِ مکی

جلد 6

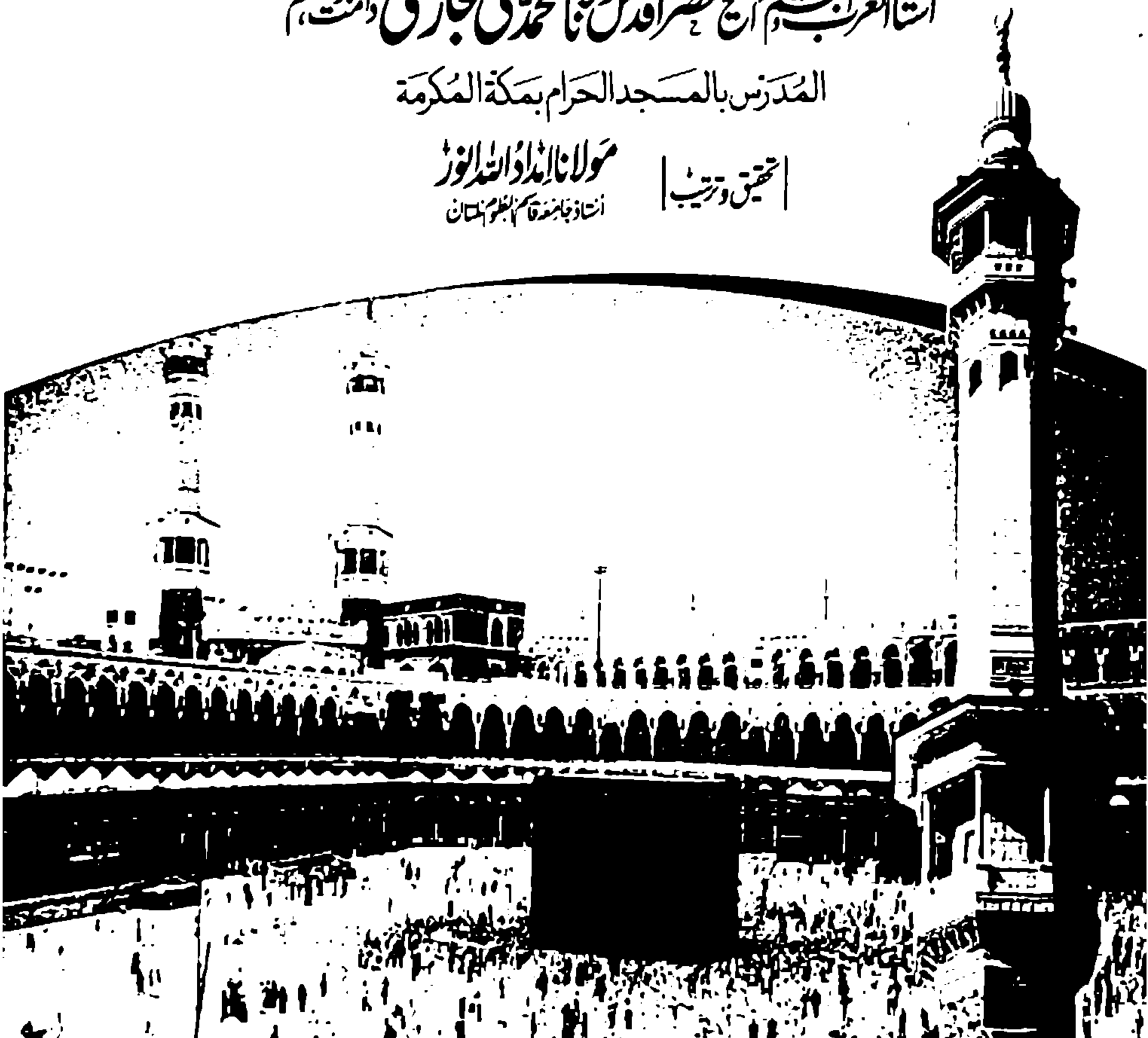
اُستاذ العرب والعجم فضیلۃ الشیخ حضرت اقدس مولانا محمد مکی حجازی دامت برکاتہم

المدرس بالمسجد الحرام بمکۃ المکرمۃ

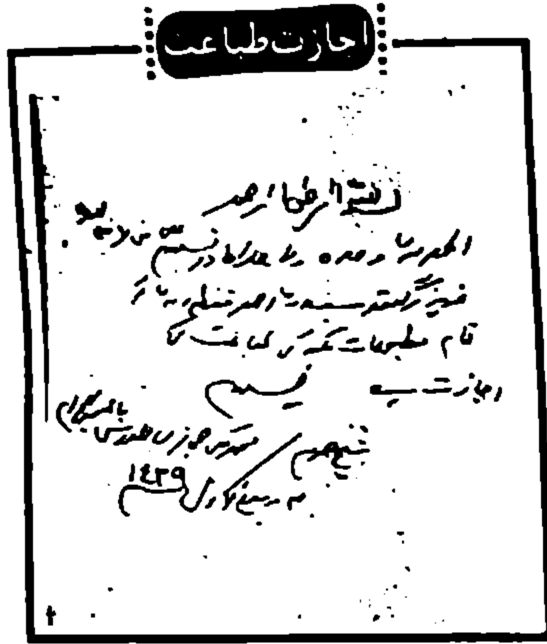
تحقیق و ترتیب

مولانا امداد اللہ انور

استاذ جامعہ قاسم العلوم ملتان







اجازت طباعت

بسم اللہ الرحمن الرحیم
[illegible]
تمام مطبوعات [illegible]
اجازت ہے
[illegible]
۱۴۳۹

نام کتاب — تفسیر مکی (جلد 1)

صاحب خطبات — استاذ العرب والعجم شیخ الحرم حضرت اقدس مولانا محمد مکی حجازی دامت برکاتہم
المدرس بالمسجد الحرام بمکۃ المکرمۃ

تحقیق و ترتیب — مولانا امداد اللہ انور
استاذ جامعہ قاسم العلوم ملتان

کمپوزنگ — دار التصنیف معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اشاعت اول — نومبر 2019ء

تعداد — 1100



ناشر



مکتبۃ الفقیر

www.Tasawwuf.org

0300-9652292,03228669680
0335-7873390,03101702690
E-Mail : Alfaqeerfsd@yahoo.com



بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین





فہرست مضامین



فہرست مضامین

فہرست مضامین





فہرست مضامین





فہرست مضامین





فہرست مضامین





فہرست مضامین





فہرست مضامین



فہرست مضامین

تفسیر سورۃ النساء

493







فہرست مضامین

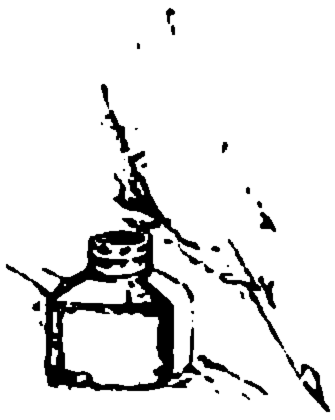




فہرست مضامین







عرضِ ناشر



اس کائنات رنگ و بو میں تین اشیاء ایسی ہیں جو مخلوق کے قلوب کے لیے مقناطیس کی تاثیر رکھتی ہیں: 1 ...... بیت اللہ، 2 کتاب اللہ، 3 ... اہل اللہ۔

اور اگر کسی جگہ پر ان تینوں کا اجتماع ہو تو مخلوق کے دلوں کا کھنچ آنا امر بدیہی ہے، جس کا مشاہدہ مسجد الحرام میں بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد مکی مدظلہ کے درسِ قرآن کے حلقہ میں کیا جا سکتا ہے۔ گرمی ہو یا سردی، رمضان ہو یا شوال، حج کا موسم ہو یا عمرے کا، حضرت مولانا محمد مکی مدظلہ کا درسِ قرآن مسجد حرام میں بلا ناغہ ہوتا ہے۔ مسجد حرام میں دوسرے مشائخ کے دروس بھی ہوتے ہیں، تاہم جس کثرت سے اور ذوق شوق سے لوگ حضرت مکی مدظلہ کے درس میں شرکت کرتے ہیں، دوسرے دروس میں یہ کچھ دیکھنے کو نہیں ملتا۔ چنانچہ برِصغیر پاک و ہند، بلکہ پوری دنیا میں جہاں بھی اردو دان طبقہ حرم شریف میں آتا ہے، حضرت مکی مدظلہ کے درس سے مستفید ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد مکی مدظلہ کے درس کا یہ حسن ہے کہ وہ جہاں توحیدِ خداوندی کے رسوخ اور شرک و بدعت کی تردید پر زور دیتے ہیں وہاں عشقِ رسول ﷺ اور سلف صالحین کی عقیدت واحترام پر حرف نہیں آنے دیتے، بلکہ اپنے اکابر کے طریق پر چلتے ہوئے جس کمال مہارت سے سامعین کو راہِ اعتدال پر گامزن کرتے ہیں یہ انہی کے

درس کا خاصہ ہے۔

حضرتِ اقدس کے دروس میں جہاں علمی نکات کی کثرت ہوتی ہے، وہیں عقائد کی درستگی، فکرِ آخرت، اخلاص و تقویٰ، اخلاقِ حمیدہ اور سیرت و کردار کی بلندی پر بھی زور دیا جاتا ہے۔

زیرِ نظر تفسیر ''انوار الحرم'' المعروف ''تفسیرِ مکی'' حضرتِ اقدس کے چند دروس کا مجموعہ ہے۔ جسے اس سے قبل اک اور ادارہ نے شائع کیا تھا اب اسے حضرت اقدس ہی کے حکم پر ''مکتبة الفقیر'' شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

اللہ ربّ العزت اس کتاب اور ''مکتبة الفقیر'' دونوں کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین بحرمة سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

اجازت ہو تو آکر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں
سنا ہے کل تیرے در پر ہجومِ عاشقاں ہو گا

قارئینِ کرام! گزارش ہے کہ اشاعت کے اس کام میں کہیں کوئی کمی، کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لیے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تا زیست اپنی رضا کے لیے یہ خدمت سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے ہماری آخرت کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

دعاؤں کا طالب:
فقیر سیف اللہ احمد نقشبندی مجددی
مکتبة الفقیر





پیش لفظ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْاَمِيْنِ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ وَاَصْحَابِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَعُلَمَاءِ اُمَّتِهٖ وَاَوْلِيَاءِ زُمْرَتِهٖ اَجْمَعِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

الحمد للہ! حضرت مولانا محمد مکی حجازی ﷾ کے سلسلہ دروس تفسیر سے متعلق تفسیر سورۃ آل عمران کی طباعت مکمل ہوئی، اسی جلد میں اس کے آگے سورۃ النساء کی ۱۸ آیات کی تفسیر بھی طبع ہوگئی ہے۔

اب تفسیر مکی کی چھ جلدوں کی تفصیل تفسیر آیات کے اعتبار سے درج ذیل طور پر ہے:

تفسیر مکی کی پہلی جلد مکمل طور پر سورۃ فاتحہ کی تفسیر پر مشتمل ہے۔

دوسری، تیسری اور چوتھی تین جلدیں مکمل طور پر سورۃ بقرۃ کی تفسیر پر مشتمل ہیں۔

پانچویں جلد بھی سورۃ بقرۃ کے بقایا حصہ کی تفسیر پر مشتمل ہے، اس کے بعد سورۃ آل عمران کی ۲۹ آیات کی تفسیر بھی اسی جلد میں آگئی ہے۔

یہ چھٹی جلد جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس میں سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۳۰ سے آخر تک مکمل سورۃ کی تفسیر

موجود ہے۔

اس کے بعد اسی چھٹی جلد میں سورۃ النساء کی تفسیر شروع سورۃ سے آیت نمبر ۱۸ تک درج کی گئی ہے۔

تفسیر مکی کی ساتویں جلد میں ان شاء اللہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۹ سے آخر سورۃ تک ہے اس کے بعد سورۃ المائدۃ کی بھی کافی آیات شامل ہوں گی۔

تفسیر مکی کا اگلا کام تقریباً اسی طرز پر ہوگا جس طرز پر یہ پانچویں اور چھٹی جلدیں آئی ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس سلسلہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور جتنے متعلقین اس کتاب پر اپنی خدمات پیش کررہے ہیں ان کو بھی اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، بالخصوص حضرت شیخ محمد مکی الحجازی ﷾ کو صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے اور اور صحت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے اور جو سلسلہ درس حرم مکی میں ان کا نصف صدی سے جاری وساری ہے وہ تادیر جاری رہے۔آمین بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔

امداد اللہ انور

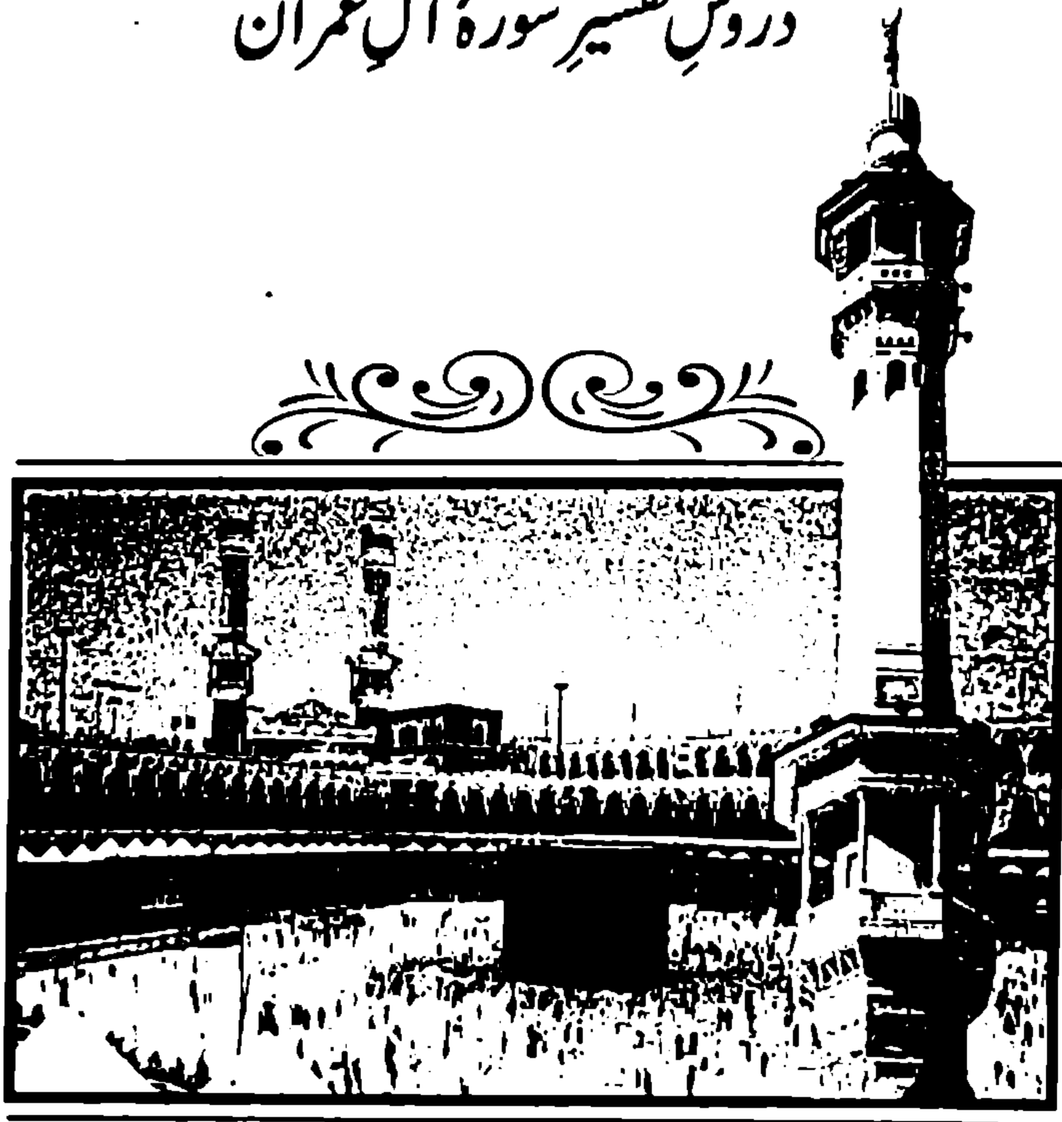
جامعہ قاسم العلوم گلگشت کالونی، ملتان



تفسیر انوار الحرم

(حصہ ششم)

دروسِ تفسیرِ سورۂ آلِ عمران



سُوْرَةُ آلِ عِمْرَانَ مَكِّيَّةٌ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

﴿یَوۡمَ تَجِدُ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَیۡرٍ مُّحۡضَرًا ۚۖ وَّمَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوۡ اَنَّ بَیۡنَہَا وَبَیۡنَہٗۤ اَمَدًۢا بَعِیۡدًا ؕ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفۡسَہٗ ؕ وَاللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۳۰﴾﴾ [آلِ عمران:۳۰]

''جس دن موجود پاوے گا ہر شخص جو کچھ کہ کی ہے اس نے نیکی اپنے سامنے اور جو کچھ کہ کی ہے اس نے برائی آرزو کرے گا کہ مجھ میں اور اس میں پڑ جائے فرق دور کا۔ اور اللہ ڈراتا ہے تم کو اپنے سے اور اللہ بہت مہربان ہے بندوں پر۔''

بہرحال! جب واپس آئے تو ساتھیوں نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیوں کہا تھا کہ ''عمر برباد ہوگیا۔'' تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رونے لگ گئے اور فرمایا: میں جب اچھا لباس پہن کر گھوڑے پر سوار ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے نقشہ دکھایا کہ عمر! کیا کر رہے ہو؟ ہم نے تورات میں تمہاری یہ نشانیاں نہیں دیکھی ہیں، آج اگر تیری نشانیاں غلط ہوگئیں تو لوگ میرے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بھی اعتراض کریں گے۔ تو تم سارے دین کو صرف کپڑے پہن کر تباہ کرنا چاہتے ہو؟ تو مجھے فوراً بات یاد آگئی اور میں نے لباس بدل لیا۔

غربت اور فقیری میں عظمت ہے:

ہم عزت...... پیسے اور لباس میں ڈھونڈتے ہیں، حالانکہ ان چیزوں میں عزت نہیں ملتی۔ کتنے دولت والے مر گئے، لیکن ان کا نام نہیں آتا۔ قارون کا، فرعون کا کیا نام تھا؟ کسی کو پتا نہیں ہے، لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جن کے گھر میں صبح کا کھانا ہوتا تو شام کا نہ ہوتا اور شام کا ہوتا تو صبح کا نہ ہوتا تھا۔ آج بھی جب ان کا نام لیا جاتا ہے تو "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ" کہا جاتا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نام لیں گے تو "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ" پڑھیں گے؛ کیونکہ انہوں نے عزت اسلام میں ڈھونڈی تھی۔ اور میرے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ رشتہ دار جنہوں نے کلمہ پڑھ لیا ان کا نام ہے اور جنہوں نے کلمہ نہیں پڑھا ان کے نام مٹ گئے۔

کافروں کے لباس سے منع کرنے کی وجہ:

مؤمن میں کبھی یہ دو باتیں جمع نہیں ہو سکتیں کہ دل کے اندر ایمان بھی ہو اور کفر کے ساتھ محبت بھی ہو۔ علماء نے قرآن وسنت کی روشنی میں جو کافروں کے لباس سے منع کیا ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے؛ کیونکہ آدمی اس کا لباس اختیار کرتا ہے جس سے محبت ہو اور آدمی کبھی بھی اپنے دشمن کا لباس نہیں پہنتا۔ اور جب آدمی نام رکھے گا تو ان لوگوں کے نام رکھے گا جن کے ساتھ محبت ہے اور اس کی شکل بنائے گا جس سے پیار ومحبت ہے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ)) [سنن ابی داؤد، رقم: ۴۰۳۱، باب: فِي لُبْسِ الشُّھْرَۃِ]

"جو آدمی کسی قوم کی شکل اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کے ساتھ شامل کر دیتے ہیں۔"

اس لیے اسلام اس لباس سے منع کرتا ہے جو کفر کا شعار بن چکا ہے۔ اگر کوئی اس کو اختیار کرے تو یہ شریعت میں حرام ہے۔ اگر ہمیں اسلام اور اہل بیت سے محبت ہے تو ہمارے لباس میں بھی وہی جھلک نظر آئے اور ہمارے کھانے میں، پینے میں، اٹھنے بیٹھنے میں اور معاملات میں اسلام کی جھلک نظر آئے تو ہم کہیں گے کہ مسلمان ہیں، لیکن آج لوگوں نے مسلمان کا معنی یہ سمجھ لیا ہے کہ جو کلمہ پڑھتا ہے وہ مسلمان ہے، اگرچہ اس کے سارے افعال کافروں کے ہوں۔ پھر تو کلمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین بھی پڑھتے تھے اور ہر وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقے واری ہوتے تھے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھا کر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرما دیا:

﴿وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾ [المنافقون:١]

''اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین (اس کہنے میں) جھوٹے ہیں۔''

انہوں نے زبان سے کلمہ پڑھا ہے اور ان کے اندر اسلام نہیں ہے۔

دین رسوم و رواج کا نام نہیں:

اور بعض لوگوں نے مذہب کو ایک مجموعہ رسومات بنالیا ہے۔ کسی نے محرم کے مہینے میں رسومات بنالیں کہ تم لوگ محرم میں ایسا کرلو تو تم پکے مومن ہو۔ ان کے مقابلہ پر ہمارے سنیوں نے کہا کہ ہم کیوں پیچھے رہ جائیں؟ انہوں نے کہا: بس سرکار سے محبت ہو، بارہ تاریخ کو جھنڈیاں لگالو، ستائیس رجب کو عمرہ کرلو، پندرہ شعبان کی رات کو جاگ لو اور اسی طرح گیارہویں شریف کا دودھ تقسیم کرلو، ہر بڑے بزرگ کا سال میں ایک مرتبہ عرس شریف کرلو، اگر کوئی مسلمان مرجائے تو تیسرے دن قل، سات جمعراتیں اور ایک چالیسواں کرلو تو پکے اہل سنت والجماعت ہو۔ نہ روزہ، نہ حج، نہ عبادات، نہ تلاوت، نہ دین اور بس یہ نشانیاں ہوں تو مسلمان ہیں اور اگر یہ نشانیاں نہیں ہیں تو مسلمان نہیں ہیں...... اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ...... یادرکھو! مسلمانوں کی نجات قرآن وسنت کی اتباع میں ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے غلام بن جاؤ جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم بن گئے تو پوری دنیا پر اسلام چھا گیا اور ہم حضور اکرم ﷺ کے راستے سے ہٹ گئے تو پوری دنیا میں ذلیل ہوگئے۔

﴿وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ﴾ [آل عمران:٢٨]

''تم نے میری اس وحی پر عمل نہ کیا یعنی میرے حکم کے بعد بھی کافروں سے دوستی رکھی تو اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے بری ہیں۔''

اور جس سے اللہ تعالیٰ دور ہوجائے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَیْتُمْ وَمَاۤ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ﴾ [الممتحنۃ:١]

''اے ایمان والو! اگر تم میرے راستے میں جہاد کرنے کی خاطر اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے (گھروں

سے) نکلے ہو تو میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ایسا دوست مت بناؤ کہ ان کو محبت کے پیغام بھیجنے لگو، حالانکہ تمہارے پاس جو حق آیا ہے انہوں نے اس کو اتنا جھٹلایا ہے کہ وہ رسول ﷺ کو بھی اور تمہیں بھی صرف اس وجہ سے (مکے سے) باہر نکالتے رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لائے ہو۔ تم ان سے خفیہ طور پر دوستی کی بات کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم خفیہ طور پر کرتے ہو اور جو کچھ علانیہ کرتے ہو، میں اس سب کو پوری طرح جانتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی بھی ایسا کرے، وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔''

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا﴾ [النساء: ۱۴۴]

''اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کے پاس اپنے خلاف (یعنی اپنے مستحق عذاب ہونے کی) ایک کھلی کھلی وجہ پیدا کر دو؟''

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ [المائدۃ: ۵۱]

''اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو یار و مددگار نہ بناؤ۔ یہ خود ہی ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں۔ اور تم میں سے جو شخص ان کی دوستی کا دم بھرے گا تو پھر وہ انہی میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ﴾ [الانفال: ۷۳]

''اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے وہ آپس میں ایک دوسرے کے والی وارث ہیں، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔''

ہاں! اگر کوئی مسلمان کافر ملک میں پھنس گیا ہے، وہ اپنی جان بچانے کے لیے اپنے آپ کو چھپا لیتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے اندر ایمان ہو۔ یہ تقیہ کا معنی ہے۔

تقیہ کا معنی اور مواقع:

اور تقیہ کا معنی وہ نہیں جو ملنگوں نے بنا رکھا ہے کہ پورے دین کے نو حصے تقیے میں ہیں اور ایک حصہ اس سے باہر ہے۔ یہ عجیب قوم ہے ادھر تقیہ کا سبق دیتی ہے اور پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی ذکر کرتے ہیں۔ اگر تقیہ ضروری تھا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کیوں نہیں کیا؟ اور ہماری قوم بھی سیدھی سادھی ہے کہ دونوں باتیں کرتے رہو، یہ دونوں کو ماننے کے لیے تیار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو صراطِ مستقیم پر چلائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا: ''لَيْسَ التَّقِيَّةُ بِالْعَمَلِ إِنَّمَا التَّقِيَّةُ بِاللِّسَانِ'' تقیہ کا معنی یہ نہیں ہوتا کہ تم عمل بھی کافروں والے شروع کر دو، بلکہ تقیہ کا معنی ہے کہ وقتی طور پر زبان سے کوئی ایسی بات کہہ دی کہ جان بچ جائے۔

جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو بادشاہ نے پکڑ لیا اور اس بادشاہ کا قاعدہ یہ تھا کہ اگر میاں بیوی ہیں تو اس کی بیوی کو پکڑ تا تھا اور اگر اس کو پتہ چلتا کہ اس کی بہن یا بیٹی ہے تو اس کو نہیں چھیڑتا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو پکڑنے لگے تو آپ نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ اگر بادشاہ پوچھے کہ تم کون ہو تو کہہ دینا کہ میں ان کی بہن ہوں۔ علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کے نبی جھوٹ نہیں بولتے، لیکن چونکہ بحیثیت مسلمان ہونے کے آپس میں اخوت کا رشتہ تھا، اس لیے یہ فرمادیا۔

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہجرت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے جا رہے تھے اور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا، تاکہ دشمنوں کو یہ پتا نہ چل سکے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جا رہے ہیں۔ اس لیے ہم نے درمیان میں فاصلہ رکھا ہوا تھا۔ اچانک میرے سامنے مکہ کا ایک کافر آ گیا، اس نے کہا: ''مَنْ هٰذَا الرَّجُلُ؟'' (یہ کون بندہ ہے جو آپ کے آگے جا رہا ہے؟) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس وقت میرے لیے بڑا مشکل مسئلہ تھا کہ اگر میں بتا دوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جا رہے ہیں تو یہ کافر دشمن ہے اور یہ پورے مکہ میں مشہور کر دے گا اور میں جھوٹ بھی نہیں بول سکتا تھا۔ (کیونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان سے جھوٹ کیسے نکلتا؟) تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ ایک انسان ہے جو مجھے راستہ دکھا رہا ہے۔ اور ان کی بات بھی ٹھیک تھی؛ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنت کا راستہ دکھا رہے ہیں تو ایسے حالات کے اندر زبان کے ساتھ ایسی بات کر لی جائے تو ٹھیک ہے۔

تقیہ کا معنی یہ نہیں ہوتا کہ دین چھپالیا جائے، بلکہ اس کو ظاہر کرنا ضروری ہے۔

امام ابنِ جوزی رحمہ اللہ کا واقعہ:

حضرت امام ابن الجوزی رحمہ اللہ ایک دن بغداد میں خطاب کر رہے تھے اور مجمع میں شیعہ سنی سب موجود تھے ایک آدمی نے حضرت سے سوال پوچھ لیا کہ آپ کے نزدیک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں؟ اس آدمی کا مقصد لڑوانا تھا کہ اگر کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں تو شیعہ بھاگ جائیں گے اور اگر آپ ان کو راضی رکھنے کے لیے وقتی طور پر کہہ دیتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں تو عقیدہ اہل سنت ختم ہوتا ہے اور اس نے یہ سوال عربی میں لکھا تھا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''مَنْ كَانَ بِنْتُهُ فِي بَيْتِهِ فَهُوَ اَفْضَلُ'' (جس کی لڑکی جس کے گھر میں ہے وہ افضل ہے)۔ اور فوراً منبر سے نیچے اتر آئے۔ اس طرح بات ختم ہوگئی۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لڑکی بھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تھی تو وہ افضل ہوئے، یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھی تو وہ افضل ہوئے۔ ضمیر دونوں طرف راجع ہو سکتی تھی۔ اس کو تقیہ کہتے ہیں کہ آدمی نے فتنے سے بچنا ہے تو آدمی ایسی بات کہہ سکتا ہے۔

اس میں اسلام نے گنجائش رکھی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ سنیوں کے ساتھ کھڑے ہوں تو سنی بن جاؤ، شیعہ کے ساتھ کھڑے ہو تو شیعہ بن جاؤ اور کوئی قادیانی مل جائے تو قادیانی بن جاؤ۔

﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ ۝﴾ [آل عمران: ۳۰]

قیامت والے دن جو کچھ ہم نے دنیا میں کیا ہے ہمارے اعمال نامے ہاتھ میں دے دیئے جائیں گے اور حکم دیا جائے گا: اے میرے بندے! آج اپنا اعمال نامہ خود پڑھ لو اور دیکھ لو کہ دنیا میں تم نے کیا کیا تھا، چھوٹے سے چھوٹا عمل اور بڑے سے بڑا عمل لکھے ہوئے موجود ہوں گے۔ اللہ پاک اس دن سب بندوں کو خبر دیں گے کہ کیا تم نے آگے بھیجا اور کیا پیچھے رکھا؟ جب بندہ اپنے اچھے اعمال دیکھے گا تو خوشی محسوس کرے گا اور جب اپنے برے اعمال دیکھے گا تو اس کو تکلیف ہوگی۔ اب وہ چاہے گا کہ کاش! اگر میرے بس میں ہوتا تو میں ان گناہوں سے بری ہو جاتا۔ میرے اور ان گناہوں کے درمیان میں اتنا فاصلہ ہوتا کہ کبھی دنیا میں یہ گناہ نہ کرتا، لیکن اس وقت کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ قرآن پاک میں ہے کہ دنیا میں جو ساتھ تھا، جو برائیاں کرواتا تھا قیامت والے دن بندہ اس

شیطان کو کہے گا: ﴿يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ﴾ [الزخرف:٣٨] (ہائے کاش! تیرے اور میرے درمیان مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہوتا، تو کتنا برا دوست ہے کہ مجھے آج جہنم میں پہنچادیا ہے)۔

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ﴾ (اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے ڈراتے ہیں)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو امید بھی دلائی، تا کہ میرے بندے بالکل ناامید نہ ہوجائیں۔ فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ [ال عمران:٣٠] (اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے)۔ لاکھوں گناہوں کے ساتھ ساری زندگی کفر وشرک اور بدعات میں گزرجائے ایک منٹ کے لیے سجدے میں گر کر توبہ کرلو تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے کے لیے تیار ہیں۔

اللہ کا اپنی ذات سے ڈرانا بھی رحمت ہے:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ بھی رحمت ہے کہ اللہ پاک اپنی ذات سے ڈرا رہے ہیں اور ان کی اپنی ذات تو رحمان، رحیم ہے۔ اصل میں اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرے بندے صراطِ مستقیم پر آئیں، سیدھے راستے پر رہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو کتاب وسنت کی اتباع نصیب فرمائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نصیب فرمائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت نصیب فرمائے۔ ہمارے ظاہری، باطنی گناہ، پریشانیاں سب اپنی رحمت سے دور فرمائے۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [ال عمران:٣١،٣٢]

"(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔ کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر منہ موڑو گے تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔"

اللہ سے محبت کا معیار:

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر زور دیا ہے اور ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ [آل عمران:۳۱]

''اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں محبوب رکھیں تو میری اتباع کرو۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک اصول بیان فرمادیا کہ میرے مدنی! یہ جو کبھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں، کبھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اولادِ یعقوب ہیں اور کبھی دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ تیری اولاد کو جہنم میں نہیں ڈالوں گا اور اگر عذاب دوں گا تو ان کو چند دنوں کے لیے عذاب دوں گا، یہ سارے دعوے جھوٹے ہیں۔ ان کو آپ کھل کر بیان کردیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو اور تمہارا دعویٰ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں تو اس محبت کا طریقہ یہ ہے کہ تم میری اتباع کرو اور میرے طریقے پر چلو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالیں گے۔

یاد رکھیں! مسلمان پر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء کی محبت ضروری ہے، لیکن دونوں کی محبت میں فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت یہ ہے کہ بندگی اور عبادت صرف اللہ کی ہو جیسا کہ فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۗ﴾

[البقرۃ:۱۶۵]

''(میرے مدنی!) بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا غیروں کو شریک بنایا ہوا ہے اور ان سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ سے محبت کرنی چاہیے، لیکن جو صحیح معنوں میں مومن ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں (اس کے برابر وہ کسی کے ساتھ محبت نہیں کرتے)۔''

ایک ہے اللہ تعالیٰ پر اور اس کی جمیع صفات پر ایمان لانا اور دوسرا نمبر ہے کہ اللہ کی ذات سے محبت کرنا کہ خالص عبادت اللہ تعالیٰ کی کرے اور اس میں کسی کو شریک نہ کرے۔ اور دوسرے درجہ میں اللہ کے انبیاء علیہم السلام سے محبت ہے۔ اور محبت امتی ہونے کی اور اطاعت کرنے کی ہے۔

غیر اللہ کی عبادت شرک ہے:

بعض لوگوں کو شبہ لگتا ہے کہ ﴿أَنْدَادًا﴾ سے مراد بت ہیں۔ یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کی عبادت کرنا یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر سے وہی بندگی، وہی تعظیم، وہی عبادت اور اسی طرح کی عقیدت مندی اختیار کرنا جو اللہ کے لیے کی جاتی ہے شرک ہے۔ اب چاہے اللہ کے سوا بتوں کی عبادت کرو تو شرک ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا چاہے چاند،

سورج کی پوجا کرو تب بھی شرک ہے، اللہ کے سوا حیوانات میں کسی حیوان کی عبادت کرو تب بھی شرک ہے، اللہ تعالیٰ کے ماسوا ملائکہ کی عبادت کرو تب بھی شرک ہے، اللہ تعالیٰ کے ماسوا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کی بندگی کرو تب بھی شرک ہے، اللہ تعالیٰ کے ماسوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرو تب بھی شرک ہے، اللہ تعالیٰ کے ماسوا اولیاء اللہ کی عبادت کرو تب بھی شرک ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے صرف بت مراد نہیں ہوتے۔ قرآن مقدس کی بعض تفسیروں میں صرف بتوں کا ذکر اس لیے آتا ہے کہ جب قرآن نازل ہوا تھا تو مکہ کے لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے یا ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بھی لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔

لوگ بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہیں؟

یاد رکھیں! جو لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے یا آج کرتے ہیں وہ کوئی پاگل نہیں کہ پتھروں کی پوجا کریں، اپنے ہاتھوں سے دیوتا دیوی بنا کر اس کو خدا کا درجہ دیں ان کے دماغ میں بھی اصل کے اندر ان پتھروں کی عبادت نہیں، بلکہ ان کے ہاں تصور یہ ہے کہ یہ بت فلاں بزرگ کی شکل ہے، ورنہ وہ چھوٹے پتھروں کی پوجا نہ کرتے، بلکہ بڑے بڑے پہاڑوں کی پوجا کرتے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جب ہم ان کی پوجا کرتے ہیں تو اصل شکل والا ہم سے راضی ہوتا ہے۔ تو یہ شرک ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ماسوا جس کی عبادت کی جائے، اس کو مدد کے لیے پکارا جائے تو یہ بھی شرک ہے۔

اللہ سے محبت کا طریقہ:

ہم کیسے سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کیسے ہوگی؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے نہ ہماری ملاقات ہو سکتی ہے اور نہ بات ہو سکتی ہے اور نہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھ سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے اندر ہمارے لیے آسانی فرمادی کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اور اس بات کی اتباع کرنی ہے کہ میرے مدنی اپنے امت کے سامنے اللہ تعالیٰ کی محبت کا نمونہ پیش کریں گے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا طریقہ پیش کریں گے اور تم میرے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل مکمل اتباع کرو، جیسے میرا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھے تم نماز پڑھو، جیسے میرا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی تلاوت کرے تم بھی اسی طرح قرآن پاک کی تلاوت کرو، جیسے میرا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھے تم بھی اسی طرح روزہ رکھو، جیسا میرا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم حج کرے تم بھی اسی طرح حج کرو، جیسے میرا صلی اللہ علیہ وسلم مدنی زکوۃ کا حکم دے اسی طرح زکوۃ ادا کرو، جیسے میرا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم لباس

میں حکم دے وہی لباس اختیار کرو، جیسا میرا مدنی ﷺ حکم دے تو کامل مکمل ہر طرح کی اتباع کرو اور جب تم میرے مدنی ﷺ کے غلام بن جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنالیں گے۔

ولایت کے مرتبہ پر پہنچنے والے کی اصل پہچان:

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت نے ایک فیصلہ کر دیا اور اب اس میں کسی چوں چرا کی گنجائش نہیں ہے کہ ہر وہ شخص جو یہ دعویٰ کرے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اور وہ حضور پاک ﷺ کی سنت پر چلنے والا نہ ہو تو وہ جھوٹا ہے۔ اگرچہ کوئی لاکھ دعویٰ کرے کہ میں فلاں مقام پر پہنچا ہوا ہوں یا فلاں مرتبہ کو پہنچا ہوا ہوں اور وہ ہوا میں اڑ کر دکھادے، آگ میں چل کر دکھادے، پانی پر چل کر دکھادے اور سینکڑوں استدراجات اس میں ظاہر ہوجائیں، لیکن اس کے اقوال، افعال اور اعمال میرے مدنی سرکار ﷺ کے طریقے پر نہیں ہیں تو وہ دجال تو ہوسکتا ہے، جادوگر، کاہن تو ہوسکتا ہے لیکن وہ متبع محمد ﷺ یا اللہ سے محبت کرنے والا نہیں ہوسکتا۔ اور یہی وہ بنیاد ہے جس کو ہم بھول گئے ہیں اور جس کی وجہ سے آج پوری دنیا بھٹک رہی ہے کہ ہر آدمی نے اپنی نفسانی خواہشات اور عقل وآرا کے مطابق نئے نئے طریقے پیدا کر لیے ہیں اور یہ امت صراط مستقیم سے ہٹ گئی۔ حالانکہ ہماری کامیابی کی کسوٹی اتباع محمد مصطفیٰ ﷺ میں ہے۔

یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ یہ بڑا مولوی ہے یا یہ بڑا پیر ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ کے طریقے پر چل رہا ہے تو کامیاب ہے اور اگر حضور اکرم ﷺ کے طریقے سے ہٹ گیا ہے تو ناکام ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی اتباع کا حکم صرف نماز روزہ کے لیے نہیں، بلکہ ہماری پوری زندگی پر حاوی ہے۔ مثلاً: ہم توحید کا وہی عقیدہ رکھیں گے جو حضور اکرم ﷺ نے ہمیں سمجھایا ہے، ہم اپنی عقل سے کوئی توحید نہیں بنائیں گے۔ ورنہ بہت سارے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کر دیا ہے۔ معتزلہ کی جماعت گزری ہے اس میں بڑے بڑے علماء گزرے ہیں، لیکن توحید کے مسئلہ میں بھٹک گئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کر دیا کہ یہ ماننے سے توحید میں گڑبڑ ہوتی ہے کہ اللہ بھی سمیع ہے اور بندہ بھی سمیع ہے، اللہ بھی علیم ہے اور بندہ بھی علیم ہے۔ اگر یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں اور بندوں کے لیے بھی ہوں تو توحید باقی نہ رہی، لہٰذا ہم ان صفات کو نہیں مانتے۔

ایمان کی حفاظت کے کلمات:

تو ان سارے مسائل کے اندر اصل کامیابی یہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ کے طریقے پر آجاتے کہ آپ نے سمجھادیا

کہ میرے اللہ کی وہ صفات جو قرآن میں ہیں یا وہ صفات جو میں نے اپنی زبان مبارک سے بتائی ہیں وہ برحق ہیں، ان کے اندر اپنی طرف سے کوئی زیادتی بھی نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں کوئی کمی بھی نہ کریں، بلکہ یہ عقیدہ رکھیں کہ "نُؤْمِنُ بِذَالِكَ وَنُؤْمِنُ بِجَمِيْعِ صِفَاتِهٖ مَا أَثْبَتَهُ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَعَلٰى لِسَانِ رَسُوْلِهٖ ﷺ" اللہ! ہمارا تیری ذات پر بھی ایمان ہے اور تیری ان تمام صفات پر بھی ایمان ہے جو تونے اپنے قرآن میں بیان فرمائی ہیں یا جو تونے حضور اکرم ﷺ کی زبان سے ہمیں سمجھائی ہیں ان پر ہمارا ایمان ہے۔

دوسری بات یہ یاد رکھ لیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل ہے، اسی طرح اس کی صفات بھی بے مثال ہیں؛ کیونکہ جب موصوف بے مثل ہوگا تو صفت خود بخود بے مثل ہوگی۔

اس طرح ہم گمراہی سے بچ جاتے ہیں، ورنہ صرف ایمان کی تعریف کے اندر لاکھوں لوگ گمراہ ہوگئے اور ان فرق ضالہ میں داخل ہوگئے۔ آج مغرب کا پڑھا لکھا نوجوان مسلمانوں کو چیلنج کرتا ہے کہ چودہ سو سال ہوگئے، لیکن تمہارے ہاں تو ایمان کی تعریف مکمل نہیں ہوسکی ہے اور تم تو ابھی تک نماز میں بھی لڑ رہے ہو؟ ورنہ اسلام کامل مکمل ضابطہ حیات ہے، اس میں کوئی نقص نہیں ہے اور نہ نقص نکلا ہے اور نہ قیامت تک نقص نکلے گا، بلکہ جتنا علم بڑھ رہا ہے اسلام کے دعووں کی تصدیق ہو رہی ہے۔ اب دشمن کو بھی ماننا پڑا ہے کہ ہم نے کئی صدیوں کے بعد جو راز کھولے ہیں وہ قرآن پاک نے چودہ سو سال پہلے بتا دیئے تھے۔

ایک انگریز کے مسلمان ہونے کی وجہ:

زراعت کا ایک بہت بڑا انگریز افسر ہے، جس نے اس پر بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ وہ صرف اس ایک بات پر مسلمان ہوگیا کہ ہم جب جدید تحقیق میں پہنچے کہ دانوں کے اندر جو ترتیب ہوتی ہے اور جو مادہ ان کو جوڑتا ہے گچھا بناتا ہے اس کو کلوروفل کہتے ہیں۔ ایک دن مولوی صاحب قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ اس نے آیت کی تلاوت کی:

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ﴾ [الانعام:۹۹]

میں نے نہ سمجھا اور اس مولوی صاحب سے کہا: اس کا ترجمہ مجھے بتاؤ۔ تو اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ایک سبز مادہ ہوتا ہے جس سے ہم ان دانوں کو جوڑتے ہیں۔ تو مجھے اسی وقت سمجھ آ گئی کہ قرآن سچا ہے؛ کیونکہ چودہ سو سال پہلے تو کوئی ایگریکلچر یونیورسٹی نہیں تھی، کوئی زرعی فارم اور آلات نہیں تھے، لہٰذا لازمی بات ہے کہ نبی ﷺ کو یہ خبر خدا نے دی ہے اور نبی سچا ہے؛ کیونکہ ہم نے چودہ سو سال بعد اس مادے کو ڈھونڈا ہے اور قرآن پہلے سے بتا رہا ہے۔

کائنات میں تخلیق کا ایک راز:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنا دیئے ہیں۔ ہمارا اس پر ایمان ہے۔
جدید تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ جس طرح انسانوں کے جوڑے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پھولوں میں بھی جوڑے بنائے، جمادات میں بھی جوڑے بنائے اور سب اجناس کے جوڑے ہیں۔ اب آپ نے پھول کے پودے لگائے، ایک کو ایک کنارے پر لگایا اور دوسرے کو دوسرے کنارے پر لگایا، جیسا کہ آج کل مشہور ہے کہ رات کی رانی رات کو خوشبو دیتی ہے، اگر اس کے ساتھ دن کا راجہ لگا دیں تو وہ بہت خوشبو دے گی۔ بہر حال! جو میں نے نام سنے ہیں...... واللہ علم!...... لیکن لوگ اس طرح کہتے ہیں۔ تو جب ہم نے ایک بوٹی ادھر لگا دی اور دوسری بوٹی ادھر لگا دی اور ہم نے ان کا جوڑا توڑ دیا، جب یہ ملتا نہیں تو آگے کیسے پھلے گا؟ تو جدید تحقیق یہ ہے کہ جب ہوائیں چلتی ہیں تو اس کا بیج اٹھا کر ادھر ڈال دیتی ہیں اور ادھر والا بیج ادھر ڈال دیتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے چودہ سو سال پہلے یہ مسئلہ حل کر دیا۔ فرمایا: ﴿وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ﴾ [الحجر: ۲۲] (ہم نے ایسی ہوائیں بھیجی ہیں جو حمل ٹھہرانے والی ہیں)۔

ہواؤں کی اقسام:

آٹھ قسم کی ہوائیں ہیں: چار رحمت کی ہوتی ہیں اور چار عذاب کی ہوتی ہیں۔ اس لیے یاد رکھیں! اسلام مکمل ہے۔ باقی دشمنوں کے یہ اعتراضات کہ نماز پر اتفاق نہیں ہے، سنتوں پر جھگڑا ہے۔ اگر ہم تعصب کی عینک کو اتار کر دیکھیں تو یہ جھگڑے نہیں، بلکہ رحمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے ہر عمل کو قیامت تک کے لیے زندہ رکھا ہے۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب تم حضور اکرم ﷺ کی اتباع کرو گے تو تمہیں وہ نعمت تو ملے گی ہی جو تم چاہ رہے ہو، ساتھ ہی اس سے بھی بڑی نعمت ملے گی۔ کیونکہ تم چاہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو محبوب بنائیں، لیکن حضور

اکرم ﷺ کی غلامی سے اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنالیں گے۔

ایک تفسیری نکتہ:

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض بڑے بڑے علماء نے فرمایا: یہ تو کوئی مقام نہیں کہ تم کسی سے محبت کرو، بلکہ اصل بڑا مقام یہ ہے کہ وہ تم سے محبت کرے۔ علماء کرام نے فرمایا: قرآن پاک میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان کو بیان کیا کہ جب اپنے جھولے میں تھے، دودھ پینے کی عمر میں تھے اس وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کلام کیا: ﴿قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا﴾ [مریم:۳۰] (کہا: میں بندہ ہوں اللہ کا، مجھ کو اس نے کتاب دی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا)۔

علماء نے فرمایا کہ ان کے مقابلے پر میرے مدنی ﷺ کی شان دیکھیں کہ اللہ خود فرماتے ہیں: ﴿وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ﴾ [الجن:۱۹] (اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کرنے کے لیے کھڑا ہوا)۔ یعنی اللہ نے فرمایا کہ محمد (ﷺ) میرے بندے ہیں، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود کہہ رہے ہیں کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک آدمی کہے کہ میں بادشاہ کا ملازم ہوں تو آپ سمجھیں گے کہ واقعی! اس کی بڑی شان ہے، لیکن اس بندے کی کتنی شان ہے کہ جس کے بارے میں بادشاہ کہے کہ یہ میرا ملازم ہے۔ تو دونوں میں بڑا فرق ہے۔

اس لیے علماء نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک نے فرمایا: ﴿وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا﴾ [مریم:۳۳] (اور اللہ کی طرف سے سلامتی ہے مجھ پر اس دن بھی جب میں پیدا ہوا، اور اس دن بھی جس دن میں مروں گا، اور اس دن بھی جب مجھے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا)۔

اور ایک نبی وہ ہیں جن کے بارے میں خود اللہ نے فرمایا: ﴿وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا﴾ [مریم:۱۵] (اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہے ان پر اس دن بھی جس روز وہ پیدا ہوئے، اس دن بھی جس روز انہیں موت آئے گی، اور اس دن بھی جس روز انہیں زندہ کر کے دوبارہ اٹھایا جائے گا)۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا: دعا فرمائیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ بھی تو نبی ہیں اور آپ پر خود اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا ہے۔

یاد رکھیں! یہ مقام حضور اکرم ﷺ کی اتباع سے ملے گا اور اللہ تعالیٰ نے اسی مقام پر صحابہ کو کھڑا کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میرے صحابہ کا دامن پکڑ لیا اس نے گویا میرا دامن پکڑ لیا اور جو میرے صحابہ کی سنت پر چلا گویا کہ وہ میری سنت پر چلا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ سارا مقام حضور اکرم ﷺ کی غلامی سے ملا ہے۔ آج بھی اگر کوئی مراتب ولایت پر پہنچ سکتا ہے اور ''عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ'' میں شمار ہو سکتا ہے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ اتباع رسول اللہ ﷺ ہے۔

اللہ کی محبت کا امتحان:

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور بعض سلف سے منقول ہے کہ بعض لوگوں نے دعویٰ کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے امتحان کے لیے یہ آیت نازل کر دی کہ تم اتباع کر کے دکھاؤ تو تم اپنے دعویٰ کے اندر سچے ہو، ورنہ فقط زبان سے دعویٰ کرنا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اس لیے علماء نے لکھا کہ جو آدمی دعویٰ کرے کہ مجھے حضور اکرم ﷺ سے محبت ہے اور پھر حضور اکرم ﷺ کی سنت کا مخالف ہو تو اس سے بڑا جھوٹا دنیا میں کوئی نہیں کہ دعویٰ حضور پاک ﷺ کی محبت کا ہو اور بدعات والے عمل کرے۔

(حدیث) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: ''وَهَلِ الدِّیْنُ إِلَّا الْحُبُّ فِي اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰہِ'' (دین کیا ہے؟ دین اس چیز کا نام ہے کہ تم کسی سے محبت کرو تو اللہ تعالیٰ کے لیے کرو اور کسی کے ساتھ بغض کرو تو اللہ تعالیٰ کے لیے کرو)۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس آدمی نے کسی کو اللہ کے لیے ہدیہ دیا، اللہ کے لیے محبت کی، کسی سے بغض اللہ کے لیے رکھا اور اللہ کے لیے کسی سے ہاتھ روکا تو سمجھ لو کہ اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔

[ابوداود، رقم: ۴۶۸۱]

''اَلْحُبُّ فِي اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰہِ'' کی مثال:

تاریخ کے اندر واقعہ آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک بہت بڑے دشمن کے ساتھ لڑائی لڑ رہے تھے۔ آپ دشمن کو گرا کر اس کے سینے پر بیٹھ گئے تو اس دشمن نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھوک دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فوراً نیچے اتر گئے۔ اس دشمن نے کہا: عجیب بات ہے کہ آپ نے مجھے گرایا ہوا تھا اور میں نے آپ کے چہرے پر تھوک دیا تھا تو آپ

[حلیۃ الاولیاء، تفسیر ابن کثیر]

مجھے مارتے، لیکن آپ نے مجھے چھوڑ دیا؟ فرمایا: پہلے میں نے تجھے اللہ کے لیے گرایا تھا، جب تم نے میرے چہرے پر تھوک پھینکا تو مجھے غصہ آگیا کہ اس نے میری توہین کی ہے۔ اب اگر میں تجھے مارتا تو اپنے غصے کے لیے مارتا، اللہ کے لیے نہ مارتا، اس لیے تجھے چھوڑ دیا۔ یہ ہے ''اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ'' کہ کسی سے محبت کرو تو خالص اللہ کے لیے کرو اور اگر کسی سے بغض ہے تو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ آج یہ باتیں ختم ہوگئی ہیں اور ہر آدمی کو پارٹی کی فکر ہے، اگرچہ قیادت کافر ہو۔ اس وجہ سے آج دنیا کا نظام درہم برہم ہو چکا ہے۔ آج ہماری محبت بھی دنیاوی فائدے کے لیے ہے اور بغض بھی دنیاوی فائدے کے لیے ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۭ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُھَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝﴾ [آل عمران: ۳۳تا۳۶]

''اللہ نے آدم، نوح اور ابراہیم علیہم السلام کے خاندان، اور عمران علیہ السلام کے خاندان کو چن کر تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی۔ یہ ایسی نسل تھی جس کے افراد (نیکی اور اخلاص میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔ اور اللہ (ہر ایک کی بات) سننے والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ (چنانچہ اللہ کے دعا سننے کا وہ واقعہ یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا تھا: یارب! میں نے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں اسے ہر کام سے آزاد کر کے تیرے لیے وقف رکھوں گی۔ میری اس نذر کو قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ پھر جب ان سے لڑکی پیدا ہوئی تو وہ (حسرت سے) کہنے لگیں: یارب! یہ تو مجھ سے لڑکی پیدا ہوگئی ہے۔ حالانکہ اللہ کو خوب علم تھا کہ ان کے یہاں کیا پیدا ہوا ہے۔ اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا، میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے حفاظت کے لیے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔''

ان آیات کے اندر اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسل علیہم السلام کے بارے میں اجمالی اور بعض تفصیلی واقعات ذکر فرمائے ہیں۔ اس میں ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ یہ فیصلہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد کا نہیں ہے، بلکہ سنت اللہ ہے کہ حضرت

آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک جو میرے پیغمبروں کی اطاعت کریں گے وہ میرے محبوب بنیں گے اور جو میری اور میرے نبیوں کی فرمانبرداری نہیں کریں گے اور اعراض کریں گے تو وہ کافر ہوں گے۔

اللہ کے حکم کا منکر کافر ہو جاتا ہے:

﴿إِنَّ اللهَ اصْطَفَى اٰدَمَ﴾ (اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو چن لیا)۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اتنی عظمت دی کہ اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا، انہیں مسجودِ ملائکہ بنایا، اللہ تعالیٰ نے سب فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا اور جس نے سجدہ نہیں کیا اس کو شیطان مردود بنا دیا۔ اس کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم نہ مانا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا۔

علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس سے ہمیں اندازہ کرنا چاہیے کہ وہ جو عبادت میں اتنے اونچے درجے پر پہنچا ہوا تھا اور ملائکہ کے ساتھ آسمانوں میں رہتا تھا، لیکن اس نے اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کا انکار کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدے کا انکار کر دیا اس کو اتنی بڑی سزا ملی کہ وہ قیامت تک ملعون ومردود بن گیا اور اگر ہم اللہ تعالیٰ کے حکم پر اللہ تعالیٰ کے سجدے کا انکار کریں تو ہمارا کیا حشر ہوگا؟

﴿إِنَّ اللهَ اصْطَفَى اٰدَمَ وَنُوْحًا﴾ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر آیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے رسول اور نبی حضرت نوح علیہ السلام کو بنا کر بھیجا گیا۔ یعنی شریعت کی ابتداء حضرت نوح علیہ السلام سے ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اتنی طویل عمر عطا فرمائی کہ ساڑھے نو سو سال دعوت وتبلیغ کی مدت ہے، چالیس سال کے بعد نبوت ملی، ساڑھے نو سو سال تک دعوت دی، قوم نے انحراف کیا تو ان کے خلاف بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے پوری قوم کو غرق کر دیا۔ اس کے بعد بھی حضرت نوح علیہ السلام پچاس یا ساٹھ سال زندہ رہے، لہٰذا آپ کی عمر تقریباً ایک ہزار پچاس سال ہے۔

آگے ارشاد فرمایا: ﴿وَاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ [آل عمران: ۳۳] حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آلِ ابراہیم کا ذکر کیا؛ کیونکہ آپ کی ذریت میں اللہ تعالیٰ نے نبوت رکھی جو آپ کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے ہزاروں انبیاء بھیجے وہ سب آلِ ابراہیم میں سے ہیں۔ اسی طرح

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر علیہ السلام کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں بھیجا، حضور اکرم ﷺ ولد اسماعیل ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ تو آلِ ابراہیم میں سارے انبیاء بنی اسرائیل بھی اجمالی طور پر آگئے اور میرے مدنی سرکار ﷺ کا ذکر بھی آگیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آل عمران کا ذکر فرمایا۔ اگر آپ غور کریں تو تقریباً تمام انبیاء علیہم السلام کا اجمالاً ذکر اس میں آگیا؛ کیونکہ سب کے ابا حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ'' [میں بھی آدم علیہ السلام کا بیٹا ہوں، لیکن] آدم علیہ السلام کی سب اولاد کا مجھے سردار بنایا گیا ہے)۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا سلسلہ چلا۔ اس لیے جہاں حضرت نوح علیہ السلام کو اوّل رسول کا لقب ملتا ہے وہاں ان کو آدم ثانی کا بھی لقب ملتا ہے۔ آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹے دیے: حام، سام اور یافث۔ اور پھر ان سے ہی آگے نسل چلی۔

آلِ عمران کا مصداق:

آیت کریمہ میں آلِ عمران کے اندر عمران سے مراد کون ہیں؟ کتب سابقہ کے اعتبار سے عمران دو ہیں: ایک تو عمران بن یاشم ہیں۔ یہ وہ عمران ہیں جن سے بی بی مریم پیدا ہوئیں اور بی بی مریم علیہا السلام سے اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اور ایک عمران گزرے ہیں ان کا نام عمران بن قاہث ہے۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے والد ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام عمر میں بڑے ہیں اور مرتبے میں چھوٹے ہیں۔ اس جگہ آلِ عمران سے مراد وہ ہیں جن کا تعلق بی بی مریم علیہا السلام کے ساتھ ہے؛ کیونکہ اگلی آیات میں بی بی مریم علیہا السلام کا ذکر ہے اور پچھلی آیات میں نصرانیوں کا رد ہے۔ لہٰذا سیاق وسباق کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں عمران سے مراد عمران بن یاشم ہیں۔

''اِصۡطَفٰی'' کا معنی وتفسیر:

﴿اِصۡطَفٰی﴾ کا معنی ہے چن لیا۔ جب آدمی کسی چیز کو چنتا ہے، مثلاً: آپ نے کوئی لباس چن لیا یا مکان چن لیا، لیکن انسانوں کے چننے میں اور اللہ تعالیٰ کے چننے میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔ انسان کے چناؤ میں کوئی نہ کوئی غلطی ہو سکتی ہے۔ آپ نے ایک آدمی کے بارے میں سمجھا تھا کہ یہ آدمی بہت اچھا ہے، عالم ہے، ایمان والا ہے، دین والا ہے، لیکن کوئی نہ کوئی غلطی نکل آئی۔ انسان چونکہ ناقص العلم ہے، اس کے چننے میں اور اللہ تعالیٰ کے چننے

میں آسمان وزمیں کا بڑا فرق ہے۔

قادیانیوں کے ایک شبہ کا جواب:

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو خاتم النبیین کا لقب عطا فرمایا۔ بعض بدبخت لوگوں کے ذہن میں یہ ڈالتے ہیں کہ مولویوں نے فلاں عالم کا لقب خاتم المفسرین لکھا ہے اور فلاں عالم کا لقب خاتم المحدثین لکھا ہے۔ تو اس کا کیا مطلب ہے کہ اس کے بعد مفسر نہیں اور اس محدث کے بعد محدث نہیں آئے گا؟ حالانکہ مفسر اور محدث ان کے بعد بھی آتے ہیں، لہٰذا یہ تو ایک عظمت اور شان ہوتی ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو خاتم النبیین فرمایا ہے۔ تو اب عام آدمی ان کی ان چالبازیوں کو نہیں سمجھ سکتا اور وہ بے چارہ گھبرا جاتا ہے، حالانکہ دونوں میں آسمان وزمیں کا فرق ہے کہ ایک کو ہم نے خاتم المحدثین، خاتم المفسرین کہا ہے اور ادھر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو خاتم النبیین فرمایا ہے۔ تو ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے کہنے میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تو علم میں ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

آسمانی مذاہب کو ماننے والے انبیاء علیہم السلام کو بھی مانتے ہیں:

صرف ان انبیاء علیہم السلام کا ذکر اس لیے آیا، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو سب مانتے ہیں، مسلمان بھی مانتے ہیں اور سوائے منکرین خدا کے اور لوگ جو ایمان نہیں لے آئے وہ بھی مانتے ہیں۔ اسی طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی عظیم شخصیت ہیں کہ ان کو بھی سب مانتے ہیں، مکہ کے مشرک اور کافر بھی دعویٰ کرتے تھے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں اور ہم ان کے بنائے ہوئے کعبہ کے مجاور ہیں۔ یہودی بھی دعویٰ کرتے تھے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں اور ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں اور نصرانیوں کا دعویٰ تھا کہ ہم بھی دینِ ابراہیمی پر ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَٰنَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾﴾

[آل عمران: ۳۵،۳۶]

حضرت عمران کی بیوی حنہ کی منت کا واقعہ:

حضرت عمران کی اہلیہ کا نام حنہ بنت فاقوذ تھا، ان کی اولاد نہیں ہوتی تھی، وہ پریشان تھیں۔ ایک دن دیکھا کہ درخت کے اوپر ایک پرندہ بیٹھا ہے اور وہ اپنی چونچ سے اپنے بچے کو غذا کھلا رہا ہے۔ بی بی رو پڑیں اور کہنے لگیں کہ اے میرے مولا! ایک پرندہ بھی اپنے بچوں کے ساتھ خوشیاں منا رہا ہے، میں بھی تو تیری بندی ہوں، میرے دل میں بھی ایک تمنا ہے۔ مہربانی کر اور مجھے اولاد عطا فرما۔ اور میں تیری منت مانتی ہوں کہ جب تو مجھے لڑکا دے گا تو (میں اس کو تاجر یا بزنس مین نہیں بناؤں گی) میں اس کو تیرے گھر بیت المقدس کے لیے وقف کر دوں گی۔

اس سے ایک مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی منت ماننا جائز ہے کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو یہ کروں گا۔ ایسی منت ماننا جائز ہے، ضروری نہیں ہے۔ اگر منت مانی جائے اور وہ کسی خیر کے کام کی ہو تو اس کو پورا کرنا واجب ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: منت نہ ہی کسی چیز کو مقدم کر سکتی ہے اور نہ ہی موخر کر سکتی ہے، منت کے ذریعے تو بخیل سے مال نکالا جاتا ہے۔ [صحیح بخاری، رقم: ۲۶۹۲]

لوگ منت مان کر اپنے ذمہ خود چیزیں لگا لیتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے وہ ان کے ذمہ نہیں لگائی۔

اولیاء کی شان میں مبالغہ آرائی:

﴿رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ اتنی شان والی بی بی ہے، لیکن ان کو پتا نہیں کہ میرے پیٹ میں کیا ہے؟ اور ہمارے ہاں تو یہ عقیدے بنے ہوئے ہیں کہ کوئی نطفہ ماں کے پیٹ میں قرار نہیں پکڑتا، مگر ہمارا پیر اس کو جانتا ہے۔

﴿اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾﴾ [ال عمران: ۳۵] (اے اللہ! بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے)۔ یعنی میں دل سے نیت کرتی ہوں۔

﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ﴾ (جب بچی پیدا ہوئی تو عرض کیا: میرے مولا! تیری شان ہے کہ تو نے مجھے بچہ نہیں، بلکہ بچی دی ہے)۔ ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ﴾ (حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتے تھے)۔

لیکن بی بی اپنی بات کہہ رہی تھیں کہ میں نے منت مانی تھی کہ تو لڑکا دے گا تو تیرے گھر کا خادم بناؤں گی۔ خادم تو لڑکوں کو بنایا جاتا ہے، لڑکیوں کو تو نہیں بنایا جاتا۔ ﴿وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی ۚ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم

نے جوان کو لڑکی دی تھی اس کے مقابلے میں لڑکا تو اس جیسا نہیں ہو سکتا تھا۔

مریم کا معنی:

﴿وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ﴾ مریم کا معنی ہے عبادت کرنے والی، عابدہ، زاہدہ۔ یہ ایک تفاؤل ہوتا ہے کہ بندہ اچھے نام رکھے، لیکن آج کل تو یہ روایت بھی بدل گئی ہے اور مسلمان لوگ بھی ماڈرن قسم کے نام رکھتے ہیں۔ کوئی روزی رکھتا ہے تو کوئی فوزی رکھتا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کے دعائیہ کلمات:

﴿وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝﴾

''اے میرے اللہ! میں اس بی بی کو بھی اور آگے اس کی اولاد کو بھی تیری پناہ میں دیتی ہوں، انہیں شیطان کے حملے سے بچانا۔''

میرے اللہ! میری بیٹی کی عزت کی حفاظت کرنا، آگے جو اس کی نسل بنائے اس کی بھی حفاظت فرما۔ پہلے والی مائیں یہ دعا کیا کرتی تھیں اور اب مائیں جو دعائیں دیتی ہیں وہ تمہیں بھی پتا ہے اور مجھے بھی پتا ہے۔

حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ إِلَّا وَالشَّيْطَانُ يَمَسُّهُ حِيْنَ يُوْلَدُ، فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ إِيَّاهُ، إِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا)) [صحیح بخاری، رقم: ۴۵۴۸]

''جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ہر بچے کو شیطان مس کرتا ہے (چھیڑتا ہے) اور بچے روتے ہیں، چیختے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عمران کی بیوی کی ایسی دعا قبول کی کہ اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم رضی اللہ عنہا کو اور پھر بی بی مریم کی اولاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شیطان کے مس سے بھی محفوظ رکھا۔ حالانکہ ہر بچے کو شیطان مس کرتا ہے۔''

یاد رکھیں! یہ جزوی فضیلت ہے، جو کلی فضیلت کے منافی نہیں ہے۔

لڑکی یا لڑکا جننے میں عورت کا کوئی دخل نہیں:

ان آیات مبارکہ سے علماء نے مسئلہ نکالا ہے کہ جس عورت سے پہلے لڑکی پیدا ہو تو وہ ماں بھی اور بیٹی بھی مبارک ہوتی



ہے، اس کو برانہ سمجھیں۔ یہ تو کافروں کی رسم تھی کہ جب بچیاں پیدا ہوتی تھیں تو وہ غم کرتے تھے، اداس ہوتے تھے، منہ چھپاتے تھے اور چھپ چھپ کر رہتے تھے۔ لڑکا یا لڑکی دینا اللہ کا کام ہے۔ آج بھی مسلمانوں کے اندر بعض ایسے جاہل ہیں جو اپنی بیویوں سے لڑتے ہیں کہ ہر دفعہ لڑکی پیدا ہوتی ہے۔ اب اگر لڑکی پیدا ہوئی تو میں تجھے طلاق دے دوں گا۔ حالانکہ لڑکا، لڑکی کا ہونا اس میں عورت کا کوئی دخل نہیں، بلکہ لڑکے یا لڑکی کا جرثومہ مرد کے اندر ہوتا ہے، عورت کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہوتا۔

عرب میں ایک بہت بڑی ادیبہ خاتون گزری ہیں، ان کے ہاں جب لڑکی پیدا ہوئی تو ان کا خاوند غصے میں آ گیا اور اپنی بچی کو دیکھنے کے لیے بھی نہ آیا۔ اس کی سہیلی ملنے کے لیے آئی اور کہا: تیرا خاوند ملنے کے لیے نہیں آیا؟ اس نے کہا: میری بچی پیدا ہوئی ہے، اس وجہ سے میرا خاوند ناراض ہے، حالانکہ وہ اتنا احمق ہے کہ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ زمین کا کیا قصور ہے؟ جو بیج ڈالو گے وہی آئے گا۔

لہٰذا یہ لوگوں کی بہت بڑی جہالت ہے کہ اس عورت سے لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ یہ تو اللہ کا نظام ہے، وہ چاہے لڑکا دے، یا لڑکی دے، یا جوڑے دے، یا بانجھ کرے۔ وہ چاہے تو دینے کے بعد اولاد کو بھی نافرمان کر دے اور اگر چاہے تو فرماں بردار کر دے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا نظام ہے۔ اس میں بندے کا کام ہے: ''اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا'' کہ یا اللہ! تیرا نظام ہے، اس پر ہمارا ایمان ہے۔

بچے کا نام کب رکھا جائے؟

بی بی مریم ؑ کی والدہ نے کہا: ﴿وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ﴾ یا اللہ! میں اس نے بچی کا نام مریم رکھا ہے۔

مفسر ابن کثیر ؒ نے لکھا ہے: علماء فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اپنے بچے یا بچی کا نام اس دن رکھے جس دن وہ پیدا ہوا تو جائز ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ سات دن کے بعد نام رکھے۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: آج مجھے اللہ تعالیٰ نے بچہ عطا فرمایا ہے اور میں نے اپنے بیٹے کا نام اپنے ابا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا ہے۔ [بخاری، رقم: ۱۳۰۳]

اس سے علماء نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ اپنے باپ، دادا اور بزرگوں کے نام پر اگر کوئی اپنی اولاد کے نام رکھے یہ بھی اچھی بات ہے کہ اس طرح ان کا سلسلۂ ذکر جاری رہے گا۔ کیونکہ باپ دادا کے مرنے کے بعد جب

بچے کا نام لیں گے تو ان کو وہ باپ دادا بھی یاد آئیں گے۔

بچے کی پیدائش پر سنت طریقہ کار:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بھائی پیدا ہوا تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحنیک فرمائی اور آپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ [بخاری، رقم: ۵۴۷۰]

"تحنيك" یہ بھی سنت ہے کہ آدمی کے ہاں جب بچہ پیدا ہو تو کسی بزرگ، کسی عالم اور کسی صالح آدمی سے اس کی تحنیک کروائیں۔ اور اسی طرح جب بچہ پیدا ہو تو اس کے ایک کان میں اذان کہی جائے اور دوسرے کان میں اقامت کہی جائے، تاکہ بچے کو پتا چل جائے ہم نے دنیا میں اتنی دیر رہنا ہے۔ اور تیسری چیز عقیقہ ہے کہ اگر لڑکا ہے تو ساتویں دن دو بکرے یا دو دنبے اور اگر لڑکی ہے تو ایک دنبہ یا ایک بکرا ذبح کر کے خیرات کر دی جائے۔ اور بچہ یا بچی کے سر پر استرا پھروا کر اس کے بال اتار کر وزن کر لیں، اس کے بقدر چاندی خیرات کر دیں۔ یہ چیزیں بھی سنت ہیں، جو ابتداء میں کی جاتی ہیں۔

(حدیث) صحیح بخاری میں ہے: ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے آج بچہ دیا ہے، میں اس کا کیا نام تجویز کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا نام عبدالرحمٰن رکھو۔ [بخاری، رقم: ٦١٨٦]

اور ایک روایت میں ہے کہ جب اس کا باپ اسے لے آیا، تاکہ اپنے بیٹے کو تحنیک کرائے تو بات بھول گئی۔ ان کو کہا گیا اور ان کی منزل کی طرف بھیجا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا نام منذر رکھو۔ [بخاری، رقم: ٦١٩١]

بچہ کا عقیقہ بھی کرانا چاہیے:

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ رہن رکھا ہوا ہے اپنے عقیقہ کی۔ یعنی اس کا عقیقہ کر کے اس کو چھڑاؤ اور اس کا نام بھی رکھا جائے اور اس کے سر پر استرا بھی پھیرا جائے اور اس کے سر پر خون لگایا جائے۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اس کا ختنہ بھی کر دیا جائے۔

[ابوداؤد، رقم: ۲۸۳۸]

بچے کا ختنہ جلدی کیا جائے۔ اس میں ماں باپ کے لیے بھی آرام ہے اور بچے کے لیے بھی سہولت ہے؛ کیونکہ

بچہ جب بڑا ہوگا تو زیادہ حرکت کرے گا اور اس سے اس کو تکلیف بھی زیادہ ہوگی۔

بچہ کی شیطان سے حفاظت:

﴿وَإِنِّىٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَٰنِ الرَّجِيمِ ۝﴾ [آل عمران:٣٦]

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا بی بی مریم کے پیدا ہونے کے بعد مانگی گئی؛ کیونکہ پہلے ذکر ہوا کہ اس کا نام مریم رکھتی ہوں، لیکن احادیث مبارکہ کی روشنی میں جو بات سمجھ آئی ہے وہ یہ ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے شیطان اس کو مس کرتا ہے، مگر بی بی مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے اس مس سے محفوظ رکھا، لہٰذا اگر بی بی صاحبہ نے حضرت مریم علیہا السلام کے پیدا ہونے کے بعد دعا کی تھی تو اس کا فائدہ حاصل نہیں ہوگا؛ کیونکہ فائدہ تب ہے کہ ولادت کے فوراً بعد شیطان کے مس سے محفوظ ہو۔

اس لیے علماء نے فرمایا: ہے کہ قرآن پاک میں دعا کا ذکر موخر ہے، لیکن حقیقتاً یہ دعا مقدم ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان ایک دفعہ یا دو دفعہ اس کو چھیڑتا ہے تو بچہ چیختا ہے اور روتا ہے، مگر بی بی مریم اور ان کے بیٹے کو شیطان نے نہیں چھیڑا۔[1]

علماء نے لکھا ہے: ہمارا سب سے خطرناک دشمن شیطان ہے؛ کیونکہ اگر آپ کو دشمن نظر آجائے تو آپ بھی مقابلہ کریں گے۔ اگر مقابلہ نہ کرسکیں تو بھاگ جائیں گے، لیکن جو دشمن نظر نہ آئے وہ بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ تو شیطان ہمارا ایسا دشمن ہے جو ہمیں نظر نہیں آتا۔ قرآن وحدیث میں موجود ہے: ﴿إِنَّهُۥ يَرَىٰكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُۥ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾ [الاعراف:٢٧] وہ (شیطان) اور اس کی اولاد تمہیں وہاں سے دیکھتے ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔

ہر بندے کے ساتھ ایک شیطان لگا ہوا ہے، لیکن ہمیں نظر نہیں آتا۔ ہاں! اگر شیطان اپنی شکل بدل لے تو پھر نظر آتا ہے۔ مثلاً: کبھی انسان کی شکل میں آگیا، کبھی بکری بن گیا، کبھی چوہا بن گیا، کبھی بلی بن گیا اور کبھی سانپ بن گیا۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ غزوۂ بدر کے موقع پر شیطان نجدی سردار کی شکل میں ابوجہل کو ملا تھا۔

مختلف مواقع میں شیطان کے حملے سے بچنے کی دعائیں:

1...... شیطان ہمیں نظر نہیں آتا، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب تم حمام میں جاؤ تو کپڑے



[1] [صحیح بخاری، رقم:٤٥٤٨]

اتارنے سے پہلے اور داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھو:((اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ))[1] اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجاؤ، ورنہ شیطان کھیلتا رہتا ہے۔ گو وہ ہمیں نظر نہیں آئے گا، لیکن جب یہ دعا پڑھ لی تو شیطان اندر نہیں آسکتا۔ اور اگر حمام میں داخل ہو گئے تو کپڑا اتارنے سے پہلے بھی یہ دعا پڑھ سکتے ہیں، لیکن دل میں پڑھیں۔

2 ......اسی طرح حضور پاک ﷺ نے فرمایا: انسان جب اپنی بیوی کے ساتھ لیٹتا ہے تو کپڑے اتارنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لے:((اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا))[2] (اے اللہ! ہم دونوں کو شیطان کے حملہ سے بچا اور جو ہمیں اولاد دے اس کو بھی شیطان کے حملے سے محفوظ فرما)۔

اگر میاں بیوی یہ دعا پڑھ لیں تو اولاد صالح پیدا ہوتی ہے، ورنہ شیطان کا حصہ بھی ضرور ہوتا ہے۔ کیونکہ شیطان باقاعدہ اس عمل میں بھی شرکت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کو حرام میں لذت ملتی ہے اور حلال میں لذت نہیں ملتی؛ کیونکہ وہاں شیطان عمل جماع میں شرکت کرتا ہے۔ لیکن آج کل یہ دعا کون پڑھتا ہے؟ جو وی سی آر دیکھ کر بیوی کے ساتھ لیٹے وہ کہاں سے دعا پڑھے گا؟ جو خود شیطان بنے ہوئے ہیں، بلکہ شیطان ہاتھ باندھ کر بھاگ جاتا ہوگا کہ آپ تو میرے بھی استاذ ہیں اور میں آپ کے شاگردوں کے برابر بھی نہیں ہوں۔

بہر حال! جب دشمن نظر نہیں آتا ہے تو اس سے کیسے بچا جائے؟ تو علماء نے فرمایا کہ تم اس ذات کی پناہ پکڑ لو جسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اس لیے سکھایا گیا: ''أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' یا اللہ! ہم تیرے نام سے پناہ پکڑتے ہیں۔ جب تم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجاؤ گے تو شیطان کے حملے سے بچ جاؤ گے، ورنہ کوئی بندہ شیطان کے حملے سے نہیں بچ سکتا۔

ایک عالم کی احتیاط کا واقعہ:

ایک محدث گزرے ہیں، ان کی عمر تقریباً اسی سال سے زیادہ ہوگئی۔ جب کوئی عورت مسئلہ پوچھنے کے لیے آتی تو انہوں نے اپنے شاگردوں کو پابند کیا ہوا تھا کہ کوئی عورت بغیر پردے کے اندر نہ آئے اور جب کوئی عورت مسئلہ پوچھنے کے لیے اندر آئے تو دو طالب علم میرے ساتھ بیٹھے رہیں۔ ایک دن ایک طالب علم نے کہہ دیا کہ حضرت! آپ لکڑی کے سہارے اٹھتے ہیں، چل نہیں سکتے تو اس عمر میں عورت سے کیا ڈرتے ہیں؟ فرمانے لگے: ٹھیک ہے، میں بوڑھا ہو گیا ہوں



[1] [سنن ابن ماجہ، رقم:۲۹۶]

[2] [صحیح بخاری، رقم:۱۴۱ راوی ابن عباسؓ]

اور عمر کے اس حصے میں ہوں کہ مجھے کوئی خواہش نہیں ہے، لیکن شیطان دشمن ہے، کوئی حرکت نہ کرادے اور میری آخرت خراب ہو جائے۔ اس لیے بہتر ہے کہ میں پہلے احتیاط کراوں، تا کہ گناہ کا موقع ہی نہ ملے۔

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾

[آل عمران: ۳۷]

''چنانچہ اس کے رب نے اس (مریم) کو بطریق احسن قبول کیا اور اسے بہترین طریقے سے پروان چڑھایا۔ اور زکریا اس کے سرپرست بنے۔ جب بھی زکریا ان کے پاس ان کی عبادت گاہ میں جاتے، ان کے پاس کوئی رزق پاتے۔ انہوں نے پوچھا: مریم! تمہارے پاس یہ چیزیں کہاں سے آئیں؟ وہ بولیں: اللہ کے پاس (جنت) سے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔''

عورت کا نام لینا اچھا نہیں:

ان آیات میں مقصود عیسائیت کا رد ہے، جو محبت میں ایسے گمراہ ہوئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے بیٹا بنایا اور پھر خدا بنا دیا۔ آپ سارے قرآن میں نظر ڈال لیں! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہیں عورت کا نام نہیں لیا، چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا فرمایا تھا اور ان کی نسبت بی بی مریم علیہا السلام کی طرف ہونی تھی اس لیے ان کا نام لیا گیا، ورنہ شریعت کے اندر قاعدہ ہے کہ باپ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

قیامت میں بھی آدمی کو باپ کے نام سے پکارا جائے گا:

بعض جاہلوں نے ایک پروپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ دنیا میں تو والد کے نام سے پکارا جائے گا، لیکن قیامت میں لوگوں کو ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا، تا کہ بی بی مریم علیہا السلام کو کوئی طعن محسوس نہ ہو، جبکہ دراصل یہ یہودیت کی سازش ہے، اس کا اسلام یا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ کیونکہ یہودی بی بی مریم علیہا السلام کو پاک نہیں سمجھتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے نہیں مانتے۔ ان کے عقیدۂ باطلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار کا بیٹا ہے...... نعوذ باللہ...... حضرت مریم علیہا السلام کے اس کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے، اس سے یہ بیٹا پیدا ہوا۔ بی بی نے اپنے اس گناہ پر پردہ ڈالنے کے لیے ڈرامہ رچایا۔ اس لیے یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی پر چڑھانے کی کوشش کی تو

یہ ان کی پھیلائی ہوئی بات ہے کہ قیامت میں ماں کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا۔ جبکہ قرآن پاک میں حکم ہے:

﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ﴾ [الاحزاب:۵]

''ہر آدمی کو اس کے باپ کے نام کے ساتھ پکاریں۔''

عورت پردے کا ہی نام ہے:

نسب باپ سے چلتا ہے، ماں سے نہیں چلتا۔ لیکن چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا فرمایا، اس لیے ان کی نسبت ماں کی طرف کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بھی ان کو عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام فرمایا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ عورت کا نام نہیں لیتے۔ اس سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ جیسے عورت کے بدن کے لیے پردہ ہے اور جیسے عورت کی آواز کے لیے پردہ ہے ایسے عورت کے نام کو بھی پردے میں رکھا جائے۔ اس لیے عورت اذان نہیں دے سکتی، عورت تکبیر نہیں کہہ سکتی، عورت جمعہ نہیں پڑھ سکتی، جمعہ میں اس کا حاضر ہونا ضروری قرار نہیں دیا گیا، عیدین میں آنا بھی ضروری نہیں اور عورت بغیر محرم کے حج پر بھی نہیں آسکتی۔

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ﴾ تیرے رب نے قبول کرلیا کہ بی بی تیری نیت خالص ہے، تیری منت خالص ہے۔ ہم لڑکی بھی قبول کرتے ہیں۔

﴿وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم علیہا السلام کو بہتر طریقہ سے بڑھایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جمال بھی دیا، کمال بھی دیا، عصمت وعزت بھی دی۔

﴿وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ﴾ [آل عمران:۳۷] ظاہری سبب یہ کیا کہ بی بی مریم علیہا السلام کی کفالت کا ذریعہ حضرت زکریا علیہ السلام کو بنایا جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت میں قرعہ اندازی:

مفسرین کرام نے سابقہ کتب سے واقعہ نقل کیا ہے کہ جب بی بی مریم علیہا السلام سیانی ہوگئیں تو ان کی والدہ ان کو بیت المقدس میں لے آئیں۔ وہاں جو منتظمین تھے ان سے کہا: میری منت تھی، اس کے مطابق میری بچی حاضر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ لڑکی ہے، ٹھیک ہے، اس کو قبول کرتے ہیں، ورنہ وہ لڑکی قبول نہیں کرتے تھے۔

دوسرا اللہ تعالیٰ نے سب کے دلوں میں ڈالا اور ان میں سے ہر ایک کو تمنا ہوگئی، ہر ایک یہ کہہ رہا تھا کہ میں اس کی حفاظت کروں گا اور دوسرا کہتا کہ میں اس کی حفاظت کروں گا اور اسی طرح دوسرے کہیں کہ ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ ان سے کہا گیا کہ جھگڑا نہ کرو۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: ہم قرعہ اندازی کر لیتے ہیں۔ جس کا نام نکل آئے وہ اس بچی کی حفاظت کرے گا۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے، لیکن قرعہ کیسے ڈالیں؟ آپ نے فرمایا: لکڑی کی چند قلمیں لے آؤ اور سب پر نام لکھ کر ان کو نہر کے اندر ڈال دو۔ جس کی قلم پانی کی ضد میں اوپر جانا شروع کر دے وہ آدمی اس بچی کی حفاظت کرے گا اور جن کی قلمیں پانی کے موافق رو میں بہہ جائیں گی ان کو کوئی حق نہیں ہوگا۔

اور قرآن مجید میں آگے اس واقعہ کو ذکر فرمایا ہے: ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ﴾ [آل عمران: ۴۴] (جب بی بی مریم علیہا السلام کی کفالت پر جھگڑا ہو رہا تھا اور وہ قرعہ ڈال رہے تھے تو آپ وہاں موجود نہیں تھے)۔

بہر حال! جب قلمیں ڈالی گئیں تو حضرت زکریا علیہ السلام کی قلم پانی کی مخالف سمت بہنے لگی تو سب مان گئے کہ آپ کا حق ہے۔ تو بی بی مریم علیہا السلام کی حضرت زکریا علیہ السلام نے کفالت کی ذمہ داری لی کہ ان کو ایک حجرے میں رکھا۔ جب آپ باہر تشریف لے جاتے تو دروازہ بند کر دیتے تھے۔ ﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ﴾ [آل عمران: ۳۷] جب بھی حضرت زکریا علیہ السلام اس حجرے میں داخل ہوتے تو دیکھتے کہ بی بی کے پاس تو عجیب عجیب کھانے پڑے ہیں، بے موسمی پھل پڑے ہیں، آپ حیران ہوتے کہ ہم نے تو نہیں بھیجا، دروازہ بھی بند ہے اور چابی بھی میرے پاس ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت:

مفسرین کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ ﴿رِزْقًا﴾ سے اشارہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ رزق مختلف پھل ہیں، یعنی بے موسمی پھل ہیں، اس لیے آپ حیران ہو گئے تو ان سے پوچھا: ﴿يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ﴾ یہ تمہارے پاس رزق کہاں سے آیا ہے؟ بی بی مریم علیہا السلام نے کہا: یہ سب کچھ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔

حضرت کے دل میں سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ تجھے تو رزق آتا ہے، ہمیں نہیں آتا تو انہوں نے آگے اس آیت سے مسئلہ حل کر دیا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [آل عمران: ۳۷] آپ حیران نہ ہوں۔ شان تو آپ کی

بلند ہے، میں ایک عورت ہوں، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ جس کو چاہے بغیر حساب اور بغیر اندازے کے رزق عطا فرمائے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی تربیت:

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ﴾ [آل عمران: ۳۷]

اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم علیہا السلام کو ظاہری طور پر بھی اچھی شکل عطا فرمائی تھی اور باطنی اسباب بھی اللہ تعالیٰ نے آسان کردیئے کہ بی بی مریم علیہا السلام کی صحبت اوّل یوم سے صالحین کے ساتھ آگئی تو جب انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے عباد صالحین کی تربیت ہو تو علم، خیر، بھلائی، عبادت، زہد خود بخود حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن میں بھی حکم ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [التوبۃ: ۱۱۹] (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو)۔ کیونکہ صحبت صالحین سے انسان پر بڑے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور بری صحبت کے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

نیک لوگوں کی صحبت کا اثر:

جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی اعلیٰ مثال بیان فرمائی ہے کہ اگر تم لوگ کسی عطر والے سے دوستی رکھو گے اور اس کی دکان میں بیٹھو گے تو اگر عطر نہیں خرید پاؤ گے تب بھی خوشبو تمہیں آجائے گی اور اگر کسی لوہار سے دوستی رکھو گے تو چاہے کتنا دامن بچاؤ، لیکن کبھی چنگاری اڑ کر تمہارے کپڑوں پر بھی آجائے گی اور کبھی تمہارے ہاتھ بھی کالے ہوجائیں گے؛ کیونکہ اس کا کام ہی ایسا ہے۔ [سنن ابی داؤد، رقم: ۴۸۲۹]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صالحین کو عطر سے تشبیہ دی ہے کہ جیسے عطر کا نفع صرف لینے والے کو حاصل نہیں ہوتا، بلکہ دوسروں کو بھی ہوتا ہے۔ تو صالحین کا نفع بھی عام ہوتا ہے، ایک حد تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ ان کی صحبت میں جو بھی آتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بھی راہِ ہدایت عطا فرما دیتے ہیں۔ اور اسی طرح اگر بدکردار آدمیوں کے ساتھ صحبت ہوگی تو بری باتیں سنو گے، بری باتیں تمہارے دماغ میں بھی اثر کریں گی۔ وہ اگر برے اعمال، حرکات سرانجام دیں گے تو تمہارے اوپر بھی اثر ہوگا۔

یہ بھی قاعدہ ہے کہ تعمیر بڑی مشکل ہوتی ہے، تخریب بڑی آسان ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی بندے کی اصلاح کرنا

بڑا مشکل ہوتا ہے، لیکن کسی بندے کو گمراہ کرنے میں وقت نہیں لگتا۔ تو کامیابی اس کے اندر ہے کہ آدمی اللہ والوں کی صحبت اختیار کرے۔ جو لوگ سنت پر چلنے والے ہیں ان کی صحبت میں تمہیں نماز ملے گی، ان کی صحبت میں تلاوت قرآن ملے گی اور ان کی صحبت میں تمہیں خیر اور بھلائی کی باتیں ملیں گی۔ اگر تم برے لوگوں کے ساتھ بیٹھو گے تو تمہیں فلم ملے گی، ٹی وی ملے گا، کوئی ریڈیو پر گانے ملیں گے اور برائی کی کہانیاں ملیں گی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آدمی بھٹک جائے گا۔

حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کی بعض وجوہ:

حضرت محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے اندر لکھا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام یتیم تھیں، ان کے والد فوت ہو گئے تھے۔ اور بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ بنی اسرائیل کو قحط کا سال آ گیا تو بی بی مریم علیہا السلام کی کفالت کی ضرورت تھی، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں دے دیا۔

مفسر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تاکہ نبوت کا علم حاصل کر سکے، بڑے فائدے حاصل کر سکے اور اعمال صالحہ کی ترغیب حاصل ہو سکے۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر میں بی بی مریم علیہا السلام کی خالہ تھیں اور بعض فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر میں بی بی مریم علیہا السلام کی بہن تھیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث میں آیا ہے کہ میں نے یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور وہ دونوں خالہ کے بیٹے ہیں۔ [بخاری، رقم: ۳۴۳۰]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت مریم علیہا السلام کی مثل ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [آل عمران: ۳۷]

(حدیث) حافظ ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دن سے کھانا نہیں کھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے ایک ایک گھر میں گئے کہ کچھ کھانے کو ہے؟ ہر گھر سے جواب ملا: کچھ نہیں ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لے آئے، فرمایا: بیٹی! تیرے گھر میں کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے کہا: میں آپ پر قربان ہو جاؤں! میرے گھر میں بھی کچھ نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری ہمسائی نے دو روٹیاں اور چھوٹا سا گوشت کا

ایک ٹکڑا بھیجا تو میں نے فوراً سوچا کہ اس کو محفوظ کرلوں اور حضور اکرم ﷺ کو خبر دوں۔ حالانکہ ہم سب گھر والے بھوکے تھے۔ میں نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ تشریف لے آئیں، اللہ تعالیٰ نے میرے پاس کھانے کی کچھ نعمت بھیجی ہے، میں نے آپ کے لیے چھپا کر رکھ دی ہے۔ آپ نے فرمایا: بیٹی! وہ کھانا لے آؤ۔ بی بی صاحبہ فرماتی ہیں: میں وہ پیالہ لے آئی۔ جب میں نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے رکھا اور اس پیالہ سے کپڑا ہٹایا تو میں حیران ہوگئی کہ وہ تو روٹی اور گوشت سے بھرا ہوا ہے، جبکہ میں نے تو تھوڑا سا رکھا تھا تو میں حیران ہوگئی اور پھر سمجھ گئی کہ اللہ تعالیٰ نے برکت ڈال دی ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اللہ کے نبی ﷺ پر درود پڑھا اور وہ کھانا رسول اللہ ﷺ کو پیش کردیا۔ جب حضور اکرم ﷺ نے دیکھا تو اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا: میری بیٹی! یہ تمہیں کہاں سے ملا ہے؟ بی بی فاطمہ نے یہی آیت پڑھی: ﴿هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ کہ حضور! یہ تو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، ورنہ ہم نے تو تھوڑا سا رکھا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ شکر ہے۔ اور فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اے بیٹی! آپ کو بنی اسرائیل کی سردار کے مشابہ بنا دیا؛ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ان کو کسی چیز کا رزق دیتے اور ان سے پوچھا جاتا تو وہ جواب میں یہی کہتی تھیں: ﴿هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ آپ ﷺ نے فرمایا: علی کو بھی بلاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آگئے اور حضور اکرم ﷺ نے اپنی بیویوں کو بھی بلایا۔ سارے گھر والوں نے کھانا کھایا اور پیٹ بھر کر کھایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب پیالہ کی طرف نظر ڈالی تو وہ اسی طرح بھرا ہوا تھا۔ فرماتی ہیں: میں نے ہمسائیوں کے گھر میں تقسیم کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر برکت اور اپنی رحمتیں عطا فرمادیں۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ جب چاہتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں بغیر حساب کے رزق عطا فرماتے ہیں۔

[مسند ابو یعلیٰ، المطالب العالیہ لابن حجر]

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾ [آل عمران:۳۸]

''وہیں دعا کی زکریا نے اپنے رب سے۔ کہا: اے میرے رب! مجھے عطا کر اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ۔ بے شک تو دعا کو سننے والا ہے۔''

حضرت زکریا علیہ السلام کی اولاد کے لیے دعا:

جب حضرت زکریا علیہ السلام نے بی بی مریم علیہا السلام کے پاس بے موسمی پھل دیکھے تو ان کے دل کے اندر ایک جذبہ پیدا ہوا۔ اس وقت آپ کی بیوی کی عمر اٹھانوے سال کے قریب تھی اور دونوں اس عمر میں داخل ہو گئے تھے جہاں اولاد کی امیدیں ختم ہو جاتی ہیں، جہاں قویٰ جواب دے جاتے ہیں۔ تو اب بظاہر تو اولاد کی کوئی امید نہیں ہوتی تھی اور حضرت زکریا علیہ السلام اس خارق عادت امر کو اللہ تعالیٰ سے مانگنے میں ادب کرتے تھے کہ میں اس خارق عادت امر کا سوال کیسے کروں؟ لیکن جب بی بی مریم علیہا السلام کے پاس غیر موسم کے پھل دیکھے تو طبیعت میں ایک تمنا پیدا ہوئی: اے اللہ! اگر یہاں بی بی مریم کو بغیر موسم کے پھل دے سکتے ہیں جو نبی بھی نہیں اور میں تو آپ کا نبی ہوں تو اب حضرت زکریا علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لیے ہمت بندھ گئی کہ میرا مولا! اگر بی بی مریم پر اتنی عنایات ہو سکتی ہیں تو مجھ پر بھی ہو سکتی ہیں۔

دعا کا بہترین موقع:

یہاں سے یہ مسئلہ بھی سمجھ آیا کہ انسان کو چاہیے کہ جب کوئی رحمت کا موقع ملے تو دعا مانگے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن پاک کی تلاوت فرماتے اور آیت رحمت آتی تو اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے اور جب آیاتِ عذاب آتیں تو عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے۔

اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ بندہ دعا مانگ رہا ہے، آنسو بہہ رہے ہیں، لیکن دل موافقت نہیں کر رہا اور دعا میں توجہ نہیں ہو رہی تو دعا میں اختصار کر لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری اس غفلت اور بے ادبی کی وجہ سے بجائے رحمت کے تم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے حق دار بن جاؤ۔

قبولیتِ دعا کے بعض اوقات و مقامات:

- ...... حدیث میں ہے کہ افطار کے وقت میں جو دعا مانگی جاتی ہے مستجاب ہوتی ہے۔
- ...... اسی طرح جب بارش برس رہی ہو اس وقت بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے تو قبول ہوتی ہے۔
- ...... حالتِ طواف، عمرہ، مقامِ صفا و مروہ اور حطیم کے اندر اور مقامِ ابراہیم اور زم زم پینے کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔



اور ان مناسبات میں کوئی نہ کوئی حکمت چھپی ہوئی ہے۔ جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے مناسبت دیکھی تو دعا پر طبیعت آمادہ ہوگئی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ﴾ [آل عمران:۳۸] اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کی دعا ہو یا کوئی بھی دعا ہو اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے۔ جو نبیوں کو اور قرآن وسنت کو ماننے والا ہے وہ بھی اپنی اولاد کے لیے اپنے رب سے دعائیں مانگتا ہے، وہ قبروں سے دعائیں نہیں مانگتا۔

دعا کا ایک ادب:

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ③﴾ [مریم:۳] حضرت زکریا علیہ السلام رات کو نماز میں کھڑے ہیں اور آہستہ دعا مانگ رہے ہیں؛ کیونکہ دعا کا تعلق بندے اور رب کے درمیان میں ہے، اس لیے حکم ہے کہ دعا زور زور سے نہ مانگو، لیکن آج چودہ سو سال گزر گئے اور ہم دعا مانگنا نہیں سیکھے۔

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ﴾ [الاعراف:۵۵] جب بھی اپنے رب سے دعا مانگو تو عاجزی سے اور رو رو کر آہستہ آہستہ سے دعا مانگو۔ اگر تیرے لب نہ بھی ہلیں تب بھی رب جانتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا:

حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ㊳﴾ [آل عمران:۳۸]

اے اللہ! مجھے اپنی رحمت کے ساتھ ایسی اولاد عطا فرما جو ظاہراً و باطناً پاک ہو؛ کیونکہ اگر اولاد صالح نہ ہو تو اس سے بڑا عذاب دنیا میں نہیں ہے؛ کیونکہ نہ آپ لڑ سکتے ہیں اور نہ مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اولاد صالح ہے تو اس سے بڑی نعمت کوئی نہیں ہے اور اولاد اگر طالح ہے تو اس سے بڑا عذاب کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا دعا کوئی نہیں سنتا:

﴿اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ㊳﴾ [آل عمران:۳۸]

یہاں مسئلہ بیان فرمادیا کہ اے اللہ! دعاؤں کا سننے والا تو ہے، تیرے علاوہ کوئی دعا نہیں سنتا۔

﴿فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝﴾ [آل عمران: ۳۹ تا ۴۱]

''چنانچہ (ایک دن) جب زکریا علیہ السلام عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، فرشتوں نے انہیں آواز دی کہ اللہ آپ کو یحییٰ علیہ السلام کی (پیدائش کی) خوشخبری دیتا ہے۔ جو اس شان سے پیدا ہوں گے کہ اللہ کے ایک کلمے کی تصدیق کریں گے، لوگوں کے پیشوا ہوں گے، اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے مکمل طور پر روکے ہوئے ہوں گے، اور نبی ہوں گے اور ان کا شمار راست بازوں میں ہوگا۔ زکریا علیہ السلام نے کہا: یا رب! میرے یہاں لڑکا کس طرح پیدا ہوگا؟ جبکہ مجھے بڑھاپا آ پہنچا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے۔ اللہ نے کہا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ انہوں نے کہا: پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دیجیے۔ اللہ نے کہا: تمہاری نشانی یہ ہوگی کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا کوئی بات نہیں کر سکو گے۔ اور اپنے رب کا کثرت سے ذکر کرتے رہو، اور ڈھلے دن کے وقت بھی اور صبح سویرے بھی اللہ کی تسبیح کیا کرو۔''

اس آیت میں ہے کہ فرشتوں نے خوشخبری دی اور دوسری آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دی۔ دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اصل حکم دینے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اللہ تعالیٰ کی بات پہنچانے والے اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں۔ انہوں نے آ کر حضرت زکریا علیہ السلام کو خوشخبری دی، جب آپ اپنے حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے: اے زکریا! اللہ تعالیٰ تجھے بشارت دیتے ہیں کہ ہم نے تیری دعا منظور کر لی ہے اور تجھے بیٹا دیتے ہیں، جن کا نام یحییٰ ہوگا۔ اور دوسری جگہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لڑکے کا نام خود تجویز فرما دیا اور فرمایا: اس نام کا بچہ اس سے پہلے کوئی نہیں ہوا۔ یہ بھی تمہیں شرف مل رہا ہے کہ تجھے بچہ بھی دے رہے ہیں اور اس کا نام بھی تجویز کر رہے ہیں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات:

﴿مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾ [آل عمران: ۳۹]



.وہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب کلمۃ اللہ ہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بغیر باپ کے کلمہ ''کُنْ'' سے پیدا فرمایا تھا۔

﴿سَیِّدًا﴾ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی دوسری صفت یہ ہے کہ ہم اس کو اپنی قوم کا سردار بنائیں گے۔

﴿وَّحَصُوْرًا﴾ وہ عورتوں کی لذتوں سے دور ہوگا، یعنی اس کو عورتوں کی خواہش نہیں ہوگی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آپ عنین (نامرد) تھے،لیکن یہ ترجمہ غلط ہے، بلکہ ﴿حَصُوْرًا﴾ کا معنی یہ ہے کہ طاقت ہو،لیکن پھر اپنے آپ کو روکے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی ہے کہ وہ اپنے نفس کو روکنے والا ہوگا۔ اگر عنین مراد ہوتو تعریف کہاں سے بنے گی؟

علمی نکتہ:

حضرت زکریا علیہ السلام نے اس وقت دعا مانگی جب بی بی مریم علیہا السلام کے پاس پھل دیکھے، بی بی مریم کو اللہ تعالیٰ نے مردوں سے پاک رکھا اور بی بی مریم کی وجہ سے جو دعا کی اور اس کے بدلہ میں جو اولاد دی اس کو عورتوں سے پاک رکھا۔ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اللہ تعالیٰ کے راز ہیں۔

﴿وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ نبوت سب سے اونچا درجہ ہے، لیکن اس کو آخر میں ذکر کیا گیا؛ کیونکہ کبھی من الادنیٰ الی الاعلیٰ ترقی ہوتی ہے کہ پہلے دسری صفات کو بیان فرمایا اور آخر میں فرمایا: وہ نبی بھی ہوگا۔

صلاح کے درجات:

علماء نے لکھا ہے کہ صلاح کے مختلف مراتب ہیں: ایک وہ صلاح ہے جو عام مومن کو حاصل ہوتا ہے اور ایک صلاح کے وہ مدارج ہیں جو انبیاء کو ملتے ہیں۔

بچہ ہونے کے متعلق حضرت زکریا علیہ السلام کے سوال کا جواب:

جب حضرت زکریا علیہ السلام کو خوشخبری دی گئی تو آپ نے سوال کیا: اے میرے رب! مجھے کیسے ہوگا لڑکا حالانکہ میں بڑھاپے کی عمر میں آ گیا ہوں، میرے قویٰ جواب دے گئے اور میری بیوی بانجھ ہو چکی ہے، اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ رہی تو کیسے لڑکا عطا فرمائیں گے؟ جب اللہ کے نبی نے خود دعا مانگی تو کیا......نعوذ باللہ!......اللہ کے نبی کو شک تھا کہ مجھے کیسے بچہ ہوگا؟ انبیاء کو تو کبھی شک ہو نہیں سکتا۔



علماء کرام نے فرمایا: جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا: ﴿رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ﴾ [البقرۃ: ۲۶۰] میرے اللہ! آپ کروڑوں مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟ اس کیفیت کا مجھے آنکھوں سے مشاہدہ کرائیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں کروڑ ویں درجہ کے برابر بھی شک ہے کہ میں زندہ کرنے پر قادر ہوں۔ فرمایا: اے اللہ! میرا ایمان ہے کہ آپ قادر ہیں، ساری مخلوق کو عدم سے نکالنے والی آپ کی ذات ہے، لیکن میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ اگر اپنے خلیل پر کرم فرما دیں اور میں طمانیت قلب کا وہ آخری مرتبہ حاصل کرلوں جو عین الیقین کو پہنچ جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد احیاء موتی کے بارے میں مشاہدہ کا تھا۔

اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ آپ نے میری دعا سن لی اور میرا ایمان ہے کہ آپ مجھے بچہ دیں گے، لیکن اس کی کیفیت کیا ہوگی؟ مجھے جوان کردیں گے اور میری بیوی کو دوبارہ جوانی عطا فرمادیں گے یا مجھے دوسری بیوی عطا فرمائیں گے؟ ورنہ اللہ نبی کو نہ شبہ ہے، نہ شک ہے اور نہ...... نعوذ باللہ...... اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کوئی اعتراض ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ جب کوئی خوشی کی بات ملے تو اس وقت آدمی خوشیوں کے اندر ایسا کھو جاتا ہے کہ اس کی زبان سے ایسے ایسے الفاظ نکلتے ہیں جو بظاہر انسان کو عجیب لگتے ہیں۔

جب حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ فرمایا تو فرشتوں نے کہا: آپ کیا یہ تفصیلات پوچھ رہے ہیں؟ آپ نے مانگا ہے اللہ تعالیٰ نے منظور کرلیا ہے۔ ﴿كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ﴾ تیرا پروردگار جو چاہے کردے۔ وہ چاہیں تو تیری بیوی اور تجھے جوان کردیں یا اسی بڑھاپے میں تجھے اولاد دے دیں۔ اس کی مرضی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسباب پیدا فرمانے والے ہیں، وہ اسباب کے محتاج نہیں ہیں، ساری دنیا اس کی محتاج ہے۔ وہ چاہیں تو اسباب کے بغیر عطا فرمادیں اور چاہیں تو اسباب کے ساتھ پیدا فرمادیں۔

حمل ٹھہر جانے کی علامت:

جب حضرت زکریا علیہ السلام نے سوال پوچھا اور پھر اطمینان کامل ہوگیا تو ایک دوسرا سوال پوچھ لیا؛ کیونکہ جب رحمت کی گھڑی ہو تو آدمی جرأت کرتا ہے کہ مزید پوچھ لوں۔ اس لیے عرض کیا:

﴿قَالَ رَبِّ اجْعَل لِّي آيَةً ۖ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُر رَّبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ



بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ﴾ [آل عمران:۴۱]

یااللہ! مجھے کوئی نشانی بتادیں؛ کیونکہ میری خوشی اور بڑھ جائے گی کہ حمل ٹھہر گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کی علامت یہ ہے کہ ہم تیری زبان کو غیروں سے بات کرنے کے لیے تین دن کے لیے بند کردیں گے کہ کسی بندے سے تم دنیا کا کلام نہ کرسکو گے، مگر اشارے کے ساتھ۔ میرے نبی ہم تیری زبان کو غیروں سے گفتگو سے روک دیں گے، لیکن اپنے ذکر سے نہیں روکیں گے۔

ذکر کی فضیلت:

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا﴾ تم پھر اپنے رب کا ذکر کرو زیادہ۔ اب لوگوں سے زبان بند ہوگئی۔ جتنی دیر ان سے بولنا تھا اس وقت بھی میرا ذکر کرو اور تیری زبان پر میرا ذکر جاری ہوگا، تا کہ تم میری اس نعمت کا شکر کرو اور میری تسبیح بیان کرو صبح کو بھی اور رات کو بھی۔

ہر چیز کی ایک حد ہے، لیکن ذکر کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس لیے حکم ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾ [الاحزاب:۴۱] (اے ایمان والو! میرا ذکر کثرت سے کرو)۔

حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل ذکر "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" ہے۔

زیادہ سے زیادہ ذکر کرے؛ کیونکہ مومن بندے کی صفت ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [آل عمران:۱۹۱]

میرے بندے کھڑے ہیں تو میرا ذکر ہے، قیام میں ہیں تو میرا ذکر ہے، وہ بیٹھے ہیں تو میرا ذکر ہے اور وہ لیٹے ہیں تو میرا ذکر ہے۔ ہر حال میں ان کی زبان پر میرا ذکر ہے، نماز ذکر ہے، قرآن ذکر ہے۔

مسلمانو! اپنے لیے وقت معین کرو ایک اللہ تعالیٰ کے قرآن کی تلاوت کیا کرو اور قرآن دیکھ کر پڑھو چاہے جتنا بڑا حافظ اور قاری ہو۔ قرآن کو دیکھ کر پڑھنے کے اپنے فوائد و برکات ہیں۔ اگر قرآن پڑھے ہوئے نہیں ہو تو قرآن کو کھول کر دیکھتے رہو۔ خالی دیکھتے رہنا بھی نفع سے خالی نہیں۔

قرآن پڑھنے کی حالتیں:

اس آیت سے علماء نے مسئلہ نکالا ہے کہ اگر کوئی کھڑے ہو کر قرآن پڑھے تو جائز ہے، لیٹے ہوئے قرآن پڑھے



تو جائز ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿عَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾ اور قرآن بھی ذکر ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا اتنا ذکر کرو کہ دیکھنے والے کہیں یہ دیوانہ ہے۔[1]

﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝﴾ [آل عمران: ۴۲تا۴۴]

''اور (اب اس وقت کا تذکرہ سنو) جب فرشتوں نے کہا تھا: اے مریم! بے شک اللہ نے تمہیں چن لیا ہے، تمہیں پاکیزگی عطا کی ہے اور دنیا جہان کی ساری عورتوں میں تمہیں منتخب کر کے فضیلت بخشی ہے۔ اے مریم! تم اپنے رب کی عبادت میں لگی رہو، سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع بھی کیا کرو۔ (اے پیغمبر!) یہ سب غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے تمہیں دے رہے ہیں، تم اس وقت ان کے پاس نہیں تھے جب وہ یہ طے کرنے کے لیے اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا؟ اور نہ اس وقت تم ان کے پاس تھے جب وہ (اس مسئلے میں) ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے تھے۔''

حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ اس واقعہ کی خبر دے رہے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بی بی مریم علیہا السلام سے بات کی اور انہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان پہنچایا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کو چن لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا چنا ہوا ہر طرح کے نقصان سے پاک ہوتا ہے؛ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم بھی کامل ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی کامل ہے اور اللہ تعالیٰ جس شخصیت کو جس مقصد کے لیے بھی چن لیں وہ شخصیت بھی کامل ہوتی ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چن لیا ہے آپ کی عبادت، آپ کا تقویٰ، آپ کی طہارت اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شیطانی وساوس اور شیطانی خیالات سے پاک فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے زمانہ کی تمام عورتوں میں سے منتخب فرما لیا ہے۔

[1] [المنتخب من مسند عبد بن حمید، رقم: ۹۲۵]

(حدیث) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ نِسَاءُ قُرَيْشٍ أَحْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ فِي صِغَرِهِ، وَأَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ، وَلَمْ تَرْكَبْ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ بَعِيرًا قَطُّ)) [صحیح مسلم، رقم: ۲۰۱]

"سب سے بہترین جو اونٹ کی سواری کرتی ہیں قریش کی عورتیں ہیں وہ اپنی اولاد پر بڑی مہربان ہیں، اولاد کے صغر میں ان پر بہت زیادہ شفقت کرنے والی ہیں اور اپنے خاوند کے مال میں حفاظت کرنے والی ہیں۔ بی بی مریم علیہا السلام نے کبھی اونٹ کی سواری نہیں کی تھی۔"

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ کا اس حدیث کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بی بی مریم علیہا السلام اپنے زمانہ کی عورتوں سے افضل ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے زمانہ میں قریش کی عورتوں کو فضیلتیں عطا فرمائی ہیں کہ وہ اپنے بچوں پر شفقت کرنے والی اور اپنے خاوند کے مال کی حفاظت کرنے والی ہیں؛ کیونکہ:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے اچھی عورت وہ ہوتی ہے:

۞......((إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ)) جب خاوند کی اس پر نظر پڑے تو خاوند خوش ہو جائے، یعنی وہ ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی اپنی عفت رکھنے والی ہو اور اپنے خاوند کا اچھے لباس سے اور اچھے اخلاق سے استقبال کرنے والی ہو۔

۞......((وَإِذَا أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ)) اور دوسری صفت یہ ہے کہ جب خاوند حکم کرے تو اس کی اطاعت کرے۔

۞......((وَإِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ)) تیسری اس عورت کی صفت یہ ہے کہ خاوند ڈیوٹی پر چلا گیا، خاوند گھر سے نکل گیا تو خاوند کے مال اور عزت کی بھی حفاظت کرنے والی ہو، اس کے اندر کوئی خیانت نہ کرے۔ [ابوداؤد، رقم: ۱۶۶۴]

جس عورت کے اندر یہ تین صفات ہوں گی وہ صحیح معنی میں عورت کہلانے کی مستحق ہوتی ہے۔

(حدیث) حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: ((خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ)) (بہتر عورتوں میں سب سے بہتر بی بی مریم علیہا السلام تھیں، اور عورتوں میں سب سے بہتر حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا تھیں)۔ [بخاری، رقم: ۳۸۱۴]

(حدیث) امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے اور اس کی تحقیق کر کے فرمایا: یہ صحیح ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((حَسْبُكَ مِنْ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَخَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ، وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ، وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ)) اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ساری عورتوں میں سے



ان عورتوں کو فضیلت بخشی ہے: بی بی مریم بنت عمران علیہا السلام، خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا، فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ اور بی بی آسیہ رضی اللہ عنہا جو فرعون کی بیوی تھیں (لیکن اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں اور ایمان کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو موت عطا فرمائی)۔ [سنن الترمذی، رقم: ۳۸۷۸]

حضور ﷺ کی بیٹیاں چار تھیں:

بعض اوقات باطل فرقے ان روایات سے مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں، جیسا کہ اس روایت کے اندر حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا ذکر آیا ہے تو وہ حدیث پیش کر کے کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کی صرف ایک بیٹی ہے؛ کیونکہ اور بیٹی کا ذکر نہیں ہے۔ صحیح روایات مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی چار بیٹیاں ہیں: حضرت فاطمۃ الزہراء، بی بی رقیہ، بی ام کلثوم اور بی بی زینب رضی اللہ عنہن۔ لیکن روافض باقی تین بیٹیوں کا انکار کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کی دو بیٹیاں: بی بی رقیہ اور بی بی ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اگر وہ ان بیٹیوں کا اقرار کریں تو جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ دامادِ نبی ہیں اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی دامادِ نبی ہیں، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں تو آپ ﷺ کی ایک بیٹی ہے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر میں دو بیٹیاں ہیں، اس لیے ان کا لقب ''ذوالنورین'' تھا اور حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اگر اللہ مجھے ان کے علاوہ اور بیٹیاں بھی عطا فرماتے تو میں عثمان کو دیتا۔ اسی طرح انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا بھی انکار کر دیا جو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ یہ ان کا بلاوجہ کا تعصب اور عناد ہے، ورنہ ان کی جو بڑی کتابیں ہیں ان کے اندر موجود ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بیٹیاں چار ہیں۔ مزید اس کی تفصیل ''اَلْبِدَايَةُ وَالنِّهَايَةُ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ملائکہ (حضرت جبرائیل علیہ السلام) نے پہلے تو بی بی مریم کو یہ خوشخبری دی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تجھے چن لیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تجھے پاکیزہ بنایا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے جہان کی عورتوں میں فضیلت بخشی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تم زیادہ اور میری عبادت کرو، چونکہ تو جتنی زیادہ عبادت کرے گی اتنا زیادہ تیرے درجات بلند ہوں گے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے ایک بہت بڑا کام لینا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہاری شان کو بلند کرنا ہے اور اللہ پاک نے تیرے بطن سے بغیر کسی مرد کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کرنا ہے۔ جس سے یہ کام لینا ہو اس کو پہلے محنت کا حکم ہوتا ہے۔

جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝﴾ [المزمل: ۱ تا ۴] (میرے مدنی! آپ راتوں کو جاگیں اور میری عبادت کریں؛ کیونکہ ہم آپ کو ایک شان والا کلام دینے والے ہیں۔ اس کے لیے تقاضا ہے کہ آپ پہلے اپنے آپ کو اس کے لیے تیار کرلیں)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم ؑ کو بھی حکم دیا ہے۔

قنوت کا معنی خشوع وخضوع ہوتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے آگے تضرع، زاری اور عاجزی کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا: ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝﴾ [البقرۃ: ۱۱۶] جو چیزیں آسمان وزمیں میں ہیں سب اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی کرنے والی ہیں)۔

(حدیث) حضرت ابو سعید ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ حَرْفٍ مِنَ الْقُرْآنِ يُذْكَرُ فِيهِ الْقُنُوتُ فَهُوَ الطَّاعَةُ)) [مسند احمد، جلد: ۳، صفحہ: ۷۵]

''جہاں بھی قرآن میں قنوت کا لفظ آیا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری مراد ہے۔''

حضرت مجاہد ؒ ذکر فرماتے ہیں: بی بی مریم ؑ عبادت میں اتنا لمبا لمبا رکوع فرماتی تھیں کہ آپ کے پاؤں میں ورم آجاتا تھا اور آپ کے پاؤں کثرتِ عبادت کی وجہ سے سوج جاتے تھے۔

حضرت اوزاعی ؒ فرماتے ہیں: بی بی مریم ؑ اپنے اس عبادت خانہ میں اتنے لمبے رکوع فرماتیں، اتنا لمبا سجدہ فرماتیں اور اتنا لمبا قیام فرماتیں، حتیٰ کہ آپ کے پاؤں سے پیلا پانی نکلنا شروع ہوگیا۔

﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝﴾

[آل عمران: ۴۵ تا ۴۷]

''(وہ وقت بھی یاد کرو) جب فرشتوں نے مریم سے کہا تھا: اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے ایک کلمے کی (پیدائش) کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہوگا، جو دنیا اور آخرت دونوں میں صاحب وجاہت ہوگا اور (اللہ کے) مقرب بندوں میں سے ہوگا اور وہ گہوارے میں بھی لوگوں سے بات کرے گا اور بڑی عمر میں بھی اور راست باز لوگوں میں سے ہوگا۔ مریم علیہا السلام نے کہا: پروردگار! مجھ سے لڑکا کیسے پیدا ہو جائے گا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں؟ اللہ نے فرمایا: اللہ اسی طرح جس کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کوئی کام کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ ''ہو جا'' بس وہ ہو جاتا ہے۔''

حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت:

جب ملائکہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بی بی مریم کو خطاب فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری دی کہ آپ سے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا کلمہ فرمایا ہے، اس کا نام مسیح ابن مریم علیہ السلام ہوگا، وہ عزت والا ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، وہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں سے ہوگا اور وہ لوگوں سے کلام فرمائیں گے مہد میں، یعنی جب آپ جھولے میں ہوں گے اور بڑھاپے میں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ صالحین کے اعلیٰ مقامات پر ہوں گے۔

بی بی صاحبہ نے سوال کیا: ﴿رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ﴾ مجھے کیسے لڑکا ہوگا؟ مجھے تو کسی انسان نے چھوا بھی نہیں ہے۔ فرشتوں نے کہا: اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ پیدا فرماتے ہیں جو چاہتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کا فیصلہ فرماتے ہیں تو اس کا حکم فرماتے ہیں کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔

ان آیات میں بھی بی بی مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے۔ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں کہ اتنا مفصل انداز میں اس قصہ کو بیان فرمایا، ورنہ یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے بھی شروع ہو سکتا تھا، لیکن پہلے امرأۃ عمران کی صفت کا ذکر ہے، پھر بی بی مریم کی پیدائش کا ذکر اور پھر اس کے قبول ہونے کا ذکر، ان کے بچنے کا ذکر اور پھر ان کی کفالت کا ذکر، یہ سارے واقعات بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان:

جتنی باتیں قرآن وحدیث سے معلوم ہوئیں ان میں سے چند باتیں یہ ہیں کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مکہ

میں ہوئی اور مکہ میں بعثت نبوت ہوئی، آپ ﷺ کے سب سے پہلے مخاطبین قریشِ مکہ ہیں۔ سرزمینِ مکہ کے بعد آپ ﷺ کی ہجرت کا مقام مدینہ منورہ ہے تو اب آپ ﷺ کے مخاطبین یہود تھے، اہل کتاب تھے اور اوس و خزرج کے قبائل تھے جو مسلمان ہو گئے تھے۔

تبع بادشاہ کا واقعہ:

اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کا نسب تبابعہ یمن سے تھا تبع اکبر یا تبع اوسط جس کا حضور اکرم ﷺ کی پیدائش سے نوسوسال پہلے کا زمانہ گزرا اور اسی نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کا غلاف ڈالا، ورنہ اس سے پہلے کعبۃ اللہ پر غلاف نہیں ہوتا تھا اور اس کے بعد سے غلاف ڈالنے کا سلسلہ چلتا آرہا ہے۔ اور اسلام کے اندر یہ غلاف بھی جائز ہو گیا کہ حضور پاک ﷺ نے اس پر انکار نہ فرمایا۔ یعنی اگر حضور اکرم ﷺ اتارنے کا حکم دے دیتے تو غلاف چڑھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، ورنہ خانہ کعبہ کے اندر سارے بت آپ ﷺ نے نکلوا دیئے اور جتنی تصویریں بنی ہوئی تھیں ختم کرا دیں، یہ پرانے کافروں کا رواج تھا اور آج کل پھر یہ رواج چل نکلا ہے۔

بہرحال! اس تبع اکبر بادشاہ نے حضور اکرم ﷺ کی پیدائش سے پہلے آپ کے نام پر ایک خط لکھا کہ کتابوں سے پڑھ کر، مدینہ منورہ سے گزر کر اور مکہ مکرمہ سے گزرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بہت جلد اس امت کا آخری نبی پیدا ہوگا، جس کا نام محمد رسول اللہ ہوگا اور حضور میں آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا اور مجھے زندگی نصیب ہوئی اور آپ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو سب سے پہلے میں آپ کا کلمہ پڑھوں گا، آپ کا خادم و معاون بنوں گا۔ اور اگر مجھے زندگی نصیب نہ ہوئی تو میں آپ اسلام لا رہا ہوں، قیامت میں آپ میرے اسلام کی گواہی دے دینا۔ اور اس خط پر شاہی مہر لگا کر اس خط کو محفوظ کر دیا وہ خط نسل در نسل چلتا رہا۔

انصارِ مدینہ کے ایمان لانے کی ایک وجہ:

اور چونکہ انصارِ مدینہ اس خاندان میں سے تھے، اس خط کا ان کے دماغوں میں پہلے سے چرچا موجود تھا، لہٰذا جب ان کو حضور اکرم ﷺ کی خبر ملی تو اسلام لانے کے لیے دوڑے چلے آئے کہ وہ نبی پیدا ہو گیا ہے جس کے بارے میں ہمارا بادشاہ لکھ گیا تھا، اس لیے حضور ﷺ کے پاس مدینہ منورہ سے پہلے سات آدمی آئے، پھر بارہ آدمی آئے، منیٰ کے اندر وادیٔ عقبہ میں بیعت ہوئی، اسلام لائے۔ اور ان کے بعد ستر آدمی آئے، اسلام لائے۔

ان کے ساتھ حضور اکرم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے وہاں جا کر قرآن کا مدرسہ کھولا۔ حضور اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لے گئے اس وقت تک سارے انصار تقریباً مسلمان ہو چکے تھے۔

مدینہ میں یہودیوں کی آبادیاں اور تاریخ:

ان کے بعد اہل کتاب سے مقابلہ کی فکر تھی اور وہ یہود تھے۔ یہودیوں کے تین بڑے قبیلے مدینہ منورہ سے باہر آباد تھے۔ آج بھی ان کے آثار اور نشانات موجود ہیں: بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع۔ ان تینوں قبائل کے مدینہ والوں سے علیحدہ علیحدہ تعلقات تھے کہ بعض اوس کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور بعض خزرج کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ (اور ابتداء سے یہودی مکار تھے کہ اوس اور خزرج کو آپس میں لڑاتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضور اکرم ﷺ کو بھیجا، اسلام لانے کے بعد ان کی دشمنیاں ختم ہو گئیں اور وہ ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ [الفتح: ۲۹] کی تصویر بن گئے۔

قرآن میں حضرت عیسیٰ کے ذکر کی حکمت:

یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن تھے اور عیسائی بھی حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں موجود تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور ابنیت کے قائل تھے۔ اسلام نے آ کر لازماً ان دونوں باطل فرقوں کی تردید کرنی تھی، اس لیے ضرورت تھی کہ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ آئے، تاکہ یہودیت کی دشمنی کا بھی رد ہو سکے اور عیسائیت کے غلو کا بھی رد ہو سکے اور قوم کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح تصویر آ سکے۔

قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر:

اسی طرح اللہ کے قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بھی بری تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ ان کی ولادت کن حالات میں ہوئی اور فرعون کے گھر کیسے پہنچے؟ وہاں آپ کے ہاتھوں سے آدمی کیسے مارا گیا، پھر آپ مدین کیسے پہنچے، پھر نبوت و رسالت کب ملی؟ تو یہ سارے واقعات قرآن میں موجود ہیں؛ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں یہود بھی موجود تھے، اس لیے ضرورت تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی صحیح تصویر قوم کے سامنے آئے۔

قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر:

تیسرے نمبر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ان کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کی کئی سورتوں میں فرمایا ہے، حتیٰ کہ ایک سورت کا نام ابراہیم بھی ہے؛ کیونکہ مکہ کے مشرکین یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر

ہیں، اس لیے ضرورت تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی صحیح تصویر قوم کے سامنے آئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعارف:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم مبارک عیسیٰ ہے، آپ کا لقب مسیح ہے اور آپ کی نسبت بی بی مریم علیہا السلام کی طرف کی گئی ہے۔ ہر بیٹے کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے، قرآن میں حکم ہے: ﴿ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ﴾ [الاحزاب: ۵] ہر بچے کو اس کے باپ کے نام کے ساتھ پکارا جائے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کروڑوں صلوۃ وسلام آپ پر ہوں۔ عیسیٰ عبرانی لغت کا نام ہے۔ چونکہ پہلے زمانہ میں لغتیں عبرانی تھیں یا سریانی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں اتاریں وہ عبرانی زبان میں تھیں۔ سب سے پہلی اور آخری کتاب قرآن مجید ہے جو عربی زبان میں نازل ہوئی کہ نبی بھی عربی، مخاطب بھی عرب اور قرآن بھی عربی ہے۔

عیسیٰ اصل میں عیسو تھا۔ اس کا معنی سردار عزت والا ہے۔ اور اسی طرح موسیٰ اصل میں موشی یا موشی تھا۔ مو پانی کو کہتے ہیں اور شی پانی سے نکلنے والا؛ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں ڈال کر دریا میں ڈالا گیا، پھر آپ چونکہ پانی سے نکلے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی، اس نسبت سے آپ کا نام موشی ہو گیا، پھر اس سے معرب ہو کر موسیٰ ہو گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب مسیح اصل میں مشیحا تھا، اس سے معرب ہو کر مسیح بن گیا۔ مشیحا کا معنی مبارک اور مسعود ہے۔ اور یہی لقب بعینہٖ دجال کا بھی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام مریم ہے، جو بنت عمران ہیں اور ان کی والدہ کا نام سابقہ کتابوں کے اعتبار سے بی بی حنہ جو حنان سے ہے، یعنی شفقت کرنے والی ماں۔

مسیح دجال:

مسیح الدجال وہ (بالاجماع) ممسوح سے ہے، بمعنی کسی چیز کو مٹا دینا، زائل کر دینا، جیسے مَسَخْتُ، مَسُوْخًا تو دجال کا لقب مسیح اس لیے بنا کہ اس سے ہر خیر اور بہتری کی علامتیں مٹا ڈالی گئیں۔ اب اس میں شر ہی شر ہے، اس میں خیر کا کوئی پہلو باقی نہیں رہا اور اسی طرح مسیح الدجال ممسوح العین بھی ہے؛ کیونکہ وہ ایک آنکھ سے کانا ہوگا اور اس کی دوسری آنکھ ایسے ہوگی جیسے انگور کو پھاڑ دو اور وہ باہر نکلا ہوا ہو ایسے دجال کی آنکھ کا ڈھیلا باہر نکلا ہوا ہوگا۔ اور وہ

بے نور ہوگا اور وہ کانا ہوگا۔ اس کا ہر پہلو شر ہوگا، لیکن اس زمانہ میں ایسے لوگ بھی موجود ہوں گے جو اس کانے کو بھی خدا بنالیں گے۔ ایمان والے جب اس دجال کو دیکھیں گے تو حضور اکرم ﷺ نے جو نشانیاں بتائی ہیں ان کے ذریعہ وہ دجال کو پہچان لیں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک بہت بڑی واضح علامت بتائی کہ اس کی پیشانی پر "ک، ف، ر" یعنی "کافر" لکھا ہوا ہوگا تو مومن اس لفظ کو پڑھ لے گا، لیکن جس کے اندر ایمان کا نور نہیں ہوگا وہ نہیں پڑھ سکے گا۔ اور اتفاق کی بات ہے کہ ہر دور میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہوتی، مثلاً: اس دور میں لوگ جوگیوں کے ماننے والے موجود ہیں، ہاتھ دیکھنے والوں کو ماننے والے موجود ہیں، جنوں کو ماننے والے موجود ہیں، جادو گروں کے ماننے والے موجود ہیں، کالے علم کو ماننے والے موجود ہیں اور جو خود مر گئے قبروں میں چلے گئے ان کو حاجت روا ماننے والے موجود ہیں۔

دوسرے دجالوں، کذابوں کا تذکرہ:

حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں مسیلمۃ الکذاب جھوٹا نبی پیدا ہوا، اس کے ماننے والے بھی موجود تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہ ستر ہزار کا لشکر لے کر لڑنے کے لیے آیا تھا۔

اسود عنسی پیدا ہوا، اس کو بھی ماننے والے لوگ موجود تھے۔

تمہارے ہاں مرزا قادیانی پیدا ہوا۔ اب بھی اس کو لاکھوں ماننے والے لوگ موجود ہیں، بلکہ اب تو باقاعدہ چینل پر مرزائیوں کے خطبے دکھائے جاتے ہیں۔ جمعہ کے دن ان کی تقریریں سنائی جاتی ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت دینے والے کون تھے؟

ان آیات کے اندر ملائکہ جمع کا صیغہ ہے اور دوسری جگہ ہے ﴿فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡہَا رُوۡحَنَا﴾ [مریم:۱۷] کہ ہم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا انسانی شکل میں تو بی بی مریم علیہا السلام حیران ہو گئیں کہ میں جوان لڑکی ہوں اور سامنے ایک غیر محرم اور بڑا خوبصورت جوان ہے، یہ میری طرف کیوں آرہا ہے!! تو فوراً بی بی مریم نے کہا: ﴿اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡكَ اِنۡ كُنۡتَ تَقِیًّا﴾ [مریم:۱۸] کہ اے آنے والے! میں اپنے اللہ رحمٰن کے نام کے ساتھ پناہ پکڑتی ہوں، تم میری طرف کیوں آرہے ہو؟ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہو تو ہٹ جاؤ تو فوراً حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے بول پڑے: ﴿اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ ٭ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا﴾ [مریم:۱۹] بی بی گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تو آپ کے رب

تعالیٰ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں اور میں اس لیے آیا ہوں، تا کہ آپ کو ایک پاکیزہ بیٹا عطا کیا جائے۔ تو بی بی مریم علیہا السلام کو ذرا اطمینان ہو گیا کہ جو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہے اس سے کسی گناہ کا خطرہ نہیں ہو سکتا۔

تو ایک آیت کے اندر ملائکہ جمع کا صیغہ اور ان آیات میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذکر کرنے کے اندر کوئی منافات نہیں ہے کہ مخاطب حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور جس نے پھونک ماری ہے وہ بھی جبرائیل ہے، لیکن جب حضرت جبرائیل علیہ السلام اترتے ہیں تو ان کے ساتھ اور بھی ملائکہ ہیں اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک ہوتا ہے، لیکن عزت کے لحاظ سے جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔

کیا غیر اللہ بھی بچہ دے سکتا ہے؟

بعض لوگوں نے ﴿لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا﴾ [مریم:۱۹] سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام بچہ دے سکتا ہے تو نبی اور ولی کیوں نہیں دے سکتے؟ تو وہ لوگوں کو اس قسم کے دھوکے دے کر لوگوں کو شرک میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

یاد رکھیں! جب ایک بندہ اللہ تعالیٰ کا قاصد ہے، اسی آیت کے اندر موجود ہے ﴿إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ﴾ [مریم:۱۹] کہ میں تیرے رب کا قاصد ہوں، ان کے حکم کی تعمیل کرنے آیا ہوں۔ اب ہماری روح ملک الموت نکالتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ ہمیں وہی مارنے والا ہے۔ مارنے والا اللہ ہے۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ جا کر میرے حکم کی تعمیل کرو، جیسے بادشاہ اپنے قاصد کو دوسرے بادشاہ کی طرف خط دے کر بھیجے۔ اب کوئی راستہ کے اندر اس کو کہے کہ اس کے اندر ایک جملہ آگے پیچھے لکھ دو تو وہ کہے گا: کوئی عقل کی بات کرو۔ میری تو یہ ذمہ داری ہے کہ جو پیغام ہے اس کو دیانت وامانت کے ساتھ پہنچا دوں۔ اور جب اسی آیت کے اندر موجود ہے: ﴿إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ﴾ [مریم:۱۹] کہ میں تیرے رب کا قاصد ہوں تو جبرائیل تو بچہ نہیں دے رہا، بلکہ اللہ تعالیٰ دے رہے ہیں۔

اور آگے دیکھیں کہ جب بی بی نے کہا: عجیب بات ہے کہ مجھے بچہ کیسے ہوگا!؟ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ میں جو دے رہا ہوں، بلکہ انہوں نے کہا: ﴿كَذَٰلِكِ ۖ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۖ﴾ [مریم:۲۱] یہ اللہ پر آسان ہے۔

ایک افسوس ناک حکایت:

لیکن ہمارے عقیدے تو اتنے بگڑ گئے ہیں کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ان کا ایک مرید حاضر ہوا اور اس نے

کہا: حضرت! میری اولاد نہیں ہوتی۔ حضرت نے فرمایا: یہ مسئلہ بڑا مشکل ہے۔ اگر اولاد نہیں ہے تو صبر کرو۔ اس نے کہا: حضرت! صبر نہیں ہوتا۔ بزرگ نے کہا: تم میری پشت سے پشت ملاؤ۔ مرید نے حضرت کی پشت سے اپنی پشت ملادی۔ حضرت کا جو اپنی صلب میں نطفہ تھا وہ اس کے اندر منتقل ہوگیا۔

کیا یہی دین ہے!!؟ اگر کوئی انگریز ایسی بات پڑھے تو وہ کہے کہ اس کو سو جوتے مارو اور اس کو کوئی کافر پڑھے تو وہ کہے: کوئی ڈرامہ ہے یا مذہب ہے!؟ اللہ تعالیٰ معاف کرے کہ کتابوں کے اندر بھی یہ لکھ دیتے ہیں۔ اگر بزرگ اتنی طاقت رکھتے تھے تو پشت ملانے کی کیا ضرورت تھی؟

لفظ ''مسیح'' کے دیگر معانی:

اور بعض علماء نے مسیح کا دوسرا معنیٰ ذکر فرمایا ہے کہ مسیح اور سیاحت کا مادہ ایک ہے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بڑی کثرت کے ساتھ سیاحت فرمائی اور بہت جگہوں پر تشریف لے گئے اور اسی طرح جب وہ آخر زمانہ میں اتریں گے تو وہ آکر دجال کو بھی قتل کریں گے، صلیب کو بھی مٹائیں گے اور پوری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے عدل وانصاف، برکتیں اور رحمتیں ہوں گی۔

اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ مسیح کا معنیٰ ہے کہ ان کے قدمین کے نیچے تلوے اٹھے ہوئے نہیں تھے، جو اللہ تعالیٰ نے عام طور پر ہر کسی کے پاؤں میں رکھے ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آپ جب کوڑھ، برص اور جذام کے مریضوں پر ہاتھ پھیرتے تھے تو وہ اللہ کے اذن سے ٹھیک ہوجاتے تھے، حالانکہ یہ ایسی بیماریاں ہیں جن کا دنیا میں کوئی علاج نہیں تھا۔ اس وجہ سے آپ کا لقب مسیح تھا۔

جھولے میں بولنے والے بچے:

(حدیث) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا تَكَلَّمَ مَوْلُوْدٌ فِي صِغَرِهِ إِلَّا عِيْسٰى وَصَاحِبَ جُرَيْجٍ)) [تفسیر ابن کثیر]

بچپن کے اندر کسی نے بات نہیں کی، مگر عیسیٰ علیہ السلام اور صاحب جریج نے۔

(حدیث) انہی سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَمْ يَتَكَلَّمْ فِي الْمَهْدِ إِلَّا ثَلَاثَةٌ: عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَصَبِيٌّ كَانَ فِي زَمَنِ جُرَيْجٍ، وَصَبِيٌّ آخَرُ)) [بخاری، رقم: ۳۴۳۶] کہ جھولے میں تین بچوں نے کلام کیا:

ایک عیسیٰ علیہ السلام اور ایک بچہ جو جریج کے زمانہ میں تھا اور ایک اور بچہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن کے اندر کلام کرنا نص قطعی سے ثابت ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں اکثر کی رائے یہ ہے کہ جب ان پر تہمت لگائی گئی تو وہاں بھی ایک بچے نے کلام کیا تھا اور بعض روایات میں صاحب جریج کا بھی ذکر آتا ہے اور بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ایک واقعہ ایسا گزرا ہے کہ وہاں ایک بچے نے گواہی دی تھی۔

قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مفصل تذکرہ کی حکمتیں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا واقعہ بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ علماء کرام نے اس کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا زمانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے قریب ہے بنسبت دوسرے انبیاء کے؛ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان راجح اقوال کے مطابق اور کوئی پیغمبر، کوئی رسول نہیں بھیجا گیا اور یہ تقریباً چھ سو سال کا زمانہ ہے۔ علماء نے ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی اور رسول بنی اسرائیل میں بھیجے ہیں ان میں آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان کے بعد نبوت ولد اسماعیل میں منتقل ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر نبوت ختم ہوگئی۔ تو اس طرح ایک یہ مناسبت تھی کہ بنی اسرائیل کے آخری نبی کا ذکر تفصیل سے آئے اور ادھر جو سب نبیوں کے خاتم ہیں ان کا ذکر تفصیل سے آئے۔ علماء نے یہ بھی وجہ لکھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے انبیاء کی تصدیق کی کہ آدم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے رسول اور نبی ہیں برحق ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مصدق بنے۔ اب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی نہیں بھیجنا تو آپ کی بشارات پہلے سے موجود ہیں، لیکن نظامِ کائنات اور نظامِ خداوندی کا قائم کرنا بھی مقصود تھا کہ ایک نبی دوسرے نبی کی تصدیق کرے۔ اب آپ کے بعد تو نبی نے نہیں آنا تھا تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے آخری رسول اور نبی کو آسمانوں پر بٹھا دیا کہ وہ قیامت سے پہلے اتر کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی تصدیق کریں گے۔

اس کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانوں پر زندہ رکھا، لیکن زمین پر زندہ نہیں رکھا۔ اس لیے اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو شریعت نہیں چلے گی، اب تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت چلنی ہے۔ جب عین اختتام پر یہ دنیا آ جائے گی، قیامت بالکل مزید قریب ہو جائے گی اور علامات کبریٰ کا ظہور ہو جائے گا تو نزول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام ہوگا، تاکہ وہ ان فتنوں کو بھی فرو کر دیں اور وہ اترنے کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت

کے تابع رہیں اور وہ آپ کے مصدق بنیں اور آپ ﷺ کی شریعت اور احکام دنیا میں نافذ کریں۔

مسئلۂ ختم نبوت:

اسی ضمن کے اندر علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت کا مسئلہ اتنے کھلے انداز میں حل فرمادیا کہ اگر کوئی بد بخت ہلاک ہونا چاہے تو علیحدہ بات ہے، لیکن مسلمانوں میں سے کسی کو انکار نہیں، عیسائیوں کا جو فرقہ حق پر تھا اب ختم ہو گیا، وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتے تھے اور دوسروں نے غلو میں آکر خدا بنا لیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ مسئلہ حل فرمادیا کہ جب وہ آسمانوں سے اتریں گے تو حضور اکرم ﷺ کی شریعت کے تابع ہوں گے۔ اس سے مسئلہ سمجھ آگیا کہ اگر پہلا نبی یا پہلا رسول بھی زندہ ہو تو حضور اکرم ﷺ کے بعد وہ بھی اپنی نبوت کا دعویٰ نہیں کر سکتا، بلکہ حضور اکرم ﷺ کی شریعت کے تابع ہوگا۔ تو جب پہلے رسول اور نبی دعویٰ نہیں کر سکتے تو تم جیسے کذاب کو کوئی کیسے نبی مان لے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قربِ قیامت بھیجنے کی حکمت اور ان کو بغیر باپ کے پیدا کرنے کی قدرت:

تیسری بات یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا اس وقت دنیا اتنی ترقی اور عروج پر پہنچ گئی، مثلاً: بچہ پیدا ہوتا ہے تو پہلے دودھ پینے والا ہوتا ہے، آہستہ آہستہ زمین پر گھسٹتا ہے، جب بڑا ہوتا ہے تو زمین پر پاؤں رکھتا ہے، پھر اور بڑا ہوتا ہے تو چلنے لگتا ہے، پھر اور بڑا ہوتا ہے تو مدرسے جانے لگتا ہے، پھر اور بڑا ہوتا ہے تو تیس چالیس سال کا جوان ہو گیا۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو آدم علیہ السلام سے پیدا کیا تو یہ بھی آہستہ آہستہ ترقی کرتا گیا تو عین اس کے عروج کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دور اور ان کے بعد چھ سو سال اور اس کے بعد قیامت تک کا دور ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا رسول بھیجا اور اس کو ایسے معجزات دیئے گئے کہ اس قسم کے معجزات آپ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دیئے گئے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق نظامِ عالم سے ہٹ کر ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے بنادیئے۔ جب جوڑا ملے گا تو توالد و تناسل کا سلسلہ چلے گا، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالاتِ قدرت کا اظہار کیا کہ ماں تو موجود ہے، باپ نہیں ہے اور بیٹا پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہیں، چاہیں تو نور سے فرشتوں کو پیدا کردیں، کوئی ان کا ماں باپ نہیں ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ چاہیں تو آگ سے ابلیس کو پیدا کردیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت ہے، تاکہ بندہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کسی اسباب کا پابند نہیں ہے، مخلوق اسباب کی پابند ہے کہ پانی پیئے گا تو پیاس بجھے گی، کھانا کھائیں گے تو بھوک مٹے گی، چلیں گے تو سفر



قطع ہوگا اور لیٹیں گے تو آرام ملے گا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا تو ایک انہونی سی اور نئی سی بات ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو کھول کر بیان فرمایا اور اس میں ہمیں سبق دیا کہ جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھ کر خدا بنا لیا تم بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو دیکھ کر ان کی خدائی کے قائل نہ ہو جانا، ان کے مختار کل ہونے کے قائل نہ ہو جانا، ایسا نہ ہو کہ تم ان کے اندر خدائی صفات ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو تفصیل سے بیان فرمایا کہ وہ جب قرآن پڑھیں، احادیث رسول کا مطالعہ کریں تو ان کو عقل کرنا چاہیے کہ معجزہ علیحدہ چیز ہے اور قدرتِ خداوندی علیحدہ چیز ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے مختلف معجزات کی حکمت:

علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس دور میں نبی بھیجے ان کو اللہ تعالیٰ نے معجزات دیئے اور یہ معجزات اس زمانہ کے حالات کے مطابق دیئے، تاکہ اس دور کے لوگ مان جائیں کہ یہ شخص نبی ہے۔ معجزہ کہتے ہیں ایک ایسا خارقِ عادت امر جو بغیر کسی اسباب ظاہری کے اللہ کے نبی کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ظاہر ہو جائے اور باقی دنیا اس کو کر دکھانے سے عاجز ہو۔ اور اگر امر خارق ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو کرامت کہلائے گی۔ یہ معجزات نبی اور رسول کی صداقت کی دلیل ہوتے ہیں۔ اس لیے قرآن معجزات کو آیت کہتا ہے، کہیں اس کو معجزہ نہیں فرمایا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں حکمت اور طبابت کا بڑا زور تھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ایسے معجزات عطا فرمائے کہ مادرزاد اندھے کا کوئی علاج نہیں کر سکتا تھا، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہاتھ پھیرتے تو وہ ٹھیک ہو جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کو کھول کر بیان فرمایا، تاکہ کوئی اندھیرے میں نہ رہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجران کا وفد آیا اور آپ نے ان سے قرآن کی روشنی میں بات کی تو وہ دنگ رہ گئے، ان سے کوئی جواب نہ بن سکا۔ کیونکہ حقیقت وہ تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کو کھول کر بیان فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے ان کے رفع آسمانی پر استدلال:

مفسرین رحمہم اللہ نے ایک اور عجیب بات لکھی ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات پر غور کریں تو آپ کو ان میں سے کچھ اور عبرتیں بھی ملیں گی؛ کیونکہ ان کی ولادت بغیر باپ کے ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو ان کو معجزات عطا فرمائے



ہیں کہ ایک مٹی کا پرندہ بناتے اور اس کے اندر پھونک مارتے تو وہ زندہ ہو کر اڑ جاتا تھا۔ اب یہ کوئی حکمت یا طب نہیں تھی۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اگر کل کو کوئی منکر انکار کرے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ نہیں تھا، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسان تو تھے، وہ حدودِ انسانیت سے تو باہر نہیں ہیں اور انسان کی اصل مٹی ہے۔ اب مٹی سے پیدا ہونے والا انسان اڑ کر آسمانوں پر پہنچ جائے تو ایک نئی بات تھی، لوگ کہہ سکتے تھے کہ یہ نہیں ہو سکتا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مٹی کا پرندہ بنا کر میں اڑا سکتا ہوں تو عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اڑا سکتا ہوں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا معجزہ عطا فرمایا جو ان کی حیات جسمانی پر اور رفع جسمانی الی السماء پر بھی دلیل بن جائے۔

علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے معجزے سے ایک اور حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا کہ اگر میرا نبی تمہارے سامنے مٹی لے کر پرندے کی صورت بناتے ہیں اور اس میں پھونک مارتے ہیں تو وہ اڑ جاتا ہے تو اگر مٹی کی چیز میں روح پیدا ہو سکتی ہے تو بی بی مریم تو جیتی جاگتی عورت ہے تو کیا اس کے پیٹ میں بچہ پھونک سے پیدا نہیں کر سکتا ہوں؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سارے حالات کو کھول کر بیان فرمایا اور اسی کے اندر عظمت محمد مصطفیٰ ﷺ کا بھی اظہار کر دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام جیسا شان والا نبی وہ بھی میرے مدنی کی شریعت کے تابع ہے تو میرے نبی کے بعد اور نبی کیسے بن سکتا ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کچھ صفات:

﴿وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ﴾ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد لکھنے کا علم ہے؛ کیونکہ تورات وانجیل کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ [آل عمران:۴۸] سے مراد دانائی کی باتیں ہیں۔ پھر اس حکمت کے لفظ کا اطلاق سنت پر بھی کیا گیا ہے؛ کیونکہ سنت بھی تو دانائی کی باتیں ہیں، لہٰذا اس پر بھی حکمت کا اطلاق ہوتا ہے۔ حکمت ایسی باتیں، ایسے نکتے اور ایسی گرہیں ہیں جو کسی سے نہ کھلتی ہوں۔ اللہ کے نبی آ کر اس کو کھول دیتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کتابت کا علم بھی عطا فرمایا، دانائی کی باتیں بھی سکھائیں اور آپ کو تورات وانجیل کا علم بھی عطا فرمایا۔

﴿وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ [آل عمران:۴۹]

اور یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی وضاحت کر دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے، ساری دنیا کے لیے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ یہ شان حضور اکرم ﷺ کو ملی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس شان سے

بھیجا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر گورے، کالے کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک جتنی مخلوق ہے سب کی طرف مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے، ورنہ عیسیٰ علیہ السلام کو صرف بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔

﴿وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝﴾ [آل عمران: ۴۸ تا ۵۱]

''اور وہ تعلیم دے گا اسے کتاب وحکمت کی اور تورات اور انجیل کی۔ اور اسے بنی اسرائیل کے پاس رسول بنا کر بھیجے گا (جو لوگوں سے یہ کہے گا:) میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں، (اور وہ نشانی یہ ہے) کہ میں تمہارے سامنے گارے سے پرندے جیسی ایک شکل بناتا ہوں اور پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دیتا ہوں اور مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں اور تم لوگ جو کچھ اپنے گھروں میں کھاتے یا ذخیرہ کر کے رکھتے ہو میں ہو سب بتا دیتا ہوں۔ اگر تم ایمان لانے والے ہو تو ان تمام باتوں میں تمہارے لیے (کافی) نشانی ہے۔ اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے، یعنی تورات، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور (اس لیے بھیجا گیا ہوں) تاکہ کچھ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں، اب تمہارے لیے حلال کر دوں۔ اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ بے شک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ یہی سیدھا راستہ ہے (کہ صرف اسی کی عبادت کرو)۔''

وحیِ شریعت اور وحیِ مطلق:

یہ آیات بھی اس بشارت کا حصہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم کو فرشتوں کے ذریعہ عطا فرمائیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہاں آدمی کو ایک بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ایک وحی شریعت ہے اور ایک مطلقاً وحی ہوتی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ بعض فرامیں ارشاد فرماتے ہیں۔ جہاں تک وحی شریعت کا تعلق ہے وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے علاوہ کسی غیر کے لیے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم ﷺ تک جتنے انبیاء بھیجے ان کے پاس وحی بھیجی۔

وحی کے طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ ایک وحی یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطے کے خود انبیاء کے دل میں ایک بات ڈال دیتے ہیں، دوسری وحی یہ ہوتی ہے کہ اللہ فرشتے کے ذریعے اپنی وحی پیغمبر کے پاس بھیجیں اور تیسری وحی یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام انسان کی شکل میں اللہ تعالیٰ کے نبی کے سامنے آئیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچا دیں۔

کفار کا ایک اعتراض اور اس کا جواب:

اعداء اسلام پر یہ بات تو واضح ہوگئی ہے کہ اگر کوئی دستور اور قوم ہم پر غالب آسکتی ہے تو وہ اسلام اور مسلمان ہیں۔ اس لیے وہ ہر وقت اس انتظار میں ہوتے ہیں کہ ہمیں کوئی چھوٹی سی بات اسلام کے خلاف ملے اور ہم اس پر اعتراض کرسکیں۔ یہاں بھی وہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے ہاں وحی ہے اور ایک فرشتہ اترتا ہے اور اللہ کے نبی کو ایک پیغام دیتا ہے۔ اس کی کیا گارنٹی ہے کہ واقعی وہ انسان کی شکل میں حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں؟ اس سوال سے عام آدمی کے ذہن میں ایک خلجان واقع ہوگیا۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ایسے لوگ راہبوں اور کاہنوں میں بھی گزرے ہیں اور دنیا میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن پر جنات وشیاطین آکر اپنی باتیں ڈالتے ہیں اور وہ لوگوں کو آگے بتاتے ہیں۔ اعداء اسلام اس طرح کے شبہات وحی کے بارے میں ڈالتے ہیں۔

جواب:

یاد رکھیں! اگر آپ کسی ملک کے اندر اپنا سفیر اور قاصد بھیجتے ہیں تو اس کی کچھ علامات ہوتی ہیں کہ جب ایک لیٹر آئے گا تو وہ سمجھ لے گا کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ دوسرا آدمی اس کو پڑھے گا تو اس کو سمجھ نہیں آئے گا۔ تو جب اللہ تعالیٰ

کسی کو اپنی نبوت و رسالت کے لیے چن لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں بھی بعض خاصیتیں پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ حق و باطل میں امتیاز کر سکیں اور صدق و کذب میں امتیاز کر سکیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ شیاطین اور فرشتوں کا بالکل تضاد ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اور گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اور شیاطین سے عمل صالح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب اللہ کے فرشتے آئیں گے تو وہ دین کی بات کریں گے، صدق کی بات کریں گے اور اگر شیاطین ہوں گے تو وہ گمراہی ڈالیں گے، فساد پھیلائیں گے۔ لہٰذا دونوں کے طریقہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حق والا طریق ہے یا باطل والا طریق ہے۔

غیر انبیاء کی طرف وحی کرنے کا معنی:

یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ کبھی کبھی وحی نبی کے علاوہ بھی بھیجتے ہیں، لیکن وہ وحی تشریعی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بی بی مریم علیہا السلام کے پاس بھیجا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو فرشتوں نے خوشخبری دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ نبی ہو گئیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کی طرف وحی بھیجی۔ اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے اندر خصائص آ گئے۔ جس جگہ بھی وحی کا لفظ آ جائے تو وہ ہر جگہ اس معنی میں نہیں ہوتا کہ جو وحی نبی پر آتی ہے وہی ان پر بھی آتی ہے۔ بس لفظ مشترک ہے جیسا کہ آپ لفظ شیر (بمعنی درندہ) اور پھر شیر (بمعنی دودھ) لکھیں۔ اب دونوں لفظ ایک جیسے ہیں، لیکن دونوں میں فرق ہے۔ حالانکہ دونوں کے لکھنے کی شکل ایک ہے۔ اس لیے یاد رکھ لیں کہ ہر جگہ وحی سے وحی نبوت مراد نہیں ہوتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم خفیہ طریقے سے پہنچانے کا نام بھی وحی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ﴿٥١﴾﴾ [الشوریٰ: ۵۱]

''اور کسی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ اس سے (روبرو) بات کرے، سوائے اس کے کہ وہ وحی کے ذریعے ہو، یا کسی پردے کے پیچھے سے، یا پھر وہ کوئی پیغام لانے والا (فرشتہ) بھیج دے، اور وہ اس کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کا پیغام پہنچا دے۔ یقیناً وہ بہت اونچی شان والا، بڑی حکمت کا مالک ہے۔''

کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام نہیں ہو سکتا، ہاں اگر اللہ تعالیٰ خود کلام فرمانا چاہیں، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

ساتھ کلام فرمایا، لیکن وہ کلام بھی ایسا تھا کہ رؤیت نہیں ہو سکی۔

عورت نبی کیوں نہیں بن سکتی؟

اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کو نبی اور رسول نہیں بنایا؛ کیونکہ وہ اس کی اہل نہیں ہے۔ نبوت ایک اعلیٰ مقام ہے جو کہ کسی ادنیٰ کو نہیں دیا جا سکتا۔

اس لیے یاد رکھ لیں! بی بی مریم علیہا السلام صدیقہ ہیں اور ان عورتوں میں سے ہیں جن کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مردوں میں اللہ تعالیٰ نے لاکھوں کامل پیدا کیے ہیں، لیکن عورتوں میں چند عورتیں کامل پیدا ہوئی ہیں۔ جن میں ایک بی بی مریم علیہا السلام بھی ہیں، بی بی آسیہ علیہا السلام بھی ہیں، بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں اور اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔[1]

لیکن اتنی شان کے باوجود ان میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے نبی نہیں بنایا۔ نبوت تو بڑی چیز ہے، بلکہ ان کو ایک مسجد کی امامت کی بھی اجازت نہیں دی، اذان کی بھی اجازت نہیں، عورت کے لیے جمعہ اور عیدین میں حاضر ہونا بھی واجب نہیں۔

بہرحال بی بی مریم علیہا السلام کو جہاں اور خوشخبریاں دیں وہاں یہ بھی خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا بچہ دیں گے جن کو اللہ تعالیٰ کتاب کی تعلیم دیں گے، حکمت بھی دیں گے اور تورات و انجیل بھی تعلیم عطا فرمائیں گے۔

﴿وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٤٩﴾﴾ [آل عمران:۴۹]

جب ان کو رسول بنا کر بھیجا جائے گا تو وہ اپنی قوم سے کہیں گے کہ اے قوم بنی اسرائیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس نشانی دے کر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ معجزہ عطا فرمایا ہے کہ میں مٹی کا ایک پرندہ بنا لوں، اس

---

[1] ابن عدی رحمہ اللہ نے کامل میں روایت نقل کی ہے کہ تمام جہان کی عورتوں میں سے بہترین مریم بنت عمران علیہا السلام، فرعون کی بیوی آسیہ علیہا السلام، خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ میں روایت نقل کی ہے کہ عورتوں میں سے صرف تین عورتیں کامل پیدا ہوئی ہیں: مریم بنت عمران علیہا السلام، فرعون کی بیوی آسیہ علیہا السلام اور خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسے ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔ [کامل لابن عدی، جلد:۳، صفحہ:۲۱۷، البدایہ والنہایہ، جلد:۲، صفحہ:۵۶]

میں جب پھونک ماروں تو وہ حقیقی پرندہ بن کر اڑ جائے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں، بلکہ یہ ایک بہت بڑا معجزہ تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت نبوت پر دلالت کرتا ہے۔

اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں:

بعض اوقات عقائد میں ڈھیلے لوگ ان آیات کو اپنے ترجمے پہنا دیتے ہیں۔ مثلاً قرآن میں ہے:

﴿أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ﴾

اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ میں تمہارے لیے ایک پرندہ پیدا کروں گا۔ تو وہ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی پیدا کرنے کی طاقت تھی، نبی بھی خالق ہوتے ہیں۔ اس طرح لوگوں کے عقیدوں کو خراب کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس جب فرشتے آئے تو انہوں نے کہا کہ ان کو برباد کردیں گے۔ فرشتے جب برباد کر سکتے ہیں تو پیر بھی برباد کر سکتے ہیں۔ یہ دراصل مسلمانوں کے اعتقاد کو دھوکہ دینے والی بات ہے۔ یا تو وہ بدقسمتی سے ترجمہ نہیں سمجھے یا جاننے کے باوجود دھوکہ دیتے ہیں، ورنہ قاعدہ ہوتا ہے کہ کسی کو بادشاہ اپنا مامور بنا کر بھیج دے تو وہ کام بھی کرے گا تو آڈر بادشاہ کا ہوتا ہے، لیکن وہ یہی کہے گا کہ میں آپ کو سزا کردوں گا، میں آپ کو چھوڑ دوں گا، میں آپ کو یہ کردوں گا۔ اس کی اصل پاور وہ ہے جو پیچھے دینے والے نے دی ہے، یہ تو صرف اس کی بات نقل کر رہا ہے۔ اس لیے فرشتے نے بی بی مریم کو کہا: ﴿إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا﴾ [مریم:١٩] میں تو تیرے رب کا ایک قاصد ہوں۔ اور یہاں بھی آگے لفظ آ رہے ہیں: ﴿أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ﴾ میں جب مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک ماروں گا وہ حقیقی پرندہ بن جائے گا اور وہ اسی طرح اڑ جائے گا جیسے پرندے اڑتے ہیں، لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اذن، اللہ کے حکم سے ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو تو ایسا نہیں ہو سکتا۔

معجزات اور کرامات کا اختیار بھی اللہ کے پاس ہے:

ہمارے لوگ جب انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامات کو دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی توحید کو بھول جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اختیار دیا ہے۔ اس لیے وہ عقیدہ بنا لیتے ہیں کہ ہر چیز کا مالک اللہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے ان پیاروں کو اور ان محبوبوں کو اوتار بنا لیا ہے، ان کو مختار بنا لیا ہے۔ یہ بربادی ہے جو عقیدوں کو

برباد کرتی ہے۔

اسی طرح جن لوگوں نے شیطانی تصرفات دیکھے ہیں، نجومیوں کے معتقد ہو جاتے ہیں کہ اس نے میرا ستارہ نکالا ہے اور مجھے سارے احوال بتا دیئے۔ یاد رکھیں! جتنے شیطانی تصرفات ہیں وہ بھی اللہ کے حکم سے کچھ اثر کرتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہی سیدھا راستہ ہے، حالانکہ سیدھا راستہ وہ ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے اور اللہ کے قرآن نے بتایا ہے۔

تصویر سازی کی حرمت:

پرندے کی تصویر یا اس کا مجسمہ بنانا ہماری شریعت میں حرام ہے، پہلی شریعت کے اندر جائز تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے مصورین پر لعنت کی ہے۔[بخاری، رقم: ۵۳۴۷]

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت والے دن مجسمہ سازوں اور مصورین کو اللہ تعالیٰ ایسا عذاب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تم نے یہ مجسمہ بنایا تھا، اب تم اس کے اندر روح کو پھونکو۔[بخاری، رقم: ۵۹۵۱]

اب وہ کہاں سے روح پھونکے؟ اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا کہ جب تک یہ روح نہ پھونکے اس وقت تک اس کو جہنم میں جلاؤ۔

غیر اللہ کو سجدہ جائز نہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب ان کے والد، ان کی خالہ اور ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا تو اس سے بعض لوگ دلیل پکڑتے ہیں کہ اگر حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ کے نبی ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کر سکتے ہیں اور اگر نبی کو سجدہ جائز ہے تو علماء، اولیاء بھی نبی کے وارث ہیں تو ان کو بھی سجدہ جائز ہے۔ یہ بات دماغ کی خرابی کی علامت ہے؛ کیونکہ شریعتِ یوسف علیہ السلام کے اپنے احکام ہیں، شریعتِ موسیٰ علیہ السلام کے اپنے احکام ہیں، شریعتِ عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے احکام ہیں اور ہم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے پابند ہیں۔ ہم نے کلمہ پڑھا ہے: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"۔

لفظ "اَکْمَهَ" کے معانی:

﴿وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوسرا معجزہ یہ ملا تھا کہ نابینا کو بینا کر دیتے تھے۔



﴿ٱلۡأَكۡمَهَ﴾ کے معنی کے اندر علماء نے لغت کے اعتبار سے اقوال نقل فرمائے ہیں: بعض علماء نے فرمایا:﴿ٱلۡأَكۡمَهَ﴾ سے مراد وہ ہیں جن کو شام میں نظر نہ آئے۔بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد بھینگا ہے کہ ایک آنکھ سے نظر آئے اور دوسری آنکھ سے نظر نہ آئے۔اور بعض علماء نے فرمایا:﴿ٱلۡأَكۡمَهَ﴾ سے مراد وہ ہے جو ماں کے پیٹ سے ہی نابینا پیدا ہوا اور یہ معنی زیادہ مناسب ہے۔کیونکہ جو بچے ماں کے پیٹ سے نابینا پیدا ہوں ان کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔ایسے اندھے کو ہاتھ لگانے سے اللہ تعالیٰ آنکھیں عطاء فرمادیں یہ بہت بڑا معجزہ ہے، جو آپ کی صداقت پر زیادہ دلالت کرنے والا ہے۔

برص کی بیماری کو دور کرنے کا معجزہ:

﴿وَٱلۡأَبۡرَصَ﴾

یہ ایک ایسا مرض ہے کہ انسان کے بدن پر سفید سفید داغ پڑنے شروع ہوجاتے ہیں، بعض لوگوں کے چہرے پر اور بعض لوگوں کے سارے بدن پر، بعض کے پاؤں پر اور بعض کے ہاتھوں پر پڑنے شروع ہوجاتے ہیں۔برص اور جذام یہ دو ایسی بیماریاں ہیں جن کو لاعلاج سمجھا جاتا ہے۔

ویسے یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں رکھی جس کا علاج نہ اتارا ہو،لیکن اس دوا تک ہمارا علم نہ پہنچے تو یہ علیحدہ بات ہے۔تو لاعلاج کے معنی یہ ہیں کہ ابھی ڈاکٹروں اور اطباء کو ان بیماریوں کا شافی علاج نہیں ملا۔جذام کوڑھ کی بیماری کو کہتے ہیں۔اس میں بدن گلنا اور پھٹنا شروع ہوجاتا ہے۔حتیٰ کہ بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ان دو بیماریوں سے پناہ مانگی ہے:

''اَللّٰهُمَّ! إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ، وَالْجُنُوْنِ، وَالْجُذَامِ، وَمِنْ سَيِّئِ الْأَسْقَامِ''

''اے اللہ! ہمیں برص، جنون اور جذام کی بیماریوں سے پناہ میں رکھنا اور تمام بڑی بیماریوں سے ہمیں بچانا۔''

[ابوداود، رقم: ۱۵۵۴]

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بھی معجزہ عطا فرمایا تھا کہ اگر برص والے کو ہاتھ پھیر دیتے تو برص کی بیماری ختم ہوجاتی۔

مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ:

﴿وَأُحۡيِ ٱلۡمَوۡتَىٰ بِإِذۡنِ ٱللَّهِۖ﴾



بہت سارے علماء نے یہ تحقیق بیان فرمائی ہے کہ اللہ پاک نے اپنے نبی علیہ السلام کو جب بھیجا تو اس زمانے کے مطابق ان کو معجزات عطا فرمائے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا بڑا زور تھا اور لوگ جادوگروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسا معجزہ عطا فرمایا جس نے آنکھوں کو خیرہ کر دیا اور ہر جادوگر کو حیران کر دیا۔ اور جب وہ جادوگر اس بات کے یقین تک پہنچ گئے کہ یہ جادو نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزہ ہے تو وہ بھی اللہ کے صالح بندے بن گئے اور ان پر ایمان لے آئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو بطور معجزہ اور اپنے اولیاء کو کبھی بطور کرامت ایسی چیز عطا فرماتے ہیں کہ مردے کو حکم ملا تو وہ کھڑا ہو گیا۔ تو یہ معجزہ ہوتا ہے، ورنہ ہر نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا کہ جب چاہے وہ کسی مردے کو زندہ کر لیں۔ اگر یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے اختیار میں ہوتی تو کیا وہ اپنی والدہ محترمہ کو زندہ نہ کر لیتے ؟

اسی طرح بعض اولیاء سے ایسی کرامات کا اظہار ہوا، مثلاً: اصحاب کہف تین سو سال تک سوتے رہے اور جب اٹھے تو کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ یہ کرامت تھی۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تو وہ فصحاء کا زمانہ تھا، بلغاء کا زمانہ تھا اور بڑے بڑے شعراء کے کلام آتے تھے۔ اس دور میں فصاحت و بلاغت کا اتنا زور تھا کہ شعراء حج کے موسم میں اپنا کلام لکھ کر اللہ کے کعبہ پر لٹکا دیتے تھے اور ایک دوسرے کو چیلنج کرتے تھے کہ میرے اس شعر کا مقابلہ کرو، میرے اس قصیدے کا مقابلہ کرو۔ عرب میں ایسے فصحاء و بلغاء گزرے کہ جب زندگی میں ایک جملہ ادا کیا تو پھر ساری زندگی وہ جملہ نہیں دہرایا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک پیغمبر کو کتاب اللہ کا ایک معجزہ دیا کہ تمام فصحاء دنگ رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: میرے مدنی! آپ ان کو چیلنج کریں اور ان کو کہیں کہ قرآن کے مقابلہ پر قرآن لے آؤ۔ اگر تم پورا قرآن نہیں بنا سکتے تو دس سورتیں بنا کر لے آؤ اور اگر دس سورتیں نہیں بنا سکتے تو ایک سورت بنا کر لے آؤ۔ لیکن ساری دنیا نے زور لگایا وہ قرآن کے مقابلے پر ایک سورت نہ بنا سکے اور نہ بنا سکیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک اور معجزہ:

﴿وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ﴾

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ معجزہ بھی دیا ہے کہ جو کچھ تم کھا کر آتے ہو میں وہ بھی میں

بتا سکتا ہوں اور جو تم نے کل کے لیے گھر میں رکھا ہے اس کی بھی تمہیں خبر دے سکتا ہوں۔ یاد رکھیں! یہ بھی معجزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو معجزات عطا فرماتے ہیں، اپنے اولیاء کو بطور کرامت غیب کی کچھ باتیں ظاہر فرما دیتے ہیں۔ یہ اخبار عن الغیب ہے، یہ علم غیب نہیں ہے؛ کیونکہ علم غیب کا مالک اللہ ہے، علم کامل، علم محیط، علم ابدی، دائمی، کامل اور تام کا مالک اللہ ہے اور ما کان وما یکون کا مالک اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو بعض باتیں اپنے انبیاء کو بتا دیں اور اگر نہ چاہیں تو نہ بتائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ باتیں بتا دیں، لیکن ان کو یہ پتا نہیں تھا کہ میری حفاظت کیسے فرمائیں گے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی جان کے بارے میں بھی علم نہیں دیا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو اپنے اولیاء پر بھی یہ باتیں ظاہر فرما دیتے ہیں، لیکن اس سے بندہ عالم الغیب نہیں بن جاتا۔ اور جس کو کوئی ذاتی طور پر جانتا ہو اور اس کے سوا اس کو کوئی نہ جانتا ہو وہ علم غیب ہے۔ حالانکہ ہر چیز کو اللہ جانتا ہے تو بندوں کے لیے وہ علم غیب کیسے ہوگا؟ اور جس چیز کو صرف اللہ جانتا ہے تو وہ علم غیب ہے۔ جب کوئی دوسرا بھی جاننے لگے تو وہ علم غیب نہیں رہتا۔ عالم الغیب ہونا صفت خداوندی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ معجزے عطا فرمائے ہیں۔ ان میں تمہارے لیے نشانی ہے کہ میری صداقت پر دلیل ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول اور اللہ کا بندہ ہوں، تاکہ تم لوگ ایمان لے آؤ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ﴾ [آل عمران: ۵۰]

مجھ سے پہلے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب تورات اتاری ہے میں اس کتاب کی تصدیق کرنے والا ہوں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی شریعت ہے اور میں اس کو ثابت رکھنے والا ہوں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی شریعت ہے اور میں اس کو ثابت رکھنے والا ہوں، اسی پر عمل کروں گا۔

تورات کے بعض احکام انجیل میں منسوخ ہو گئے تھے:

بعض علماء فرماتے ہیں: تورات کے بعض احکام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرما دیئے،

جیسا کہ ان پر بعض چیزیں حرام تھیں، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں حلال ہو گئیں، لہٰذا پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں: کوئی بھی حکم منسوخ نہیں ہوا۔ ان لوگوں نے جہالت کی وجہ سے اپنے احکام بنا رکھے تھے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس اختلاف کو ختم کیا، ورنہ آپ نے کوئی چیز منسوخ نہیں فرمائی۔ یاد رکھیں اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں اور شریعتیں اتاری ہیں سب برحق ہیں۔ اگر کوئی حکم دوبارہ نہ آئے تو پہلی شریعت کا حکم نافذ ہوتا ہے، اس کے بعد اگر حکم آجائے تو وہ حکم ختم ہو جائے گا، ورنہ اسی شریعت پر عمل ہوتا رہے گا؛ کیونکہ وہ بھی اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب ہے۔

مثال کے طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء اسلام میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی، حالانکہ قرآن میں کہیں بھی حکم نہیں ہے کہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھو اور کسی حدیث مبارک میں یہ نہیں ملتا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور خاص حکم بھیجا ہو کہ آپ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھیں اس سے معلوم ہوا کہ پہلے انبیاء چونکہ نماز بیت المقدس کی طرف پڑھتے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ بھی وہی تھا۔ جب حکم ملا کہ اب ادھر سے رخ پھیریں تو اب یہ قبلہ قرار پایا۔

﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝﴾ [آل عمران: ۵۲ تا ۵۴]

’’پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ وہ کفر پر آمادہ ہیں تو انہوں نے (اپنے پیروؤں سے) کہا: کون کون لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں میرے مددگار ہوں گے؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لا چکے ہیں اور آپ گواہ رہیے کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ اے ہمارے رب! آپ نے جو کچھ نازل کیا ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے رسول کی اتباع کی ہے، لہٰذا ہمیں ان لوگوں میں لکھ لیجیے جو (حق کی) گواہی دینے والے ہیں۔ اور ان کافروں نے (عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف) خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔‘‘

دعوت انبیاء کی سابقہ تاریخ:

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس فرمایا کہ میری قوم میری رسالت کے انکار پر اور نافرمانی پر جمی ہوئی ہے اور میری دعوت کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، بلکہ یہ مجھے قتل کرنے کے درپے ہیں۔

چونکہ تاریخ انسانیت ہمیں بتاتی ہے کہ جب کبھی حق کی دعوت دینے والے اٹھے ہیں، کسی بھی دور کے اندر ہوں، چاہے انبیاء ہوں یا علماء ہوں، جو بھی دعوت حق لے کر کھڑا ہوا اس کی مخالفت ہوئی، لوگوں نے اسے ہر قسم کی ایذاء پہنچائی، اللہ تعالیٰ کے راستے میں انہیں امتحانات کی بھٹیوں سے گزرنا پڑا، اللہ تعالیٰ کے راستے میں انہیں تکلیفوں کے سمندر کو عبور کرنا پڑا، حتیٰ کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی دعوت کی وجہ سے شہید کر دیا گیا اور بعض انبیاء کے سر پر آرا رکھ کر ان کو دو ٹکڑے کر دیا گیا۔ اسی طرح صحابہ، تابعین، ائمہ محدثین اور آج جو فرد اور جماعت دعوت حق کا کام کرے گی تو لازمی بات ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں آزمائے جائیں گے اور ان پر امتحانات گزریں گے۔ اب یہ نصیب کی بات ہے کہ بعض لوگ کامیاب ہو کر غازی کہلاتے ہیں اور بعض اس راستے میں شہید کہلاتے ہیں، لیکن یہ آزمائش ضرور آتی ہے۔ اور جو لوگ دنیا میں مزے کرتے ہیں: اقتدار، عزت، دولت اور پیسہ ہو تو سمجھ لو کہ ان کی دعوت دعوت حقہ نہیں ہوتی۔ اگر ان کی دعوت حقہ ہوتی تو ان کو بھی سنت انبیاء کے مطابق تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سب سے پہلے عذاب دیں گے کہ میں نے تمہیں علم دیا تھا، لیکن تم نے حق بات نہیں پہنچائی۔

حواریوں سے مدد لینے کا مفہوم:

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ محسوس کر لیا کہ انہوں نے صرف میرا انکار نہیں کیا، بلکہ میرے قتل کے درپے ہیں تو آپ نے اسباب ظاہری کے مطابق کہا: ﴿مَنْ أَنصَارِيٓ إِلَى ٱللَّهِ﴾ (کون ہے جو میری مدد کرے گا؟)

بعض گمراہ فرقے اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ دیکھو! حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دوسروں کو مدد کے لیے پکارا تھا، لہٰذا اگر ہم "یا علی مدد" کہتے ہیں تو اس میں شرک کی کیا بات ہوگئی؟ اور اگر ہم "یا غوث پاک" کہتے ہیں تو شرک کی کیا بات ہوگئی؟

یاد رکھیں! ایک ہے دنیا میں رہ کر اپنے سامنے زندہ لوگوں کو دین کی نصرت کے لیے بلایا جائے۔ یہ بات مدد نہیں ہوتی، بلکہ اسباب ظاہری ہیں۔ مثلاً: آپ اذان دیں گے تو نماز کے لیے آئیں گے؟ شرک یہ ہے کہ غائبانہ طور پر



کسی کی عدم موجودگی میں یا کسی کی موت کے بعد اس کو پکارا جائے اور اس سے مدد طلب کی جائے یا اس کو حاضر وناظر سمجھا جائے یا اس کو عالم الغیب کا درجہ دیا جائے تو یہ کفر وشرک ہے، ورنہ تو حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: میری مدد کرو، حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے صدقات طلب کیے۔ یہ چیزیں ممنوع نہیں ہوتیں، بلکہ یہ نظامِ عالم ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے کہ ہم پانی بھی پئیں گے، ہم کھانا بھی کھائیں گے اور ہم ایک دوسرے کی مدد ونصرت بھی کریں گے، لیکن کسی کی موت کے بعد کسی کو نداء کی جائے باین اعتقاد کہ وہ میری نداء سن رہا ہے اور میری مدد کرنے پر قادر ہے تو یہ شرک اکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو شرک اور غلط عقیدے سے محفوظ رکھے۔

حواری کا معنیٰ:

1 ...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مدد کے لیے پکارا کہ کون میری مدد کرنے والا ہے؟ تو ان کے حواریوں نے کہا: ﴿نَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ (ہم اللہ کی مدد کرنے والے ہیں) چونکہ اللہ کے دین کی مدد اور اللہ کے نبی کی مدد اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔

حوارییّن کے بارے میں علماء نے کئی اقوال نقل فرمائے ہیں۔ بعض نے فرمایا: حواری دھوبی کو کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد ونصرت کرنے والے دھوبی تھے۔

آپ تاریخ عالم پر نظر ڈال کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حق والوں کی مدد ہمیشہ غریب نے کی ہے اور جتنے فرعون، قارون اور بڑے بڑے جبار تھے وہ حق کے مخالف رہے ہیں، بہت قلیل ایسے لوگ گزرے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دولت دی اور دین بھی دیا۔ اس سے یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اسلام کے اندر کوئی پیشہ نہ عزت کا باعث ہے اور نہ ذلت کا باعث ہے۔ اصل بات تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

2 ...... بعض علماء نے فرمایا: حواری کا معنیٰ سفید ہے، یعنی جو باعتبار لباس کے بھی صاف تھے اور باعتبار دل کے بھی صاف تھے اور گورے رنگ کے تھے، یعنی اندر وباہر سے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخلص تھے۔ اس لیے ان پر لفظ حواری کا اطلاق کیا گیا۔ جیسے ہمارے ہاں لفظ صوفی مشہور ہے۔ یہ لفظ صفائے قلب سے تھا۔ وہ لوگ جن کا قلب گناہوں کی گندگی سے پاک ہے ان پر گناہوں کا، نافرمانی کا زنگ اور میل نہیں لگا اور جن کے دل اللہ تعالیٰ نور سے بھر دیتے ہیں۔

3 ...... بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حواری کا معنیٰ ہے: ناصر، مدد کرنے والا۔ ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضور پاک ﷺ نے غزوۂ احزاب کے دن لوگوں کو مدد کے لیے بلایا اور آواز دی: ''مَنْ أَنْصَارِيْ اِلَى اللّٰهِ''

(کون ہے جو میری مدد کرے گا؟) تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے لبیک کہا۔ دوسری یا تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی جواب عرض کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر پیغمبر کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔ [بخاری، رقم: ۴۷۱۹]

حواریوں کی تعداد:

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ (کون ہے جو میری مدد کرے گا؟) مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ تقریباً بارہ آدمی تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نصرت کا وعدہ کیا کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے ماننے والے ہیں، اپنے آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے تابع کرتے ہیں اور ہم نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی اتباع کی ہے۔ اے اللہ! تو ہمیں حق کی شہادت دینے والوں میں لکھ دے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مشکلات:

﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾ [آلِ عمران: ۵۴]

اگلی آیات کے اندر یہ واقعہ آ رہا ہے، اس کو وہاں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں نصاریٰ اور یہود تھے۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن تھے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر ماننے کی بجائے ان کی والدہ پر تہمت لگائی کہ ان کے یوسف النجار کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے اور اس سے یہ بچہ پیدا ہوا......نعوذ باللہ!......

اللہ کے انبیاء پر ہر قسم کے ابتلاء آتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام پر بھی تہمت لگی کہ امرأۃ العزیز نے خود دعوت دی تھی اور خود دروازے بند کیے تھے، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام بھاگے، اس نے پکڑنے کی کوشش کی، لیکن جب اس کے سامنے اس کا خاوند آ گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام پر اس نے تہمت لگا دی۔

اسی طرح حضرت جریج رحمہ اللہ جو بڑے ولی گزرے ہیں، جن کی ساری زندگی عبادت میں گزری تھی ان پر ایک عورت نے زنا کی تہمت لگائی۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نظریات:

اسی طرح یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر تہمت لگائی۔

اور عیسائیوں کے تین گروہ بن گئے: ایک وہ جنہوں نے آپ کو اللہ کا رسول اور اللہ کا بندہ مانا۔ اور ایک گروہ حد سے بڑھ گیا کہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ اور ایک گروہ الجھ گیا، انہوں نے کہا کہ ایک عیسیٰ ہیں، ایک ماں ہے اور ایک روح القدس ہیں۔ ان تین میں کوئی ایک خدا ہے۔ وہ یوں بھٹک گئے۔ تو ان آیات مبارکہ کے اندر اس کا ذکر ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ فیصلہ کر لیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو...... نعوذ باللہ...... قتل کر دیا جائے۔ اس لیے لفظ لائے: ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ﴾۔

مکر کا معنیٰ:

ہمارے ہاں ''مکر'' کا لفظ ہمیشہ برائی کے لیے استعمال ہوتا ہے کہ فلاں بڑا مکار ہے، عربی کے اندر لفظ مکر کا معنیٰ ہے خفیہ طریقہ سے کسی کو نقصان پہنچانا کہ کسی کو پتا نہ چلے۔ عرب کے اندر لفظ ''مکر'' اچھے کام کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور برے کام کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

﴿وَمَكَرَ اللّٰهُ﴾ علماء محققین نے لکھا ہے کہ جب مکر کا معنیٰ ہے دوسرے کو ضرر پہنچانے کی خفیہ تدبیر کرنا جب کفار کی طرف سے ہو تو برا ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو آیت میں: ﴿وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهٖ﴾ [فاطر: ۴۳] فرمایا ہے کہ برا مکر کرنے والے کو ہی واپس پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے مکر کے جواب میں ایسی تدبیر کرتے ہیں کہ ان کے مکر کا ضرر انہیں کو پہنچتا ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں بھی ہے: ﴿فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا﴾ [المؤمن: ۴۵]۔

اللہ تعالیٰ نے جب مکر کے ساتھ ہی و کا لفظ لگا دیا تو معلوم ہوا کہ مکر محمود بھی ہے اور مکر مذموم بھی ہے۔ کافروں کا مکر مذموم ہے کہ وہ نبی کو قتل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا مکر محمود ہے کہ وہ اپنے نبی کو بچانا چاہتے ہیں۔

یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا مکر:

یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی خفیہ سازش کی اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ایک مکان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام داخل ہوئے، یہودیوں نے ان کو گھیر لیا۔ اس مکان سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنے ساتھیوں کا امتحان لیں کہ آج کون آپ کا مخلص ہے؟ تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ کوئی ہے جو آج میری وجہ سے قربان ہو جائے؟ ایک ساتھی نے کہا کہ میں قربانی دینے کے لیے تیار ہوں۔ اور بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی جان بچانے کے لیے خفیہ طریقے سے

چلتے چلتے ایک جگہ پہنچے تو خود ان کے ساتھیوں میں سے ایک نے (جس کا نام یہوذا تھا) خیانت کی اور یہودیوں کو اطلاع کر دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلاں جگہ چھپے ہوئے ہیں۔ اس کی اطلاع سے یہودی وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے پورے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اب باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اس ساتھی پر بالکل عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دو۔ چنانچہ جب وہ اندر گیا تو اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا گیا۔ جب یہودی اس مکان میں گئے تو اس کو پکڑ لیا اور اس کو پھانسی پر چڑھا دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ جو مکان کا روشندان ہے اس میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نکال کر آسمانوں پر لے آؤ۔ اور ادھر یہودیوں نے شور مچا دیا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ﴾[النساء:۱۵۷]

''انہوں نے ہرگز عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کیا تھا، نہ انہیں سولی دے پائے تھے، بلکہ انہیں اشتباہ ہو گیا تھا۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اوپر اٹھا لیا ہے۔ دوسرے آسمان پر وہ زندہ موجود ہیں اور قیامت سے پہلے وہ آسمان سے اتریں گے۔ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے اندر بڑے اختصار کے ساتھ بیان فرما دیا ہے، جس کو ہم نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝﴾[آل عمران:۵۵تا۵۸]

''(اس کی تدبیر اس وقت سامنے آئی) جب اللہ نے کہا تھا: اے عیسیٰ! میں تمہیں صحیح سالم واپس لے لوں گا اور تمہیں اپنی طرف اٹھالوں گا اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے ان (کی ایذا) سے تمہیں پاک کردوں گا۔ اور جن لوگوں نے تمہاری اتباع کی ہے، ان کو قیامت کے دن تک ان لوگوں پر غالب رکھوں گا جنہوں نے تمہارا انکار کیا ہے۔ پھر تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، اس وقت میں تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ چنانچہ جو لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے کفر اپنا لیا ہے، ان کو تو میں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کو کسی طرح کے مددگار میسر نہیں آئیں گے۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان کو اللہ ان کا پورا پورا ثواب دے گا۔ اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (اے پیغمبر!) یہ وہ آیتیں اور حکمت بھرا ذکر ہے جو ہم تمہیں پڑھ کر سنا رہے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی ہے کہ یاد کریں اس واقعہ کو جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تمہیں پورا پورا لے لوں گا اور اپنی طرف اٹھالوں گا اور کافروں کے الزامات سے تجھے پاک کردوں گا اور تیری اتباع کرنے والوں کو قیامت تک غالب رکھوں گا۔ پھر تم سب نے میری طرف لوٹ کر آنا ہے اور پھر میں ہی فیصلہ کروں گا جس میں تم جھگڑتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو قرآن پاک میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بھی بڑی تفصیل کے ساتھ ہے اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے متعدد سورتوں میں بیان فرمایا ہے، لیکن سب سے زیادہ تفاصیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہیں۔

قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر تفصیل سے کیوں آیا؟

مفسرین کرام رحمہم اللہ نے اس کی بہت ساری حکمتیں ذکر فرمائی ہیں۔ ان میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ حضور اکرم علیہ السلام کے زمانے کے قریب تر ہے۔

دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔ اس کے بعد بنی اسرائیل میں نبوت ختم ہو کر ولد اسماعیل میں منتقل ہوئی اور ہمارے آقا خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں۔ اس نسبت سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآن میں زیادہ تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔

تیسری وجہ یہ بھی بیان فرمائی کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں دونوں قومیں موجود تھیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دشمنی میں حد سے بڑھ جانے والے یہود بھی موجود تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں حد سے بڑھ جانے والے نصاریٰ بھی موجود تھے۔ حضور اکرم ﷺ کو چونکہ دونوں قوموں سے سامنا تھا، یہود کے اعتراضات کے جواب بھی دینا ہیں اور نصاریٰ کے غلو کا بھی جواب دینا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بڑی تفصیلات کے ساتھ آگاہ فرمایا۔

چوتھی وجہ یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے یہ چیز صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقدر میں آئی کہ وہ آسمان پر زندہ رہیں اور آسمان سے اتریں اور حضور اکرم ﷺ کی شریعت کی تصدیق کریں اور آپ کی شریعت کے تابع رہیں تو اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو بڑا کھول کر بیان فرمایا ہے۔

اللہ علام الغیوب ہیں، وہ جانتے ہیں کہ آخر زمانہ میں وہ لوگ بھی پیدا ہوں گے جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کریں گے تو ان کے دعووں کا اِبطال بھی مقصود تھا، لہٰذا تمام جزئیات کے اِبطال کا احاطہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کیا۔

اس سے ہمیں یہ سبق ملا کہ اگر ہم بھی اپنے پاک پیغمبر کی محبت میں یا صحابہ، اہل بیت کی محبت یا اولیاء کرام کی محبت میں حد اعتدال سے نکل جائیں گے جیسے عیسائی نکل گئے تھے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا جیسے نصاریٰ کافر ہو گئے ہیں ہم بھی کافر ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی حدود متعین فرما دی ہیں، ان سے آگے نہیں نکلنا چاہیے۔ دوسری طرف یہود ہیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دشمنی میں حد اعتدال سے اتنے آگے نکل گئے کہ...... نعوذ باللہ!...... انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر الزام لگایا کہ زنا سے پیدا ہوئے ہیں اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ہر حربہ استعمال کیا اور اپنے اعتقاد میں مطمئن ہو گئے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔

یہاں سے بھی ہمیں ایک سبق ملا کہ اگر کوئی شخص انبیاء علیہم السلام کی شان میں یا اصحابِ رسول کی شان میں یا اہل بیت رسول کی شان میں یا اولیاء اللہ کی شان میں یا ائمہ محدثین فقہاء علماء کی شان میں حد سے گر جائے اور دشمنی میں ایسی باتیں کرے کہ کفر تک پہنچ جائے تو وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صحیح اعتقاد:

سب سے معتدل اور صحیح راستہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہے۔ ہمارے آقا ﷺ نے امت کو سبق دیا اور یہود

ونصاریٰ کے دعاوی کا ابطال کیا اور یہ تصدیق فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول اور نبی ہیں اور بی بی مریم صدیقہ طاہرہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر باپ کے پیدا فرمایا اور ان کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا ہے۔ وہ زندہ موجود ہیں اور آسمانوں سے اتریں گے، قیامت کا زمانہ قریب ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ کر دجال کو بھی قتل کریں گے، صلیب کی شوکت کو بھی مٹا ڈالیں گے اور یہود کو فنا کریں گے اور پھر پوری دنیا میں عدل وقسط، ایمان کا دور دورہ ہوگا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع ہوں گے اور قیامت والے دن ہمارے مدنی سرکار کے ساتھ اٹھیں گے۔ یہ صحیح اور اعتدال والا راستہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا اور آپ نے اپنی امت کو سبق دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پہلے ہے یا رفع آسمانی؟

﴿اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ﴾

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت قتادہ اور ان کے شاگرد یہ فرماتے ہیں کہ یہاں تقدیم وتاخیر ہے۔ اصل میں "رَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُتَوَفِّیْكَ" ہے کہ پہلے تو میں آپ کو اپنی طرف آسمانوں پر اٹھاؤں گا، اس کے بعد تمہیں موت دے دوں گا۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ نے اس پر بہت سارے شواہد بھی نقل کیے ہیں کہ بعض چیزیں اصل میں موخر تھیں، لیکن ذکر میں مقدم ہوگئیں اور بعض چیزیں مقدم تھیں، لیکن ذکر میں موخر ہوگئیں۔ کیونکہ قرآن پاک کا اسلوب بیان ایسا ہے کہ کبھی اعلیٰ سے شروع کرتے ہیں، پھر اوسط اور پھر ادنیٰ ذکر کرتے ہیں اور کبھی اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے، یعنی پہلے ادنیٰ کا ذکر آجاتا ہے، پھر متوسط کا ذکر آتا ہے اور آخر میں اعلیٰ کا ذکر آتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس چیز کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ٹھیک ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ۝۲ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ۝۳﴾ [التین: ۱، ۲، ۳]

اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کی قسمیں کھائیں۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ "بلد امین" سے مراد کعبۃ اللہ ہے اور وہ طور سینا سے افضل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بلد امین کو مؤخر فرما دیا اور طور سینین کو مقدم فرما دیا۔ اور جو طور سینین کا مقام ہے وہ تین اور زیتون کا مقام نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے پہلے فواکہ میں تین کا ذکر فرما دیا اور اس کے بعد زیتون کا ذکر فرما دیا۔ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے، اس کے اندر اس کی حکمتیں ہیں۔ اور قرآن میں فرمایا گیا:

﴿وَأَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَآ أَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ﴾ [الواقعہ:۲۷] یہ اہل جنت کا ذکر ہے۔

﴿وَأَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَآ أَصْحٰبُ الشِّمَالِ﴾ [الواقعہ:۴۱] یہ اہل جہنم کا ذکر ہے۔

اور اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہے جو مقربین ہیں۔ حالانکہ ان کا درجہ "أَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ" سے مقدم ہے۔ اسی طرح حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے اندر بھی تقدیم وتاخیر ہے۔

2 ......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾ کا معنی "مُمِيْتُكَ" ہے اور انہوں نے یہاں تقدیم وتاخیر نہیں کی اور فرمایا: یہاں ﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾ سے مراد موت ہے، لیکن اللہ تعالیٰ ان کو موت کب دیں گے؟ اس کی یہاں کوئی قید نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول:

﴿وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا﴾ [النساء:۱۵۹]

کوئی اہل کتاب نہیں، مگر ایمان لائیں گے عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے اور وہ ان پر اس وقت ایمان لائیں گے جب وہ آسمانوں سے زمین پر اتریں گے۔ اس سے پہلے اور اس وقت تمام اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت آکر جزیہ ختم کر دیں گے اور فرمائیں گے: تلوار یا اسلام۔ تو پھر جتنے اہل کتاب ہیں وہ سب کے سب قیامت سے پہلے اسلام لائیں گے۔

قول حق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے اور جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تفصیل کے ساتھ سمجھایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ نہ قتل کیے گئے اور نہ پھانسی چڑھائے گئے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی میں آسمانوں پر اٹھالیا اور وہ آسمانوں میں زندہ موجود ہیں اور قیامت سے پہلے آسمانوں سے اتریں گے اور زمین پر تشریف لائیں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع ہوں گے۔ اس کے علاوہ جتنے اقوال ہیں وہ یہود کے ہیں، نصاریٰ کے ہیں اور قادیانیوں کے ہیں۔ دشمنوں نے جو شبہات پیدا کیے ہیں وہ حقیقت میں شبہات نہیں ہیں، بلکہ بغیر کسی دلیل اور بغیر کسی وزن کے ایسی باتیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

پہلا شبہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کتنی ہے؟

انہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھایا ہوا ہے اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ

سو سال پہلے تشریف لائے پھر انہیں آسمانوں پر بٹھایا گیا ہے تو ان کی عمر کتنی ہوگی؟

جواب:

یہ شبہ اس لیے باطل ہے؛ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے دور میں اور ان کے بعد کے دور میں ایسے انسان بھی گزرے ہیں اور ایسے جنات بھی گزرے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہزاروں سال کی عمر دی ہے۔ اگر یہ عمر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دے دیں تو کیا اشکال ہے؟

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں کسی جانب تشریف لے جا رہے تھے۔ دور سے ایک آدمی آتا ہوا نظر آیا، آپ نے اپنے صحابی سے فرمایا کہ اس کے چلنے کا انداز ایسے ہے کہ یہ کوئی جن ہے۔ جب وہ قریب آیا تو اس نے آپ کو سلام کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں جن ہوں اور میں اسلام لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں، مجھے آپ کلمہ پڑھا دیں اور آپ مہربانی فرما کر مجھے قرآن پاک کی دو چار آیات بھی سنا دیں۔ وہ اسلام لے آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا قرآن پڑھا۔ جب اس نے قرآن سنا تو اس نے کہا: میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تورات بھی سنی ہے۔

آپ خود اس کی عمر کا اندازہ لگالیں۔ تو اگر اللہ ایک جن کو ہزاروں سال کی عمر دے سکتے ہیں تو عیسیٰ علیہ السلام کو بڑی عمر دینے میں کیا مشکل ہے؟

دوسرا جواب:

اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے کہ ایک انسان کی عمر سو سال ہے جو زمین پر گزرے۔ اس دوران میں اگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے آسمانوں پر اٹھالیں تو یہ زندگی شمار نہ کی جائے گی۔ شمار تو تب ہو جب وہ زمین پر ہو۔ مثلاً: اصحاب الکہف پر اللہ تعالیٰ نے تین سو نو سال تک نیند مسلط کی تھی۔ تین سو سال کے بعد جب وہ بیدار ہوئے تو ان کے لیے وقت ایسا گزرا جیسے ایک دن گزرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر کو وہیں روک دیا اور مرورِ زمانہ ان میں کوئی تبدیلی اور تغیر نہ کر سکا۔ اور اللہ تعالیٰ نے وہ عرصہ ان کی عمر کا شمار ہی نہ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی شمار نہ کیا تو کیا محال ہے۔

بعض دشمنانِ اسلام کہتے ہیں کہ قرآن میں موجود ہے: ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى

يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ﴾[الاعراف: ۴۰] کافروں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور یہ جنت میں بھی داخل نہیں ہوں گے، حتیٰ کہ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ گزرے۔ یعنی جیسے سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزرنا محال ہے اس طرح سے ان کے لیے آسمان کا دروازہ کھلنا محال ہے اور جنت میں جانا محال ہے۔

دوسری وہ یہ بات کہتے ہیں کہ قرآن کہتا ہے: جب حضور اکرم ﷺ کا زمانہ آیا اور شیطان اوپر جانے لگے تو ان پر شہاب ثاقب برسے اور وہ بھاگ کر ابلیس لعین کے پاس آئے کہ ہم برباد ہو گئے۔ ﴿وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ﴾[الجن: ۹] کیونکہ ہم نے جو خلاء میں اسٹیشن بنائے ہوئے تھے، جہاں سے بیٹھ کر ہم فرشتوں کی باتیں سنتے تھے اور آکر ہم کاہنوں کے کانوں میں ڈلتے تھے اب وہاں پہرہ لگ گیا ہے، ہم قریب بھی نہیں جاسکتے۔ ابلیس لعین نے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی بڑا واقعہ ہو گیا ہے۔ میں یہ تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کا اس دنیا کے بارے میں کیا فیصلہ ہے؟ کیا اس دنیا کو فنا کرنے کا وقت آگیا ہے یا کوئی اور بات ہے؟ پوری دنیا میں پھیل جاؤ اور ایک ایک چپہ چھان مارو اور پتا کرو کہ کیا بات ہے؟ تو جن دوڑے اور رپورٹ دی کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مبعوث ہو گئے ہیں اور یہ پہرے لگا دیئے گئے ہیں۔ اب یہودی اعتراض کرتے ہیں کہ تم کہتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر چلے گئے، آسمانوں پر تو جنوں کے بھی پہرے لگ گئے، وہ ملائکہ کی باتیں بھی نہیں سن سکتے اور پھر قرآن کہتا ہے کہ آسمان کے دروازے نہیں کھلیں گے تو عیسیٰ علیہ السلام کیسے آسمانوں پر چلے گئے؟

جواب:

ہمارا ایمان ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے آنے کے بعد آسمانوں کا پہرہ شدید کر دیا گیا۔ جنات وہاں نہیں پہنچ سکتے جہاں پہلے پہنچ جاتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہے: کافروں کے آسمان کے دروازے نہیں کھلیں گے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ نے انتظام کیا ہے۔ وہ پروردگار اگر خود لے جائیں تو کسی کو کیا تکلیف ہے؟ آپ کسی بادشاہ کے گھر میں ملنے کے لیے جائیں، وہاں پہرے ہوتے ہیں۔ اگر بادشاہ آپ کو خود بلالے تو یہ سارے پہرے آپ کے لیے ختم ہو جائیں گے، بلکہ الٹا آپ کو سلام بھی ہو رہے ہوں گے۔ لہٰذا یاد رکھیں! آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی نہیں جاسکتا۔ یہاں اگر رفع عیسیٰ کا انکار کریں تو معراج نبی بھی ختم ہو جائے گی، حالانکہ حضور اکرم ﷺ کا آسمان پر جانا حق ہے۔

لہٰذا یہ محض شبہات ہیں جن کو قرآن وحدیث کا علم نہ ہو وہ یہ باتیں سن کر پریشان ہو جاتے ہیں، لیکن جن کی قرآن وحدیث پر نظر ہو تو اس کے لیے کوئی پریشانی نہیں ہے۔

﴿اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ﴾ یہاں ﴿مُتَوَفِّیْكَ﴾ کو مقدم کیا کہ اس میں یہودیوں کا رد ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم نے ان کو قتل کر دیا، پھانسی پر لٹکا دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جھوٹ بولتے ہو۔ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موت دیں گے، تم نے قتل نہیں، تم نے پھانسی پر نہیں چڑھایا۔ اور اس میں عیسائیوں کا بھی رد کیا، وہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور خود خدا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! میں تمہیں موت دوں گا تو جس پر موت آئے وہ کیسے خدا بن سکتا ہے؟ اللہ پاک ان کو موت دیں گے جب ان کا وقت معین آئے گا۔ اس لیے لفظ مقدم کرنے میں اتنی بڑی حکمت ہے کہ اس سے یہودیوں کا یہ عقیدہ بھی باطل ہو گیا، نصاریٰ کے دعوے بھی ختم ہو گئے اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کا جو صحیح مقام تھا وہ بھی واضح ہو گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک بھی سچا ہو گیا۔

شبہ: ⑨

کہتے ہیں: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے چلنے کی آواز سنی، لہٰذا اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر تھے تو کیا آپ کی ان سے ملاقات بھی ہوئی؟

جواب:

ان کا یہ شبہ بھی غلط ہے؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو دفعہ ملاقات ہوئی: ایک دفعہ بیت المقدس میں اور ایک دفعہ آسمانوں میں۔

اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَقِيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ إِبْرَاهِيْمَ، وَمُوْسٰى، وَعِيْسٰى)) [مسند احمد، رقم:۳۵۵۶]

''جس شب کو مجھے معراج ہوئی، میں نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی۔''

لہٰذا آسمانوں کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات تو مشہور بات ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جو آدمی دشمن بن جائے تو وہ آپ کے اچھے عمل کے اندر بھی کوئی نہ کوئی کیڑا نکالے گا۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی اور آپ پانچ نمازیں حرم کے اندر پابندی سے پڑھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو

طواف بھی نصیب فرماتے ہیں، صف اوّل اور تلاوتِ قرآن بھی نصیب فرماتے ہیں۔ آپ کا اگر کوئی دشمن ہے اور اس کو کوئی آپ کے بارے میں کہے کہ فلاں شخص اتنا خوش نصیب ہے کہ پانچوں نمازیں حرم کے اندر صف اوّل میں نصیب ہوتی ہیں تو وہ کہے گا کہ تمہیں کیا پتا کہ وہ حرم میں کیوں جاتا ہے؟ وہ تو بھیک مانگنے جاتا ہے۔ اور جو آدمی معتدل ہوگا کہ دشمن بھی نہیں اور دوست بھی نہیں تو وہ کہے گا: الحمد للہ! اللہ کا شکر ہے، کسی کو درس نصیب ہے، کسی کو حرم نصیب ہے اور میرے لیے بھی دعا کرو اللہ تعالیٰ مجھے بھی نصیب کرے۔

مخالف اعتراض کا بہانہ ڈھونڈتا ہے:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے واقعہ پر شیعہ نے اعتراض کیا کہ دیکھو! سنیوں کا ایسا مذہب ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پہلے جنت میں داخل ہوں گے، حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ ایک ملازم بادشاہ کی گاڑی کے آگے بھاگ رہا ہے تو کیا وہ بادشاہ سے افضل ہوگیا؟ اس اعتراض کی وجہ یہ ہے کہ مخالف نے کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈتا ہوتا ہے اور پھر اس ایک لفظ کو لے کر اعتراض کر دیتے ہیں۔

مفسر ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں "تَوَفّی" کا لفظ جیسے موت کے لیے استعمال ہوتا ہے اس طرح نیند کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا﴾ [الزمر: ۴۲]

"اللہ تمام روح کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے، اور جن کو ابھی موت نہیں آئی ہوتی، ان کو بھی ان کی نیند کی حالت میں (قبض کر لیتا ہے)۔"

حدیث مبارک میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے تھے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ)) [بخاری، رقم: ۶۳۱۲]

"اللہ! تیرا شکر ہے تو نے ہماری موت کے بعد ہمیں دوبارہ زندگی عطاء فرمائی اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔"

کیونکہ نیند بھی گویا ایک موت ہے، اس کے اندر بھی اللہ تعالیٰ پوری روح لے لیتے ہیں۔ تو جس کی موت کی گھڑی آگئی اس کی روح واپس نہیں لوٹائی جاتی اور جس کی زندگی باقی ہے اس کی روح کو قبض کر لیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا تعلق جسد کے ساتھ باقی رہا اور جب وہ بیدار ہوا تو اس کی روح واپس لوٹ آئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں:

ہمارا ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں؛ کیونکہ قرآن فرماتا ہے:

﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ﴾[النساء:۱۵۸]

''بلکہ اللہ نے انہیں اپنے پاس اٹھالیا تھا۔''

دوسرا اس وجہ سے بھی ایمان ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ایک سو احادیث موجود ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ احادیث متواترہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک ایک تفصیل حضور اکرم ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔ اس لیے اس بات پر جھگڑا کرنا کہ ﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾ پہلے کیوں ہے اور ﴿رَافِعُكَ اِلَيَّ﴾ بعد میں کیوں ہے غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے جس لفظ کو اللہ تعالیٰ پہلے بیان فرمائیں اور جس لفظ کو چاہیں بعد میں بیان فرمائیں۔ مقصود ایک حقیقت کا بیان، یہود کا بطلان، نصاریٰ کا رد اور دین اسلام کی سچائی ہے۔

عیسائی یہودیوں پر غالب رہیں گے:

﴿وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ﴾[آل عمران:۵۵]

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ تیرے ماننے والوں کو دشمنوں پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے، جس میں کسی قسم کا کوئی خلاف نہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۟﴾[آل عمران:۹]

پہلے تو اللہ تعالیٰ نے قسطنطین بادشاہ کو بھیجا...... چاہے وہ سازش کر کے نصاریٰ سے ملا یا ان کے دین کو بدلنے کے لیے ملا...... بہرحال اس نے ان کے ساتھ مل کر یہودیوں کو ہمیشہ ذلیل کیا اور یہودیوں پر غالب رہا اور یہودیوں پر مظالم توڑے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل دشمن یہودی ہیں جو ان کی نبوت کے منکر ہیں اور ان کی عظمت و عصمت کے منکر ہیں۔ باقی رہے نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ اور رسول ماننے والے تھے وہ حق پر تھے اور جو نبی نہ مانتے تھے وہ ان کو مانتے تو تھے۔...... اللہ تعالیٰ نے ہر حال میں عیسائیوں کو یہود پر غالب رکھا یہود ہمیشہ مغلوب رہے اور ذلیل و خوار بھی رہے۔ اور ان کی کسی بھی جگہ عظمت قائم نہ ہو سکی اور یہ دور چلتا رہا۔

حضور ﷺ کی نبوت تمام عالم کے لیے ہے:

حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ساری کائنات کے انس و جن کے لیے نبی بنایا؛ کیونکہ آپ ﷺ کی نبوت کسی علاقہ یا قوم کے لیے نہیں تھی، بلکہ تمام مخلوقات کے لیے تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اعلان کریں: ﴿قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ [الاعراف: ۱۵۸] اور اس طرح حکم آیا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ [سبا: ۲۸] اور حکم آیا: ﴿وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ [الانعام: ۹۲] اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمت للعالمین بنایا اور اسی طرح آپ ﷺ کو خاتم الانبیاء والمرسلین بنایا۔ جب آپ ﷺ کی نبوت کا زمانہ آیا اور جو لوگ مسلمان ہو گئے تو حضور اکرم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ تم ایمان لاؤ! اللہ تعالیٰ پر ایمان، اللہ تعالیٰ کے تمام فرشتوں پر ایمان، اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں پر ایمان، جتنے رسول بھیجے سب برحق ہیں اور نفع و نقصان میرے اللہ کی طرف سے ہے اور اس پر ایمان لانا کہ ہم نے مرنا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے، قیامت برحق ہے، حساب برحق ہے، صراط برحق ہے، میزان برحق ہے، سزا جزا برحق ہے۔ تو جب حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کو یہ سبق دیا۔ گویا جس نے حضور اکرم ﷺ کا کلمہ پڑھا تو وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو ماننے والا بنا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو دعویدار ہیں ان سے زیادہ حضور اکرم ﷺ کی امت شان میں زیادہ ہے؛ کیونکہ انہوں نے تبدیلیاں کر ڈالیں اور کتابیں بدل ڈالیں۔

اسلام کے خلاف یہودیوں کی سازشیں:

یہ اسی طرح ایسے مقہور ذلیل وخوار ہوں گے کہ ان کی قیادت دجال کرے گا وہ بھی یہودی ہوگا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی انصاف کی نظر سے دیکھے تو اسلام کے خلاف جتنی بھی سازشیں ہوئی ہیں وہ سب کی سب یہودیوں نے کی ہیں۔

جس طرح ہم حضور اکرم ﷺ کے غلام ہیں، اسی طرح جتنے نبی گزرے ہیں ہم ان سب کے غلام ہیں۔ صرف یہ ہے کہ ہم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت مانیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خاتم الرسل بنایا، اللہ تعالیٰ نے انہیں اولادِ آدم کا سردار بنایا، تمام کائنات میں افضل بنایا۔ اللہ کے نبی نے اپنی امت کو دعوت دی کہ تم سب کی تصدیق کرو۔ اس وجہ سے ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھی زیادہ حق دار ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھی زیادہ حق دار ہیں، جبکہ ان کے ماننے والوں کا تو یہ عالم ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو بھی بدل ڈالا، انجیل کو بھی بدل ڈالا اور ان

کے الفاظ و کلمات بھی بدل ڈالے۔

حضور ﷺ کا یہودیوں کو وحی کے ذریعہ خبریں دینا:

حضور اکرم ﷺ نے کسی مدرسہ میں نہیں پڑھا، کسی استاذ کے سامنے زانو تہہ نہیں کیے اور ماسوائے لغت عربیہ کے میرے مدنی ﷺ نے کوئی زبان نہیں سیکھی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے مدنی پاک ایسے پاک نبی ہیں جسے لکھنا بھی نہیں آتا، ان کو اللہ تعالیٰ نے پڑھایا۔ اور پہلی جتنی کتابیں تھیں وہ عبرانی یا سریانی زبان میں تھیں، عربی میں صرف قرآن پاک ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے کبھی عبرانی یا سریانی نہیں پڑھی تھی، لیکن جو تورات میں لکھا ہوا ہے اس کے بارے میں میرے مدنی پاک ان کو خبر دے رہے ہیں کہ علمائے یہود تمہاری تورات میں یہ لکھا ہے اور یہ لکھا ہے۔ اگر تم نہیں مانتے ہو تو تورات میرے سامنے لے آؤ۔ تو حضور اکرم ﷺ کا یہ خبر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اپنے نبی کو پڑھایا، ورنہ آپ ﷺ تو ان کی زبان بھی نہیں جانتے تھے۔ اگر انصاف ہوتا تو ان کو فوراً یہ بات سمجھ آجاتی کہ یہ اللہ کے نبی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی کے ذریعہ سے خبر دی ہے، ورنہ آپ کو ہماری کتاب کے احکام کا کیسے پتا چل گیا!؟ لیکن اس کے باوجود انہوں نے آپ کو نہیں مانا، تکبر میں مبتلا ہو گئے۔ اس کے مقابلہ میں حضور اکرم ﷺ کی امت کو دیکھیں کہ ان کو آپ کے علاوہ کسی کا زمانہ نہیں ملا۔ یہود کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ملا، عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ملا ہے اور امت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا زمانہ ملا اور نبی تو گزر گئے، لیکن حضور اکرم ﷺ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی تصدیق کی ہے۔ سب نبی اور رسول برحق ہیں، سب کتابیں برحق ہیں۔ اور یہ بد بخت جن کو موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ اور تورات ملی انہوں نے محمد مدنی ﷺ کا انکار کیا تو گویا موسیٰ علیہ السلام کا بھی انکار کیا اور اپنی کتاب تورات کا بھی انکار کیا، انجیل کا بھی انکار کیا۔

اللہ پاک نے جب حضور اکرم ﷺ کو بھیجا تو آپ کی شریعت سے باقی ساری شریعتیں منسوخ ہو گئیں۔ جب تک وہ حضور پاک ﷺ پر ایمان نہ لے آئیں اس وقت تک وہ ایماندار کہلانے کے حق دار نہیں ہیں۔

غلبۂ اسلام حقانیت اسلام کی دلیل ہے:

اللہ تعالیٰ قیامت تک آپ ﷺ کے دین کو باقی اور غالب رکھیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ نے مشارق الارض اور مغارب الارض کو فتح کیا، بہت سے ممالک پر اسلام کے جھنڈے گاڑے، کسریٰ کی طاقت کو توڑ دیا، قیصر کی طاقت کو توڑ دیا، ان کے خزانے لے کر تقسیم کیے گئے اور اللہ تعالیٰ کا جو حضور اکرم ﷺ سے وعدہ تھا وہ سچ کر دکھایا۔



﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ﴾ [النور:۵۵]

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے صحابہ سے وعدہ کیا کہ جو میرے مدنی پر ایمان لائے اور اعمال بھی اچھے کیے ہیں، اس آیت کے اترنے کے وقت جو موجود ہیں ان کو زمین میں خلافت دیں گے، ان کو زمین کا خلیفہ بنائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو اقتدار دیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو شان و شوکت دیں گے کہ خوف کے بجائے امن قائم ہوگا۔ جب یہ دین قائم کریں گے تو صرف میری عبادت کریں گے اور میری ذات کے ساتھ شرک نہیں کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وہ وعدہ پورا کر دیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک بائیس لاکھ مربع میل تک اسلام پھیل گیا۔ آج بھی اگر دین حق ہے تو دین اسلام ہے۔ دنیا کا کوئی دین اس دین اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَاۗجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاۗءَنَا وَاَبْنَاۗءَكُمْ وَنِسَاۗءَنَا وَنِسَاۗءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَي الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَھُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾﴾ [آلِ عمران:۵۹ تا ۶۳]

’’اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام جیسی ہے۔ اللہ نے انہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر ان سے کہا: ہوجاؤ۔ بس وہ ہوگئے۔ حق وہی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے، لہٰذا شک کرنے والوں میں شامل نہ ہوجانا۔ تمہارے پاس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا) جو صحیح علم آگیا ہے اس کے بعد بھی جو لوگ اس معاملے میں تم سے بحث کریں تو ان سے کہہ دو: ’’آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو، اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو، اور ہم اپنے لوگوں کو اور تم اپنے لوگوں کو۔ پھر ہم سب مل کر اللہ کے سامنے گڑگڑائیں، اور جو جھوٹے ہوں ان پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔‘‘ یقین جانو کہ واقعات کا سچا بیان یہی ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور یقیناً اللہ ہی ہے جو اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو اللہ مفسدوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔‘‘

خلاصۂ مضامینِ آیات:

آپ تفصیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پڑھ چکے ہیں کہ دو جماعتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں افراط وتفریط کا شکار تھیں: ایک یہود اور دوسرے نصاریٰ تھے۔ ان آیات کے اندر وفدِ نجران کے ساتھ مباہلہ کا بیان ہے۔ اس کے بارے میں آپ پہلے تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں۔

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾ [آل عمران: ۶۴]

"(مسلمانو! یہود ونصاریٰ سے) کہہ دو کہ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہم تم میں مشترک ہو، (اور وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔ پھر بھی اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو: گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہے:

وفدِ نجران نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بحث مباحثہ کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناظرہ میں ایسے دلائل پیش فرمائے کہ اگر انسان انصاف والی عقل رکھتا ہے تو اپنی بات کو چھوڑ کر حق تسلیم کر لینا چاہیے۔ ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ آپ کے دلائل اتنے قوی تھے کہ ایک عام انسان کے سامنے بھی رکھ دو تو وہ بھی سمجھ جائے کہ اگر باپ کے بغیر ایک آدمی اللہ کا بیٹا بن جائے تو جس کا باپ بھی نہ ہو اور ماں بھی نہ تو اس کو کیا کہیں گے؟ لہٰذا سیدھی سی بات ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کمال ہے، وہ چاہے تو حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرما دیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرما دیں۔ یہ اس کا کمال وقدرت ہے، اس کے اندر ابنیت کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

دعوتِ مباحثہ اور عیسائیوں کا فرار:

قاعدہ ہے کہ دلائل علمی کے بعد آدمی نہ مانے تو اس کی آخری حجت رہ جاتی ہے کہ ضمیر کو اور وجدان کو مطمئن کرنے کے لیے میدان میں نکل آؤ اور ہم مباہلہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے آگے فریاد کرتے ہیں: مولا! ہم میں سے جو جھوٹا

ہے اس پر تیری لعنت ہو اور اس پر عذاب نازل کر۔ وفد نجران اس سے بھاگ گیا۔

داعی کے اوصاف:

اب ظاہر اصول تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ اتنی ضد، عناد کے بعد ان سے آدمی اعراض کرلے کہ چلو ان کو ہلاک ہونے دو، لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کمالِ رحمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو فرمایا: میرے مدنی! ہم نے آپ کو بشیر بنا کر بھیجا ہے، نذیر بنا کر بھیجا ہے اور داعی الی اللہ بنا کر بھیجا ہے۔ کوئی کتنا ضدی بن جائے آپ اپنی دعوت کو نہ چھوڑیں، ان کو پھر بلائیں، پھر بلائیں۔

جیسا کہ ایک مثل مشہور ہے کہ ایک بزرگ دریا یا پانی کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے دیکھا کہ ایک بچھو پانی کے اندر گر پڑا اور ڈوبنے لگ گیا۔ ان بزرگوں نے ہاتھ دے کر اس کو نکالا تو بچھو نے باہر آکر ڈنگ مار دیا۔ بزرگ کو تکلیف ہوئی اور بچھو پھر پانی میں گر گیا۔ بچھو پھر ڈوبنے لگا تو آپ نے پھر ہاتھ دے دیا۔ اس طرح جب دو تین دفعہ ہوا اور ایک آدمی نے یہ منظر دیکھا تو اس نے کہا: تم عجیب اللہ کے بندے ہو! یہ موذی جانور ہے، ڈنگ مار رہا ہے۔ اس کو چھوڑ دو، ڈوب جائے گا اور بات ختم ہو جائے گی۔ بزرگ نے کہا: وہ بری عادت نہیں چھوڑتا، میں اچھی عادت کیسے چھوڑ دوں؟

اس لیے شریعت کا حکم ہے کہ اگر وہ اپنی عادت سے باز نہیں آتے تو تم بھی اپنی دعوت کو نہ چھوڑو۔ آپ نے دیکھا ہوگا اکثر حمام ہوتے ہیں۔ کوئی ٹینکی یا پائپ لیک ہو جاتا ہے تو اوپر سے قطرہ قطرہ ٹپکتا ہے۔ نیچے سخت پتھر ہے، اس کو اگر کدال بھی ماریں تو وہ نہ ٹوٹے، لیکن قطرہ قطرہ گرتے گرتے اس میں نشان بن جاتا ہے اور اس میں سوراخ بن جاتا ہے۔ ایک ایک قطرے کے گرنے کا اگر اتنا اثر پیدا ہو سکتا ہے تو آدمی جو اللہ تعالیٰ کے لیے دعوت دے گا اس کا اثر کیسے نہیں ہوگا!؟ شرط یہ ہے کہ دعوت دینے والا مخلص ہو۔ یہ نہیں تمہارے دل میں بھی ریاء اور شہرت آجائے کہ میں نمازی ہوں، میں ان کو جگا رہا ہوں۔ اس طرح فائدہ نہیں ہوتا، فائدہ تب ہوگا جب تیرے دل میں درد ہو۔

ان آیات کے اندر اللہ تعالیٰ کا کمالِ فضل ہے کہ نصاریٰ نے اتنی بڑی حجت کے بعد بھی نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے مدنی! آپ ان کو دعوت دیں:

﴿قُلْ يَٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ

بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران: ۶۴]

دعوت میں تکالیف پر صبر:

اور یہی دعوت کا اصول ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے دعوت کا آغاز فرمایا تو ان کو مشکلات پیش آئیں۔ روایات میں ہے کہ آپ پر مکہ میں بھی اور طائف میں بھی یہ وقت گزرا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی دعوت دے رہے ہیں، لیکن ظالم پتھر مار رہے ہیں یا تالیاں بجا رہے ہیں اور استہزاء کر رہے ہیں کہ دیوانہ اور مجنون ہے، لیکن حضور اکرم ﷺ اپنی دعوت پر مقرر ہیں۔ آج بھی جو موحد ہوگا اس کو یہ باتیں سننی پڑتی ہیں۔

﴿وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ [آل عمران: ۶۴]

''اور نہ پکڑیں ہم ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ۔''

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے سامنے حضور اکرم ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [التوبۃ: ۳۱] (یہودیوں اور نصرانیوں نے اپنے پیروں اور مولویوں کو اللہ کے سوا رب بنا دیا۔) تو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں ان کے مذہب پر تھا یہودی، نصرانی اپنے مولوی کو، اپنے راہب کو رب تو نہیں کہتے، اس کو صرف بزرگ سمجھتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ان کے پیر یا مولوی اپنی طرف سے جس چیز کا حکم کریں وہ مانتے ہیں؟ انہوں نے کہا: جی اس کے حکم کو مانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جس سے منع کریں رک جاتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: جی اس سے رک جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جس چیز کو وہ حلال کہیں اس کو حلال سمجھتے ہیں اور جس چیز کو وہ حرام کہیں اس کو حرام سمجھتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: یہی تو رب بنانا ہے۔ حالانکہ حلال، حرام کا اختیار اللہ تعالیٰ کو تھا تو جب اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں انہوں نے ان کی باتوں کو مانا تو ان کو بھی رب بنا لیا۔

ایک سوال وجواب:

سوال: کوئی آدمی ہمیں یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ تم بھی تو حضور اکرم ﷺ کی بات کو مانتے ہو۔ حضور اکرم ﷺ جس چیز کو حلال کہیں اس کو حلال سمجھتے ہو اور جس چیز کو حرام کہیں اس کو حرام سمجھتے ہو؟

جواب: یاد رکھیں! ان کو یہ بتادیں کہ ہمارے نبی ﷺ اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دیتے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ [النجم: ۳، ۴]

میرا اللہ کوئی بات نہیں کرتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کوئی بات نہیں کرتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے برابر قرار دیا ہے۔ تو گویا ہم اللہ ہی کی اطاعت کر رہے ہیں، نبی پاک ﷺ تو ہمیں بتا اور سمجھا رہے ہیں۔

کیا فقہاء کی تقلید شرک ہے؟

بعض لوگ یہی آیات پڑھ کر ائمہ اربعہ پر بھی منطبق کر دیتے ہیں کہ انہوں نے بھی تو چار اماموں کو خدا بنایا ہوا ہے۔ وہ جو ان کو کہتے ہیں اس کو مانتے ہیں اور جس سے منع کرتے ہیں اس سے رک جاتے ہیں۔ یہ بھی غلط فہمی ہے؛ کیونکہ ان ائمہ کرام کی بات بھی ہم اس لیے مانتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے فرمان کو ہم سے بہتر سمجھا ہے۔ اگر...... نعوذ باللہ!...... کوئی بات اہل علم پر بالکل واضح ہو جائے کہ یہ حکم کتاب اللہ کے مخالف ہے یا سنت رسول اللہ ﷺ کے مخالف ہے تو ہم ان کی بات کو چھوڑ دیں گے اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو لیں گے؛ کیونکہ اصل ماخذ قرآن وحدیث ہے۔ ہم نے ان چار ائمہ کو نہیں، بلکہ ہر دور میں جو سوادِ اعظم گزرا ہے، انہوں نے ان چار کو فقہی مسائل میں اپنا امام مان لیا۔ تو اتنے مسلمانوں کا ہر دور میں ان پر اجماع ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سچے ہیں؛ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی امت کبھی گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوتی۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میری امت کبھی گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو ہدایت پر رکھیں گے اور ان شاء اللہ ہدایت پر رہے گی۔

اس کو یوں سمجھیں کہ اگر کوئی قانون کی بات ہو تو تم وکیل سے سمجھو گے، مکان کا نقشہ ہے تو آپ اس کو انجینئر سے سمجھنے جاتے ہیں، اسی طریقہ سے اگر دین کا مسئلہ ہو تو آپ عالم سے سمجھنے جاتے ہیں اور وہ عالم پھر ان ائمہ کی سمجھ کو ترجیح دیتا ہے کہ ان کا زمانہ زیادہ قریب تھا، اس دور میں تقویٰ، علم اور اللہ تعالیٰ کا خوف بھی زیادہ تھا اور ان کو اللہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث کی سمجھ زیادہ عطا فرمائی تھی لہٰذا ہم ان کی بات کو ترجیح دیتے ہیں۔

جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ دونوں کو واقعہ پیش آیا کہ ان کے دور میں ایک آدمی نے آکر شکایت پیش کی کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے اور اس کو چھ مہینے گزرے ہیں کہ اس سے بچہ پیدا ہو گیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب تحقیق کرائی کہ نکاح واقعی فلاں تاریخ کو ہوا اور بچہ چھ مہینے کے بعد پیدا ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حد لگانے پر تیار ہو گئے۔ اتفاق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ آگئے اور پوچھا تو آپ نے ان کو بتایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

فرمایا: حد جاری نہ کریں؛ کیونکہ قرآن کہتا ہے:

﴿وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ [الاحقاف: ۱۵]

''حمل اور فصال تیس مہینے ہیں۔''

اور دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ [البقرۃ: ۲۳۳]

''مائیں اپنے بچوں کو دو سال تک دودھ پلائیں۔''

تو تیس میں سے چوبیس ماہ دودھ کے نکال دو تو باقی حمل کے چھ مہینے بچیں گے، لہٰذا چھ ماہ میں بھی بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس عورت پر حد جاری نہ کی گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ'' [تفسیر النیسابوری، غرائب القرآن ورغائب الفرقان، ج: ۶، صفحہ: ۱۲۰]

''اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔''

یہی وجہ ہے کہ آدمی عالم سے اس لیے رجوع کرتا ہے۔ ورنہ دیکھیں یہی آیات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھی تھیں، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ مسئلہ آ گیا اور یہی مسئلہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آیا اور وہ عورت کو حد لگانے پر تیار ہو گئے، لیکن حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے روک دیا۔ اس لیے علماء سے پوچھنا اور ان ائمہ سے پوچھنا شرک نہیں ہے۔ ہم...... نعوذ باللہ!...... ان کو رب نہیں سمجھتے۔

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران: ۶۴]

اگر اتنی دعوت حق اور دعوت توحید کے بعد بھی اعراض کریں تو ان کو کھل کر بتا دو کہ نہ مانو، لیکن ہم تو مسلمان ہیں، ہم تو اللہ و رسول کی بات کو مانتے ہیں۔

مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کا توحید پر اتفاق:

اس آیت مبارکہ میں خطاب عام ہے۔ پہلے جو خطاب ہو رہا تھا وہ نصاریٰ کے ساتھ تھا، اب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب عام دعوت دیں، یہود کو بھی اور نصاریٰ کو بھی کہ ہم تمہیں ایک ایسے کلمہ کی طرف دعوت دیتے ہیں جو تمہارے اور ہمارے درمیان برابر ہے۔ لہٰذا اب تو اس بات پر ہمارے ساتھ اتفاق کر لو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہودی ہو یا

نصرانی، وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم توحید کے قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی خالق، مالک اور رازق ہیں۔

یہودی اپنے دماغ میں توحید کے قائل تھے، لیکن توحید کا کیا معنیٰ کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنالیا اور پھر بھی کہیں کہ ہم توحید کے قائل ہیں۔ نصرانی بھی کہتے تھے کہ ہم توحید کے قائل ہیں، خدا کو مانتے ہیں، لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنادیا، اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک کردیا، جبکہ اللہ تعالیٰ کی صفات ﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳﴾ [الاخلاص: ۳] ہیں کہ وہ اولاد اور ماں باپ سے پاک ہے۔ اسی طرح بعض نصاریٰ اس بات کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود خدا ہیں۔ تو پھر ان کی توحید کہاں رہی؟

کفارِ مکہ مشرک کیوں تھے؟

اسی طرح ہمارے حضرات بھی ہیں جو غیر اللہ کو سجدہ بھی کر لیتے ہیں اور غیر اللہ کی نذریں بھی چڑھا لیتے ہیں، لیکن اس کے باوجود کہتے ہیں کہ ہم موحد ہیں اور خدا کو مانتے ہیں، ہم نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن توحید اس وقت آئے گی جب تمام عبادات کا مرکز ومحور صرف اللہ کی ذات ہو، اللہ تعالیٰ کی ذات میں بھی کسی کو شریک نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ میں بھی کسی شریک نہ کریں۔ اور جب تک تمام انواع کی عبادت خالص اللہ تعالیٰ کے نام پر نہ ہو اس وقت تک آدمی موحد نہیں بنتا۔ ورنہ اس طرح تو خدا کو ابوجہل بھی مانتا تھا۔ اگر وہ خدا کو نہ مانتا تو کعبۃ اللہ کو کیوں بناتا؟ اور پھر طواف کیوں کرتا؟ اگر وہ خدا کو نہ مانتے تو عقیقہ نہ کرتے، ختنہ نہ کرتے۔ جب حج کا موقع آتا تو احرام باندھ کر لبیک پڑھتے ہوئے منیٰ جاتے، مزدلفہ جاتے، قربانیاں کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود بھی وہ مشرک رہے؛ کیونکہ انہوں نے لات، عزیٰ، منات اور ہبل کو اپنا خدا اور الٰہ بنا رکھا تھا کہ یہ ہماری باتیں اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان میں واسطہ ہیں۔ اسی وجہ سے وہ مشرک بن گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام:

تو ان آیات کے اندر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی کہ اگر توحید کو مانتے ہو تو آجاؤ۔ ہم بھی توحید کی دعوت دیتے ہیں کہ ﴿اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـــًٔا﴾ [آل عمران: ۶۴] ہرگز ہم عبادت نہیں کریں گے، مگر اللہ کی۔ تم اللہ کے سوا کبھی صلیب کو سجدہ کر رہے ہو، کبھی آگ کو سجدہ کر رہے ہو، کبھی کسی بت کے آگے سجدہ کر رہے ہو اور کبھی تمثال (صورت) کے آگے سجدہ کر رہے ہو۔ یہ توحید نہیں ہے، بلکہ یہ شرک ہے۔ لہٰذا آؤ اور اقرار کرو کہ ہم ان

چیزوں کی عبادت نہیں کریں گے اور صرف خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔

یہود و نصاریٰ کے کفریہ نظریات:

آج بھی نصرانیوں کے گھروں پر باقاعدہ صلیب کا نشان ہوگا، ان کے گلے کے اندر باقاعدہ صلیب لٹکی ہوئی ہوگی، جب وہ گھر سے باہر نکلیں گے تو سینہ پر کراس کا نشان کر کے صلیب کی علامت بنائیں گے اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جب ہم یہ نشان بناتے ہیں تو برکت حاصل ہوتی ہے اور ہماری حفاظت ہوجاتی ہے۔ اور یہ بھی ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت آئی ہے۔ اور اسی لیے وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہمیں جہنم میں سزا نہیں ہوگی؛ کیونکہ ہماری طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو پھانسی بھگتی ہے وہ ہم سب کی طرف سے کفارہ ہوگیا ہے۔

اسی طرح یہودی کہتے تھے کہ ہمیں جہنم کی سزا نہیں ہوگی؛ کیونکہ اللہ کے بیٹے کے ساتھ ہماری دوستی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا بیٹا اپنے باپ سے کہہ دے گا تو ہمیں سزا نہیں ملے گی۔ اور کچھ یہودی کہتے تھے کہ سزا تو ملے گی، لیکن چند دنوں کے لیے ہمیں آگ میں ڈالا جائے گا؛ کیونکہ ہمارے بزرگوں نے غلطی کی تھی اور چند دنوں کے لیے گائے کو خدا بنالیا تھا، اس کے بعد ہم سیدھے جنت میں چلے جائیں گے۔

آج بھی روافض کا یہی عقیدہ ہے کہ اگر آدمی حب علی رکھتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس کے دل میں بغض علی ہے وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ یہ وہی عقیدے ہیں جو یہودیوں سے منقول ہیں اور یہی عقیدے ہمارے جاہلوں میں بھی آگئے۔ وہ کہتے ہیں: پیرانِ پیر کی کشتی چلے گی جو اس کشتی میں آگیا وہ جنت میں جائے گا اور جو پیرانِ پیر کی کشتی سے پیچھے رہ گیا وہ برباد ہوگیا۔ کوئی ان سے پوچھے: خدا کے بندے! جو پیران پیر سے پہلے لوگ تھے وہ کس کشتی میں ہوں گے؟ ان کو پیرانِ پیر سے واقفیت بھی نہیں وہ کشتی کیسے ڈھونڈیں گے؟

یاد رکھیں! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" دَخَلَ الْجَنَّةَ)) [سنن ابی داود، رقم: ۳۱۱۶]

جس شخص کو عقیدہ توحید پر موت آئی اور زبان سے بھی کلمہ پڑھ لیا جنت میں داخل ہوگا۔

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ جنت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملے گی اور جہنم اللہ تعالیٰ کے عدل سے ملے گی۔ اس لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر فضل فرمائے، ہم عدل کے قابل نہیں ہیں؛ کیونکہ کون اللہ تعالیٰ کو حساب دے سکتا ہے؟

اہل کتاب کو دعوتِ توحید:

﴿اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا﴾ [آل عمران: ۶۴]

یہی وہ دعوت ہے جو تمام انبیاء لے کر آئے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ [الانبیاء: ۲۵]

''نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول، مگر ہم نے اس کو وحی بھیجی کہ آپ دعوت دیں کہ کوئی معبود برحق نہیں، مگر اللہ، اسی کی عبادت کرو۔''

اور فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ [النحل: ۳۶]

''اور ہم نے بھیجا ہر امت میں اپنا پیغمبر کہ اس بات کی دعوت دیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اللہ تعالیٰ کے غیر سے بچ جاؤ۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [آل عمران: ۶۴]

ان کو کہو کہ ہم اس بات پر اتفاق کریں کہ ایک دوسرے کو رب نہیں بنائیں گے، یعنی کسی کو ایسا درجہ نہیں دیں گے کہ جو وہ حکم کرے اس کو ہم کریں، جو حلال کرے وہ حلال اور جو حرام کرے اس کو حرام سمجھیں۔ اگر وہ ہمیں گناہ کا بھی حکم دے تو ہم تعمیل کریں۔ اگر ہم نے کسی کو ایسا درجہ دیا، اس کا مطلب ہے کہ...... نعوذ باللہ...... ہم نے اس کو خدا سمجھ لیا ہے؛ کیونکہ یہ شان صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کہ اس کا ہر حکم قابل تسلیم ہوتا ہے کہ جو وہ حکم دیں اس کو کرنا ہوگا۔

ایک بزرگ اور ان کے خلیفہ کا واقعہ:

ایک بہت بڑے اللہ والے تھے۔ ان کا ایک مرید تھا، جو شاگرد بھی تھا، وہ ان سے اللہ اللہ سیکھتا رہا۔ جب وہ اس قابل ہوگیا کہ جا کر دین کا کام کرے تو اس نے اپنے شیخ سے اجازت لی کہ اب میں اپنے علاقے میں چلا جاؤں؟ آپ نے فرمایا: ہاں اجازت ہے، لیکن خیال کرنا ایک تو خدائی کا دعویٰ نہ کرنا اور دوسرا نبوت کا دعویٰ نہ کرنا۔ شاگرد ڈر گیا، اس نے کہا: حضرت! کمال ہے میں نے آپ کے پاس اتنا عرصہ رہ کر دین سیکھا تو کیا میں اتنا گیا گزرا ہوں کہ اپنے ملک میں جا کر خدا بن جاؤں گا یا نبی بن جاؤں گا!؟ بزرگ نے فرمایا: جب آدمی یہ کہے کہ جو

میں کہہ رہا ہوں وہ ہی کرو تو تم خدا کے مقام پر آ گئے اور جب تم لوگوں کو کوئی بات کہو اور کہو کہ میری رد نہیں ہوسکتی، جو میں کہہ رہا ہوں وہ ٹھیک ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تم نبوت کے مقام پر آ گئے؛ کیونکہ یہ شان نبی کی ہے کہ اس کی بات کوئی رد نہیں کرسکتا، ورنہ تو ہر بندے کی بات میں غلطی ہوسکتی ہے، ہر بندے میں کوئی نہ کوئی کمی رہ سکتی ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے نبی کا مقام ہے کہ اس کی کوئی بات رد نہیں ہوسکتی۔

شاہِ روم کا حضور ﷺ کے متعلق مکالمہ:

جب قیصرِ روم عیسائیوں کے بڑے بادشاہ کے پاس حضور اکرم ﷺ کا خط پہنچا تو اس نے اپنے آدمیوں سے کہا: مکہ کے لوگ یہاں تجارت کے لیے آتے ہیں، معلوم کرو اگر ان کا قافلہ آیا ہوا ہے تو ان لوگوں کو یہاں لے آؤ۔ اس وقت تجارت کا قافلہ ابوسفیان کی سربراہی میں تھا اور وہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ قیصر روم کے بندے ان کو دربار میں لے گئے تو قیصر روم نے اس وفد سے کہا: تم میں سے کون ہے جس کا نسب اس کے ساتھ ملتا ہو جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: میں اس کا چچا ہوں۔ اس نے کہا: مجھے یہ بتاؤ کہ محمد مدنی کس خاندان میں پیدا ہوئے ہیں؟ ابو سفیان نے کہا: مکہ کے اعلیٰ خاندان، قریش کے قبیلے اور بنوہاشم کی شاخ میں پیدا ہوئے ہیں۔ قیصر روم نے کہا: مجھے حضور اکرم ﷺ کی صفت، صورت اور سیرت مبارک بتائیں۔ ابوسفیان نے ہر وہ بات بتائی جو بالکل سچ تھی۔ حالانکہ ابوسفیان کافر اور مشرک تھا، لیکن اس نے جھوٹ نہیں بولا۔ اس روایت کے اندر اختصار ہے۔

دوسری روایت کے اندر ہے کہ ابوسفیان نے کہا: میرے دل میں خیال آیا کہ میں جب خود ان کو نہیں مانتا، ان کا کلمہ نہیں پڑھتا تو میں کیوں ان کی تعریف کر رہا ہوں؟ میں کیوں نہ ان کے اندر جھوٹ بولوں؟ تو میں نے دل میں سوچا کہ ابوسفیان تم نے جھوٹ بولا تو قیامت تک تیرے خاندان میں لکھا جائے گا کہ وہ جھوٹا تھا، لہٰذا میں بچ گیا۔ اور جب قیصر روم نے مجھ سے پوچھا کہ جب وہ معاہدہ کریں تو اس پر پابند رہتے ہیں یا نہیں؟ تو میں نے اتنا جھوٹ بولا کہ میں نے کہا: ابھی ہمارا معاہدہ ہوا ہے، پتا نہیں اس معاہدے کو پورا کرتے ہیں یا نہیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ حالانکہ مجھے پتا تھا کہ محمد مدنی ﷺ کبھی معاہدہ نہیں توڑیں گے۔

قیصر روم نے پوچھا کہ جب اس نے دعویٰ کیا تو سب سے پہلے اس پر ایمان لانے والے امیر تھے یا غریب تھے؟ میں نے کہا: ان کو ماننے والے سارے غریب تھے، غلام تھے۔ اس نے یہ ساری باتیں سننے کے بعد کہا: خدا کی قسم ہے! دیکھو! میں بادشاہ ہوں اور میں نے سابقہ کتابیں پڑھی ہیں۔ یہ اللہ کا سچا نبی ہے۔ اگر مجھے موقع ملتا اور

میں وہاں ہوتا تو میں ان کے قدم دھو کر پی لیتا۔ جب اس نے یہ کہا تو اس کے سارے پادری جو بیٹھے تھے وہ چیخ پڑے، وہ ڈر گیا اور اس نے کہا: میں تم لوگوں کو آزمانا چاہتا تھا کہ تم اپنے دین پر کتنے پکے ہو!؟ میں نصرانی ہوں، میں دین سے پھر نہیں رہا تھا۔ وہ بات بدل گیا، اس کی قسمت میں ایمان نہیں تھا۔

ہرقل کی طرف حضور ﷺ کی دعوتِ اسلام:

حضور اکرم ﷺ نے ہرقل بادشاہ کی طرف جو خط لکھا وہ یہ تھا:

''بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ إِلٰی هِرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّوْمِ: سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّيْ أَدْعُوْكَ بِدِعَایَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، یُؤْتِكَ اللهُ أَجْرَكَ مَرَّتَیْنِ، فَإِنْ تَوَلَّیْتَ فَإِنَّ عَلَیْكَ إِثْمَ الْأَرِیْسِیِّیْنَ وَ ﴿قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۝﴾''

[صحیح البخاری، رقم: ۷]

''بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (یہ خط ہے) اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر محمد (ﷺ) کی طرف سے بادشاہ روم کی طرف۔ اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد واضح ہو کہ میں تم کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں، اسلام لاؤ گے تو (قہر الٰہی) سے بچ جاؤ گے اور اللہ تمہیں تمہارا دوگنا ثواب دے گا۔ اگر تم (میری دعوت سے) منہ پھیرو گے تو بلاشبہ تم پر (تمہاری) تمام رعیت (کے ایمان نہ لانے) کا گناہ ہوگا۔ اور اللہ فرماتے ہیں: اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں مشترک ہے، یعنی یہ کہ ہم اور تم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا پروردگار بنائے۔ پھر اگر اہل کتاب اس سے اعراض کریں تو تم کہہ دینا کہ اس بات کے گواہ رہو کہ ہم اللہ کی اطاعت کرنے والے ہیں۔''

ایک شبہ کا جواب:

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سورۃ آلِ عمران کی ابتدائی چھیاسی آیات وفد نجران کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نجران والے پہلے لوگ ہیں جنہوں نے جزیہ قبول کیا تھا۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آیت جزیہ فتح مکہ کے بعد اتری تھی۔ تو سوال

یہ ہے کہ خط میں پہلے کیسے لکھی گئی؟ مفسر ﷫ فرماتے ہیں کہ اس کے کئی جواب ہیں: ایک جواب یہ ہے کہ یہ آیت مبارک دو دفعہ نازل ہوئی: ایک مرتبہ صلح حدیبیہ سے پہلے اور ایک مرتبہ فتح مکہ کے بعد۔ یا سورت آلِ عمران کا ابتدائی حصہ اس آیت تک وفد نجران کے بارے میں نازل ہوا تھا اور یہ آیت اس واقعہ سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ یا نجران کا وفد شاید حدیبیہ سے پہلے آیا ہو اور انہوں نے اس کو جزیہ سمجھ کر نہ دیا ہو، بلکہ دھوکہ دیا ہو کہ ہم کچھ دے دیں گے، تاکہ ہمیں مباہلہ نہ کرنا پڑے اور نکل جائیں۔ جیسا کہ سریہ عبداللہ بن جحش نے بدر سے پہلے ہی خمس کے اعتبار سے تقسیم کی تھی، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرما کر حکم جاری فرما دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ خط لکھا، لیکن یہ آیت اس وقت نہیں اتری تھی۔ جب حضور اکرم ﷺ نے یہ خط لکھا تو بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کے موافق آیت نازل فرما دی۔ جیسا کہ حضرت عمر ﷛ نے درخواست کی تھی کہ عورتوں کو پردے کا حکم دیں تو بعد میں حکم نازل ہو گیا اور جیسا کہ انہوں نے بدر کے قیدیوں کے قتل کے بارے میں حکم دیا تو اس کے موافق بعد میں حکم نازل ہوا۔ اسی طرح وفد نجران کے بارے میں ہو سکتا ہے۔

﴿يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِيٓ إِبۡرَٰهِيمَ وَمَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوۡرَىٰةُ وَٱلۡإِنجِيلُ إِلَّا مِنۢ بَعۡدِهِۦٓۚ أَفَلَا تَعۡقِلُونَ ۝ هَٰٓأَنتُمۡ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجۡتُمۡ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلۡمٞ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيۡسَ لَكُم بِهِۦ عِلۡمٞۚ وَٱللَّهُ يَعۡلَمُ وَأَنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ ۝ مَا كَانَ إِبۡرَٰهِيمُ يَهُودِيّٗا وَلَا نَصۡرَانِيّٗا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفٗا مُّسۡلِمٗا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلۡمُشۡرِكِينَ ۝ إِنَّ أَوۡلَى ٱلنَّاسِ بِإِبۡرَٰهِيمَ لَلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا ٱلنَّبِيُّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْۗ وَٱللَّهُ وَلِيُّ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ۝﴾ [آل عمران: ۶۵ تا ۶۸]

"اے اہل کتاب! (یہود و نصاریٰ!) تم ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں کیوں بحث کرتے ہو؟ حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی تو نازل ہوئی تھیں، کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں ہے؟ دیکھو! یہ تم ہی تو ہو جنہوں نے ان معاملات میں اپنی سی بحث کر لی ہے جن کا تمہیں کچھ نہ کچھ علم تھا۔ اب ان معاملات میں کیوں بحث کرتے ہو جن کا تمہیں سرے سے کوئی علم ہی نہیں ہے؟ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی، بلکہ وہ تو سیدھے سیدھے مسلمان تھے اور شرک کرنے والوں میں کبھی شامل نہیں ہوئے۔ ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ تعلق کے سب سے زیادہ حق دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی، نیز یہ نبی (آخر الزماں ﷺ) اور وہ لوگ ہیں جو (ان پر) ایمان لائے ہیں، اور اللہ مومنوں کا کارساز ہے۔"

ان آیات مبارکہ میں بھی اہل کتاب سے خطاب ہے اوران کے ایک باطل شبہ کا رد ہے کہ یہودی یہ کہتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں اور وہ بھی یہودی تھے اور نصرانی یہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نصرانی تھے اور مکہ کے مشرکین کہتے تھے کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں۔ کیونکہ کعبہ ابراہیمی ہم بنا رہے ہیں، ہم ختنہ کرواتے ہیں، حج کا احرام باندھتے ہیں، کعبہ کا طواف کرتے ہیں تو اللہ پاک نے ان آیات کے اندران کا رد فرمایا کہ اے اہل کتاب! تم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ موسیٰ کے زمانے سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان میں بھی تقریباً دو ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ تھا تو نہ موسیٰ علیہ السلام تھے، نہ عیسیٰ علیہ السلام تھے، نہ تورات تھی اور نہ انجیل تھی تو تم کیسے کہتے ہو کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے یا نصرانی تھے؟

یہود ونصاریٰ کو اہل کتاب کیوں کہا گیا؟

پورے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کو اہل کتاب فرمایا ہے۔ حالانکہ وہ تورات وانجیل کو بدل چکے تھے اور تورات کے اندر تو اتنی تحریفات کر ڈالی تھیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ [النساء: ۴۶] وہ کلمات کے اندر بھی تحریف کرتے تھے، معنوی تحریف بھی کرتے تھے، ہر لحاظ سے تحریفات کیں، لیکن ان کو خطاب ہمیشہ اہل کتاب سے کیا گیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے آج کوئی بندہ ہمارا کلمہ پڑھ لے ہم اس کو مسلمان کہتے ہیں، چاہے وہ قبر پر سجدہ کرے، غیر اللہ کی نذر کرے، نیاز چڑھاتا ہو تب بھی اس کو مسلمان کہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مولا اور مشکل کشا سمجھے تب بھی ایمان والا اور مومن ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کی طرف کلمہ کی نسبت ہوگئی، حالانکہ حقیقت کے اندر مومن کون ہے وہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ آپ یقین کریں! کئی لوگوں سے خود ہمارا سابقہ پڑتا ہے، وہ خود بتاتے ہیں کہ میرے والد اتنے تہجد گزار تھے کہ ان کی تہجد کبھی نہیں چھوٹی، یعنی فخر کرے گا، حالانکہ یہ فخر کی بات نہیں اور یہ نہیں سمجھتا کہ میں اپنے او پر لعنت کر رہا ہوں۔ اور اگر اس سے پوچھا جائے تو کہے گا: میں نماز بھی نہیں پڑھتا، لیکن والد صاحب بڑے نیک آدمی تھے۔ اس کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ اور اسی طرح کتنے لوگ ہیں جو یورپ میں گئے ہیں اور یورپین لڑکیوں سے شادی کر لی اور اسی تہذیب میں کھو گئے کہ نہ نماز ہے، نہ روزہ ہے، نہ حج ہے، بلکہ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے ان کے ساتھ گرجا گھر میں بھی چلے جاتے ہیں اور ان سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو؟ تو کہتے ہیں

کہ ہم مسلمان ہیں۔

اسی طرح یہودی چاہے کتنے بگڑ گئے، کتنے بدل گئے ہوں اب وہ تورات بھی بھول گئے، انجیل بھی بھول گئے وہ سب سے بڑے مشرک بن گئے، لیکن چونکہ ان کے پاس تورات کی نسبت تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے تھے اس لئے قرآن بار باران کو اہل کتاب کہتا ہے۔

علماء نے دوسری وجہ بھی لکھی ہے مثلاً: آپ ایک عالم کے بیٹے کو جب کہیں کہ تم عالم کے بیٹے ہو، یعنی تم تو عقل کرو، تم تو برے کام نہ کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور نصرانیوں کو بار بار اہل کتاب فرمایا کہ تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں تورات ملی، حضرت موسیٰ علیہ السلام ملے۔ اگر تم اس کتاب پر بھی عمل کرتے تو سب سے پہلے میرے محمد مدنی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے؛ کیونکہ ان کتابوں کے اندر ان کا ذکر موجود ہے، میرے مدنی کی صفات موجود ہیں اور حلیہ موجود ہے۔ تو اس خطاب کے اندر بھی ایک دعوت ہے۔

﴿هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پہلے تو تم نے اس بارے میں جھگڑا کیا جس کے بارے میں تمہیں کچھ نہ کچھ علم تو ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تم جھگڑتے رہے کہ وہ خدا کا بندہ ہے یا وہ خود خدا ہے یا وہ اقانیم ثلاثہ ہیں، ان کے بارے میں تو تمہیں کچھ علم تھا، لیکن تمہیں ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیا پتا ہے؟ تم نے تو ان کا زمانہ بھی نہیں دیکھا۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۶﴾ [آل عمران:۶۶]

یہاں سے یہ ثابت کیا گیا کہ اہل کتاب محض جھگڑا کرنا چاہتے ہیں، کوئی دین سمجھنا نہیں چاہتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جتنے باطل فرقے ہیں وہ دوسرے لوگوں کو شبہات میں ڈال کر دھوکہ دیتے ہیں۔ آج بھی اگر آپ یہودی سے بات کریں اور وہ کہے کہ ہم خالص اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔ ہمیں بڑی شرم آتی ہے جب ہم یورپ کے ملکوں میں جاتے ہیں اور راستے میں ان سے کھانے کے بارے میں پوچھتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ اگر آپ نے صحیح معنوں میں حلال کھانا ہے تو جہاں ہوٹل ہیں ان کو کہو کہ ہمیں یہودیوں کا کھانا دو تو وہ خالص ذبح ہوتا ہے تو شرم آتی ہے کہ ان کے کھانے کے بارے میں ہر آدمی گارنٹی دیتا ہے، لیکن مسلمانوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے کہ وہ کونسا جانور ذبح کر کے کھلا رہے ہیں؟ حلال یا حرام؟ یا پھر مچھلی سے گزارہ کریں؛ کیونکہ اس کو ذبح نہیں کیا جاتا، اس کو پانی سے شکار کیا جاتا ہے، اس لیے وہ حلال ہی ہوتی ہے۔

ہمارے سفر کا ایک واقعہ:

ان کی خباثت دیکھیں اور پھر معاملات کی سچائی دیکھیں کہ ایک جگہ ہم سفر کر رہے تھے۔ بڑا لمبا سفر تھا اور ہم نے بڑی کوشش کی کہ راستے کے اندر نہ کھائیں، بھوکے رہ کر گزارہ کر لیں، لیکن سب ساتھی اتنے لمبے سفر پر تھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: ہمیں تو بھوک لگی ہے۔ ہم ایک سروس اسٹیشن پر اترے تو ایک یہودی لڑکی تھی۔ اس سے ہم نے پوچھا کہ تمہارے پاس برگر اور یہ جو ساری چیزیں پڑی ہیں ان میں کوئی کوشر یا مسلمان کا حلال گوشت ہے یا مہربانی کر کے مچھلی مل جائے؟ اس نے جب سب داڑھی والوں کو دیکھا تو اس نے کہا: میرے پاس تازہ مچھلی ہے، لیکن میں تمہیں مشورہ دیتی ہوں کہ تم میرے ہوٹل کی کوئی چیز نہ کھاؤ۔ ہم نے اس سے وجہ پوچھی اور کہا کہ مچھلی تو حلال ہے۔ اس نے کہا میں چمچ تو ایک ہی استعمال کرتی ہوں، ورنہ میرا ہوٹل ہے۔ میں اپنا پچاس ساٹھ پاؤنڈ خراب کر رہی ہوں، اس لیے میرا مشورہ ہے کہ اگر آپ مسلمان ہیں اور حلال حرام کی تمیز کرنا چاہتے ہیں تو یہاں سے کچھ نہ کھائیں اور اس میں آگے جا کر فلاں نام کی دکان ہے اور اس کا فلاں نمبر ہے، وہاں سے کھا لینا، ورنہ بسکٹ وغیرہ ڈھونڈ لیں جس میں چربی وغیرہ نہ ہو۔ ہم نے اس کو کہا: چلو ہم یہاں نماز پڑھ لیں۔ اس نے کہا پڑھ لیں۔ بہر حال کتنے دکھ کی بات ہے کہ یہودی اپنے کھانے پر پکا ہو اور مسلمان پکا نہ ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی:

﴿مَاكَانَ إِبْرٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾﴾

اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے بالکل ان کی نفی کی ہے کہ ظالمو! ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے، بلکہ وہ سب کو چھوڑ کر ایک رب کو ماننے والے تھے، سب سے منہ موڑنے والے، اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے اور ابراہیم علیہ السلام شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

اب اگر وہ یہ کہیں کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی تھے؛ کیونکہ یہودیت تو ان کے بعد آئی، نصرانیت یہودیت کے بعد آئی، لیکن ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ جو ہم کر رہے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی یہی عمل تھا۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ جس طرح ہم کر رہے ہیں اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے یہودیو! تم ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر کیسے ہو؟ تم تو عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہو اور ابراہیم علیہ السلام تو خدا کے نام پر

اپنا بیٹا ذبح کررہے ہیں تو تمہارا اور ان کا ایک طریقہ کیسے ہوا؟ اے نصرانیو! تم عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کی توحید کے لیے نمرود کی آگ میں جلنے کے لیے تیار تھے تو تم کیسے موحد بن گئے؟ یا ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر کیسے آگئے؟

مکہ والو! تم بھی کہتے ہو کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر ہیں۔ ظالمو! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو جا کر بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور تم نے خدا کا کعبہ بتوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ بت شکن تھے اور تم بت پرست ہو۔ پھر تم کیسے کہتے ہو کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر ہیں!؟

آج بھی جتنے باطل فرقے ہیں، مثلاً: بعض کہتے ہیں کہ ہم تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر ہیں، ہم تو امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی فقہ پر عمل کرنے والے ہیں۔ ان کو کہا جائے کہ تم امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی صحیح روایت سے ایک عمل ثابت کر کے دکھا دو کہ ان سے تمہاری نماز، روزہ، عبادت ملے، تمہاری اذان ان کے ساتھ ملے، لیکن نہیں دکھا سکتے۔ صرف زبان سے کہنا کہ ہم ان کے راستے پر ہیں کافی نہیں۔ یہی یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا حال تھا۔

﴿وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا﴾

یہاں سمجھیں کہ کوئی یہ کہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو پہلے گزر گئے، وہ مسلمان کیسے تھے؟ یاد رکھیں! یہاں مسلم لغوی معنی میں ہے کہ وہ اللہ کے فرماں بردار تھے، اپنے اللہ کو ماننے والے تھے۔ یہ معنی نہیں کہ وہ شریعت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہی لفظ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر بھی آیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾ [البقرة:۱۳۱]

اور اسی طرح دوسری جگہ فرمایا:

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ [البقرة:۱۲۸]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل کتاب! تم خود فیصلہ کرو کہ تم اپنے اعمال کو بھی ملاؤ اور میرے مدنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ملاؤ، تم اپنے عقیدے کو بھی دیکھو اور محمد مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدے کو بھی دیکھو کہ کون ابراہیم علیہ السلام سے ملتا ہے؟



حضرت ابراہیم علیہ السلام اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب:

﴿إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو ان کے زمانہ میں ان کی اتباع کرنے والے تھے یا پھر ان کے راستے سے اگر کوئی راستہ ملتا ہے تو وہ میرے مدنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اور جو میرے مدنی پر ایمان لائے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے طریقہ ملتا ہے، جن کا عقیدہ، عمل، حج اور قربانیاں ان سے ملتی ہیں۔ یہ ان کے طریقے پر ہیں، تم ان کے طریقے پر نہیں ہو۔

﴿وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [آل عمران:٦٨]

''اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔''

تم جو دعویٰ کرتے ہو کہ ﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ [المائدۃ:١٨] ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب، پسندیدہ ہیں۔ تمہاری یہ سب باتیں جھوٹی ہیں، اللہ صرف مومنوں کا دوست ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو صحیح ایمان نصیب فرمائیں اور خاتمہ ایمان پر فرمائیں۔

باطل فرقوں کو توبہ کی توفیق کیوں نہیں ملتی؟

ان آیات سے معلوم ہوا کہ باطل فرقہ اپنے آپ کو سچا سمجھتا ہے۔ اسی لیے شیخ الاسلام نے لکھا ہے کہ بڑے سے بڑا گناہ گار کیوں نہ ہو اس سے توبہ کی امید ہوتی ہے، لیکن بدعت کرنے والوں سے توبہ کی امید نہیں ہوتی؛ کیونکہ وہ بدعت کو جب برا نہیں سمجھتے تو اس سے توبہ کیسے کریں گے؟ ہر باطل فرقہ بھی اپنے آپ کو سچا سمجھتا ہے، اس لیے وہ اس پر اڑا رہتا ہے۔ یہودی یہودیت پر، نصرانی نصرانیت پر اڑا ہوا ہے اور ہندو ہندومت پر اڑا ہوا ہے؛ کیونکہ وہ جو کر رہے ہیں اسی کو حق سمجھتے ہیں اور وہی کتابیں پڑھتے ہیں جو ان کے مفاد کے مطابق ہیں، عبادت وہیں کرنے جاتے ہیں جہاں ان کے مطلب کی بات ہوتی ہے۔ اور دوسری بات ان کے کانوں میں بھی نہیں پہنچتی تو فرق کیسے کریں گے؟ انہوں نے اپنا ماحول ہی ایسا بنایا ہوا ہے کہ دوسری کوئی بات سنتے بھی نہیں ہیں۔ مثلاً: اگر کوئی شیعہ ہے تو وہ کبھی اہلسنت کی مسجد میں نہیں جائے گا، ان کے علماء کا درس نہیں سنے گا۔ وہ اپنے ذاکروں کی مجلس میں جائے گا تو اس کو وہاں سے اس کے مذہب کی باتیں سنائی دیں گی۔ اسی طرح جو بدعات میں الجھے ہوئے ہیں وہ عرس پر تو جائیں



گے، لیکن مجال ہے کہ کسی موحد عالم کی تقریر سننے جائیں۔ اب وہ غریب ایک ماحول میں پھنسا ہوا ہے تو جب دوسروں کی بات نہیں سنے گا اس وقت تک اس کو فرق نہیں معلوم ہوگا۔

اس لیے مشرکین مکہ نے پورے مکہ کے اردگرد پہرہ لگا دیا تھا کہ جب کوئی آدمی باہر سے آئے تو اس پر نظر رکھو کہ وہ محمد مدنی ﷺ کے قریب نہ جائے؛ کیونکہ ان کو پتا تھا کہ یہ اگر ان کے قریب گیا اور ان سے بات ہوگئی تو ہمارا جھوٹ کھل جائے گا۔ اور ہوتا بھی یہی تھا کہ جس کو موقع مل گیا اور وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس گیا وہ مسلمان ہو گیا۔

اصل اہل سنت کی پہچان کا طریقہ:

بعض بھائیوں کو مغالطہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اہل سنت والجماعت ہیں۔ دیوبندی بھی کہتے ہیں کہ ہم اہل سنت والجماعت ہیں۔ تبلیغ والے بھی کہتے ہیں کہ ہم اہل سنت والجماعت ہیں تو ہم کہاں جائیں؟ اس کا واضح طریقہ ہے کہ ساری جماعتوں کے عمل کو پرکھو اور تم مولوی مکی اور مولوی مدنی کی باتوں میں نہ آؤ اور تم دیکھو کہ بچہ پیدا ہوا تو سنت کیا ہے؟ حج میں اور عبادات میں سنت کیا ہے؟ نکاح میں سنت کیا ہے؟ اور ولیمہ میں سنت کیا ہے؟ یہ ساری چیزیں دیکھتے آؤ۔ جس میں ملیں وہ اہل سنت ہیں اور جس میں نہ ملیں وہ اہل بدعت ہیں۔ ہر جماعت کے کام کو دیکھو کہ قرآن کی خدمت کون کر رہا ہے، حدیث کی خدمت کون کر رہا ہے اور مزاروں پر بیٹھ کر مجاور بن کر روٹیاں کون کما رہا ہے۔ مسئلہ واضح ہو جائے گا۔ سب سے بڑی شان میرے محمد مدنی ﷺ کے مزار کی ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کتنے مجاور بٹھائے تھے؟

﴿وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝﴾ [آل عمران: ۶۹ تا ۷۴]



''(مسلمانو!) اہل کتاب کا ایک گروہ یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو گمراہ کردے، حالانکہ وہ اپنے سوا کسی اور کو گمراہ نہیں کر رہے، اگرچہ انہیں اس کا احساس نہیں ہے۔ اے اہل کتاب! اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو؟ حالانکہ تم خود (ان کے من جانب اللہ ہونے کے) گواہ ہو۔ اے اہل کتاب! کیوں تم خلط ملط کرتے ہو حق کو باطل کے ساتھ اور (کیوں) تم چھپاتے ہو حق کو؟ حالانکہ تم (سب کچھ) جانتے ہو۔ اہل کتاب کے ایک گروہ نے (ایک دوسرے سے) کہا ہے کہ جو کلام مسلمانوں پر نازل کیا گیا ہے اس پر دن کے شروع میں تو ایمان لے آؤ اور ان کے آخری حصے میں اس سے انکار کر دینا، شاید اس طرح مسلمان (بھی اپنے دین سے) پھر جائیں۔ مگر دل سے ان لوگوں کے سوا کسی کی نہ ماننا جو تمہارے دین کے متبع ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ ہدایت تو وہی ہدایت ہے جو اللہ کی دی ہوئی ہو۔ یہ ساری باتیں تم اس ضد میں کر رہے ہو کہ کسی کو اس جیسی چیز (یعنی نبوت اور آسمانی کتاب) کیوں مل گئی؟ جیسی کبھی تمہیں دی گئی تھی یا یہ (مسلمان) تمہارے رب کے آگے تم پر غالب کیوں آگئے؟ آپ کہہ دیجیے کہ فضیلت تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ وہ اپنی رحمت کے لیے جس کو چاہتا ہے خاص طور پر منتخب کر لیتا ہے اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اہل کتاب کی مزید سازشوں کا ذکر فرمایا ہے، خاص طور پر یہود کے بارے میں بتایا کہ ان کی ایک جماعت اس بات کو محبوب رکھتی ہے کہ تمہیں گمراہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تمہیں گمراہ نہیں کر رہے، بلکہ اپنی گمراہی میں خود اضافہ کر رہے ہیں، لیکن وہ اس بات کو سمجھتے نہیں ہیں۔ ایک آدمی خود گمراہ ہے اور دوسرے کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو قاعدہ ہے کہ اس پر ضلال (گمراہ ہونے) کا گناہ ہوگا۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا)) [بخاری، رقم:۱۰۰] کہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہی میں ڈالا۔

آیات کا معنیٰ:

﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ۝۷۰﴾ [آل عمران:۷۰]

میرے مدنی (ﷺ)! اہل کتاب کو آپ کہہ دیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے کیوں کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے ہو۔

﴿اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء کا قول ہے کہ جو تورات میں آیات ہیں وہ مراد ہیں: کیونکہ تورات بھی تو اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب ہے، اس کے اندر جو آیات حضور اکرم ﷺ کی صداقت پر دلالت کر رہی

ہیں؛ کیونکہ تورات میں تفصیل کے ساتھ آپ کی نشانیاں، آپ کا حلیہ مبارک، آپ کا مولد مبارک، آپ کی ہجرت کی جگہ، آپ کے صحابہ کی صفات اور آپ کی امت کی صفات تمام چیزیں تورات میں موجود تھیں، لیکن یہودی اس کے باوجود ان آیات کا کفر کرتے تھے۔

اور بعض علماء نے فرمایا: ﴿ایٰتِ اللّٰہِ﴾ سے مراد وہ آیات ہیں جو قرآن میں آئی ہیں۔ تم جانتے ہو کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی وحی اور کتاب ہے اور پھر تم ان آیات قرآنی کا کیوں انکار کرتے ہو؟

اور تیسرا قول یہ ہے کہ ﴿ایٰتِ اللّٰہِ﴾ سے مراد معجزات ہیں۔

اہل کتاب کا حق و باطل کو ملانے کا جرم:

﴿یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [آل عمران: ۷۱]

اے اہل کتاب! کیوں تم حق کو باطل سے ملاتے ہو اور کبھی حق کو چھپاتے ہو؟ اور تم جانتے ہو کہ یہ بات حق ہے۔

مفسرین کرام نے فرمایا: اہل کتاب کی یہ عادت تھی کہ وہ تورات میں تحریفات کرتے تھے۔

تحریف کی صورتیں:

یعنی یا تو تحریف لفظی کرتے تھے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ [النساء: ۴۶] کہ کلمات بدل ڈالتے تھے۔ اور کبھی معنوی تحریف کرتے تھے کہ لفظ اسی طرح رہنے دیئے، لیکن ان کا معنی اپنے مطلب کا نکال لیا کہ سود تو صرف وہی حرام ہے جو سود پر سود لیا جائے، یعنی ایک دفعہ سود سات فیصد طے ہو گیا۔ سال کے بعد مثال کے طور پر سترہ سو بن گئے تو انہوں نے کہا: اب سترہ سو ہمارا سات فیصد سود بن گیا۔ یہ ﴿أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً﴾ ہے اور یہ منع ہے۔ اس کا ایک تولہ گوشت بھی حرام ہے اور اس کا ایک سیر گوشت بھی حرام ہے۔ یہ تو تنبیہ تھی کہ ظالمو! سود تو حرام ہے اور تم حرام کو بھی ڈبل کر کے کھا رہے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا تھا۔

تحریف کی دوسری مثال یہ ہے کہ ابتدا کے اندر حکم آیا تھا: ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ [النساء: ۴۳] تم نماز میں ایسی حالت میں نہ جاؤ کہ تم نشہ کی حالت میں ہو؛ کیونکہ آدمی کو نشہ کی حالت میں پتا نہیں ہوتا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ تو اس وقت پینے والے یہ کرتے تھے کہ عشاء کے بعد پی کر سو گئے اور صبح تک نشہ اتر جاتا، لیکن اس بعد حکم آ گیا کہ شرب بالکل حرام ہے، اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے۔ اب کوئی پہلی آیت کو لے کر بیٹھ جائے کہ صرف نماز

کی حالت میں نہیں پینا، آگے پیچھے تو ٹھیک ہے۔ یہ تحریف معنوی ہے کہ اللہ تعالی کے قرآن کو اپنی منشا کے مطابق بدل دیا۔

تحریف کے اندر سب سے اوّل نمبر یہود کا ہے، ان کے بعد روافض ہیں۔ انہوں نے قرآن وحدیث میں ایسی ایسی تحریفات کی ہیں کہ اللہ تعالی ہدایت دے، ورنہ آدمی گمراہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی بھی بنیاد عبداللہ بن سبا سے پڑی ہے۔ جو ہنر استاد میں ہوگا، وہ شاگرد میں بھی آجائے گا۔ ان کی عادت تھی کہ ایک بات سچی کردی اور دو باتیں ساتھ ملا دیں۔ اور دوسرا وہ یہ کرتے تھے کہ حق کو چھپا لیتے تھے۔ جب ان سے پوچھا جاتا کہ حضور اکرم ﷺ کی صفات تورات میں ہیں؟ تو کہتے: نہیں ہیں۔ اور جب ان سے پوچھا جاتا کہ آیت رجم تورات میں ہے؟ تو کہتے: نہیں ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا کہ تم حق کو جانتے بھی ہو اور پھر بھی حق کو چھپاتے ہو۔

گمراہ کرنے کی یہودیوں کی ایک چال:

﴿وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ [آل عمران:۷۲]

اللہ تبارک وتعالی نے اہل کتاب کی ایک جماعت کا ایک اور قصہ نقل کیا ہے کہ اہل کتاب کی ایک جماعت ایسی ہے کہ انہوں نے مشورہ کیا کہ کل ہم چھ سات آدمیوں کی ایک جماعت بنا لیتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں جا کر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں اور پھر کچھ دنوں بعد ہم انکار کردیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے اسلام چھوڑ دیا ہے۔ جب ہم اس طرح کریں گے تو لوگوں کے دلوں میں شکوک پڑ جائیں گے کہ دیکھو! یہ اہل کتاب تھے، پڑھے لکھے تھے، انہوں نے آکر کلمہ پڑھا، مسلمان ہوئے پھر جو اسلام سے نکل گئے ہیں آخر ان کو اسلام میں کوئی برائی ملی ہے تب ہی نکلے ہیں، ورنہ یہ اسلام کو کیوں چھوڑتے؟ تو اس طریقے سے انہوں نے کہا کہ ہمیں یہ فائدہ ہوگا کہ جو لوگ اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے ہیں وہ اسلام سے نکل جائیں گے۔

﴿وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ﴾

اور انہوں نے کہا کہ ہم ظاہر میں مسلمان ہوں گے، لیکن تم اپنے دین پر رہنا اور کوئی بات نہ ماننا، مگر دین یہودیت کی، اور نہ مسلمانوں پر کوئی بات ظاہر کرنا کہ تورات میں حضور اکرم ﷺ کی شان موجود ہے۔ ایسی باتیں



اگر تم نے ان کو بتا دیں تو وہ دنیا کے اندر بھی اور آخرت میں بھی ہم پر حجت پکڑیں گے کہ تم نے ہی کہا تھا کہ تورات میں لکھا ہوا ہے۔ اس طرح انہوں نے آپس میں ایک مکر اور سازش تیار کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَى اللَّهِ﴾ میرے مدنی! ہدایت میرے ہاتھ میں ہے۔ یہ ظالم کیا کر سکتے ہیں؟ نہ یہ کسی کو نکال سکتے ہیں اور نہ یہ کسی کو ہدایت دے سکتے ہیں۔ ہدایت دینے والا اللہ ہے اور تمام مخلوق کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کے درمیان میں ہیں، اللہ تعالیٰ جس کو جدھر چاہے پھیر دے۔ تو یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور کسی کے اختیار میں نہیں ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، وہ مومنوں کے دل کو ہدایت دے کر ان کو ایمان کامل نصیب فرمائیں گے۔ تم حضور اکرم ﷺ کی صفات لاکھ چھپا دو، لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کو ایمان نصیب کر دیں گے، اللہ تعالیٰ جس کو اپنے نبی کا کلمہ شہادت نصیب کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو نشانیاں بھی دیں گے، ان کو آیات بینات بھی دیں گے، دلائل بھی دیں گے، ان کو اطمینانِ قلب بھی دیں گے اور ان کے دلوں کو ایمان اور اسلام پر جما بھی دیں گے۔ یہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے، تمہارے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔

آپ دیکھ لیں کہ اسی سرزمین مکہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے غریب، فقراء، ضعفاء اور غلام قسم کے لوگ تھے تو کوئی ایسا عذاب نہیں جو مشرکین مکہ نے ان پر نہ توڑا ہو، لیکن جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت نصیب کر دی وہ انگاروں پر لٹا دیئے گئے، لیکن انہوں نے محمد مدنی ﷺ کے دین کو نہیں چھوڑا۔ اور آپ دیکھیں! فرعون کے گھر کے اندر بی بی آسیہ عزت و عظمت اور مقام والی عورت ہے۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا، جو قیامت تک پڑھا جاتا رہے گا۔ فرعون خدائی کا دعوے دار ہے اور گھر میں بیوی مسلمان ہے۔ پھر فرعون نے اس پر ظلم کے پہاڑ توڑ ڈالے۔ اس کے ہاتھوں میں میخیں لگوا دیں اور سینے پر پتھر رکھ دیا، لیکن اس وقت بھی بی بی نے کہا: میرے اللہ! مجھے اس سے نجات دے اور میرا گھر جنت میں بنا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی فریاد سنی اور اس کو آخرت میں یہ مقام عطا فرمایا کہ وہ قیامت میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بیوی بنے گی۔

ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے اور دوسرا موسیٰ جس کا لقب سامری تھا، پیدا ہوا تو اس کی ماں نے جنگل میں پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کی ڈیوٹی لگائی کہ اس کی حفاظت کرو۔ تو اللہ تعالیٰ کا فرشتہ اس کو کھانے پہنچا رہا ہے اور غار میں اس کی حفاظت ہو رہی ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت فرعون کے گھر میں ہو رہی ہے، لیکن سامری

جب بڑا ہوا وہ کافر بنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی بنے۔ اس لیے ہدایت کے فیصلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔
بندہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہر عالم کا بیٹا عالم ہوگا، ہر صالح کا بیٹا صالح ہوگا، ہر گناہ گار کا بیٹا گناہ گار ہوگا، بلکہ بعض ایسے
ایسے جاہل ہیں جن کو الف لکھنا نہیں آتا، لیکن ان کے بیٹے بڑے علم والے ہیں اور بعض بہت بڑے بڑے عالم
کہ جن کے علم کو دیکھتے دیکھتے ٹوپی گر جائے، لیکن ان کی اولاد عالم نہیں بنی۔ تو یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔
ہمارے ذمہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں، باقی ہدایت اللہ نے دینی ہے۔

ہدایت دینے کا اختیار اللہ کے پاس ہے:

﴿قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ [آل عمران: ۷۳]

میرے مدنی! ان کو کہہ دیں کہ میرے رب کے ہاتھ میں فضل ہے، جس کو چاہے دے دیں۔ تم کیا چھپاتے ہو؟
تمام امور کا تصرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی دینے والے، وہی لینے والے۔ جس پر چاہیں احسان کرکے
ایمان بھی دے دیں اور جس کو چاہیں اندھا اور گمراہ کر دیں، اس کا دل اور اس کی آنکھیں سب اندھی ہو جائیں، اس
کے کانوں اور دلوں پر مہر کر دیں، اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیں کہ وہ حق کا راستہ نہ دیکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ کی
حکمت ہے، جس کو چاہیں ہدایت دیں اور جس کو چاہیں ہدایت سے روک دیں۔ اس میں بھی اس کی حکمتیں ہیں۔
کوئی کام اللہ تعالیٰ کی حکمت کے بغیر نہیں ہے۔

﴿يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝﴾ [آل عمران: ۷۴]

اے مسلمانو! تم پر اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ فضل ہے کہ اس نے تمہیں اپنا سب سے پیارا نبی خاتم النبیین عطا
فرمایا اور اس کا کامل مکمل دین اسلام عطا فرمایا۔

﴿وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ [آل عمران: ۷۵، ۷۶]

"اہل کتاب میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس دولت کا ایک ڈھیر بھی امانت کے طور پر رکھوا دو تو وہ تمہیں واپس کر دیں گے اور انہی میں سے کچھ ایسے ہیں کہ اگر ایک دینار کی امانت بھی ان کے پاس رکھواؤ تو وہ تمہیں واپس نہیں دیں گے، الا یہ کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو۔ ان کا یہ طرز عمل اس لیے ہے کہ انہوں نے یہ کہہ رکھا ہے کہ امیوں (یعنی غیر یہودی عربوں) کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہماری کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔ اور (اس طرح) وہ اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتے ہیں۔ بھلا پکڑ کیوں نہیں ہوگی؟ (قاعدہ یہ ہے کہ) جو اپنے عہد کو پورا کرے گا اور گناہ سے بچے گا تو اللہ ایسے پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔"

یہودیوں کی دنیاوی خیانت:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی خیانت صرف دین میں نہیں تھی، بلکہ دنیا میں بھی وہ خائن تھے۔ بعض اہل کتاب تو ایسے تھے کہ جو دیانت دار تھے، لیکن بعض ایسے تھے کہ اگر آپ ان کو تھوڑی چیز امانت دے دیں کہ یہ رکھ لو تو دینے کے وقت وہ امانت کا ہی انکار کر دیتے تھے کہ آپ نے تو ہمیں کچھ بھی نہیں دیا ہے۔ ہاں جب آپ ہر وقت ان کے سر پر کھڑے ہیں اس وقت بات مان رہے ہیں۔ آپ ہٹ گئے اور پھر ان سے پوچھا تو کہتے آپ نے تو ہمارے پاس کوئی امانت نہیں رکھی ہے۔ اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں: ان امیوں کا مال اگر ہم کھالیں تو ہم پر کوئی جرم نہیں ہے، ان کا مال ہمارے لیے حلال ہے، لہٰذا ہمیں جہاں بھی موقع ملے ان کا مال کھالیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ایسے ظالم ہیں جو مجھ پر بھی جھوٹ بولتے ہیں، حالانکہ میں نے کسی کا مال کسی کے لیے حلال نہیں کیا کہ تم بغیر اس کی اجازت کے اس کے مال کو کھالو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بار بار یہ تاکید کی ہے کہ اگر کوئی عہد ہے تو اس کو ادا کرو۔

عہد دو جانب سے ہوتا ہے۔ مثلاً: اگر آپ مجھے یہ چیزیں دیں گے تو میں آپ کو یہ چیزیں دوں گا۔ اور وعدہ ایک جانب سے ہوتا ہے کہ میں کل آپ کا یہ کام کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن میں کئی مقامات پر پابند کیا ہے کہ اگر عہد ہے تو اس کو پورا کرو اور اگر وعدہ ہے تو اس کو پورا کرو۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ [المائدۃ: ۱] اے ایمان والو! اگر تم عہد معاہدہ کرو تو اس کو پورا کرو؛ کیونکہ:

﴿إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ [بنی اسرائیل: ۳۴] اللہ تعالیٰ کے ہاں تم سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اسلام اور قرآن کا تو یہ حکم ہے، لیکن یہود ایسے خائن ہیں کہ چند پیسوں کے لیے یہ اس میں بھی خیانت کرتے ہیں کہ

ان کو امانت دے دو تو امانت کا انکار کر دیتے ہیں اور ساتھ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر ہم کھا لیں گے تو ہم سے سوال نہیں ہوگا۔

کیا اس آیت میں بعض یہودیوں کی دیانت کی تعریف ہے؟

علماء نے فرمایا کہ اس آیت کے اندر ایک سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بعض اہل کتاب میں ایسے بھی ہیں جن کے پاس آپ ڈھیر سارا سونا بھی رکھ دیں تو آپ کی امانت پوری پوری واپس کر دیں گے اور بعض ان میں ایسے بھی ہیں کہ ایک دینار بھی رکھو تو وہ ایک دینار سے بھی مکر جائے گا۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ یہاں تو اہل کتاب کی مذمت کا بیان تھا، لیکن اس کے اندر تعریف بھی آ گئی؟ علماء نے اس کے بارے میں دو جواب دیئے ہیں۔

ایک جواب تو یہ ہے کہ اہل کتاب میں ایسے بھی تھے جو ایمان لے آئے اور پکے مسلمان بن گئے، جیسا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ان کے پڑھے لکھے لوگ ایسے مسلمان ہو گئے کہ دنیا ان کے ایمان، صداقت اور ان کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر دنگ رہ گئی۔ اس لیے اللہ پاک نے ان کا ذکر فرمایا کہ سارے اہل کتاب ایسے نہیں ہیں، ان میں اچھے بھی ہیں۔ لہٰذا اس آیت کے اندر ان اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے جو اپنے نبی پر بھی ایمان لائے اور پھر ہمارے آقا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے۔ اور جب ان سے کوئی بات پوچھی گئی تو انہوں نے کھل کر واضح بتا دیا، جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ایک دن پوچھا کہ اب تو تم الحمد للہ! اسلام لے آئے، صحابی بن گئے، ہمارے بھائی بن گئے، مجھے یہ بتاؤ کہ جب تک تم نے کلمہ نہیں پڑھا تھا اور اسلام نہیں لائے تھے، اس وقت تمہارے علم کے مطابق تم سمجھتے تھے کہ یہ اللہ کے سچے نبی ہیں؟ تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین! کمال کی بات ہے مجھے اپنی اولاد کے بارے میں تو شبہ ہو سکتا تھا، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تورات کے اندر رجم کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے اپنی قوم کی کوئی رعایت نہیں کی، بلکہ کہا: حضور! بالکل وہی حکم ہے جو آپ دے رہے ہیں۔ اس کے اندر بھی زنا کی سزا رجم ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا کہ اسلام اتنا عدل والا مذہب ہے کہ اگر دشمن میں بھی کوئی خوبی ہے تو اسلام اقرار کرتا ہے، اسلام اس کی خوبی کا انکار نہیں کرتا۔ جیسا کہ مقام بدر کے اندر جب لڑائی ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بھی قید

ہو کر آ گئے۔ آپ نے سب قیدیوں کو چھوڑ دیا تو آپ ﷺ نے اپنے داماد سے فرمایا کہ تم میری ایک بات مانو کہ تم کفر پر ہو اور تم بدر میں میرے ساتھ لڑائی کے لیے آئے تھے، اب تم مہربانی کر کے میری لڑکی کو مدینہ بھیج دینا۔ اس نے کہا: میرا وعدہ ہے میں بھیج دوں گا۔ واپس آ کر اس نے حضور اکرم ﷺ کی لڑکی کو عزت کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا تو آپ ﷺ فرماتے ہیں: کتنا اچھا آدمی ہے جو وعدہ کیا اس کو پورا بھی کیا ہے۔ بہرحال بعد میں اللہ تعالیٰ نے مہربانی کی اور وہ بھی کچھ عرصہ کے بعد مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح جب حضور اکرم ﷺ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرما کر جا رہے تھے تو رابغ کے علاقے کا سردار سراقہ بن مالک تھا وہ حضور اکرم ﷺ کو پکڑنے کے لیے آیا۔ لمبا واقعہ ہے۔ بہرحال اس نے کہا تھا کہ میں آپ کو پکڑنے کے لیے آیا تھا؛ کیونکہ مجھے سو اونٹ کی لالچ تھی، لیکن اب میں نے جب آپ ﷺ کے معجزات دیکھے تو میری طبیعت نہیں چاہتی کہ میں آپ کو نقصان پہنچاؤں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ جائیں۔ اس راستے سے آپ کے کسی دشمن کو آپ کے پیچھے نہیں آنے دوں گا۔ تو حضور اکرم ﷺ نے اس کو خوشخبری دی کہ پھر میں بھی تجھے ایک خوشخبری دیتا ہوں کہ ایک وقت آئے گا تم مسلمان ہو گے، اسلام کو کامیابی ہوگی، کسریٰ کا غرور ٹوٹے گا، اس کا ملک فتح ہوگا اور اس بادشاہ کے کنگن تجھے پہنائے جائیں گے۔ سراقہ اپنے وعدے پر قائم رہا۔ جو کافر مکہ سے حضور اکرم ﷺ کی تلاش میں پیچھے آ رہے تھے، اس نے ان سے کہا: میں نے یہ سارا علاقہ گھوڑے دوڑا کر روند ڈالا ہے، اس راستے میں محمد مصطفیٰ ﷺ نہیں ہیں۔ اگر تھے تو وہ اتنی دور نکل گئے ہیں کہ اب ہم ان کو نہیں پکڑ سکتے، لہٰذا تم ادھر تلاش نہ کرو اور دوسرے راستے سے تلاش کرو۔ اسلام اتنا عادل ہے کہ اس کا بھی ذکر کیا ہے۔

خائن پر اعتماد کرنے کا نقصان:

اس آیت کے اندر تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ ﴿اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا﴾ [آل عمران: ۷۵] بعض اہل کتاب ایسے ہیں ان کے سر پر کھڑے رہو تو کہیں گے کہ ٹھیک ہے اور ذرا ہٹ گئے تو وہ مکر جاتے ہیں۔ یہاں سے امام ابوحنیفہ ؒ نے ایک مسئلہ استنباط کیا ہے کہ قرضہ لینے والے کو حق ہے کہ اس کے سر پر کھڑا رہے اور اس سے اپنا حق لے کر نکلے۔

اسلام نے ہمیں سبق پڑھایا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم عمل تو کریں اسلام نے سکھایا ہے کہ:

((لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ)) [صحیح بخاری، رقم: ۶۱۳۳]

''مومن ایک بل سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا۔''

مثلاً: تم نے ایک آدمی کو قرضہ دیا، وہ کھا گیا۔ اب اگر وہ دوبارہ مانگنے آئے تو یہ نہیں کہ تم اس کو دوبارہ بھی دے دو۔ اس کو بزرگوں نے محاورہ میں کہا ہے "اَلْمُجَرَّبُ لَایُجَرَّبُ" یعنی جس کا تم ایک بار تجربہ کر چکے ہو اس کا پھر بار بار تجربے کا کیا مطلب ہے؟ جو ایک دفعہ خیانت کر چکا ہے وہ دوسری دفعہ بھی خیانت کرے گا، لہٰذا تم اس پر اعتبار نہ کرو۔

اسلام نے ہمیں دوسرا سبق یہ سکھایا ہے کہ اگر کوئی آدمی سو ریال میں خیانت کر گیا، جھوٹ بول گیا تو تم اس پر ہزار کا اعتبار کیسے کر رہے ہو؟ اگر وہ سو میں خیانت کر سکتا ہے تو زیادہ میں بھی کر سکتا ہے۔

اسلام نے ہمیں ہر چیز کا سبق دیا ہے، لیکن ہم لوگ خود اسلام کو چھوڑ دیتے ہیں۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا: دینار اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دین اور نار سے مل کر بنا ہے، یعنی اگر کوئی مال کو اس کے حق کے ساتھ حاصل کرے تو یہ دین ہے اور اگر ناحق لے تو آگ ہے۔

قرضہ ادا کرنے کی عجیب حکایت:

(حدیث) اس آیت کے مناسب یہ واقعہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے اور مختلف مقامات پر انہوں نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بنی اسرائیل کا ایک آدمی تھا اس کے پاس بنی اسرئیل کا دوسرا آدمی آیا اور اس سے کہا کہ مجھے ایک ہزار دینار قرض دے دو۔ اس نے کہا: گواہ لے آؤ۔ اس نے کہا: کہاں سے گواہ لے آؤں؟ میرا اللہ گواہ ہے۔ اس نے کہا: چلو کوئی کفیل لے آؤ جو تمہاری کفالت کرے۔ اس نے کہا: میرا کفیل اللہ ہے۔ اس نے کہا: تم سچ کہتے ہو۔ جب اللہ تعالیٰ گواہ اور کفیل ہے تو یہ قرض لے جاؤ۔ وہ قرضہ لے کر چلا گیا اور اس نے اپنی ضروریات پوری کیں۔ اب وہ وعدے کے دن آ گیا۔ وہ گھر سے آیا، درمیان میں دریا تھا، اس نے کشتی تلاش کی، لیکن اس کو کشتی نہ ملی اور وہ مجبور ہو گیا کہ وعدہ پر کیسے پہنچے تو اس نے ایک لکڑی لے کر اس کو اندر سے خالی کیا اور پیسوں کو اس کے اندر رکھ دیا اور ایک خط اس میں لکھ کر رکھ دیا کہ اللہ! تو جانتا ہے، میں نے تیری ضمانت دی تھی اور میں نے تجھے گواہ بنایا تھا، وہ بے چارہ مان گیا اور اس نے مجھے آپ کے نام پر قرضہ دے دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے بڑی کوشش کی ہے کہ مجھے اس طرف کی سواری ملے، لیکن مجھے سواری نہیں ملی، لیکن میں اپنے عدے کے مطابق اس کی امانت تیرے سپرد کرتا ہوں۔ آپ میرے ضامن ہیں، یہ آپ اس تک پہنچا دیں۔ اور وہ لکڑی اس نے دریا میں ڈال دی۔

ادھر وہ آدمی جس نے قرضہ واپس لینا تھا اس انتظار میں تھا کہ اس شخص کا وعدہ آ گیا ہے تو وہ دریا کے کنارے پر انتظار کرتا رہا۔ نہ کشتی آئی اور نہ وہ بندہ آیا۔ اس نے دیکھا کہ کنارے کے قریب ایک لکڑی آ رہی ہے، اس نے کہا: چلو یہ لکڑی گھر لے جائیں، آگ جلانے کے کام آئے گی۔ اس نے گھر آ کر لکڑی کو کاٹا تو اندر سے وہ خط بھی نکل آیا اور وہ ہزار دینار بھی مل گئے۔ جس آدمی نے قرضہ لیا تھا کچھ عرصہ کے بعد مزید ایک ہزار دینار لے کر آ گیا اور قرض خواہ سے کہا کہ آپ کو پتا ہے کہ اتنی مدت سے میرے علاقے سے کوئی کشتی نہیں آئی۔ میں مجبور تھا، اب میں یہ پیسے لے کر آیا ہوں۔ اس نے کہا: تم یہ بتاؤ کہ پہلے تم نے مجھے کوئی پیسے بھیجے تھے؟ اس نے کہا: جب مجھے کوئی کشتی نہیں ملی تھی تو میں آپ کو خواہ مخواہ کیا کہوں۔ اس نے کہا: جو تم نے مجھے ایک ہزار دینار لکڑی میں بھیجا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے تیری طرف سے ادا کر دیئے ہیں۔[1]

اب دیکھیں کہ دونوں کی امانت کہ اس نے قرضہ دے دیا اور قرضہ لوٹانے والے نے دریا میں ڈال دیا کہ میں تو وعدے کے مطابق سچا ہو جاؤں اور جب وہ دوبارہ لے کر آیا تو اس نے کہا: مجھے مل گئے، میں دوبارہ کیسے لے لوں؟ جب امانت اور دیانت کا یہ حال ہو تو اللہ تعالیٰ کی مدد اس طرح آتی ہے۔

(حدیث) فرمایا: جب دو آدمی کاروبار شروع کریں، کوئی دکان، کوئی تجارت شروع کریں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تک ان کی نیت ٹھیک ہے تو تیسرا میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں، پھر ان کو کبھی نقصان نہیں ہو سکتا۔ اور جب ان دو میں کوئی ایک نیت خراب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنی ذات کو علیحدہ کر لیتا ہوں تو اس کے بعد تباہی آ جاتی ہے۔ [ابوداود، رقم: ۳۳۸۳]

دوسروں کے مال کو حلال جاننا یہودی عقیدہ ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ﴾ [آل عمران: ۷۵، ۷۶]

یہودی کہتے تھے کہ جتنے امیین ہیں ان کا مال اگر ہم کھا جائیں تو ہم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ آج بھی یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر غیر یہودی کا مال کھا لو یا غیر یہودی کی عصمت لوٹ لو اور اگر غیر یہودی کو تم دھوکہ دے دو تو یہ سب جائز ہے۔



[1] [بخاری، رقم: ۱۴۹۸]

بعض شیعہ مذہب کی کتابوں میں بھی موجود ہے کہ جو غیر شیعہ ہے اس کا مال کھا جاؤ تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو ہدایت دے؛ کیونکہ مقصد ہدایت ہے اور اللہ تعالیٰ سب کو صحیح عقیدہ نصیب کرے۔ یاد رکھیں! مال تو اسلام میں کافر کا بھی نہیں کھا سکتے؛ کیونکہ یہ حقوق العباد ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں کرتے، چاہے لاکھ توبہ کرو معاف نہیں ہوتا، جب تک کہ اس حقدار کا حق ادا نہ کرو۔

﴿وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾

- انہوں نے یہ باتیں خود گھڑی ہیں، یہ جھوٹ گھڑے ہیں، اللہ پاک نے حرام کر دیا اس بات کو کہ تم کسی کا مال ناحق نہیں لے سکتے، لیکن یہودی قوم بہتان لگانے والی اور جھوٹ بولنے والی قوم ہے۔

ایک آدمی نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مسئلہ پوچھا کہ ہم جب سفر میں ہوتے ہیں تو راستے میں کافروں کی آبادیاں ہیں جو اہلِ ذمہ ہیں تو ان کی کبھی مرغی یا بکری راستہ میں مل جاتی ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرمایا: پھر تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: ہم کہتے ہیں کہ یہ ہمارے جزیہ دینے والے لوگ ہیں، ان کی اگر کوئی مرغی یا بکری کھائیں گے تو کیا فرق پڑے گا؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم بھی کیا یہودیوں کی طرح کرو گے؟ جبکہ یہ لوگ تمہیں ٹیکس اور جزیہ دیتے ہیں، ان کی چاہے مرغی ہے یا انڈہ ہے، تمہارے لیے حرام ہے۔ کسی کی چیز کو اس کی اجازت کے بغیر استعمال نہیں کر سکتے۔ [سنن بیہقی: ۹/ ۱۹۸]

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ یہودی یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم امیین کا مال کھالیں تو ہم پر کوئی گناہ نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كَذَبَ أَعْدَاءُ اللهِ، مَا مِنْ شَيْءٍ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِلَّا وَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ إِلَّا الْأَمَانَةَ، فَإِنَّهَا مُؤَدَّاةٌ إِلَى الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ)) [تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۹۲]

اللہ کے دشمن جھوٹ بول رہے ہیں۔ جو بھی جاہلیت کے زمانے کی باتیں تھیں وہ سب میں نے قدموں کے نیچے روند ڈالیں۔ اب اللہ تعالیٰ کی شریعت چلے گی، لیکن امانت کا حکم پہلے بھی تھا اور اب بھی موجود ہے کہ اگر تیرے پاس امانت ہے چاہے وہ اچھے بندے کی ہے چاہے برے بندے کی ہے، امانت امانت ہے، اس کو واپس کرنا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہلِ کتاب! تم میں سے جس نے اس عہد کو پورا کیا جو عہد ہم نے انبیاء علیہم السلام سے کیا تھا

اور ان کی امتوں سے کہ جب میرے محمد مدنی ﷺ آئیں گے تو تم ایمان لاؤ گے تو جس نے اس وعدے کو نبھایا اور حضور اکرم ﷺ پر ایمان لایا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا بنا، کسی کا مال نہیں کھایا اور تقویٰ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں، یعنی وہ جنات میں ان کو درجات نصیب فرمائیں گے اور انہیں عذاب جہنم سے نجات عطا فرمائیں گے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [آل عمران:۷۷]

"(اس کے برخلاف) جو لوگ اللہ سے کیے ہوئے عہد اور اپنی کھائی ہوئی قسموں کا سودا کر کے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اور قیامت کے دن نہ اللہ ان سے بات کرے گا، نہ انہیں (رحمت کی نظر سے) دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کا حصہ تو بس عذاب ہوگا، انتہائی دردناک۔"

جھوٹی قسمیں وغیرہ سے دوسروں کا مال لینے کا عذاب:

اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے اندر اہل کتاب کے احوال اور ان کے لیے سخت سزاؤں کو بیان کیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کر کے قسمیں دے کر پھر معمولی نفع کے عوض اس کو بیچ دیتے ہیں، یعنی کوئی وعدہ کرتے ہیں اور اس پر قسم بھی کھاتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے بدلے میں تھوڑا سا پیسہ مل جائے اور ہم فائدہ اٹھالیں۔

یاد رکھیں! یہ سمجھانے کے لیے مثال ہے، ورنہ یہ مطلب نہیں کہ اگر زیادہ پیسے ملیں گے تو جھوٹی قسم کھالو، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے مقابلہ پر جتنا بھی پیسہ کیوں نہ ہو وہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

بڑی بات علماء نے یہ فرمائی ہے: ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ﴾ [النساء:۷۷] کہ ساری دنیا میں جو چیزیں ہیں وہ قلیل ہیں، فنا ہونے والی ہیں اور مٹ جانے والی ہیں۔ لہٰذا ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تھوڑا سا فائدہ حاصل کرنے کے لیے میرے نام کی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، میرے نام سے عہد اور معاہدے کرتے ہیں اور اس میں قسمیں کھاتے ہیں، تاکہ ہمیں تھوڑا سا مفاد حاصل ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پانچ سزائیں رکھی ہیں:

1 ......پہلی سزا یہ ہے کہ ﴿أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾ ایسے لوگوں کا جنت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اس سے بڑی محرومی کیا ہو سکتی ہے؟

2 ......دوسری سزا یہ ہے کہ ﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ﴾ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ان سے کلام بھی نہیں فرمائیں گے۔

3 ......تیسری سزا یہ ہے کہ ﴿وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر بھی نہیں ڈالیں گے۔

4 ......چوتھی سزا یہ ہے کہ ﴿وَلَا يُزَكِّيهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو پاک بھی نہیں فرمائیں گے۔ بلکہ وہ لوگ سزا میں پڑے رہیں گے۔

5 ......اور پانچویں سزا یہ ہے کہ ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [النساء: ۷۷] ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس سے اندازہ فرمائیں کہ جس کام پر اللہ تعالیٰ نے یہ پانچ سزائیں مقرر کی ہوں تو وہ کتنا برا ہے! آج ہمارے مسلمان قسم کو، قرآن کو اور جھوٹی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ روزانہ اگر ہر آدمی اپنا محاسبہ کرے تو پتا نہیں وہ ایک دن میں کتنی قسمیں کھاتا ہے تو اندازہ ہو جائے گا کہ آج ہمارا ماحول اتنا بگڑ چکا ہے کہ گویا ہم جہنم کے گڑھوں کے کنارے پر آ چکے ہیں، بلکہ اب تو بڑے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ جو آدمی جھوٹی قسمیں کھاتا ہے اور لوگوں کو جھوٹی باتیں کر کے لوگوں سے جھوٹے معاہدے کرے اور لوگ کہیں کہ بڑا سمجھدار آدمی ہے اور قابل آدمی ہے۔ کتنے مسلمان ہیں جو مختلف اسکیمیں بنا کر لوگوں کو لوٹ لیتے ہیں؛ کیونکہ آدمی جلد لالچ کے اندر آ جاتا ہے تو وہ دھوکہ کھا جاتا ہے۔

اس آیت سے اندازہ کریں کہ جو مولوی یا پیر اللہ کے نام کے ساتھ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے، اللہ کے قرآن کے حوالے دے کر لوگوں کو بدعات میں ڈالتا ہے اور اللہ کے نبی کے فرمان کو سنا کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے وہ سب سے بڑا خائن ہے۔ اس کے لیے بھی یہ پانچ سزائیں ہو سکتی ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

یہاں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے کلام نہیں فرمائیں گے جو جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ اور دوسری جگہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے کلام فرمائیں گے، حتیٰ کہ مشرکین بھی کہیں گے: ﴿وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ﴾ [الانعام: ۲۳] اے اللہ! ہمیں تمہاری قسم ہے کہ تو ہمارا رب ہے، ہم نے شرک نہیں کیا۔ تو مشرکین سے بھی کلام ہوگا۔ اور اسی طرح یہاں آیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی طرف نظر نہیں فرمائیں گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔

مفسرین کرام رحمہم اللہ نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام لطف نہیں فرمائیں گے، مہربانی کا کلام نہیں فرمائیں گے۔ غصہ اور جلال کا کلام اور ان کو سزا دینے کا حکم تو علیحدہ بات ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ ان پر نظرِ رحمت نہیں فرمائیں گے، ورنہ تو ہر چیز اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہے۔

ضربِ تادیب اور ضربِ تعذیب:

﴿وَلَا يُزَكِّيْهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو پاک بھی نہیں فرمائیں گے۔

علماء نے لکھا ہے کہ ایک ضرب تادیب کی ہوتی ہے اور ایک ضرب تعذیب کی ہوتی ہے۔ ایک اجنبی شخص کا مارنا ہے اور ایک ماں باپ کا مارنا ہے۔ ماں باپ اور استاذ کا مارنا تادیب کے لیے ہوتا ہے، تاکہ یہ بچہ کچھ پڑھے اور علم حاصل کرے۔ اس لیے جب وہ پڑھ جاتا ہے تو اس مار کو بھی یاد کرتا ہے کہ اللہ ہمارے استاذوں پر رحمت کرے، ہمیں بڑا مارتے تھے، لیکن آج ہم بندے بن گئے۔ اگر وہ نہ مارتے تو ہم جاہل ہوتے۔ اسی طرح قیامت میں جو کافر کو عذاب ہوگا وہ تعذیب کے لیے ہے اور ایک گناہ گار مسلمان کو بھی عذاب ہوتا ہے، کبھی دنیا میں بھی ہوتا ہے اور کبھی آخرت میں بھی ہوتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو گناہوں سے پاک کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں اور ان کے درجات کو بلند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کتنے بڑے اولیاء گزرے ہیں کہ کسی کو فالج ہے، کوئی نابینا ہو گیا، کوئی ہلنے کے قابل نہ رہا، کوئی بولنے کے قابل نہ رہا اور کوئی چلنے کے قابل نہ رہا۔ اس تکلیف کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماتے ہیں۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی مناسبت سے چند احادیث بیان فرمائی ہیں؛ کیونکہ حدیث اللہ تعالیٰ کے قرآن کی تفسیر ہوتی ہے۔ اس لیے اب ان احادیث کو بیان کیا جاتا ہے۔

(پہلی حدیث:) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ، قَالَ: فَقَرَأَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مِرَارًا، قَالَ أَبُوْ ذَرٍّ: خَابُوْا وَخَسِرُوْا، مَنْ هُمْ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!، قَالَ: الْمُسْبِلُ، وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ)) [مسلم، رقم:۱۷۱]

تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کلام بھی نہیں فرمائیں گے، جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت بھی نہیں کریں

گے، جن کو اللہ تعالیٰ گناہوں سے پاک بھی نہیں کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ اور یہ بات حضور اکرم ﷺ نے تین دفعہ فرمائی تو میں ڈر گیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ تین بدقسمت کون ہیں؟ وہ تو نامراد ہو گئے، نقصان میں پڑ گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

1 ......ان میں سے ایک مسبل ہے، یعنی جو اپنی چادر کو اپنے ٹخنوں کے نیچے لٹکانے والا، (شلوار، پائجامہ، پینٹ بھی اس کے تحت داخل ہے)۔

چادر وغیرہ کو نیچے لٹکانے والے کی یہ سزا اس لیے ہے کہ یہ تکبر کی علامت ہے اور کبریائی صرف میرے اللہ کو زیبا ہے اور کسی کو زیبا نہیں ہے۔ ایک بندہ مخلوق اور عاجز ہے، وہ کیا تکبر کرے؟ اس لیے شلوار، چادر کے لیے افضل یہ ہے کہ نصف پنڈلی تک کپڑا ہو، نہیں تو اس سے تھوڑا نیچے، نہیں تو اور تھوڑا نیچے ہو، لیکن ٹخنے ظاہر ہوں، اس سے نیچے مرد کے لیے حرام ہے۔ اور یہ علامتِ تکبر ہے، اس سے بڑی سزا کیا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس پر نظرِ کرم نہیں فرمائیں گے۔

مسلمانوں کی دنیا میں حالت زار:

آج ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم ہر جگہ ذلیل ہو رہے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ کیونکہ جب تک مرض کی تشخیص نہیں ہوگی اس وقت تک علاج ممکن نہیں ہے۔ کافروں کے چار آدمی مر جائیں تو پوری دنیا کو ہلاک کر کے رکھ دیتے ہیں اور پوری دنیا میں دیکھیں کہ مسلمان کے خون کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

علماء نے اس کی وجہ لکھی ہے کہ ایک انفرادی گناہ ہے کہ میں نے گناہ کیا تو اس کے لیے ضروری ہے کہ میں توبہ کروں اور ایک گناہ ایسا ہے کہ اس کے اندر پورا معاشرہ مبتلا ہو گیا تو وہاں ایک دو آدمیوں کی توبہ کام نہیں آتی، بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ اجتماعی طور پر قوم اللہ تعالیٰ کے دروازے پر گریں، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ پھر جا کر ہم سے یہ عذاب اٹھیں گے۔

کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان مبارک ہے:

((اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ لَمْ يَنْزِلْ بَلَاءٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَّا بِذَنْبٍ، وَلَا يُكْشَفُ إِلَّا بِتَوْبَةٍ))

[المجالسۃ وجواہر العلم، رقم: ۷۲۷]

’’کبھی ہم پر کوئی مصیبت نہیں آتی، مگر اس کا سبب ہمارا گناہ ہوتا ہے۔ اور مصیبت اس وقت ٹلتی ہے جب توبہ کریں۔‘‘

اب آپ خود دیکھ لیں کہ اسبالِ ازار ایک فیشن بن گیا کہ مردوں کے کپڑے نیچے ہوتے جا رہے ہیں اور عورتوں

کے اوپر ہوتے جا رہے ہیں۔ بعض پڑھے لکھے ایسا باریک یا چست کپڑا پہنے ہوتے ہیں کہ جب نماز پڑھیں تو ان کا پورا بدن محسوس ہوتا ہے اور نظر آ رہا ہوتا ہے۔ اگر کوئی کہہ دے تو اس کے گلے پڑ جاتے ہیں، حالانکہ کپڑا پہننے کا مقصد تو اپنا ننگ چھپانا ہوتا ہے، نہ کہ اس کو ظاہر کرنا۔

2 ......دوسرا وہ آدمی جو احسان کر کے احسان جتلائے۔

جھوٹی قسم سے مال بیچنا:

3 ......حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تیسرا آدمی وہ ہے کہ جو اپنی چیز کو جھوٹی قسم کھا کر بیچتا ہے۔

مثلاً: اس سے پوچھا جائے کہ یہ رومال کتنے کا ہے؟ وہ کہے: حضرت! آپ کے لیے دس ریال کا ہے۔ خدا کی قسم بیس سے کم کا نہیں بیچتے، اٹھارہ ریال کا تو ہم نے لیا ہے۔ حالانکہ وہ پانچ ریال کا ہوتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ آدمی جھوٹی قسم کھائے، بلکہ اگر ایک آدمی دین کی شکل بنا کر کھڑا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ بھلا کیسے جھوٹ بولے گا؟ لہٰذا اگر ایسا آدمی بھی جھوٹ بولے تو وہ بھی ان میں داخل ہے۔

یاد رکھیں! اگر وہ کافر ہے تو اس کے لیے تو جہنم ابدی ہے، لیکن مسلمان ہے اور اس میں یہ بیماریاں ہیں تو اس کو بھی اتنی بڑی سزا ملے گی، لیکن ایک نہ ایک دن بوجہ کلمہ توحید، بوجہ عقیدہ صحیح اس کو اللہ تعالیٰ جنت دیں گے۔ اس کے لیے یہ وعید شدید ہوتی ہے، تاکہ مسلمان کبھی ایسی حرکت نہ کرے۔

آج دکھ کی بات یہ ہے کہ کافر تجارت کے معاملات میں اتنا سیدھا ہے کہ آپ سوچ نہیں سکتے۔ آپ ان کے کسی معروف سٹور سے کوئی چیز لے لیں۔ دو چار دن کے بعد ان کو واپس کر دی تو لے لیں گے اور زبان سے کوئی لفظ نہیں نکالیں گے۔

دوسروں کا مال ناحق لینا:

(دوسری حدیث:) امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک آدمی کندہ قبیلہ سے تھا، اس کا نام امرؤ القیس بن عابس تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آ کر اس نے ایک زمین کے بارے میں درخواست پیش کی۔ اور جس سے جھگڑا تھا وہ شخص حضرموت کا تھا اور یہ یمن کا علاقہ ہے...... بعض کہتے ہیں کہ یہاں ایک اللہ کے نبی پہنچے اور ان کی موت ہو گئی تو اس وجہ سے اس کا نام حضرموت ہے...... بہرحال امرؤ القیس نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آ کر

دعویٰ کیا کہ یہ میری زمین ہے اور فلاں شخص مجھے نہیں دیتا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اسلام کا قاعدہ ہے کہ جو آدمی دعویٰ کرے تو ثبوت دعویٰ کرنے والے کے ذمہ ہوتا ہے کہ ((اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ، وَالْيَمِيْنُ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ)) [سنن الترمذی، رقم: ۱۳۴۱] اور گواہوں کا مسئلہ وہی ہے جو قرآن میں ہے کہ دو گواہ ہونے چاہئیں: دونوں مرد ہوں، دیانت دار ہوں، اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہوں۔ تو جب گواہ گواہی دیں گے تو اس کا دعویٰ سچا ہوگا۔ اگر گواہ نہ ہوں تو مدعیٰ علیہ قسم کھائے گا۔ اگر اس نے قسم کھالی کہ یہ چیز میری ہے تو مدعی کا دعویٰ خارج ہو جائے گا۔

امرؤ القیس نے کہا: حضور! میں گواہ پیش نہیں کر سکتا۔ حضور اکرم ﷺ نے مدعیٰ علیہ کو کہا: تم قسم کھاؤ۔ امرؤ القیس نے کہا: حضور! یہ تو جھوٹا آدمی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے علاوہ تو کوئی حل نہیں ہے یا تو ثبوت لے آؤ یا اس کی قسم کا اعتبار کرو۔ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی کا مال حاصل کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائی تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ (اللہ) اس پر غصہ ہوگا۔ اور حضور اکرم ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا أُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾ [آل عمران: ۷۷] جو لوگ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں مال حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عذاب جہنم تیار کر رکھا ہے، ان کو جنت میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ اس مدعی نے کہا: حضور! اگر کوئی اپنا حق چھوڑ دے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں جنت دیں گے۔ اس نے کہا: حضور! ساری زمین اس کو دے دیں۔ اس سے نہ قسم لیتا ہوں اور نہ ثبوت پیش کرتا ہوں۔ اگر مجھے اس کے بدلہ میں جنت ملتی ہے تو اس سے بڑی نعمت اور کیا ہوگی؟ [مسند احمد: ۴/ ۱۹۲]

حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ جنت کے اندر ایک ہنٹر (کوڑے) کے برابر کی جگہ بھی ساری دنیا اور اس کی نعمتوں سے بہتر ہے۔ [بخاری، رقم: ۲۸۹۲]

لوگ اس کو اہمیت نہیں دیتے، ورنہ جھوٹی قسم کھانے سے آدمی اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کبھی آدمی کو فوراً سزا مل جاتی ہے اور کبھی فوراً سزا نہیں ملتی اور لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ روز جھوٹی قسمیں کھاتا ہے تو کیا ہوگیا؟ حالانکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے، چاہیں تو اس وقت سزا دے دیں اور اگر چاہیں تو اس کو اور مہلت دے دیں۔ کافروں کو بھی مہلت ملی ہوئی ہے، وہ بھی دنیا میں زندہ ہیں اور مزے کر رہے ہیں۔

ہاں اگر حق پر ہو تو قسم کھا سکتے ہو، لیکن لوگ کہتے ہیں: سچی قسم بھی نہ کھاؤ اور جھوٹی قسم بھی نہ کھاؤ۔ یہ جاہلوں کی



بات ہے: کیونکہ کئی دفعہ حضور اکرم ﷺ نے قسم کھائی: ((وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ)) [صحیح بخاری، رقم: ۱۹۰۲] مجھے اس ذات پاک کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس لیے سچی قسم کھانے میں ڈر نہیں ہوتا۔ کوشش کیا کریں کہ بلاوجہ قسم نہ کھانی پڑے۔ اگر سچی ہے تو حق نہ چھپائیں۔ فرمایا: ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ﴾ [البقرۃ: ۲۸۳] جو چھپاتا ہے وہ دل کا مریض ہے، گناہگار ہے۔ اور جھوٹی قسم سے بالکل بچ جائیں، کچھ دینا بھی پڑے تو دے دیں۔ دنیا میں جان چھڑا لیں یہ زیادہ بہتر ہے۔

جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال لینا:

(تیسری حدیث:) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ، وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ، لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ)) [صحیح بخاری، رقم: ۲۴۱۶] جو شخص جھوٹی قسم کھائے، تاکہ کسی مسلمان کا مال حاصل کر لے تو وہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوگا کہ اللہ پاک اس سے ناراض ہوں گے (تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اسے عذاب ملے گا)۔

حضرت اشعث ؓ فرماتے ہیں: خدا کی قسم ہے! اس آیت کا سبب نزول میں ہوں؛ کیونکہ میرا ایک یہودی سے زمین کے بارے میں جھگڑا تھا۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آکر مقدمہ پیش کیا۔ یہودی نے میری زمین کا انکار کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: تیرے پاس گواہ ہیں؟ میں نے کہا: میرے پاس گواہ نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے یہودی سے فرمایا: تو قسم کھا۔ میں نے کہا: حضور! اگر اس کی قسم کا مسئلہ ہے تو میری زمین ختم ہو جائے گی؛ کیونکہ یہ یہودی ہے، اس سے جتنی مرضی آئے قسمیں اٹھوا لیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرما دیا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ [آل عمران: ۷۷] جو لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جھوٹی قسمیں کھا کر اللہ تعالیٰ سے عہد معاہدہ توڑ کر دنیا کا مال حاصل کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں جہنم کی سزا ہوگی اور اللہ تعالیٰ ان سے کلام بھی نہیں فرمائیں گے۔

اللہ کے کلام، تزکیہ اور نظر کرم سے محروم لوگ:

(چوتھی حدیث:) حضرت سہل بن معاذ بن انس ؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عِبَادًا، لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، قِيلَ لَهُ: مَنْ أُولَئِكَ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!، قَالَ: مُتَبَرِّ مِنْ وَالِدَيْهِ رَاغِبٌ عَنْهُمَا، وَمُتَبَرِّ مِنْ وَلَدِهِ، وَرَجُلٌ أَنْعَمَ عَلَيْهِ قَوْمٌ فَكَفَرَ نِعْمَتَهُمْ، وَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ)) [مسند احمد، رقم:۱۵۶۳۶]

اللہ تبارک وتعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہوں گے جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائیں گے، یعنی ناراضگی کی وجہ سے ان سے کلام نہیں فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائیں گے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: ایسے بندے جو والدین سے براءت کا اظہار کرتے ہوں، یعنی اپنے والدین کی اطاعت نہ کریں، والدین کی بجائے دوستوں کے ساتھ تو بڑا اچھا اخلاق ہے، لیکن والدین کا نافرمان ہے، والدین کی ولدیت کا منکر ہے۔ ایسے آدمی پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس پر نظر کرم نہیں فرمائیں گے۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ یہ بھی قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے کہ بعض ایسے لوگ ہوں گے جو دوستوں کے تو بڑے فرمانبردار ہوں گے، لیکن ماں باپ کے نافرمان ہوں گے۔ آج دیکھ لیں کہ لوگ دوستوں کی گالیاں بھی کھاتے ہیں، لیکن باپ کی بات برداشت نہیں کر سکتے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جو اپنے ماں باپ کا نافرمان ہوتا ہے کبھی تو ایسے ہوتا کہ اللہ تعالیٰ موت سے پہلے ہی اس کی زبان بند کر دیتے ہیں۔

اپنی اولاد سے منہ پھیرنا یہ بھی جرم ہے؛ کیونکہ اولاد کا بھی حق ہے۔ اگر اولاد فرمانبردار ہے تو اولاد کی خدمت کرے۔ یہ نہ ہو کہ اپنی اولاد گھر میں بھوکی بیٹھی رہے اور تم دوسروں کی عورتوں کو ہدیے پہنچاؤ اور یہ نہ ہو کہ تمہاری اولاد بھیک مانگتی رہے اور تم اپنے فیشن، سنگار، کپڑوں اور اپنے دوستوں پر خرچ کرتے پھرو۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے بھی بات نہیں کریں گے۔ اور اس بندے پر بھی اللہ تعالیٰ کا قہر اور غضب ہوگا جس پر لوگوں نے تو احسان کیا، لیکن اس نے کسی کے احسان کا بدلہ نہیں دیا، بلکہ ناشکری کی۔

(پانچویں حدیث:) حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اپنا کچھ سامان بیچنے کے لیے بازار میں لے کر آیا۔ اس نے ایک مسلمان کو جھوٹا پھنسانے کے لیے کہا کہ خدا کی قسم! مجھے اس سامان کا ایک لاکھ مل رہا تھا، لیکن میں نے نہیں دیا اور تمہیں نوے ہزار میں دیتا ہوں۔ اس طرح وہ جھوٹی قسم کھا کر اس کو سودے میں پھنسا کر سودا بیچ لے تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا

قَلِیلًا الخ﴾ [بخاری، رقم: ۴۵۵۱]

تین اور قسم کے محروم لوگ:

(چھٹی حدیث:) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ مَنَعَ ابْنَ السَّبِيلِ فَضْلَ مَاءٍ عِنْدَهُ، وَرَجُلٌ حَلَفَ عَلَى سِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ يَعْنِي كَاذِبًا، وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا فَإِنْ أَعْطَاهُ وَفَى لَهُ، وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ لَمْ يَفِ لَهُ))

[سنن ابی داؤد، رقم: ۳۴۷۴]

تین شخص ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام بھی نہیں فرمائیں گے اور ان کی طرف نظر رحمت بھی نہیں فرمائیں گے اور ان کو گناہوں سے پاک بھی نہیں فرمائیں گے: ان میں ایک شخص وہ ہے جس کے پاس زائد پانی ہے اور وہ زائد پانی بھی مسافر کو نہیں دیتا...... یا اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ تو جانوروں کو بھی پانی پلاتے ہیں، فائدہ اٹھاتے ہیں اور کوئی مسافر گزرے تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ پانی ہمارا حق ہے، تمہارا کوئی حق نہیں ہے...... ایسے آدمی پر بھی اللہ کا غضب ہوتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو روک رہے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے پانی سے ہر چیز کو زندگی دی ہے اور تم اس نعمت عامہ کو روک کر مسلمانوں کو تکلیف دینے کا باعث بن رہے ہو۔

اور دوسرا وہ آدمی جو عصر کے بعد اپنا مال دھوکے سے بیچنا چاہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ عصر کے بعد دن ڈھل رہا ہوتا ہے اور رات آ رہی ہوتی ہے تو یہ وقت انسان کے لیے بڑا ڈرنے کا ہوتا ہے کہ جس طرح دن جا رہا ہے اسی طرح میں بھی گزر جاؤں گا، لہٰذا ایسے وقت میں وہ جھوٹ نہ بولے۔ اور اسی طرح عصر کے بعد اوقاتِ مستجابہ ہیں، یعنی آدمی اللہ تعالیٰ سے جو بھی دعا مانگتا ہے منظور ہوتی ہے، تو اس وقت میں اگر آدمی جھوٹی قسم کھالے تو ایسے آدمی سے بھی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائیں گے۔

اور ایک وہ آدمی جس نے اپنے امام، خلیفۃ المسلمین کی، بادشاہ کی بیعت کی کہ میں آپ کا مطیع رہوں گا۔ اب اگر بادشاہ اس کو عہدہ دے، انعام دے تو وفادار ہے اور اگر بادشاہ نے کچھ عہدہ نہ دیا اور کوئی وجہ بن گئی تو وفا ختم کر دی تو اس کی وفا پیسے کے ساتھ رہی، ورنہ مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے بادشاہ کا ہر حال میں مطیع رہے۔ کیونکہ اطاعت کے اندر خیر ہے اور اطاعت نہ کرنے میں فتنہ و فساد ہے۔



﴿وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾﴾ [آل عمران: ۷۸]

''اور انہی میں سے ایک گروہ کے لوگ ایسے ہیں جو کتاب (یعنی تورات) پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو مروڑتے ہیں، تاکہ تم (ان کی مروڑ کر بنائی ہوئی) اس عبارت کو کتاب کا حصہ سمجھو، حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہوتی۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (عبارت) اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی۔ اور (اس طرح) وہ اللہ پر جانتے بوجھتے جھوٹ باندھتے ہیں۔''

یہودیوں کی تورات میں تحریف لسانی:

ان آیات میں پھر ان کی خیانت کا ذکر ہے کہ ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے کہ جو اپنی زبانوں کو ایسے پھیرتے ہیں، تاکہ الفاظ بگڑ جائیں۔ اور پھر لوگوں کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں یا سنا رہے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی کتاب نہیں ہوتی۔ یہ ایسے ظالم ہیں کہ اپنی زبانوں کو پھیر کر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں حرف ملا دیتے ہیں، تاکہ سننے والا یہ سمجھے کہ یہ بھی تورات ہے۔

اب ایک مولوی صاحب کھڑے ہو کر یہ کہنا شروع کر دیں کہ یہ حدیث شریف میں ہے۔ اب کسی کو کیا پتا کہ کونسی حدیث شریف میں ہے؟ اب عام آدمی کو بس یہ پتا ہے کہ وہ تو حدیث بیان کر رہا تھا، یہ کسی کو پتا نہیں ہوتا کہ وہ حدیث کونسی ہے؟ صحیح ہے، حسن ہے؟ ضعیف ہے، من گھڑت ہے؟ صحاح ستہ میں کہاں ہے؟ اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟ محدثین کے نزدیک اس حدیث کا کیا مرتبہ ہے؟ کوئی پتا نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح کہہ دیتے ہیں کہ بزرگوں نے فرمایا: ہے۔ کوئی پتا نہیں ہے کہ کونسے بزرگوں نے فرمایا: ہے؟ اور بزرگوں نے کس طرح فرمایا ہے؟ اور اسی طرح یہ کہہ دیتے ہیں کہ بعض روایات میں یوں آتا ہے۔ اب پتا نہیں بعض روایات سے کونسی روایات مراد ہیں؟

امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابن معین رحمہ اللہ کی عجیب حکایت:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اپنے ساتھ ایک واقعہ ہوا کہ ہم ایک علاقہ کی ایک مسجد میں گئے۔ مولوی صاحب نے جب تقریر کی تو اس نے ایک لمبی حدیث ہمارے حوالے سے سنائی

کہ یہ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے بیان کی ہے۔ اب ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھیں کہ ہمیں تو پتا نہیں ہے اور یہ ہماری روایت سے سنا رہا ہے۔

جب اس نے تقریر ختم کی تو ہم نے اس کو کہا: آپ نے جو یہ روایت امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے روایت بیان کی ہے امام احمد بن حنبل یہ ہیں اور یحییٰ بن معین میں ہوں، ہم نے تو کوئی ایسی روایت بیان نہیں کی جو تم نے سنائی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ اسی طرح ڈھٹائی سے کہنے لگا کہ عجیب بات ہے کہ ساری دنیا میں احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین تم ہو اور کوئی نہیں ہو سکتا؟ میرے تو کئی استاذ اس نام کے ہیں۔ یہ کوئی ضروری ہے کہ میں تمہاری بات کر رہا تھا؟ اب تم مانو کہ تمہارے علاوہ بھی احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین ہیں، پھر انہوں نے ہم سے منوا کر چھوڑا۔

عہد الست اور میثاق انبیاء علیہم السلام کا ذکر:

آپ نے پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو عہد لیے تھے: ایک عہد تمام ارواح سے اپنی ربوبیت کا لیا تھا کہ ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ﴾ [الاعراف:۱۷۲] تو سب نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ اور دوسرا عہد لیا جس کا ذکر قرآن میں ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ﴾ [آل عمران:۸۱] کہ اللہ نے تمام انبیاء سے عہد لیا کہ جو اللہ تعالیٰ کے احکام اور کتابیں ہیں ان کی پیروی کرو گے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دو گے اور اپنی اپنی امتوں میں اس کا ذکر کرو گے، ان کی صفات بیان کرو گے، تاکہ میرے مدنی کی شان اور عظمت دلوں میں اتنی راسخ ہو جائے کہ جس امت کو ان کا زمانہ ملے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ ان میں کتنے آدمی عہد میں رہیں گے اور کتنے آدمی عہد میں نہیں رہیں گے۔

اقرار ربوبیت کیوں کرایا؟

اللہ تعالیٰ نے سب سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا، جبکہ اصل مدار الوہیت پر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیں کہ رب کے بارے میں کسی نے انکار نہیں کیا، مگر کوئی ملحد جس کو کمیونسٹ اور دہریہ کہتے ہیں، ورنہ ہر مذہب کے آدمی نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے، حتیٰ کہ کفار قریش بھی مانتے تھے کہ ہمارا رب وہی اللہ ہے اور کسی نہ کسی شکل میں ہندو بھی اللہ تعالیٰ کو رب مانتا ہے، بدھ مت بھی، یہودی اور عیسائی بھی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے مسئلہ کو، الوہیت کے مسئلہ کو ہمارے اختیار پر چھوڑ دیا؛ کیونکہ اگر زبردستی سب سے عہد لے کر مسلمان کر دیں پھر تو جنت جہنم کا فلسفہ ہی ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور اس سے اپنی ربوبیت کا اظہار کیا، اس کو حواسِ خمسہ دیئے اور اس کے بعد پوری دنیا میں اپنی نشانیاں بچھا دیں اور ہمیں اختیار دیا کہ ہم ایمان اختیار کرتے ہیں یا کفر اختیار کرتے۔ ہیں اور اسی پر ہی ہمیں جزاء وسزا ملنی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت زبردستی منوا لیتے تو انبیاء کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر اس نظام عالم کو چلانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سب سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔

میثاقِ انبیاء کا مقصد:

دوسرا ذہنوں کے اندر یہ خلجان ہوتا ہے کہ ہر پیغمبر حضور اکرم ﷺ کے بارے میں کہتے آئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ تو جانتے تھے کہ آپ سب سے آخر میں تشریف لائیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے حضور اکرم ﷺ کی اظہارِ عظمت تھی کہ ان کی اتنی بڑی شان ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا نظام اسی کے لیے سجایا گیا ہے کہ ہر آنے والا پیغمبر میرے مدنی ﷺ کے بارے میں خبر دے رہا ہے۔

اسی طرح جب کوئی بڑا خطرہ ہو تو سب ڈراتے ہیں۔ ہر نبی دجال سے ڈراتے آئے، حالانکہ سب نبیوں کو پتا تھا کہ دجال آخری زمانے میں آئے گا اور سب سے زیادہ میرے مدنی محمد مصطفیٰ ﷺ نے ڈرایا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ دجالی فتنہ اتنا بڑا فتنہ ہے کہ ہر پیغمبر علیہ السلام اپنی امت کو ڈرا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں یہودیوں کی ایک اور شرارت اور خباثت کا ذکر کیا ہے کہ یہودیوں میں ایک جماعت ایسی ہے کہ جب وہ کتاب تورات پڑھتے ہیں تو اس میں تحریف کر دیتے ہیں آپ تحریف کی ساری اقسام تفصیل کے ساتھ پہلے پڑھ چکے ہیں۔

قرآن کی تحریف سے حفاظت کی ایک مثال:

(مثال) قرآن کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں ہے: ﴿فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى إِذَآ أَتَيَآ أَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَآ أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا﴾ [الکہف:۷۷] کہ جب وہ دونوں ایک بستی میں پہنچے تو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اس بستی میں جا کر کھانا لے آئیں، تا کہ ہم کھانا کھائیں۔



اور شریعت کا حکم ہے کہ اگر کسی مسافر کا کسی بستی سے گزر ہو تو وہ کھانا مانگ سکتا ہے اور بستی والوں میں رواج آ گیا کہ جو مسافر گزریں وہ ان کو کھانا دیں یہ سنت ہے۔ یہ تو اب شہروں اور بستیوں میں رواج آ گیا ہے کہ ہوٹل بن جاتے ہیں، پہلے دور کے اندر یہ رواج نہیں تھا۔ اور اسلام نے سکھایا کہ اگر کوئی آدمی آپ کے پاس آئے تو تین دن تک وہ آپ کا مہمان ہے، آپ اس کو کھانا دیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بستی والوں کے پاس گئے اور ان کو بتایا کہ ہم تین آدمی مسافر ہیں اور ہمیں کھانے کی ضرورت ہے، لیکن کسی نے بھی کھانا نہیں دیا۔ اس لیے قرآن میں جمع کا صیغہ ہے، فرمایا: ﴿فَاَبَوۡا اَنۡ یُّضَیِّفُوۡهُمَا﴾ کہ ان سب نے انکار کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے اور آپ کی طبیعت میں جلال تھا تو آپ غصے میں تھے کہ یہ کیسے بستی والے لوگ ہیں کہ کسی مسافر کو کھانا بھی نہیں دیتے۔ اسی طرح یہ لمبا قصہ ہے اور آپ اس کو سورت کہف کے آخر سے کچھ پہلے پڑھیں گے۔

بہر حال جب کافی زمانہ گزر گیا تو اس بستی والوں کا وفد حجاج بن یوسف کے پاس آیا اور کہا کہ ہمارے لیے یہ بہت بڑی قیامت تک کے لیے خدا کی لعنت ہے کہ اللہ کے نبی آئے اور ہم نے کھانا نہ دیا۔ آپ مہربانی فرمائیں اور آپ جتنی دولت چاہیں آپ کو دیتے ہیں۔ آپ ﴿فَاَبَوۡا﴾ کے نیچے کے نقطے کو ختم کر کے ﴿فَاَتَوۡا﴾ بنا دیں۔ ﴿اَبَوۡا﴾ کا معنی ہے کہ انہوں نے انکار کیا اور اگر ﴿اَتَوۡا﴾ ہو تو معنی ہوگا کہ وہ دعوت کرنے کے لیے دوڑے آئے۔ آپ کہہ لیں کہ نقطہ بدلنے سے کتنا آسمان، زمین کا فرق پڑ جائے گا۔ حجاج بن یوسف نے کہا یہ کیا کہہ رہے ہو ہم اللہ تعالیٰ کا قرآن کیسے بدل سکتے ہیں؟ اور وہ قرآن جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لے لی ہے اور لاکھوں لوگوں کے سینوں میں قرآن پاک حفظ ہے، وہاں نقطہ کون بدلے گا؟ یہ بھی تحریف ہے کہ نیچے نقطہ ہے، اسے بدل کر آپ اوپر لگا دیں تو ترجمہ بدل گیا۔

یہ ایک تحریف کا انداز ہوتا ہے کہ آیت کے اندر کوئی حرف بڑھا دیا۔

ایک فرقہ کی تحریفِ قرآن کی کوشش:

قرآن پاک تو محفوظ ہے، نہ تحریف ہے، نہ تبدیل ہے اور نہ اس میں کوئی مائی کا لعل زیادتی کر سکتا ہے اور نہ اس میں نقصان کر سکتا ہے، لیکن کچھ لوگوں نے اپنی طرف سے بڑا زور لگایا کہ قرآن بھی محرف ہے۔ جیسے روافض نے قرآن میں کئی جگہ جوڑ لگائے۔ مثلاً: ﴿یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ



رِسَالَتَہٗ ﴾ [المائدۃ:٦٧] میں یوں تحریف کی کوشش کی اور لفظ بڑھا دیئے کہ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ (فِیْ خِلَافَةِ عَلِیٍّ) وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَہٗ ﴾ کہ اے میرے نبی! لوگوں کو خلافتِ علی کا مسئلہ پہنچا دیں کہ میرے بعد علی خلیفہ بنے گا۔ اگر تو نے یہ مسئلہ نہ پہنچایا تو تم نے رسالت کا حق ادا نہ کیا۔ اب تو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا قرآن صنعا یمن میں موجود ہے جو ان کے اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے۔ کیونکہ آپ کاتب الوحی تھے، لاکھوں لوگوں نے اس قرآن کی زیارت کی ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایک حرف میں بھی فرق نہیں ہے۔

اسی طریقہ سے یہ بھی تحریف ہوتی ہے کہ حرف بڑھایا نہ گھٹایا، لیکن معنی بدل دیا۔ جہاں قرآن میں ﴿ عَلِیٌّ حَكِیْمٌ ﴾ کا لفظ آیا تو روافض نے کہا: یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

قرآن میں آتا ہے: ﴿ وَاِنَّ مِنۡ شِيۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِيۡمَ ۘ﴾ [الصافات:٨٣] شیعہ کا اصل معنی فرقہ ہوتا ہے جو ایک عقیدہ پر جمع ہو جائیں ان کو عربی میں شیعہ کہتے ہیں۔ تو ان روافض نے یہاں یہ ترجمہ کر دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی شیعہ تھے۔ اب ان کو کون بتلائے کہ شیعہ تو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے، ان کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا تعلق ہے؟

اور ایک تحریف یہ ہوتی ہے کہ لفظ کو ویسے رہنے دیا، لیکن انداز بدل دیا کہ ﴿ رَاعِنَا ﴾ کو "رَاعِیْنَا" (عین کو کھینچ کر) پڑھ دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خبردار! ایسا لفظ میرے نبی کو نہ کہا کرو جس سے تم دل میں توہین مراد لیتے ہو، تم ﴿ اُنۡظُرۡنَا ﴾ [البقرۃ:١٠٤] کہا کرو۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو اپنی زبان پھیرتے ہیں، یعنی حروف بدل دیتے ہیں کتاب سے، تاکہ تو یہ سمجھے کہ یہ بھی اللہ کی کتاب کا حکم ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں وہ بات نہیں ہوتی۔ اور اس کے بعد وہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا، بلکہ خود ملا رہے ہوتے ہیں۔ یہ اتنے ظالم ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں، حالانکہ جانتے ہیں کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔

تاریخ کے اندر جتنے گمراہ فرقے ہیں ان سب کا ایک ہی طریقہ واردات ہے کہ یہ اپنی طرف سے قصے کہانیاں بنائیں گے اور اپنی طرف سے حروف ملائیں گے، احکام بدلیں گے اور دنیا کو دکھائیں گے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی

کتاب ہے۔ بعض اس طرح پڑھتے جائیں گے اور درمیان میں ایک لفظ بڑھا دیں گے کہ کسی کو پتا بھی نہیں لگے گا یہ بھی تحریف ہے۔

''لَیًّا'' کا معنی ہوتا ہے زبان کا پھیرنا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ تحریف کرتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل فرمایا ہے کہ تحریف کرتے ہیں اور زیادہ کرتے ہیں۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: دنیا کے اندر کسی بندے کو یہ طاقت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے کسی حرف کو ختم کر سکے۔ اسی لیے وہ لوگ آیات کا مطلب بدل کر پیش کرتے تھے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو تورات وانجیل اتاری تھی اس کے حرف تو بدل نہ سکے، لیکن یہ گمراہ ہو گئے؛ کیونکہ یہ تحریف و تاویل کرتے تھے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے یا خود کتابیں لکھ کر اپنی طرف سے کہتے تھے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتابیں تو محفوظ ہیں، ان کے اندر تو کوئی کمی نہیں آسکتی۔

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے جو فرمایا کہ تورات وانجیل نہیں بدلی، ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تورات وانجیل جو یہود و نصاریٰ کے پاس ہے اس میں تو کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ بدلی جا چکی ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں پر اتاری تھیں وہ اسی طرح محفوظ ہے تو ٹھیک ہے۔ باقی جو ان کے پاس اب تورات وانجیل موجود ہے...... اللہ تعالیٰ آپ کو نہ دکھائیں۔ اگر آپ دیکھیں تو کوئی شریف آدمی اس کے دو صفحے بھی نہیں پڑھ سکتا، جس کے اندر یہ لکھا ہو کہ پیغمبر اپنی بیٹیوں سے زنا کرتے تھے...... انا للہ وانا الیہ راجعون......

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُونُوا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۝ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ۝﴾ [آل عمران: ۷۹، ۸۰]

''یہ کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے اور وہ اس کے باوجود لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ اس کے بجائے (وہ تو یہی کہے گا کہ) اللہ والے بن جاؤ؛ کیونکہ تم جو کتاب پڑھاتے رہے ہو اور جو کچھ پڑھتے رہے ہو، اس کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے۔ اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے سکتا ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا قرار دے دو۔ جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اس کے بعد وہ تمہیں کفر اختیار کرنے کا حکم دے گا؟''



شانِ نزول:

علماء کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نصرانیوں کا وفد آیا تھا جس کے بعض واقعات آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کیا۔ مناظرہ کے اندر وہ لاجواب ہو گئے لیکن اس کے باوجود ان کی ضد باقی رہی کہ میں نہ مانوں۔ اس کا تو کسی کے پاس علاج نہیں ہے۔

عیسائیوں کی بڑی دلیل یہی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، لہٰذا اللہ کے بیٹے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھا کہ اگر باپ نہ ہونے سے بچہ خدا کا بیٹا بن جاتا ہے تو جس نبی کا باپ بھی نہیں، ماں بھی نہیں تو اس کو کیا بناؤ گے؟ بی بی حواء کو بغیر ماں کے پیدا فرمایا، ان کو حکم دیا اور نور سے مخلوق پیدا ہو گئی۔ جب نصرانیوں سے کوئی جواب نہ بنا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اگر دلائل سے بھی نہیں مانتے ہو تو ہم مباہلہ کرتے ہیں کہ میدان میں اپنے بچوں کو لے کر نکل آتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

جب مباہلہ کا وقت آیا تو انہوں نے کہا: ہم مباہلہ بھی نہیں کرتے اور اس کے بعد انہوں نے صلح کی کوشش کی کہ ہم جزیہ دیں گے۔ جب یہ باتیں سامنے آئیں تو یہودیوں کو بات کرنے کا ایک بہانہ مل گیا کہ آپ کا نبی چاہتا ہے کہ جیسے نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں تم بھی میرے بندے بن جاؤ اور میری پوجا کرو تو ہم کیسے کریں؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد کے لیے یہ آیات اتاریں:

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝﴾ [آل عمران: ۷۹، ۸۰]

یہ بات کسی ایسے بندے کو زیبا نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب بھی دی ہو، دانائی بھی دی ہو اور نبوت بھی دی ہو، پھر وہ لوگوں کو یہ کہے کہ تم مجھے خدا مانو، میرے بندے بن جاؤ۔ وہ کبھی ایسا نہیں کرتے، وہ تو میری توحید کی دعوت دینے کے لیے آتے ہیں۔ کسی رسول یا پیغمبر نے کبھی یہ نہیں کہا کہ تم میرے بندے بن جاؤ۔ [تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۹۸]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ﴾ [البقرۃ: ۲۱] (اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے)۔ اور ہر پیغمبر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اللہ کے بندے بنو

اور اللہ تعالیٰ کے غلام بنو۔

عبادت اور اطاعت میں فرق:

عبادت اور اطاعت میں فرق ہے۔ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور اطاعت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور اولوالامر کی ہے۔ اطاعت کا مطلب ہوتا ہے کہ ان کی بات کو تسلیم کرنا، ان کی فرمانبرداری کرنا۔

شانِ نزول کا مقصد اور فائدہ:

کسی آیت کا شانِ نزول اور سببِ نزول بیان کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بات واضح ہو جائے کہ یہ آیت کیوں اتری تھی؟ کہاں اتری تھی؟ کب اتری تھی؟ اور کن حالات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس کی یہ آیت اتاری؟ اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جب واقعات کی ترتیب آتی ہے تو اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ واقعہ پہلے کا ہے اور یہ واقعہ بعد کا ہے۔ اسی لیے مفسرین کرام رحمہم اللہ اسبابِ نزول پر زیادہ زور دیتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی سمجھ لیں کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ چند واقعات پیش آئے اور قرآن کی کوئی آیت اتری؛ کیونکہ ان سب واقعات کا آپس میں اتصال تھا، اس لیے قرآن پاک کا ایک حکم اترا جو سب کے لیے نافذ ہو گیا۔

تیسری بات یہ یاد رکھیں کہ اگر آیت کسی خاص مقصد میں اتری ہے۔ عبرت عموم لفظ سے ہوتی ہے، خصوص سبب سے نہیں ہوتی۔ مثلاً: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ! شراب کے مسئلے میں آپ مہربانی فرما کر کوئی حکم فرمائیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آیت نازل فرما دی: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ﴾ [البقرة:۲۱۹] جن لوگوں کے دل شراب کو چھوڑنے کی طرف مائل تھے وہ اسی آیت سے بھی چھوڑ گئے کہ جب گناہ فائدے سے بڑا ہے، لہٰذا ایسے فائدے کو آگ لگاؤ۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پھر دعا کی کہ اللہ! آپ مہربانی فرمائیں اور اس سے بھی زیادہ کوئی واضح حکم فرمائیں۔ دوسری آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرما دی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ [النساء:۴۳] اے ایمان والو! تم نماز اس حالت میں نہ پڑھا کرو کہ تم نشہ میں ہو؛ کیونکہ اس کو پتا نہیں کہ میں نماز صحیح ادا کر رہا ہوں یا غلط ادا کر رہا ہوں؟ میرے منہ سے کیا نکل رہا ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ میاں! اور حکم نازل فرمائیں؛ کیونکہ اس حکم کی وجہ سے لوگ بچ گئے، لیکن پوری طرح نہیں بچے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرما دیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ [المائدۃ: ۹۰] شراب، جوا وغیرہ سب پلید چیزیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے حرام کر دی ہیں۔

ان آیات کا سببِ نزول حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دعا بنی، لیکن حکم قیامت تک کے لیے ہے۔

علماء نے فرمایا کہ (''آلِ عمران ۷۹، ۸۹'' کا سببِ نزول آپ ابھی پڑھ چکے ہیں کہ) یہود و نصاریٰ کے علماء، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ یہودی کہنے لگے کہ آپ ہمیں اس چیز کی دعوت دے رہے ہیں کہ جیسا عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی ہے، اسی طرح ہم آپ کی عبادت کریں؟ وہاں ایک عیسائی بیٹھا تھا، اس نے بھی یہی کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے کہ میں تمہیں اللہ کی عبادت کی دعوت دوں نہ کہ اپنی عبادت کی دعوت دوں۔

عبادت علیحدہ چیز ہے اور اطاعت علیحدہ چیز ہے۔ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی اور اطاعت اللہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی۔ اسی طرح اطاعتِ والدین ہے، اسی طرح اطاعتِ علماء ہے، اسی طرح اطاعتِ اولوالامر ہے اور اسی طرح اطاعتِ حکام و امراء ہے۔ اگر کوئی اللہ اور اللہ کے رسول کے خلاف کوئی حکم دے گا تو اطاعت نہیں ہوگی۔ فرمایا:

((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ)) [مصنف ابن ابی شیبہ، رقم: ۳۳۷۱۷]

اسی طرح بیوی کے لیے خاوند کا حکم واجب الاطاعت ہے کہ خاوند جو حکم دے اس کی تعمیل کرے، لیکن اگر خاوند اسلام کے خلاف حکم دے، مثلاً: بیوی سے کہے: پردہ نہ کرو، بال کٹوا کر فیشن کر کے بغیر دوپٹے کے میرے ساتھ باہر نکلو، تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ پڑھی لکھی عورت ہے۔ وہاں عورت کے لیے یہ حکم نہیں کہ وہ خاوند کی اطاعت کرے! کیونکہ یہ حکم اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ عورت بغیر پردے کے باہر نہیں نکل سکتی اگر خاوند نہیں مانتا تو نہ مانے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو عورت ایسے مسئلے پر علیحدہ بھی ہو سکتی ہے۔ آج اس کو بڑا آدمی سمجھا جا رہا ہے جو جتنا بڑا بے حیا ہوگا اور جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلے وہ اتنا آگ کے انگاروں پر چل رہا ہے، ہر آدمی اس کے ساتھ مذاق کرے گا، اس کو طعنے دے گا، اس کو دقیانوس کہے گا، اس کو ملا کہے گا اور اس کو اولڈ فیشن کہے گا۔ سب اس کو بری نظر سے دیکھیں گے۔

﴿وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴾[آل عمران:۷۹]

اللہ کے رسول ﷺ سب کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ تم رب کی ماننے والے بنو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابورزین وغیرہما نے اس کی تفسیر، حکماء، علماء اور حلماء سے فرمائی ہے۔

حضرت حسن نے اس کی تفسیر فقہاء سے فرمائی ہے کہ تم دین کو سمجھنے والے بنو۔

﴿بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ﴾[آل عمران:۷۹]

حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے کہ جو قرآن پڑھے اس پر لازم ہے کہ قرآن کے معنی کو سمجھنے کی کوشش کرے، فقیہ بنے؛ کیونکہ فقہ کے بغیر دین سمجھ نہیں سکتا۔

﴿وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴾[آل عمران:۷۹]

اور اس کے الفاظ کو بھی محفوظ رکھو۔

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۞ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۞﴾[آل عمران:۸۱،۸۲]

''اور (ان کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ اگر میں تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے، تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ اللہ نے (ان پیغمبروں سے) کہا تھا: کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور میری طرف سے دی ہوئی یہ ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انہوں نے کہا تھا: ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا: تو پھر (ایک دوسرے کے اقرار کے) گواہ بن جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی میں شامل ہوں۔ اس کے بعد بھی جو لوگ (ہدایت سے) منہ موڑیں گے تو ایسے لوگ نافرمان ہوں گے۔''

میثاق کی تین اقسام:

ان آیات کے اندر میثاق النبیین کا ذکر ہے کہ ہم نے تمام انبیاء سے وعدہ لیا۔ مفسرین کرام نے فرمایا: میثاق



تین ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے قرآن میں ہے۔

میثاق کا معنی ہے عہد لینا۔ قرآن مقدس میں آپ نے پڑھا اور سنا ہے: ایک وعدہ ہے، ایک عہد ہے اور ایک میثاق ہے۔

وعدہ ایک جانب سے ہوتا ہے۔ میں نے آپ سے کہا کہ میں کل آپ کو ملوں گا تو یہ میری طرف سے وعدہ ہوا۔
اور عہد دو طرف سے ہوتا ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ اور آپ نے میرے ساتھ معاہدہ کیا۔

میثاق دراصل وہی عہد ہے، لیکن بعض علماء نے تھوڑا سا فرق کیا ہے کہ جیسے لفظ تلاوت اور لفظ قرأت میں ایک فرق ہے۔ لفظ قرأت عام ہے کہ ''قَرَأْتُ الْقُرْآنَ'' میں نے قرآن پڑھا، اور حدیث پڑھی تب بھی آپ 'قَرَأْتُ الْحَدِيْثَ'' کہہ سکتے ہیں اور کوئی عام کتاب پڑھی تب بھی ''قَرَأْتُ'' کہہ سکتے ہیں، لیکن لفظ ''تلاوت'' خاص ہے۔ تلاوت اس بات کو کہا جاتا ہے جس کے پڑھنے سے ثواب مرتب ہوتا ہو۔ اسی طرح لفظ ''معاہدہ'' عام ہے تجارت کا بھی ہوسکتا ہے، کسی لین دین کا بھی ہوسکتا ہے۔ اس لیے حکم ہے: ﴿أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ [المائدۃ:۱] جب تم معاہدہ کرو تو اس کو پورا کرو، لیکن لفظ ''میثاق'' خاص ہے۔ یعنی ایسا معاہدہ جو مقدس ہو، جس میں کوئی دینی شان ہو۔

میثاق تین ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عام کا میثاق ہے۔ فرمایا: ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ﴾ [الاعراف:۱۷۲] اللہ تعالیٰ نے سب سے عہد لیا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: آپ ہمارے رب ہیں۔

دوسرا میثاق ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ [آلِ عمران:۱۸۷] جو اہل کتاب سے لیا گیا ہے کہ جو کتاب تمہارے پاس ہے اس پر عمل بھی کرو اور لوگوں کو کھول کر بھی سناؤ اور اس میں کوئی مسئلہ نہ چھپاؤ اور جو حق بات ہے اس کو پہنچاؤ۔

تیسرا میثاق ہے: جو ابھی ہم نے آیت پڑھی ہے کہ ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ﴾ [آلِ عمران:۱۸۷] اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے میثاق لیا کہ جب میں تمہیں نبی بنادوں، تمہیں کتاب دے دوں اور تمہیں دانائی کی باتیں سمجھادوں تو تمہارے بعد جو نبی آئے اس کی تم نے تصدیق کرنی ہے اور اگر تمہارے زمانے میں آجائے تو اس کو رسول اور نبی ماننا ہے اور اس کی مدد بھی کرنی ہے۔

یہ میثاق کب اور کہاں لیے گئے؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ میثاق کب لیے گئے؟ کہاں لیے گئے؟ علماء کرام کے اس بارے میں دو قول ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ یہ میثاق عالم ارواح میں لیے گئے تھے؛ کیونکہ مشہور عالم چار ہیں: ایک عالم ارواح ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کی روحیں پیدا کیں۔ روح لطیف اور امرِ ربی ہے، اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارواح کو شناخت دی اور اسی عالم میں اللہ تعالیٰ نے ان سے ایک عہد لیا؛ کیونکہ اگر سوجھ بوجھ نہ ہو تو عہد لینے کا کیا مطلب ہے؟ اللہ تعالیٰ معاف کرے! اگر ایک آدمی پاگل ہے تو آپ اس سے کوئی لین دین اور کوئی عقد نہیں کریں گے۔ اور اہل کتاب سے جو میثاق لیا گیا تھا کہ جب تمہیں میری کتاب ملے اس کو چھپانا نہیں اور حق بات کو بتانا ہے، وہ بھی عالم ارواح میں وعدہ لیا گیا تھا۔ اور تمام نبیوں سے جو وعدہ لیا گیا کہ ہر بعد میں آنے والے نبی کی اعانت و نصرت کریں، یہ میثاق بھی عالم ارواح میں لیا گیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ میثاق اللہ نے وحی بھیج کر دنیا میں لیے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ دونوں قولوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ عالم ارواح میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ معاہدہ لیا اور پھر اسی معاہدے کو دنیا میں بھی دہرایا گیا، تاکہ یاد رہے۔

حضور ﷺ کے لیے انبیاء سے میثاق:

یہ میثاق کسی ایک نبی کے لیے تھا یا ہر نبی کے لیے تھا؟ اس میں بھی دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ نبوت ایسا رکھا تھا کہ تمام انبیاء آپس میں ملے ہوئے ہیں اور سب کے اصولِ دین ایک ہیں۔ تو ہر نبی سے یہ وعدہ لیا گیا کہ اپنے بعد آنے والے نبی کے بارے میں اپنی امت کو ہدایت کریں کہ اگر وہ نبی آئیں تو ان پر ایمان لائیں اور جو بعد میں نبی آئیں وہ اپنے سے پہلے والے انبیاء کی تصدیق کریں۔ جیسا کہ آیت شریفہ میں آتا ہے اور اس سے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ فرمایا: ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا﴾ [الاحزاب:۷] کہ آپ سے بھی، نوح سے بھی، ابراہیم سے بھی، موسیٰ سے بھی اور عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام سب سے ہم نے وعدہ لیا تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ تمام انبیاء سے جو عہد لیا جا رہا ہے وہ صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں لیا جا رہا ہے؛ کیونکہ آپ اس آیت میں غور کریں! ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ﴾ [آل عمران:۸۱] اس سے پہلے جتنی آیات ہیں ان سب

میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر چل رہا ہے کہ اللہ کے نبی کا مناظرہ نصرانیوں کے ساتھ ہے۔ اللہ کے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے نصرانیوں کو دعوتِ مباہلہ دی اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ ایسی چیزیں دی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملیں: ان میں ایک یہ ہے کہ ((وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً)) مجھ سے پہلے جتنے نبی آئے ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کے لیے نبی بنا کر بھیجا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے انسانوں اور جنوں کے لیے نبی بنایا۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ((وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً)) مجھے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا ہے۔

علماء فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے آپ اپنی بعثت کے بعد قیامت تک کے لیے نبی ہیں، اسی طرح گویا حضور اکرم ﷺ کی نبوت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سب کے لیے ہے۔ کیونکہ کوئی حکمت تو تھی کہ معراج والی رات اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو میرے مدنی کے پیچھے اقتداء میں کھڑا کر دیا۔

حضرت محمد ﷺ سب کے نبی ہیں:

علماء اس کی مثال دیتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی میری اتباع کرتے، اپنی شریعت پر عمل نہ کرتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر بٹھا دیا، زندہ ہیں۔ وہ قیامت سے پہلے اتریں گے اور حضور اکرم ﷺ کی شریعت کے تابع ہوں گے، آپ ﷺ کو مانیں گے، لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کا آ کر حضور اکرم ﷺ کی شریعت پر عمل کرنا جو بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں یہ اس بات کی دلیل تھی کہ آپ صرف ایک امت کے لیے نبی نہیں ہیں، بلکہ تمام امتوں کے لیے بھی اور تمام نبیوں کے لیے بھی امام و سردار ہیں۔

علماء نے استدلال کیا ہے کہ قیامت والے دن جب میدانِ حشر ہوگا، اوّلین و آخرین جمع ہوں گے اور تمام لوگ میدانِ حشر میں شدت سے جب پریشان ہوں گے تو دوڑ کر حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں آئیں گے کہ مہربانی کریں! آپ سب کے باپ ہیں اور ہم سب آپ کی اولاد ہیں، مہربانی کر کے اللہ تعالیٰ کے آگے ہماری شفاعت کر دیں، ہمارے مقدمے کی ساعت شروع ہو جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: ''نَفْسِيْ نَفْسِيْ'' مجھے تو آج اپنا ڈر ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سفارش کرنے جاؤں اور اللہ تعالیٰ فرما دیں کہ میں نے حکم دیا تھا: ﴿وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [الاعراف:19] تو تم نے میرا حکم کیوں نہیں مانا تھا؟ تو میں کیا جواب دوں گا؟

پھر سارے لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس دوڑ کر آئیں گے؛ کیونکہ وہ سب سے پہلے رسول ہیں جن پر شریعت اتری۔ حضرت نوح علیہ السلام بھی کہیں گے: ''نَفْسِیْ نَفْسِیْ'' مجھے تو اپنا ڈر ہے کہ میں نے اپنے بیٹے کے لیے بخشش مانگی اور میرا رب ناراض ہوگیا تو آج اگر میں سفارش کروں اور اللہ تعالیٰ فرمادیں کہ تم نے اپنے بیٹے کے لیے سفارش کیوں کی تھی؟ تو میرا کیا جواب ہوگا؟ لہٰذا میں تو ڈرتا ہوں۔ اسی طرح جب سب پیغمبر جواب دے دیں گے، حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ وہ بھی جواب دے دیں گے اور فرمائیں گے: مجھے تو ڈر ہے کہ لوگوں نے مجھے خدا کا بیٹا بنالیا، لوگوں نے مجھے خدا بنالیا، میری عبادت کرتے رہے اور اللہ کا حلول میرے اندر بتاتے رہے، میں ڈرتا ہوں۔ تم محمد مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں جاؤ۔ تمام امتیں، سب کے سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں ان سے کہوں گا: ((أَنَا لَهَا، أَنَا لَهَا)) اے آنے والو! مجھے اللہ تعالیٰ نے شفاعت کے لیے چنا ہے، میں تمہاری سفارش کرتا ہوں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو تین دعائیں دی تھیں کہ جو مانگنا ہے مانگ لو اور آپ کی وہ دعائیں ہم ضرور منظور فرمائیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب نے اپنی اپنی دعائیں پوری کرلیں، لیکن میں نے ایک دعا رکھ لی کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے آگے درخواست کروں گا۔

لہٰذا تمام انبیاء کو نماز پڑھانا اور تمام امتوں کی سفارش کرنا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے نبی تھے۔ اس لیے فرمایا: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ [الاعراف:۱۵۸]۔ اور کہیں فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ [الانبیاء:۱۰۷]۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً))، کہیں فرمایا: ((خُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ)) اور کہیں فرمایا: ((أَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ))۔

سوال و جواب:

سوال ہوتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے نبی تھے تو اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت بھی نہیں تھی۔ آپ کی شریعت پر تو آپ کی امت عمل کرے گی، جن کو آپ کا زمانہ ملا۔ باقی سب اعتراف نبوت کریں گے کہ ہم سب محمد مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں، ورنہ احکام تورات میں علیحدہ تھے، انجیل میں علیحدہ تھے، پہلی کتابوں میں علیحدہ تھے اور قرآن میں احکام علیحدہ ہیں، جن پر پابندی کریں گے، جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ

نصیب کر دیا، ورنہ جو پہلے گزر گئے ان کے لیے آپ ﷺ کی شریعت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

ذہنوں کے اندر ایک سوال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو علیم وخبیر ہیں، ان کے آگے تو کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں تو حضور اکرم ﷺ نہیں آئیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں بھی نہیں آئیں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی نہیں آئیں گے، لیکن پھر ان سے وعدہ لینا کہ جب آئیں تو ان پر ایمان لانا ان کی نصرت کرنا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو تو پتا تھا کہ ان کے زمانے میں نہیں آئیں گے، وہ تو سب سے آخر میں آئیں گے۔

اس کا جواب پہلی والی تقریر کے اندر ہو گیا کہ جب وہ سب کے لیے نبی ہیں، چاہے وہ اس زمانے میں آئیں یا بعد میں آئیں، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ کی نبوت کا وعدہ لیا اور سب نے اس وعدہ پر عمل کیا کہ معراج والی رات سب نے آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور آپ کو اپنا امام بنایا تو وعدہ پورا ہو گیا۔

دوسرا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ جب کسی کی عظمت وشان بیان کرنی ہو، چاہے اس نے آخر میں آنا ہو، لیکن اس کا نام سب سے پہلے ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ کے آنے سے قبل بڑے بڑے بادشاہوں نے اور بڑے بڑے راہبوں نے اپنے عبادت خانوں کے اندر حضور پاک ﷺ کی تصویریں بنا رکھی تھیں۔

تاریخ کی کتابوں کے اندر ہے تبع بادشاہ نے اپنے دور میں حضور اکرم ﷺ سے دو سو سال قبل ایک خط لکھا جس کو آپ پہلے پڑھ چکے ہیں اور وہ خط کو اپنے خزانے میں محفوظ کر گیا اور وہ خط بعد میں ملا اور اسی خط کا اثر تھا کہ وہ قبائل جو مدینہ میں آباد تھے وہ جلدی مسلمان ہو گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت مجاہد رحمہ اللہ، حضرت ربیع رحمہ اللہ، حضرت قتادہ رحمہ اللہ اور حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿إِصْرِي﴾ سے مراد عہد ہے۔

حضرت محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿إِصْرِي﴾ کا معنی ہے ثقل، یعنی اس زبردست عہد کا بوجھ۔ اس سے بھی مراد سخت تاکید والا عہد ہے۔

﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ اللہ پاک نے عہد لیا اور اس کے بعد سب سے اقرار لیا اور اقرار کے بعد فرمایا: تمام انبیاء ایک دوسرے کے گواہ بھی بن جاؤ اور تم سب کی گواہی پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں۔ یعنی اتنا پکا عہد لیا گیا۔



(حدیث) حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے چچا کے بیٹے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اور ہر رسول سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر تمہاری زندگی میں میرے محمد مدنی صلی اللہ علیہ وسلم آئیں تو اس پر ایمان لاؤ گے اور ان کی نصرت اور مدد بھی کرو گے اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ ہر نبی اپنی امت سے بھی یہ عہد لے کہ اگر محمد ان کی زندگی میں مبعوث ہوئے تو وہ ضرور ان پر ایمان بھی لائیں گے اور ان کی مدد بھی کریں گے۔[تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۰۰]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب انبیاء سے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عہد لیا۔

(حدیث) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نقل فرمائی کہ حضرت عبد اللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا ایک یہودی دوست بنو قریظہ کا فرد ہے۔ میں نے اس سے کہا: تورات کے جو جوامع احکام ہیں وہ سارے لکھ کر مجھے دو تو اس نے مجھے لکھ کر دیئے ہیں۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں وہ تورات والے احکام آپ پر پڑھوں؟ حضرت عبد اللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا تو میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا: اے عمر! کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کا تغیر نہیں دیکھ رہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: "رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ رَسُولًا"[1] ہم اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے قائل ہیں، اسلام کے دین ہونے کے قائل ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے قائل ہیں۔ میرا تورات کے بارے میں ذکر کرنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ہمیں آپ کی نبوت ورسالت کے بارے میں کوئی کمی نظر آئی ہے، بلکہ میرا مقصد تو فقط یہ تھا کہ تورات میں بھی یہ چیزیں آئی ہیں، ورنہ کوئی شک وشبہ نہیں تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ چلا گیا اور آپ کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار ظاہر ہو گئے اور آپ نے فرمایا: عمر! سنو! ((وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَوْ أَصْبَحَ فِيكُمْ مُوسٰى، ثُمَّ اتَّبَعْتُمُوهُ، وَتَرَكْتُمُونِي لَضَلَلْتُمْ، إِنَّكُمْ حَظِّي مِنَ الْأُمَمِ، وَأَنَا حَظُّكُمْ مِنَ النَّبِيِّينَ))[2] اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! اگر آج اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو زندہ کر کے بھیج دیں اور تم موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آؤ اور مجھے چھوڑ دو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے حصے میں لکھا ہے اور تمہیں میرے حصے میں لکھا ہے۔ اب نجات مجھ پر ایمان لانے میں ہے، میرے دین اور میری شریعت پر نجات ہے تو پھر

[1] [مسند احمد، رقم: ۱۸۳۳۵]
[2] [مسند احمد، رقم: ۱۸۳۳۵]

سابقہ کتابوں کو دیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَسْأَلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ؛ فَإِنَّهُمْ لَنْ يَهْدُوكُمْ، وَقَدْ ضَلُّوا، فَإِنَّكُمْ إِمَّا أَنْ تُصَدِّقُوا بِبَاطِلٍ، أَوْ تُكَذِّبُوا بِحَقٍّ، فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ مُوسَى حَيًّا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ، مَا حَلَّ لَهُ إِلَّا أَنْ يَتَّبِعَنِي)) [مسند احمد، رقم: ۱۴۶۳۱]

یہودیوں اور نصرانیوں کی کتابیں نہ پڑھا کرو اور نہ ان سے کوئی بات پوچھی کرو؛ کیونکہ اگر انہوں نے کوئی جھوٹی بات بتادی اور تم نے مان لی تو تم جھوٹ کے ماننے والے بنے اور اگر انہوں نے کوئی سچی بات کہہ دی اور تم نے نہ مانی تو تم نے سچ کو جھوٹ کر دیا۔ اس لیے ان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، جب تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا قرآن موجود ہے۔ اور فرمایا: خدا کی قسم ہے! اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی آجائیں تو وہ بھی میری اتباع کریں گے، میرا کلمہ پڑھیں گے اور میری شریعت پر عمل کریں گے۔

یہ حدیث بھی اسی کی دلیل ہے کہ تمام انبیاء سے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں عہد لیا گیا تھا۔

ملت اور دین کی نسبت میں فرق:

ملت کی نسبت نبی کی طرف ہوگی اور دین کی نسبت خدا کی طرف ہوتی ہے۔ ویسے ملت مجموعہ احکامِ شریعت کا نام ہے، یعنی کسی ایک حکم کو ملت نہیں کہہ سکتے اور دین کا اطلاق ایک ایک جزء پر ہوتا ہے اور پورے مجموعے پر بھی ہوتا ہے۔

ان آیات کو بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اے اہل کتاب! تم جانتے ہو کہ حضور اکرم ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں، لیکن اس کے باوجود تم ان پر ایمان نہیں لا رہے ہو تو یہ تمہاری سب سے بڑی محرومی اور بدنصیبی ہے۔

اب اگلی آیات کے اندر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب صرف دین اسلام ہے، باقی سب ادیان منسوخ ہو گئے ہیں۔ اب یہودی کو یہودی بن کر نجات نہیں مل سکتی، جب تک کہ وہ دین اسلام قبول نہ کرے، نصرانی کو نصرانی بن کر نجات نہیں مل سکتی، جب تک کہ وہ دین اسلام قبول نہ کرے۔ کیونکہ جب اس نے حضور اکرم ﷺ کی رسالت اور شریعت کو نہیں مانا اس کو نجات نہیں مل سکتی، جب تک کہ وہ دین اسلام قبول نہ کرے۔ جب یہودیوں اور نصرانیوں سے مناظرے کیے گئے تو وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ ہماری نجات یہودیت میں ہو جائے گی یا نصرانیت میں ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہاری نجات نہیں ہوگی جب تک میرے محمد مدنی (ﷺ) کے غلام نہیں بنو گے۔

﴿أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝﴾ [آل عمران: ۸۳، ۸۴]

''اب کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کی تلاش میں ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوقات ہیں ان سب نے اللہ ہی کے آگے گردن جھکا رکھی ہے، (کچھ نے) خوشی سے اور (کچھ نے) ناچار ہو کر۔ اور اسی کی طرف وہ سب لوٹ کر جائیں گے۔ کہہ دو: ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو (کتاب) ہم پر اتاری گئی اس پر، اور اس (ہدایت) پر جو ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور (ان کی) اولاد پر ان کے پروردگار کی طرف سے اتاری گئی، اور ان باتوں پر جو موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور (دوسرے) پیغمبروں کو عطا کی گئیں۔ ہم ان (پیغمبروں) میں سے کسی کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے، اور ہم اسی (ایک اللہ) کے آگے سر جھکائے ہوئے ہیں۔''

تمام انبیاء علیہم السلام کو ماننا اسلام کا جز ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان سے کہو: کیا اللہ تعالیٰ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین چاہتے ہو؟ حالانکہ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اس کی اطاعت کرنے والا ہے، خوشی سے یا مجبوری سے، یعنی کوئی اس کے حکم کا انکار نہیں کرسکتا۔ اور اسی کی طرف ہم سب نے لوٹ کر جانا ہے۔ میرے مدنی! آپ ان کو کہہ دیں: اے اہل کتاب! سن لو! ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اتارا گیا ہم پر اور جو اتارا گیا ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام پر اور جو ان کی اولاد میں نبی تھے اور جو موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آیات بینات دیں ہم ان پر بھی ایمان لاتے ہیں اور جتنے اللہ کے نبی گزرے ہیں ہم سب پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم ان میں تفریق نہیں کرتے کہ موسیٰ علیہ السلام کو مانیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو نہ مانیں، بلکہ تمام نبیوں پر، تمام کتابوں پر اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر ہمارا ایمان ہے اور اسی کے آگے ہم اپنے آپ کو سونپنے والے اور اسی کی شریعت پر عمل کرنے والے ہیں۔

اللہ کی حاکمیت اعلیٰ سب پر ہے:

﴿وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا﴾ [آلِ عمران: ۸۳]

مومن اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کے آگے جھکتا ہے ظاہر سے بھی اور باطن سے بھی۔ اور کافر چاہے مانے یا نہ مانے، لیکن وہ بھی اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنے پر مجبور ہے؛ کیونکہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے تابع ہے اور اسی کے لیے سلطنت عظمیٰ ہے اور اسی کی ذات ہے جس کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا۔

مفسر ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان آیات کا مقصد یہ ہے کہ دین صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے۔ ویسے قاعدہ ہے اللہ تعالیٰ نے یہ ساری مخلوق پیدا کی ہے تو جب یہ ساری اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے تو حکم بھی اسی کا چلے گا۔ مثلاً: آپ کسی کمپنی میں ملازم ہیں تو آپ پر حکم بھی صرف اسی کا چلے گا، حالانکہ یہ عارضی ملازمت ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہے، مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا چلے گا۔ اور اس کو اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا پیدا فرمائی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق جنات اور انسانوں کو بھیجا اور ساتھ فرمادیا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [الذاریات: ۵۶]

پھر میں نے جنات اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا، مگر یہ کہ میری عبادت کریں۔ تو صاف بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کیا ہے تو عبادت کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ ہی بتائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہی بتائیں گے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ اب اس کو بتانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابیں نازل کیں اور اپنے پیغمبر اور نبی بھیجے کہ جا کر اپنی امتوں کو بتائیں: اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے، یہ عبادت ہے، یہ عقیدہ ہے، یہ اعمال صالحہ ہیں، یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، لہٰذا دین وہی بنے گا جو اللہ تعالیٰ کے نبیوں نے بتایا ہے، اس کے علاوہ اور کوئی دین نہیں بن سکتا۔

سب انبیاء کا دین ایک ہے:

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ﴾ [آلِ عمران: ۸۳]

علماء نے سمجھایا کہ جب دین ایک ہے، اسلام ایک، کوئی فرق نہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے آقا سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی فرق نہیں؛ کیونکہ سب کا عقیدہ اور بنیاد ایک ہے۔ اختلاف حالات کی وجہ سے فروعی

مسائل کے اندر ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو حالات تھے اللہ تعالیٰ نے شریعت اسی کے مطابق بھیجی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو لوگ تھے جیسے ان کے حالات تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو احکام بھی ویسے ہی عطا فرمائے اور سب سے جامع اور مکمل شریعت اللہ تعالیٰ نے سرکار مدینہ ﷺ کو عطا فرمائی؛ کیونکہ قیامت تک اب کوئی شریعت نہیں، کوئی نبوت نہیں۔ بہر حال! سب شریعتوں کی بنیاد ایک ہی ہے یعنی عقیدہ توحید، تمام رسولوں پر ایمان، مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، آسمانی کتب پر ایمان، جنت پر ایمان اور جہنم پر ایمان۔

سب کے خدا کے تابع ہونے کی مثال:

﴿وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا﴾ [آل عمران: ۸۳]

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہیں کرسکتا، لیکن فرق یہ ہے کہ کسی نے دل سے مانا اور کسی نے مجبوراً مانا۔ مومن پر کوئی بات ہو وہ کہتا ہے الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے اور اگر کوئی دکھ پہنچے تو وہ اپنی طرف نسبت کرتا ہے کہ ہمارے گناہ ہیں جن کی وجہ سے ہم پر یہ مصیبت آئی ہے اور کافر اللہ تعالیٰ کو نہ مانے، نبی کو نہ مانے، لیکن ایک اسٹیج ایسی آئے گی کہ اس کو بھی ماننا پڑے گا، فرعون سے بڑا کوئی کافر اور دہریہ نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس نے کہا تھا کہ میں خود خدا ہوں اور کوئی خدا نہیں ہے، لیکن جب اس کو پانی کا ایک غوطہ لگا تو کہا:

﴿اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۝﴾ [یونس: ۹۰]

اس کی ساری خدائی نکل گئی تو نہ ماننے والے کو بھی اللہ تعالیٰ کا اقرار کرنا پڑا۔

حضرت عطا ابن ابی رباح رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

((﴿وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا﴾ أَمَّا مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ فَالْمَلَائِكَةُ، وَأَمَّا مَنْ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ وُلِدَ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَأَمَّا كَرْهًا فَمَنْ أُتِيَ بِهِ مِنْ سَبَايَا الْأُمَمِ فِي السَّلَاسِلِ، وَالْأَغْلَالِ يُقَادُوْنَ إِلَى الْجَنَّةِ وَهُمْ كَارِهُوْنَ)) [معجم کبیر للطبرانی، رقم: ۱۱۴۷۳]

آسمانوں اور زمینوں میں جو کوئی ہے اسی کے تابع ہے۔ آسمانوں میں جو ملائکہ ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے تابع ہیں، زمین میں جو اسلام پر ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے تابع ہیں۔ اور فرمایا: ﴿كَرْهًا﴾ کی مثال ایسے ہے جیسے مسلمانوں کی

جنگ ہو اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح دے دیں اور کافر قید ہو جائیں۔ ان کے پاؤں اور ہاتھوں میں زنجیریں ہوں اور ان کو جکڑ کر لا رہے ہیں۔ اب وہ جکڑ کر لائے جا رہے ہیں، اس کے بعد ان کو اسلام نصیب ہوا تو گویا ان کو زبردستی جنت میں لانے کے لیے زنجیریں ڈالی گئیں۔

اور صحیح بخاری میں ہے: ((عَجِبَ رَبُّنَا عَزَّ وَجَلَّ مِنْ قَوْمٍ يُقَادُونَ إِلَى الْجَنَّةِ فِي السَّلَاسِلِ)) [صحیح بخاری، رقم: ۲۶۷۷] تیرے رب کو تعجب ہوتا ہے کہ ایسی قوم ہے جو جنت میں جا رہی ہے، لیکن زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ کتنے لوگ تھے جو اسلام کے اور حضور اکرم ﷺ کے دشمن تھے۔ قیدی بنے اور اسلام کے احسانات اور مسلمانوں کا حسن سلوک دیکھ کر بعد میں اسلام لے آئے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت کا مطلب ایسے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر آپ کافروں سے بھی پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ وہ بھی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے؛ کیونکہ اگر وہ اللہ کو نہ مانیں تو ان سے پوچھا جائے گا کہ پھر تم بتاؤ ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ لہٰذا ان کو بھی کسی نہ کسی صورت میں اللہ تعالیٰ کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔

﴿أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ......﴾

مدارِ نجات اسلام ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی راستہ اختیار کیا جائے وہ ہلاکت کا راستہ ہے، کامیابی کا راستہ نہیں ہے۔

اسی ضمن کے اندر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو فرمایا: ﴿قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ﴾ آپ ان سے کہہ دیں: ہم اپنے اللہ پر ایمان لائے اور جو ہماری طرف اتارا گیا یعنی قرآن اور جو اللہ نے ابراہیم علیہ السلام پر اتارا ہے اور اسماعیل علیہ السلام پر اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام پر جو صحیفے اترے۔

﴿الْأَسْبَاطِ﴾ سے مراد شاخیں ہیں کہ بیٹے کی اولاد، پھر بیٹے کے بیٹے کی اولاد، بیٹی کی اولاد جیسے ایک درخت سے شاخیں نکلتی ہیں اسی طرح قبائل اور بطون نکلتے ہیں۔ جیسے قریش سب سے بڑا قبیلہ تھا، لیکن اس کی بھی آگے شاخیں بنیں: بنو ہاشم، بنو امیہ وغیرہ۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ بھائیوں سے جو اولاد ہوئی وہ بارہ قبیلے بنے۔ ﴿وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ پہلے تخصیص تھی اور اب تعمیم ہے اور کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء علیہم السلام کے نام لیے: ﴿وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى

﴿وَعِيسَىٰ﴾ اور اس کے بعد تعمیم ہے ﴿وَالنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ﴾ اور تمام نبی جو اللہ نے بھیجے ہیں ان سب پر ایمان ہے۔

رسول اور نبی میں فرق:

لفظِ رسول اور مقامِ رسالت زیادہ بلند ہے؛ کیونکہ رسول صاحب شریعت ہوتا ہے اور نبی کو علیحدہ کوئی شریعت نہیں ملتی، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت اور صاحب تورات ہیں اور حضرت ہارون علیہ السلام نبی ہیں رسول نہیں ہیں، اس لیے یہاں ﴿وَالنَّبِيُّونَ﴾ کا لفظ آیا ہے، رسول کا لفظ نہیں آیا، تاکہ فرق باطلہ میں سے کوئی اعتراض نہ کرے کہ ان کا رسولوں پر ایمان ہے اور نبیوں پر نہیں ہے، لیکن جب ﴿وَالنَّبِيُّونَ﴾ کا لفظ آگیا تو اس کا مطلب ہے کہ جب نبیوں پر ایمان ہے تو رسولوں پر بطریق اولیٰ ایمان ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔

﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾

تفریق کا معنی یہ ہے کہ ایک پر ایمان لائیں اور ایک کا انکار کریں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی بھیجے ہیں ان سب پر ہمارا ایمان ہے اور جتنی کتابیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں ان تمام کتابوں پر ہمارا ایمان ہے۔

مفسر ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس امت محمدیہ میں سے جو شخص بھی ایمان والا ہے اس کا ایمان جیسے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام تک جتنے نبی ہیں ان سب پر ایمان ہے۔ انہی آیات کے اندر اہل کتاب کی تردید بھی ہوگئی؛ کیونکہ وہ تفریق کرتے ہیں۔ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن ہیں اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے۔ اور ہمارا سب نبیوں پر ایمان ہے، تمام کتابوں پر ایمان ہے۔ لہٰذا سب سے کامل، جامع ایمان، کامل مکمل دین اسلام ہوا۔ اسلام کے بغیر کسی اور دین میں فلاح ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝﴾ [آل عمران:۸۵]

"جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔"

مقبول عمل کی شرائط:

جو دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے، یعنی جو آدمی دین اسلام کو چھوڑ کر کسی اور طریقے پر چلے، اللہ تبارک وتعالیٰ اسے ہرگز قبول نہیں فرمائیں گے اور آخرت میں وہ گھاٹے والوں میں سے ہوگا۔

(حدیث) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)) [صحیح مسلم، رقم:۱۷۱۸]

اب دنیا میں کوئی شخص جو بھی عمل کرے اگر اس پر اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہیں ہے تو وہ عمل مردود ہے اور وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوگا۔

عمل کے قبول ہونے کے لیے کچھ چیزیں ضروری ہیں:

پہلی چیز یہ ہے کہ وہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو۔ بہانے نہ ہوں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے نیاز علی ہے۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ ''أَنْ يَكُونَ صَوَابًا'' وہ عمل حضور اکرم ﷺ کی شریعت کے مطابق ہو۔ اگر عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو تب بھی مردود ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس عمل کے بارے میں یا تو قرآن پاک میں کوئی بات موجود ہو یا حدیث پاک میں اس عمل کی اصل موجود ہو۔ اگر ہمیں وہاں نہ ملے تو دیکھیں گے کہ اس عمل پر سب صحابہ نے یا بعض نے عمل کیا یا ان سے اس کا ثبوت ملتا ہے تب بھی اس پر عمل کیا جائے گا، یا صحابہ کرام نے اجماع کرلیا کہ اکثر جماعت صحابہ اس عمل کے کرنے پر متفق ہے اور کسی نے اعتراض نہیں کیا تو وہ عمل اس مرتبہ پر ہو جاتا ہے جو سنت محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت اتنی عادل، صادق ہے کہ وہ کسی غلط بات پر چپ نہیں رہ سکتی۔ اگر ان میں سے کسی میں وہ علم نہیں پایا جاتا تو وہ عمل بظاہر کتنا خوبصورت نظر آئے، لیکن اس کے اندر قبولیت نہیں ہوتی۔

علماء نے اس کی مثال دی کہ ایک خوبصورت لڑکی ہے، لیکن بدکردار ہے تو اس کے حسن کی کوئی قیمت نہیں ہوتی جب کسی شریف اور عقل والے آدمی کے سامنے کوئی اس کے حسن کی تعریف کرے گا تو وہ کہے گا چھوڑو کیا اس کے حسن کی تعریف کر رہے ہو جب کردار ہی اچھا نہیں ہے۔ اسی طرح اس کے مقابلے پر ایک قبول صورت عورت ہے، لیکن اس کا کردار اچھا ہے تو شریف آدمی کہے گا کہ چلو رنگ اتنا اچھا نہیں ہے، لیکن اس کا کردار ٹھیک ہے۔ یہ عورت ہزار درجہ بہتر ہے۔ میری

امانت میں خیانت نہیں کرے گی۔علماء نے فرمایا کہ بدعت کے اعمال کو آپ جتنا سنوار دیں،لیکن اس کے اندر سنت کا نور نہیں ہوتا اور جو عمل سنت کے مطابق ہے وہ کتنا سادہ کیوں نہ ہو اس میں سنت رسول کا نور ہوتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک وقت آئے گا میری امت میں فساد پھیلے گا ہر آدمی اپنی اپنی خواہشات کے پیچھے چل پڑے گا بدعات کے گھوڑے دوڑائے گا، اس دور میں اگر کسی نے میری ایک سنت کو مضبوطی سے تھام لیا اس کو اللہ تعالیٰ ایک سو شہیدوں کا ثواب دیں گے۔[معجم الاوسط، رقم: ۵۴۱۴]

مسواک سنت ہے بعض علاقے ایسے ہوں گے کہ لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا ہو اور کسی نے اس سنت کو زندہ کیا تو اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ہم مدینہ منورہ میں تھے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((تَجِيءُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَتَجِيءُ الصَّلَاةُ، فَتَقُولُ: يَا رَبِّ! أَنَا الصَّلَاةُ، فَيَقُولُ: إِنَّكِ عَلَى خَيْرٍ، فَتَجِيءُ الصَّدَقَةُ، فَتَقُولُ: يَا رَبِّ! أَنَا الصَّدَقَةُ، فَيَقُولُ: إِنَّكِ عَلَى خَيْرٍ، ثُمَّ يَجِيءُ الصِّيَامُ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! أَنَا الصِّيَامُ، فَيَقُولُ: إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ، ثُمَّ تَجِيءُ الْأَعْمَالُ عَلَى ذَلِكَ، فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ، ثُمَّ يَجِيءُ الْإِسْلَامُ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! أَنْتَ السَّلَامُ، وَأَنَا الْإِسْلَامُ، فَيَقُولُ اللَّهُ: إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ، بِكَ الْيَوْمَ آخُذُ، وَبِكَ أُعْطِي، قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾)) [مسند احمد، رقم: ۸۷۴۲]

قیامت والے دن اعمال اللہ تعالیٰ کے دربار میں آئیں گے۔......نماز آئے گی اور کہے گی: میں تیری نماز ہوں۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تو تو بہتر ہے۔......پھر روزہ آئے گا اور کہے گا: میں روزہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تو خیر ہے۔......صدقہ آئے گا، فرمائیں گے تو بھی خیر ہے۔......سارے اعمال جب آجائیں گے تو آخر میں اسلام آئے گا، وہ کہے گا: میرے مولا! سلام تیری صفت ہے اور میں تیرا دین اسلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: بالکل تو بہتر اور خیر پر ہے۔اے اسلام! آج ہم تمہارے مطابق فیصلہ کریں گے۔جس نے تجھے مانا ہے آج ہم ان کو درجات دیں گے اور جس نے تمہارا انکار کیا ہے آج ہم ان کو عذاب میں پکڑیں گے۔

لہٰذا سارا دارومدار اسلام پر ہے۔جس نے اسلام کو دل سے قبول کیا اور اسلام پر قائم ودائم رہا وہ کامیاب ہو گیا



اور جس نے اسلام کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کر یا وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

قیامت میں انسان کے اعمال کیسے آئیں گے؟

اعمال کیسے آئیں گے؟ علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان اعمال کو ایک شکل عطا فرمائیں گے، اسی شکل وصورت میں حاضر ہوں گے۔ ایک اور حدیث مبارکہ سے اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے کہ جب مومن بندہ مرتا ہے، پھر قبر میں دفن ہوتا ہے، اس سے سوال وجواب ہوتے ہیں تو اس کے پاس ایک خوبصورت شکل کا آدمی آتا ہے اور اس کو تسلی دیتا ہے تو وہ پوچھتا ہے: تم کون ہو؟ میں تمہیں نہیں جانتا۔ تو وہ کہتا ہے: میں تیری وہی نماز ہوں جو تو دنیا میں پڑھتا تھا...... یہ بحث ہماری تفسیر میں وہاں ہوگی جہاں آتا ہے کہ اعمال کا وزن ہوگا...... تو علماء نے اس کا یہ جواب دیا۔

• اور آج کل تو جدید سائنس نے یہ بات واضح کردی ہے کہ ہم جو درس دیتے ہیں وہ بھی خلا میں محفوظ ہے۔ اس لیے جدید سائنس اس بات میں لگی ہوئی ہے کہ سابقہ دور میں جو لوگ گزرے ہیں ان کی آوازیں تلاش کریں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل بھی نہیں ہے۔ آج انسان کی بنائی ہوئی کیسٹ اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کے اندر آواز محفوظ ہو سکتی ہے تو اس کے آگے کیا مشکل ہے کہ ہمارے ہر عمل کو محفوظ کردے۔

﴿كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ [آل عمران: ۸۶ تا ۸۹]

”اللہ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت دے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرلیا؟ حالانکہ وہ گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچے ہیں۔ اور ان کے پاس (اس کے) روشن دلائل بھی آچکے تھے۔ اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی پھٹکار ہے۔ اسی (پھٹکار) میں یہ ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کے لیے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔ البتہ جو لوگ اس سب کے بعد بھی توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“

لعنت کا استعمال:

لعنت کا معنی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کٹ گئے۔ اس لیے کسی کو لعنت نہ دیا کریں۔ ہمارے ہاں ایک بڑی بری عادت ہے کہ ایک دوسرے کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس پر لعنت ہے، چھوڑ و اس کو وہ بڑا لعنتی ہے، بلکہ دیہاتوں کے اندر مائیں اپنے بیٹوں پر ناراض ہوں تو ایک دو لعنتیں بھی نہیں دیتیں، بلکہ کہتی ہیں: ''لکھ (لاکھ) لعنت''۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک کتاب لکھی اس کا جتنے علماء مقابلہ کرتے تھے ان سب کے نام لکھنے کے بعد اس نے لکھا لعنت لعنت لعنت............ تین صفحات یہی لکھے۔

علامہ خالد محمود صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے جو ڈھیلے عقیدے کے لوگ ہیں وہ درود ہزارہ پڑھتے ہیں، لعنت لعنت قادیانیوں کا درود ہزارہ ہے۔ کیونکہ مرزا قادیانی نے ایک ہزار لعنت لکھی ہے اس لیے وہ قادیانیوں کو فرماتے ہیں کہ تم یہی پڑھا کرو، تمہارا نبی یہی لکھ گیا ہے۔

بہرحال تم لعنت دینے سے بچا کرو۔ یہ بڑی بری چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے لعنت شیطان پر کی ہے۔ فرمایا: ﴿وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الدِّينِ﴾ [ص:۷۸] کہ تم پر قیامت تک لعنت ہے۔ تمہارا کوئی دشمن ہو تو بھی اس کو لعنت نہ دیا کرو؛ کیونکہ یہ بڑا برا اور خطرناک لفظ ہے۔

﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ [آل عمران:۸۸]

مرتد لوگ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ نہ تو ان کے عذاب میں کوئی تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ ہاں! اگر کوئی مرتد ہونے کے بعد بھی توبہ کر لے، اللہ تعالیٰ کے دروازے پر آ کر گر جائے اور اپنے اعمال سے بھی اپنی اس توبہ کو ثابت کر دے کہ اب اس کی اصلاح ہو چکی ہے اللہ پاک اس کو بخشنے والے اور مہربان ہیں، اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ سچی توبہ کرے۔

توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ گناہ ہیں تو توبہ کرو۔ عقیدہ کی غلطی ہے تو توبہ کرو اور عقیدہ درست رکھو۔ انسان کبھی گمراہی میں پڑ گیا تو توبہ کرے۔ اور جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں اور اس کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ اس لیے شریعت کے اندر حکم ہے کہ اگر کوئی زانی تھا، کوئی شرابی تھا اگر کسی برائی میں مبتلا تھا، اس نے توبہ کر لی تو اس کو طعنہ نہ دو۔ اب اس کو نہ کہو کہ تم ایسے تھے؛ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

((التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ، كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ)) [سنن ابن ماجہ، رقم: ۴۲۵۰]

جب گناہ گار نے توبہ کرلی تو اس کا گناہ ختم ہوگیا۔ اب اس کے بعد اگر تم اس کو طعنہ دے رہے ہو تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم شیطان کی مدد کررہے ہو، کیا تم اس کو دوبارہ گناہ میں ڈالنا چاہتے ہو؟ ورنہ آدمی جب سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ معاف کردیتے ہیں۔

شانِ نزول:

ایک انصاری اسلام لانے کے بعد مرتد ہوگیا...... ایک روایت کے اندر ان کا نام حارث بن سوید ذکر کیا گیا ہے...... اور مشرکوں سے مل گیا۔ پھر بعد میں اس کو ندامت ہوئی کہ میں نے یہ کیا کیا ہے؟ تو وہ اپنی قوم کے پاس آیا۔ اور اس نے ان سے کہا کہ آپ مہربانی کریں اور جا کر حضور اکرم ﷺ سے دریافت کریں کہ اب اگر میں توبہ کرنا چاہوں تو میرے لیے توبہ کا راستہ ہے یا نہیں ہے؟ اس کی قوم کے لوگ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے انہوں نے آکر عرض کیا: یا رسول اللہ! ہماری قوم کا فلاں شخص جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہوگیا تھا، مشرک بن گیا تھا، اب وہ شرمندہ ہے اور توبہ کرنا چاہتا ہے کیا اس کی توبہ قبول ہوگی؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اس کی توبہ قبول ہوگی۔ تو وہ آدمی دوبارہ اسلام لے آیا اور اس کے بعد اسلام پر قائم رہا۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا...... فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾۔

قبولیتِ توبہ کی شرائط:

توبہ کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں: 1...... ندامت ہو، 2...... اس فعل کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے 3...... اور آئندہ اس گناہ کو نہ کرنے کا عزم کرے تو توبہ ہوتی ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر مرتد بھی سچی توبہ کرے اور اپنے اعمال سے ثابت کرے کہ اس کی توبہ صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں۔ کیونکہ توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور اس دن بند ہوگا جب سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔

قربِ قیامت مغرب سے طلوعِ آفتاب کی حکمت:

اور اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک اظہار بھی ہوگا؛ کیونکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے مناظرہ کیا تھا آپ نے نمرود کو چیلنج کیا تھا ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ﴾

کہ تم کہتے ہو: میں خدا ہوں۔ ہمارا تو وہ خدا ہے جس نے یہ نظام بنایا ہے کہ سورج مشرق سے نکلے گا [البقرۃ:۲۵۸] اور مغرب میں غروب ہوگا تو تم اس کو مغرب سے نکال کر دکھادو اگر تم بھی خدا ہو۔ نمرود پریشان اور ہکا بکا رہ گیا۔

اس لیے مفسرین نے نکتہ بیان فرمایا ہے کہ قیامت سے پہلے اللہ تعالیٰ ایک دفعہ مغرب سے بھی سورج کو نکال دیں گے، تاکہ دشمن یہ نہ کہہ سکے کہ اگر نمرود نہیں نکال سکا تو تمہارا خدا بھی نہیں نکال سکا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنی کمالِ قدرت کے اظہار کے لیے اس کو مغرب سے بھی نکال دیں گے۔

معجزات اور کرامات کی تصدیق کے سائنسی دلائل:

محدثین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو جتنے معجزات دیئے ہیں قیامت کے آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کی مثال ظاہر بھی کر دیں گے، تاکہ قیامت تک کوئی اعتراض نہ کر سکے کہ یہ کام تو نہیں ہو سکتا تھا۔ مثلاً: ہم نے قرآن مقدس میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بڑی عظیم بادشاہت عطا فرمائی اور وہ بادشاہت دنیا میں کسی کو نہیں ملی کہ انسان بھی تابع، چرند پرند بھی تابع، حیوان بھی تابع، جنات بھی تابع، ہواؤں کو بھی ان کے لیے مسخر کر دیا۔ ہمارا تو اللہ تعالیٰ کے قرآن اور حضور اکرم ﷺ کے فرمان پر ایمان ہے کہ وہ سچ ہے اور اس میں ذرے کے برابر بھی شک نہیں ہے۔ جس کو شک ہے وہ مسلمان بھی نہیں ہے۔ اب کافر کہہ سکتا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تخت اڑ جائے، اس پر چار ہزار کرسی رکھی ہوئی ہو، درمیان میں حضرت سلیمان علیہ السلام بیٹھے ہوں اور پرندے سائے کر کے کھڑے ہوں؟ لہٰذا اب دنیا میں ہوائی جہاز آ گئے۔ ان کے آنے سے پیغمبر کا معجزہ دماغ میں فٹ ہو گیا کہ تم اگر لوہے کی چیز بنا کر اس کو مشینوں اور تیل سے اڑا سکتے ہو تو اللہ تعالیٰ قادر نہیں ہیں؟ تم تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہو۔ اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزے کی ہوائی جہاز سے تصدیق ہو گئی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ڈیڑھ لاکھ کا اجتماع تھا، سارے زمانے کے اندر کوئی ترتیب اور سہولیات نہیں تھیں، جس کا جہاں دل آیا بیٹھ گیا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: جب حضور اکرم ﷺ نے جمعہ کا خطبہ دیا، حج کا خطبہ دیا تو جہاں جہاں تک کوئی خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا معلوم ہوتا تھا کہ سامنے حضور اکرم ﷺ بول رہے ہیں، حالانکہ آپ ایک جگہ خطاب فرما رہے تھے اور کوئی جدید آلات نہیں تھے۔ ہمارا تو اس پر ایمان ہے، لیکن جو منکر ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اب آپ دیکھ لیں کہ ایسے ذرائع پیدا ہو گئے ہیں کہ لاکھوں میل کا فاصلہ ہے، آوازیں منتقل ہو رہی ہیں۔ اگر انسان

ایک ایسی چیز بنا سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ اگر اپنے نبی کی آواز کو پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے؟

صحیح احادیث میں موجود ہے اور جو کرامات عمر میں شمار ہوتی ہے کہ جب آپ نے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو آواز دی، حالانکہ وہ نہاوند میں تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ میں تھے۔ جب ساریہ آئے، ان سے لوگوں نے پوچھا تو اس نے کہا: ہم شکست کھا رہے تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آواز پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جنگ کا نقشہ اور فوجوں کو لڑتے ہوئے دکھایا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آواز پہنچائی۔ اب کوئی منکر اس پر اعتراض کر سکتا تھا، لیکن اب لہروں کے ذریعے تمہارے ٹی وی کے اندر تصویریں آ رہی ہیں۔ اگر انسان یہ کر سکتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کرامت کا اظہار نہیں فرما سکتے؟

آیت کے شانِ نزول میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایک صحابی مرتد ہو گئے تھے اور بعد میں دوبارہ مسلمان ہو گئے تو کیا صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان صحابی کو چھپایا؟ تو جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دشمنی میں کہتے ہیں کہ سارے صحابہ...... نعوذ باللہ...... مرتد ہو گئے، صرف چار صحابی باقی بچے تھے۔ اگر خدانہ کرے ایسی بات ہوتی تو صحابہ کیوں چھپاتے؟

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم مرتد ہو گئے تھے؟

دوسری بات مثال کے طور پر تمہارا استاذ فقہ حنفی کے مطابق سبق پڑھا رہا ہے، ایک استاذ فقہ شافعی کے مطابق سبق پڑھا رہا ہے، ایک استاذ فقہ حنبلی کے مطابق سبق پڑھا رہا ہے اور ایک استاذ فقہ مالکی کے مطابق سبق پڑھا رہا ہے اور بفرضِ محال وہ حنفی جو تھے شافعی بن گئے تو اب وہ امام شافعی رحمہ اللہ کی بات پڑھائیں گے یا امام ابوحنیفہ کی بات پڑھائیں گے؟ جب ایک آدمی ایک طریقے سے نکل گیا تو اس پر قائم نہیں رہتا...... نعوذ باللہ...... اگر میرے مدنی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ایمان سے نکل گئے تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت نہ کرتے، بلکہ نیا دین لاتے۔ اور اگر صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین اسلام کو بلند کیا اور بائیس لاکھ مربع میل پر اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے تو اسلام سے کیسے نکل گئے؟

ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ جو آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے اتنا پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر کو حکم دیا تھا کہ تم جا کر کافروں سے جہاد کرو۔ ابھی وہ لشکر مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر تھا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کو روک لیا، تاکہ ہم دور نہ



جائیں۔ حضور پاک ﷺ کی وفات ہوگئی تو بڑے بڑے صحابہ حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہ سارے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے کہ آپ نبی کے خلیفہ ہیں اور حضرت اسامہ کا لشکر جارہا ہے، وہ چند میل پر موجود ہے، مہربانی کر کے لشکر کو روک لیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری فوجیں باہر نکل جائیں اور دشمن مدینہ پر حملہ کر دے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم لوگوں کی رائے میری آنکھوں پر، لیکن میں یہ تو برداشت کر سکتا ہوں کہ مدینہ منورہ میں جنگل کے بھیاڑ آ کر اتنا امن خراب کریں کہ ابوبکر کی ٹانگیں کاٹ کر لے جائیں، لیکن جس لشکر کو حضور اکرم ﷺ نے روانہ فرمایا میں اس کو روک نہیں سکتا۔ مدینہ کی حفاظت اللہ تعالیٰ کریں گے، میں محمد مدنی ﷺ کے حکم کے خلاف حکم نہیں دے سکتا۔

اور یہی وجہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا کہ میں اپنی ساری جائیداد دین محمد مدنی پر لٹا چکا ہوں، لیکن میں تیرے ابا کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا۔ میں ان کا ورثہ تقسیم نہیں کر سکتا۔ بی بی صاحبہ ناراض ہو کر گھر چلی گئیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے دروازے پر تشریف لے گئے۔ ان کو اطلاع دی گئی کہ وہ بات کرنا چاہتے ہیں۔ بی بی نے کہا: میں بات نہیں کرنا چاہتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اندر جا کر بی بی سے کہا: خلیفہ رسول ہیں، وہ آدمی ہیں جو سب سے پہلے تیرے ابا پر ایمان لا کر اپنا تن من دھن سب قربان کر چکے ہیں اور وہ آپ کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ تمہارے اخلاق کا یہ عالم ہے کہ تم ان سے بات بھی نہیں کرنا چاہتی!؟ بی بی صاحبہ نے فرمایا: چلو ٹھیک ہے، پردے کا انتظام کرو۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کیوں ناراض ہوئی ہیں؟ پہلے تو مجھے یہ بتائیں کہ میں آپ کو حضور کا فرمان سناؤں تو کیا آپ اس کو نہیں مانتی ہو؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر آپ کو کچھ مال کی ضرورت ہے یا خرچ کے لیے تکلیف ہے تو میری جائیداد حاضر ہے، لے لیں۔ اس کے بعد حدیث کے الفاظ مبارک ہیں کہ بی بی صاحبہ نے فرمایا: اے ابوبکر! میں حدیث سننے کے بعد کیسے انکار کر سکتی ہوں؟ لیکن مجھے غصہ آ گیا کہ چلو مجھے راضی کرنے کے لیے ہی کہہ دیتے کہ میں دے دوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حضور پاک ﷺ کے حکم کے خلاف کیوں کہہ دیتا؟ تو اس کے بعد بی بی راضی ہوگئیں، مسکرائیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دعائیں دیں۔

اگر صحابہ......نعوذ باللہ...... مرتد ہو گئے تھے تو ان کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ حضور پاک ﷺ کا اسلام پھیلاتے۔ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کیا پڑی تھی کہ مرتدوں سے جنگ کرنے والے پہلے آدمی تھے۔ اگر......نعوذ



باللہ..... وہ خود مرتد ہو گئے تھے تو مرتدوں سے لڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس لیے یہ دشمنانِ صحابہ کا ایک الزام، جھوٹ اور ایسا بہتان ہے کہ جس کی نہ حقیقت ہے، نہ سر ہے، نہ پیر ہے اور نہ اس کی کوئی دلیل ہے اور نہ عقل مانتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام کو چھوڑ دیا ہو اور پھر قرآن و اسلام کو نافذ کیا ہو۔

توبہ سے ارتداد بھی معاف ہو جاتا ہے:

﴿كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [آل عمران:۸۶]

جب لوگ اسلام لائیں اور دلائل، آیات، بینات اور معجزات سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اس کے بعد بھی وہ اسلام سے نکل جائیں، اگر وہ نور میں آنے کے بعد پھر اندھیرے میں گر جائیں، توحید کے بعد شرک کا ارتکاب کریں، ایسے لوگ ہدایت کے مستحق نہیں ہوتے۔ ہاں اگر وہ توبہ کر لیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ توبہ قبول کرنے والے ہیں۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کبھی اپنے بندے کو مایوس نہیں فرماتے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ غفور ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفت رحیم ہے، وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں، بلکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ میرا اللہ بندے کی توبہ سے خوش ہوتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ میرے ملائکہ آج میرے بندے کو پتا چل گیا ہے کہ میرا بھی رب ہے جو میرے گناہ بخشے گا۔

قاتل کی توبہ کا واقعہ:

گناہ گار توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ کو بڑا پیارا ہے۔ اس لیے دعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں توبہ کی توفیق دے۔ گناہ کے بعد شیطان ہمارے اندر ایک اور گمراہی ڈالتا ہے کہ اب تو تم گندے ہو گئے ہو، خواہ مخواہ حج پڑھو گے، روزے رکھو گے، کیا فائدہ ہے؟ ساری زندگی تم حرام کھاتے رہے ہو، ساری زندگی زنا کرتے رہے ہو، لواطت کرتے رہے ہو، چوری کرتے رہے ہو اور ڈاکے ڈالتے رہے ہو، زندگی میں تو مزے کر لو۔ یہ بھی شیطان کا دھوکہ ہے۔

ورنہ آپ اندازہ کریں کہ ایک آدمی نے ننانوے قتل کیے اور اس کے بعد اس کے دل میں ندامت آ گئی اور وہ پوچھتا پھر رہا ہے: ''هَلْ لِيْ مِنْ تَوْبَةٍ'' میری توبہ منظور ہو جائے گی؟ اس کو ایک جاہل مولوی مل گیا، اس سے پوچھا تو اس نے کہا: تمہاری توبہ کہاں قبول ہوگی؟ تمہاری توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اس نے کہا: میری توبہ تو قبول نہیں ہوتی،

پہلے ننانوے قتل ہیں، چلو! سو پورے ہو جائیں۔ اور اس آدمی نے اس مولوی کو بھی قتل کر دیا...... اس لیے یاد رکھیں! مسئلہ آئے تو بتا دو، ورنہ اس کو کہہ دو کہ دوسرے عالم سے جا کر پوچھو۔ اگر تم نے غلط مسئلہ بتایا اور اس نے اس پر عمل کر لیا تو اس کا گناہ تم پر ہوگا...... اس نے پھر کسی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ فلاں بستی میں ایک عالم ہے تم وہاں چلے جاؤ، وہ تمھیں صحیح طور پر بتا دیں گے۔ تو وہ اس کی طرف جا ہی رہا تھا کہ راستے میں موت آ گئی۔

عذاب کے فرشتے بھی آ گئے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے بھی آ گئے۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا: توبہ کر رہا تھا۔ دوسرے فرشتوں نے کہا: توبہ تو نہیں کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: میرے ملائکہ! جھگڑا نہ کرو۔ ایک بستی تو وہ ہے جہاں اس نے قتل کیے تھے اور ایک بستی وہ ہے جہاں یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے جا رہا تھا۔ تم پیمائش کرو۔ اگر قتل والی بستی قریب ہو جائے تو اس کو جہنم میں لے جاؤ اور اگر دوسری بستی قریب ہو جائے تو اس کو معاف کرتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب زمین کی پیمائش شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے عالم کی طرف والی زمین کو حکم دیا کہ ذرا قریب ہو جاؤ، ہم اپنے بندے کو معاف کرنے پر تیار ہیں۔ تو زمین ایک بالشت کے برابر قریب ہو گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کو بخش دیا ہے، اس کی توبہ ہم نے قبول کر لی ہے۔

اس لیے یاد رکھیں کہ اگر گناہ ہو جائیں تو فوراً اللہ تعالیٰ کے دروازے پر دوڑو۔ یہ نہ سمجھا کرو کہ میں گناہ گار ہوں، میں گندا ہوں۔ بھائی! کپڑا گندا ہوگا تو دھوبی کے پاس جائے گا۔

لعنت کرنے کا صحیح طریقہ:

﴿أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٨٧﴾﴾

علماء نے فرمایا: کسی کا نام لے کر لعنت نہ کرو۔ وہاں یوں کہہ سکتے ہو کہ ظلم کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو، کافروں، مشرکوں پر لعنت ہو۔ جو نبی کے صحابہ کے دشمن ہیں، ان کو مرتد سمجھتے ہیں، جو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمتیں لگاتے ہیں، جو اہل بیت رسول کے منکر ہیں ان پر لعنت ہو۔ یعنی مجموعی طور پر لعنت کریں اور کسی کا نام نہ لیں؛ کیونکہ ہمیں کیا پتا یہ لعنت کا مستحق ہے یا نہیں ہے۔

اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے مرتدین پر لعنت فرمائی ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کٹ گئے اور آخرت میں عذابِ جہنم ہوگا۔



﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ۝﴾ [آل عمران: ۹۰،۹۱]

''(اس کے برخلاف) جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا، پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی۔ ایسے لوگ راستے سے بالکل ہی بھٹک چکے ہیں۔ جن لوگوں نے کفر اپنایا اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، ان میں سے کسی سے پوری زمین بھر کر سونا قبول نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ اپنی جان چھڑانے کے لیے اس کی پیشکش ہی کیوں نہ کرے۔ ان کو تو دردناک عذاب ہو کر رہے گا اور ان کو کسی قسم کے مددگار میسر نہیں آئیں گے۔''

قبولیتِ توبہ کا وقت کب تک ہے؟

اللہ تعالیٰ نے بطور تہدید اور بطور وعید شدید یہ ارشاد فرمایا ہے ان لوگوں کے بارے میں جو ایمان لانے کے بعد نعوذ باللہ...... پھر کافر ہو گئے اور کفر میں بڑھتے گئے، یعنی مدت تک کفر پر جمے رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوگی کہ وہ مرنے کے وقت توبہ کریں یا نزولِ عذاب کے وقت توبہ کریں یہ توبہ قبول نہیں ہوگی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝﴾ [النساء: ۱۸]

ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جنہوں نے اپنے آپ کو برائیوں میں رکھا۔ سب سے بڑی برائی کفر و شرک ہے، اس کے اندر ڈوبے ہوئے ہیں۔ جب علاماتِ موت طاری ہو گئیں، اب انہوں نے توبہ کی تو توبہ قبول نہیں ہوگی۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ﴾ ہرگز ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور یہ وہ لوگ ہیں جو گمراہ ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو حق کے راستے سے ہٹ کر گمراہی میں جانے والے ہیں انہوں نے ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لیا۔

شانِ نزول:

(حدیث) حضرت حافظ ابوبکر البزار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ایک قوم اسلام لائی اور اس کے بعد مرتد ہوگئی، پھر اسلام لائی اور پھر مرتد بن گئی۔ انہوں نے اپنی قوم کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ کیا ان کی توبہ منظور ہوگی؟ انہوں نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی یہ آیت نازل فرمائی ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ﴾ [آل عمران: ۹۰] کہ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور کفر میں بڑھتے گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی۔ [الدر المنثور: ۲/۸۸]

تعارض اور رفعِ تعارض:

پچھلی آیات کے اندر آپ نے پڑھا کہ ایک انصاری اسلام لانے کے بعد مرتد ہوگیا، اس کے بعد وہ نادم ہوا اور اپنی قوم کے آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول ہوگی۔ وہاں مرتد کی توبہ منظور ہوگئی اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتد کی توبہ قبول نہیں ہوگی تو بظاہر دونوں روایتوں کے اندر تضاد ہے۔

رفعِ تعارض: وہ انصاری صحابی اسلام لانے کے بعد مرتد ہوگیا تھا لیکن پھر نادم ہوا اور صحیح معنی کے اندر توبہ کی تھی اور یہ قوم اسلام لانے کے بعد مرتد ہوگئے پھر مسلمان ہوئے اور پھر مرتد ہوگئے اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے کھیل بنایا ہوا تھا سچے دل سے توبہ نہیں کر رہے تھے ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا کہ ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی جیسا کہ نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط یہ وہ لوگ ہیں جو بدر میں پکڑے گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو قتل کردو ان کو پناہ نہیں ملے گی۔

غیر مسلم کی توبہ منظور نہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ﴾

جن لوگوں نے کفر کیا اور اسی کفر پر مر گئے، اب اگر وہ قیامت میں روئے زمین کے برابر سونا بھر کر دے دیں

کہ یہ فدیہ لے لو اور عذاب جہنم سے بچا لو تو ان کو چھٹکارا نہیں ملے گا۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمین کے برابر سونا دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنی خیرات کرے، اتنے صدقات ونفقات کرے، گویا زمین بھر کر سونا خرچ کیا، لیکن قیامت میں اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عبداللہ بن جدعان کے متعلق پوچھا گیا جو مر گیا تھا کہ یارسول اللہ! عبداللہ بن جدعان بڑا مہمان نواز تھا اور وہ قیدیوں کو اور مصیبت والوں کو چھڑاتا تھا، کوئی قرض دار ہوتا تو اس کا قرض ادا کرتا تھا اور کوئی غریب مسکین آیا، چاہے جان پہچان ہے یا نہیں ہے، سب کو کھانا کھلاتا تھا، اس کے یہ کام قیامت میں نفع دیں گے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو کوئی نفع نہیں دیں گے؛ کیونکہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا تھا: ''رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ '' کہ اللہ! قیامت والے دن میرے گناہ معاف فرما۔ [مسلم، رقم: ۲۱۴]

لہٰذا جب اس کا عالم آخرت پر ایمان ہی نہیں تھا تو اس کو آخرت میں نفع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

﴿مِلْءُ الْأَرْضِ﴾ کی بعض علماء نے دوسری تقریر کی ہے کہ علیٰ سبیل الفرض والمثال اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اس کو اتنا سونا دے دیں اور وہ کہے کہ پوری زمین بھر کر سونا لے لو اور مجھ سے عذاب کا چھٹکارا کر دو اس کو چھٹکارا نہیں ملے گا۔ یہ ایک اٹل فیصلہ ہے کہ جو کفر پر مر گیا اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کی سزا جہنم ہے۔ اسی طرح جو آدمی ایمان پر مر گیا، اس کا عقیدہ صحیح تھا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کیا تھا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

ایمان لانا جہنم میں جلنے سے زیادہ آسان ہے:

(حدیث) حضرت امام احمد حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نقل فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى لِأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ: لَوْ أَنَّ لَكَ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ أَكُنْتَ تَفْتَدِي بِهِ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ، فَيَقُولُ: أَرَدْتُ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ هَذَا، وَأَنْتَ فِي صُلْبِ آدَمَ: أَنْ لَا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا، فَأَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تُشْرِكَ بِي)) [صحیح بخاری، رقم: ۶۵۵۷] قیامت والے دن ایک آدمی جس کے بارے میں جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہوگا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میرے بندے! اگر آج تیرے پاس دنیا کی کوئی چیز ہوتی تو تم اس عذاب سے چھٹکارے کے بدلہ میں دینے کے لیے تیار ہو جاتے؟ وہ کہے گا: اللہ میاں! ساری دنیا بھی ہوتی تو میں عذاب سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے دے دیتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میں نے تم سے بڑی آسان چیز مانگی تھی، تم

نے وہ بھی پوری نہیں کی تو اب تم کیا دو گے؟ وہ کہے گا: کیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ابھی تم اپنے ماں باپ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں تھے اس وقت میں نے تم سے عہد لیا تھا: ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ﴾ [الاعراف: ۱۷۲] کہ خبردار! میری الوہیت اور میری ربوبیت کا اقرار کرنا اور میرا شریک نہ کرنا، لیکن تم نے دنیا میں جا کر میرے شریک بنا ڈالے، مجھے چھوڑ کر تم نے غیروں کو خدا مانا، مجھے چھوڑ کر تم نے غیروں کو حاجت روا مانا، تم نے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا نہیں کیا تو تم دنیا کی کیا چیز دو گے؟

ہر جرم قابل معافی ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی ملک میں بغاوت کرے، فتنہ کرے اور اپنے وقت کے اولوالامر کی اطاعت نہ کرے تو اس کی سزا موت ہے۔ تو جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کرے، اللہ تعالیٰ کا باغی بن جائے، اللہ تعالیٰ کی صفات کو غیروں کے اندر ثابت کرنا شروع کر دے تو اس کے مشرک ہونے میں کیا شک ہے؟

اس حدیث کے راوی بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يُؤْتَى بِالرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَيَقُولُ لَهُ: يَا ابْنَ آدَمَ! كَيْفَ وَجَدْتَ مَنْزِلَكَ؟ فَيَقُولُ: أَيْ رَبِّ! خَيْرُ مَنْزِلٍ، فَيَقُولُ: سَلْ وَتَمَنَّ، فَيَقُولُ: مَا أَسْأَلُ وَأَتَمَنَّى إِلَّا أَنْ تَرُدَّنِي إِلَى الدُّنْيَا، فَأُقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ عَشْرَ مَرَّاتٍ، لِمَا يَرَى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ، وَيُؤْتَى بِالرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَيَقُولُ لَهُ: يَا ابْنَ آدَمَ! كَيْفَ وَجَدْتَ مَنْزِلَكَ؟ فَيَقُولُ: أَيْ رَبِّ! شَرُّ مَنْزِلٍ، فَيَقُولُ لَهُ: أَتَفْتَدِي مِنْهُ بِطِلَاعِ الْأَرْضِ ذَهَبًا؟ فَيَقُولُ: أَيْ رَبِّ! نَعَمْ، فَيَقُولُ: كَذَبْتَ، قَدْ سَأَلْتُكَ أَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ وَأَيْسَرَ، فَلَمْ تَفْعَلْ فَيُرَدُّ إِلَى النَّارِ))

[مسند احمد، رقم: ۱۳۱۶۲]

قیامت والے دن اللہ تعالیٰ جنت میں سے ایک بندے کو اپنے دربار میں بلائیں گے اور فرمائیں گے: اے آدم علیہ السلام کے بیٹے! تم نے اپنی جگہ کیسی پائی؟ وہ کہے گا: میرے اللہ! اس سے بہتر تو کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے میرے بندے! سوال کرو اور جو چیز چاہو مانگو۔ تو وہ کہے گا: اے اللہ! مجھے دنیا میں ایک دفعہ پھر بھیجیں۔ میں تیرے راستے میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے دس دفعہ شہید ہونا چاہتا ہوں؛ کیونکہ وہ شہیدوں کے مرتبے کو دیکھے گا کہ ان کے بڑے درجات ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: دنیا کا نظام ہی ختم ہو گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک جہنمی کو لانے کا حکم دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے ابن آدم! تو نے اپنا ٹھکانا کیسا پایا؟ وہ کہے گا: بہت بری جگہ ہے۔ اللہ فرمائیں گے: کیا تو مجھے زمین کے بھراؤ کے برابر سونا فدیہ دے گا؟ تو وہ کہے گا: جی ہاں میرے

رب! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تو نے جھوٹ کہا ہے۔ میں نے تجھ سے اس سے کم اور آسان بات کا مطالبہ کیا تھا تو نے وہ بھی نہیں کیا۔ پھر اس کو جہنم میں لوٹا دیا جائے گا۔

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾﴾ [آل عمران: ۹۲]

''تم نیکی کے مقام تک اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچو گے جب تک ان چیزوں میں سے (اللہ کے لیے) خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہیں۔ اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو، اللہ اسے خوب جانتا ہے۔''

عمدہ چیز کے صدقہ کا ثواب بھی اعلیٰ:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اگر تم میرے محبوب بننا چاہتے ہو اور درجات اعلیٰ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنی محبوب چیز میرے راستے میں خرچ کرو؛ کیونکہ اصول یہ ہے کہ آدمی محبوب چیز کو وہاں خرچ کرے گا جو اس کو زیادہ محبوب ہو گی۔

(مسئلہ) ایک آدمی کے پاس کوئی ایسی قیمتی چیز نہیں ہے تو جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے اس کو ثواب ملے گا، اس کا ثواب ضائع نہیں ہوگا؛ کیونکہ وہ ایمان والا ہے، لیکن ایک آدمی کے پاس دولت ہے اور اس کے پاس بڑی محبوب چیزیں ہیں تو وہ جتنی پیاری چیزیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے گا اتنا درجہ بلند ہو جائے گا؛ کیونکہ محبوب چیزوں کا خرچ کرنا صفت ابرار واخیار ہے اور عام چیزیں خرچ کرنا عامۃ المسلمین کی صفت ہے۔ اور ایک آدمی کے پاس اچھا مال بھی ہے اور برا بھی ہے۔ اس نے سارا اللہ کے راستے میں لٹا دیا تو اس کو بھی ثواب ملے گا۔ ہاں ایک آدمی کے پاس اچھی چیزیں بھی ہیں اور ہلکی چیزیں بھی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہلکی چیزیں خرچ کرتا ہے اور دنیا کے راستے میں وہ اچھی چیزیں خرچ کرتا ہے تو یہ قبولیت میں کم ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ﴾ [البقرۃ: ۲۶۷] ردی چیزیں میرے لیے رکھتے ہو۔ جیسا کہ حاجی لاکھوں روپے خرچ کر کے آتے ہیں، لیکن منیٰ میں بکری وہ ڈھونڈتے ہیں جس سے نام ہو جائے کہ خون بہہ گیا ہے۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے باغ کا صدقہ:

(حدیث) جب یہ آیت اتری تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ محبوب چیز خرچ کرو اور میری پوری جائیداد میں بئر روحاء سب سے زیادہ مجھے محبوب ہے، اس

کا پانی بہت میٹھا ہے اور اس کا پانی بہت زیادہ ہے، کھجوروں کا بہت بڑا باغ ہے، یہ ساری جائیداد مجھے محبوب ہے، آپ میرے گواہ بن جائیں گے کہ میں نے اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''بخ'' واہ واہ ابوطلحہ!! واقعی تم نے کمال کر دیا ہے۔ واقعی تیری جائیداد محبوب جائیداد ہے، لیکن میرا حکم مانو اور اس کو رشتہ داروں پر تقسیم کر دو؛ کیونکہ سب سے زیادہ صدقہ کے مستحق تیرے غریب رشتہ دار ہیں اور اس کے اندر دو ثواب ملتے ہیں: ایک صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور صلہ رحمی کا ثواب ملتا ہے۔ تو حضرت طلحہ نے اسے اپنے عزیز و اقارب میں تقسیم کر دیا۔ اور ہر بندے کو پتا ہے کہ میرا کون سا رشتے دار غریب ہے۔ [بخاری، رقم: ۱۳۶۱]

صدقہ کی مختلف صورتیں:

حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم جو ایک لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں دیتے ہو اس پر بھی اللہ تعالیٰ تمہیں صدقہ کا ثواب دیتے ہیں۔

اس لیے حکم ہے: اگر تم خیرات نہیں کر سکتے ہو تو پانی کا گلاس پلا دو۔ اگر تمہارے اندر کوئی طاقت نہیں، نابینا کو راستہ کراس کرا دو، کسی گرنے والے کو اٹھا دو۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ نیکیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تو اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملے۔
[ترمذی، رقم: ۱۹۷۰]

صحیحین میں روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اب میرے پاس کوئی ایسا قیمتی مال نہیں، مگر وہ حصہ جو خیبر میں ملا ہے۔ مجھے کیا حکم ہے کہ میں اپنی وہ محبوب چیز اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اصل کو محفوظ رکھو، لیکن اس کا جو پھل آتا رہے وہ ہر سال خرچ کرتے رہو؛ کیونکہ اس طرح تو تم ایک دفعہ خرچ کر دو گے، لیکن جب وہ اصل محفوظ رہا، اس کی قیمت بڑھتی گئی اور اس کا ہر سال جو ثمر آتا رہا اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیتا رہا۔ [ابن ماجہ، رقم: ۲۳۹۷]

برکت کی صورتیں:

یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے مال بڑھتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال صدقہ کرنے سے کبھی کم نہیں ہوتا، بلکہ مال میں برکت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ [البقرۃ:۲۷۶] کہ اللہ تعالیٰ سود کو برباد کردیتے ہیں اور خیرات کو بڑھا دیتے ہیں۔

برکتیں کبھی ظاہر میں ہمیں نظر آجاتی ہیں اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ ہمیں نظر نہیں آتیں۔ مثال کے طور پر: اللہ تعالیٰ کے راستے میں سو (۱۰۰) ریال خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں ہزار ریال دے دیا۔ تو ہم بہت خوش ہوجاتے ہیں کہ یہ نظر آگیا، لیکن بعض برکتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتیں کہ ہم نے خیرات کی اور ہمارے اوپر ایک بیماری آنے والی تھی، اللہ تعالیٰ نے ٹال دی۔ اس برکت کا ہمیں پتا نہیں چلا، لیکن اگر وہ بیماری آجاتی تو ہمارے ہزاروں لاکھوں روپے خرچ ہوجاتے۔ گھر میں کوئی جھگڑا تھا، اللہ تعالیٰ صلح میں بدل دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ رزق میں برکت فرماتے ہیں، کبھی برکت کیفیت میں ہوتی ہے، کبھی برکت کمیت میں ہوتی ہے، کبھی برکت ظاہر میں ہوتی ہے اور کبھی برکت باطن میں ہوتی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ:

حضرت حمزہ بن عبد اللہ بن عمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب قرآن پاک کی یہ آیت اتری: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ [آلِ عمران:۹۲] کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی محبوب چیز خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ نے مجھے جتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں میں نے ان کے بارے میں سوچا، پھر خیال آیا کہ میرے پاس جو روم کی باندی ہے وہ مجھے بڑی پیاری ہے تو میں نے اس کو بلایا اور اس کو کہا: جاؤ! میں تمہیں اللہ کے نام پر آزاد کردیا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: محبوب چیز خرچ کرو تو تم مجھے محبوب ہو، اس لیے میں نے تمہیں آزاد کردیا۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: خیرات کرنے کے بعد دوبارہ اگر لینا جائز ہوتا تو میں اس سے نکاح کرلیتا۔

[مسند البزار، رقم:۲۹۱۴]

ربط بین الآیات:

دونوں آیات کے درمیان ربط یہ ہے کہ جب قیامت میں وقت پڑے گا تو وہاں بندہ پوری زمین کے برابر سونا دینے کو تیار ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اصل بات یہ ہے کہ میرا بندہ میرے راستے میں محبوب چیزوں کو خرچ کرتا ہے تو پھر میں اس کو اس کے بدلے میں اتنے انعامات دیتا ہوں کہ جس کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر

امتحان آیا کہ اپنا بیٹا ذبح کریں۔ یہی امتحان تھا کہ سب سے محبوب اولاد ہے، اولاد بندے کی کمزوری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹے کے لیے روتے روتے آنکھیں سفید ہوگئیں۔

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ [آل عمران: ۹۲]

علماء نے لکھا ہے کہ اس کے اندر اشارہ ہے کہ اے یہودیو! اور اے نصرانیو! تم جو میرے مدنی پاک پر ایمان نہیں لے آتے، تمہیں اپنی حکومت محبوب ہے اور مدینہ کی سرداری محبوب ہے کہ اگر میرے مدنی پر ایمان لاؤ گے تو ساری سرداری ختم ہوجائے گی، پھر بھی تم اس محبوب چیز کو خرچ کر کے اسلام لے آؤ جب تک تم محبوب چیز کو نہیں چھوڑو گے تو میرے محبوب کیسے بنو گے؟ محبوب چیزوں کو دینے کے طریقے ہیں کہ مال دو تو اچھا مال دو۔ اس لیے ہمارے جتنے اکابر گزرے ہیں، ہمارے مشائخ اور ہمارے اساتذہ سارا سال دنبہ پالتے تھے کہ جب قربانی کا وقت آئے گا تو یہی دنبہ ذبح کروں گا کہ اس دنبے کو اپنے ہاتھوں سے کھلایا، اپنے ہاتھوں سے پلایا، اس سے انس ہوگیا اور عین قربانی والے دن اس کو ذبح کیا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کے راستے میں محبوب ترین چیز خرچ کی جائے۔

﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾

[آل عمران: ۹۳، ۹۴، ۹۵]

”تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام چیزیں (جو مسلمانوں کے لیے حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لیے (بھی) حلال تھیں، سوائے اس چیز کے جو اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے اپنے اوپر حرام کرلی تھی۔ (اے پیغمبر! یہودیوں سے) کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لے کر آؤ اور اس کی تلاوت کرو۔ پھر ان باتوں کے (واضح ہونے کے) بعد بھی جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھیں تو ایسے لوگ بڑے ظالم ہیں۔ آپ کہیے کہ اللہ نے سچ کہا ہے، لہٰذا تم ابراہیم علیہ السلام کے دین کا اتباع کرو جو پوری طرح سیدھے راستے پر تھے، اور ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کی خدائی میں کسی کو شریک مانتے ہیں۔“

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ نیکی بھلائی خیر کو کہتے ہیں۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن میمون نے فرمایا: یہاں ''بر'' سے مراد جنت ہے کہ تم جنت کو نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنی محبوب ترین چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔

یہودیوں کی طرف سے اسلام پر شبہات اور ان کے جوابات:

کافروں، یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہیں، حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن چیزوں کو حرام کیا تھا تم ان کو حلال کر کے کھا رہے ہو۔ انہوں نے تو اونٹ کے گوشت اور اس کے دودھ کو حرام کیا تھا اور تم یہ چیزیں کھاتے بھی اور پھر کہتے ہو کہ ہم دین ابراہیمی پر ہیں؟ ان کے اس شبہ کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے اذہان میں بلاوجہ تشکیک پیدا کردیں اور باطل فرقوں کی یہی عادت ہے کہ وہ شبہات پیدا کرتے ہیں۔

(دوسرا شبہ) انہوں نے یہ کہا کہ تم کہتے ہو کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں، حالانکہ ان کا کعبہ تو بیت المقدس تھا اور تم نے اس کو چھوڑ دیا اور کعبہ کی طرف نمازیں پڑھ رہے ہو؟

(جواب) ان شبہات کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں ان آیات میں عطا فرمایا: ظالمو! تم کتنا جھوٹ بولتے ہو!! حضرت ابراہیم علیہ السلام تو حضرت یعقوب علیہ السلام سے پہلے تھے جن کا لقب اسرائیل تھا۔ ساری کھانے کے چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں بھی حلال تھیں اور بنی اسرائیل پر بھی حلال تھیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام پر بھی حلال تھیں۔ تم جھوٹ بولتے ہو کہ ان پر حرام تھیں۔ فرق اتنا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی تکلیف ہوگئی (اس سے ٹانگ میں درد ہوتا ہے کہ آدمی کو ہر چیز بھول جاتی ہے۔) تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایک منت مانی کہ یا اللہ! میری یہ تکلیف دور کردے، میں اپنی محبوب ترین چیز چھوڑ دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو شفا دی۔ ان کو اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ محبوب تھا تو انہوں نے وہ گوشت بھی چھوڑ دیا اور دودھ بھی چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے تو ان پر حرام نہیں کیا تھا اور نہ ان کی شریعت کے اندر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام تھا، وہ تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے منت مان کر اپنے اوپر حرام کیا تھا۔ اگر تمہارے پاس تورات کے اندر اس کی کوئی دلیل موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا تو تورات لے آؤ اور ہمیں دکھاؤ، اگر تم اپنے

دعوے کے اندر سچے ہو۔ وہ کہاں سے لے آتے؟ کیونکہ وہ تو جھوٹے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تورات کے اترنے سے پہلے گزر چکے تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے، بلکہ وہ تو امام الموحدین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا اونچا درجہ عطا فرمایا کہ ان کی اولاد میں نبوت جاری کر دی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو بتوں کو توڑا تھا اور تم نے کعبہ کو بتوں سے بھر دیا۔ پھر تم نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا دیا اور پھر بھی تم لوگ دعویٰ کرتے ہو کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے اندر ان کے شبہات کا رد کیا اور مسلمانوں کو اپنے راستے میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور ساتھ اشارہ بھی کر دیا کہ جب تک تم اپنی محبوب چیز قربان نہیں کرو گے اور میرے مدنی پر ایمان نہیں لاؤ گے اس وقت تک تمہیں بھی چھٹکارا نہیں مل سکتا۔

پہلے شبہ کا جواب ان آیات میں دیا گیا ہے، جس کی تفصیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی درج ذیل روایت میں بیان کی گئی ہے۔

((قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: حَضَرَتْ عِصَابَةٌ مِنَ الْيَهُودِ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا، فَقَالُوا: يَا أَبَا الْقَاسِمِ، حَدِّثْنَا عَنْ خِلَالٍ نَسْأَلُكَ عَنْهُنَّ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا نَبِيٌّ...... بَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ الْآيَةَ،))

[مسند احمد، رقم: ۲۵۱۴]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ ہم آپ سے چند باتیں پوچھتے ہیں، ان کا جواب اللہ کے نبی کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پوچھو جو پوچھنا چاہتے ہو، لیکن تم بھی میرے ساتھ ایک معاہدہ کرو جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے ایک عہد لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی ہے۔ تم جو سوال کرو اور میں اس کا ٹھیک جواب دے دوں تو کیا تم اسلام لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا: حضور! ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر آپ نے جواب دے دیا تو ہم اسلام لے آئیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا پوچھتے ہو؟ انہوں نے کہا: چار چیزیں ہیں جو ہم آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ کون سا طعام اور کھانا ہے جو حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنی ذات پر خود حرام کیا تھا؟ دوسرا ہمیں یہ بتائیں کہ مرد اور عورت کا پانی کیسا ہوتا ہے؟ اور بچہ کبھی مرد کی شکل کا ہوتا ہے اور کبھی عورت کی شکل کا ہوتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ نبی کی نیند اور عام آدمی کی نیند میں کیا فرق ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ آپ کے ساتھ اللہ کے ملائکہ میں سے کون سا فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحی لے کر آتا ہے؟

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم مجھے عہد دو اگر میں نے تمہیں خبر دے دی تو تم ایمان لاؤ گے، میں تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات اتاری ہے! کیا تم جانتے ہو کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جب بیمار ہوئے تو ان کو شدید تکلیف ہوئی اور آپ کی بیماری لمبی ہوگئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے آگے منت مانی کہ یا اللہ! مجھے اس بیماری سے شفا دے دے تو مجھے طعام میں جو محبوب چیزیں ہیں میں ان کو چھوڑ دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیماری سے شفا دے دی۔ یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں کہ مجھے محبوب طعام اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ ہے، لہٰذا اے اللہ! میں ان دونوں کو آپ کے نام پر چھوڑتا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے ان یہودیوں سے فرمایا: بتاؤ یہ بات ٹھیک ہے؟ انہوں نے کہا: بالکل ٹھیک ہے۔ فرمایا: یہی وہ چیزیں ہیں جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کی تھیں۔ اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! آپ گواہ ہو جائیں کہ میں نے ان کو جواب دے دیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات اتاری! مرد کا پانی سفید اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی پیلا اور پتلا ہوتا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر مرد کا پانی غالب آگیا تو اس سے اللہ تعالیٰ نے بچہ پیدا کر دیا اور اگر عورت کا پانی غالب آگیا تو اس سے اللہ تعالیٰ نے بچی پیدا کر دی۔ حضور اکرم علیہ السلام نے ان یہودیوں سے فرمایا: بتاؤ یہ جواب ٹھیک ہے؟ انہوں نے کہا: واقعی آپ نے صحیح جواب عطا فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میرے اس جواب پر گواہ ہو جائیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: تمہیں اس ذات پاک کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات اتاری تھی! کیا تم جانتے ہو کہ نبی امی (محمد ﷺ) کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نیند نرالی بنائی ہے کہ ان کی آنکھیں تو سوتی ہیں، لیکن دل جاگتا ہے (اور غیر نبی کی آنکھیں بھی بند ہوتی ہیں اور دل بھی سوتا ہے)۔ انہوں نے کہا: آپ نے ٹھیک بیان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: میرے اللہ! آپ گواہ ہو جائیں کہ میں نے ان کو یہ جواب بھی دے دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ یہ بتائیں کہ وہ کونسا فرشتہ ہے جو وحی لے کر آتا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے پاس وحی لانے والا فرشتہ جبرائیل علیہ السلام ہے۔ اور کوئی نبی نہیں گزرا جس کے پاس وحی لانے والا فرشتہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نہ ہو۔ انہوں نے کہا: بس یہ جھگڑے کا مقام ہے۔ اب ہم آپ کو نہیں مانتے۔ اگر جبرائیل کے علاوہ

کوئی اور فرشتہ وحی لے کے آتا تو ہم مان لیتے؛ کیونکہ جبرائیل ہمارا دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرمائیں کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ جو جبرائیل کا دشمن ہے وہ اللہ کا دشمن ہے؛ کیونکہ وہ قرآن اپنی منشاء سے نہیں لایا، بلکہ میرے حکم سے لایا ہے۔ [ترمذی، رقم: ۳۱۱۶]

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ۞ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۞﴾ [آل عمران: ۹۶، ۹۷]

''حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لیے بنایا گیا یقینی طور پر وہ ہے جو مکہ میں واقع ہے (اور) بنانے کے وقت ہی سے برکتوں والا اور دنیا جہان کے لوگوں کے لیے ہدایت کا سامان ہے۔ اس میں روشن نشانیاں ہیں، مقامِ ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہوتا ہے امن پا جاتا ہے۔ اور لوگوں میں سے جو لوگ اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر اللہ کے لیے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے، اور اگر کوئی انکار کرے تو اللہ دنیا جہان کے تمام لوگوں سے بے نیاز ہے۔''

یہودیوں کے دوسرے شبہ کا جواب:

ان آیات مبارکہ میں یہودیوں کے دوسرے شبہ کا جواب ہے۔ فرمایا: میرے مدنی پاک! ان ظالموں کو جواب دو کہ تم یہودیوں کی بات غلط ہے کہ قبلہ اوّل مسجد اقصیٰ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے اس کائنات اور پوری زمین میں جو اللہ تعالیٰ کا گھر بنایا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کعبہ ہے۔ جب آسمان وزمین نہیں تھے سب نے پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی پیدا فرمایا اور اس کے بعد اپنی قدرت سے اس کو گاڑھا کیا اور زمین بچھائی گئی تو یہی وہ مرکزی نقطہ ہے جہاں سے زمین کو بچھایا گیا، وہ یہی اللہ تعالیٰ کا کعبہ ہے۔ اور اسی کعبہ کے اوپر بیت المعمور ہے جو ساتویں آسمان پر ہے اور اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کئی مقامات پر ارشاد فرمایا: ﴿الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ ۞﴾ [طٰہٰ: ۵] اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک کعبہ مرکزِ تجلیاتِ ربانی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہم ان تجلیات کو نہ دیکھ سکیں؛ اس لیے کہ ہمارے پاس اس کو دیکھنے والی

طاقت نہیں ہے۔

اس سرزمین پر پانی کے اوپر ایک بلبلہ کی حیثیت سے یہی اللہ تعالیٰ کا کعبہ تھا۔ اور اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا، ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اس مقام پر جا کر میرا گھر بنائیں تو حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو تعمیر کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں شریعت کا سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام سے چلا ہے، انہوں نے بھی نمازیں اسی کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھیں؛ کیونکہ کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس میں عبودیت ہو، عبادت نہ ہو، بلکہ جب عبد ہے تو عبادت بھی ہوگی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہر زمانہ میں عبادت کی اشکال مختلف تھیں۔ اور جب عبادت ہوگی تو صاف ظاہری بات ہے کہ کوئی مرکز عبادت بھی ہوگا۔ یہی وہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اس کعبہ کو قبلہ بنایا؛ کیونکہ اگر ایک جہت کا تعین نہ ہوتا تو پوری دنیا کے اندر اتحاد، اتفاق اور ذہنی ہم آہنگی کا کوئی سلسلہ نہیں جڑ سکتا تھا۔ اللہ ایک ہے، نبی ایک ہے اور دین ایک ہے تو ان کا مرکزِ عبادت اور مرکزِ توجہات بھی ایک ہونا چاہیے، ورنہ عبادت تو ہم اللہ تعالیٰ کی کرتے ہیں، کسی گھر کی عبادت نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کعبہ کو مرکزِ عبادت بنایا، اس کو شرفِ اوّلیت بھی ملا کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے اسے بنایا۔ چالیس سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ اب مسجد اقصیٰ کو بنائیں تو وہ بھی حضرت آدم علیہ السلام نے بنائی۔

آج لوگوں کے اندر مشہور ہے کہ قبلہ اوّل مسجد اقصیٰ ہے۔ وہ اس اعتبار سے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نمازیں مسجد اقصیٰ کی طرف پڑھیں، پھر اس کعبہ کی طرف آئے تو لوگوں نے اس وجہ سے مسجد اقصیٰ کو قبلہ اوّل کہنا شروع کر دیا، ورنہ حقیقت میں تو قبلہ اوّل بھی کعبہ ہے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام نے کعبہ بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب اس کا طواف بھی کرو؛ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جو آدمی کسی سے محبت کرتا ہے تو وہ اپنے محبوب کے گھر کے چکر لگاتا ہے۔ لوگ گندی عورتوں کے پیچھے بھاگتے ہیں تو سارا دن گلیوں میں پھرتے ہیں۔ کسی لڑکے سے عشق کرتے ہیں تو ہر وقت بہانے بنا کر کبھی ادھر سے گزر رہے ہیں، تاکہ دیکھ تو لوں۔ جب لیلیٰ کی گلی کا کتا آتا تو مجنوں اس کو بھی چومنا شروع کر دیتا تھا کہ اس کی گلی سے تو آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس گھر کے اندر مقیم نہیں ہیں۔ بہر حال جب حضرت آدم علیہ السلام نے طواف کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جبرائیل! آدم سے کہہ دیں کہ سب سے پہلا گھر میرا ہے اور بندوں میں سے تو سب سے پہلا بندہ ہے جو اس گھر کا طواف کر رہا ہے۔

تو ان آیات کے اندر یہود کا رد ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ ہم ملت ابراہیمی پر نہیں ہیں۔ تم دیکھو کہ طوفانِ نوح کے بعد اس کعبہ کو کس نے بنایا تھا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا، لہٰذا ملت ابراہیمی پر تو ہم ہیں۔ اور یہی سب سے پہلے انبیاء کا قبلہ تھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ کا حکم دیا اور پھر میرے مدنی (ﷺ) کی تمنا پر اللہ تعالیٰ نے پھر قبلہ اوّل کا حکم دیا۔ اس کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی؛ کیونکہ اگر قبلہ ہمیشہ یہی کعبہ رہتا یا ہمیشہ مسجد اقصیٰ کو قبلہ بنایا جاتا تو آج کوئی نہ کوئی پتھروں کا پجاری یہ کہہ سکتا کہ مسلمان بھی تو پتھر کی پوجا کرتا ہے۔ اگر ہم پتھروں کے سامنے جھکتے ہیں تو مسلمان بھی تو پتھروں کے سامنے جھکتا ہے۔ اگر ہم دیوی دیوتا کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں اور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں تو مسلمان بھی تو ایک پتھر کے سامنے جھک رہا ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے کبھی کعبہ کو قبلہ بنایا اور کبھی مسجد اقصیٰ کو قبلہ بنایا، پھر اس کو چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ بنایا، تاکہ واضح ہوجائے کہ میرے ماننے والے کسی پتھر کو سجدہ نہیں کرتے، بلکہ وہ تو میرے حکم کے پابند ہیں۔ فرمایا: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [البقرۃ:۱۴۹] اس لیے دیکھیں کہ اوپر کی منزل میں چلے جائیں تو کعبہ نیچے ہوگا، پھر بھی ہم نماز پڑھتے ہیں۔ اگر ہم پتھر کو سجدہ کرنے والے ہوتے تو کبھی اوپر نہ جاتے۔ کیا تم ہندو لوگ کبھی بھگوان کے اوپر جاتے ہو؟ ہم تو اس حکم کی تعمیل کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس عمل کی تعمیل کر رہے ہیں جو میرے مدنی ﷺ کا عمل ہے۔

مکہ کا نام بکہ بھی ہے:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ﴾ [آل عمران:۹۶]

اس کا نام مکہ بھی ہے اور بکہ بھی ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کا نام بکہ اس لیے رکھا ہے کہ بڑے بڑے جبار کی گردنیں یہاں آکر ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ بکہ بکاء سے ہے۔ میرے آقا ﷺ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور جب سر مبارک ہٹایا تو آنسو بہہ رہے تھے۔ پیچھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے تھے، آپ نے فرمایا: عمر! یہی وہ جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں۔

بیت اللہ شریف میں برکتیں:

﴿مُبٰرَكًا﴾

بیت اللہ شریف کی پہلی صفت بیان فرمائی گئی کہ وہ برکت والا ہے، یعنی ظاہری برکتیں بھی ہیں اور باطنی برکتیں

بھی ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ ساری دنیا میں جو ثمرات و فواکہات نہیں ملتے، وہ مکہ میں مل رہے ہیں۔ دنیا کے اندر دریاؤں کے کنارے بڑے بڑے شہر ہیں۔ اگر وہاں کوئی بڑا فنکشن ہو جائے کہ جس میں پچاس ساٹھ لاکھ آدمی آجائے تو کنویں کے پانی گدلے ہو جاتے ہیں اور بعض کنوؤں میں پانی نہیں ملتا، حالانکہ دریاؤں کے کنارے وہ شہر کھڑے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ گھر ایسی جگہ میں ہے جس کے چاروں طرف خشک پہاڑ ہیں، کوئی دریا اور نہر ساتھ نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں ایسا چشمہ جاری کر دیا ہے کہ تیس لاکھ آدمی حج پر آکر پانی پیتا ہے، بھرتا ہے، نہاتا ہے، لیکن ...... الحمد للہ...... کوئی کمی نہیں ہے۔ اور یہاں معنوی بھی برکتیں ہیں کہ ساری زندگی نماز پڑھیں ایک نماز کا ثواب پچیس گنا مل جائے گا، ستائیس گنا مل جائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کے حرم کے اندر ایک نماز پڑھیں تو ایک لاکھ گنا ثواب ملے گا اور اگر جماعت کے ساتھ پڑھیں تو ستائیس لاکھ تک ثواب پہنچ جائے گا۔

کعبہ ہدایت کا مرکز ہے:

﴿وَهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [آل عمران: ۹۶]

کعبۃ اللہ کی دوسری صفت بیان فرمائی کہ یہ تمام جہان والوں کے لیے ہدایت ہے۔ اسی سے نور ایمان چمکا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے میرے مدنی محمد مصطفیٰ ﷺ کو پیدا کیا ہے۔ اس کی تعمیر میں حضرت آدم، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے حصہ لیا ہے۔ اور یہی وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی وحی کا نور اترا ہے۔

﴿فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ﴾ [آل عمران: ۹۷]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس گھر کے اندر ہم نے کئی کھلی نشانیاں رکھی ہیں۔ ان نشانیوں میں سے اللہ تعالیٰ نے یہاں صرف دو کا ذکر فرمایا ہے، لیکن علماء نے فرمایا کہ جمع کے صیغہ سے اشارہ کر دیا کہ اب اگر ہر آدمی محنت کرے اور قرآن و حدیث کا مطالعہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے کعبہ کے ثمرات و برکات پر نظر ڈالے تو اس کی نشانیاں ہی نشانیاں نظر آئیں گی۔ مثلاً: شق القمر کا معجزہ اسی مکہ میں پیش آیا اور آج تک دنیا کوئی ایسا پہاڑ پیش نہیں کر سکتی جہاں اللہ تعالیٰ کا فرشتہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اترے اور نور ایمان اور نور توحید لے کر آئے اور پھر وہ نور عالم میں پھیلا۔

اور چونکہ یہود کا رد مقصود تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ظالمو! دنیا کی ساری نشانیاں مٹ جاتی ہیں، لیکن ہم نے مقام ابراہیم ایسی نشانی رکھی ہے کہ ہزاروں سال گزر گئے، لیکن ابراہیم علیہ السلام کی نشانی زندہ ہے۔ اور اس پر تمام

روایات کا اتفاق ہے کہ مقامِ ابراہیم یہی وہ پتھر ہے کہ جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کعبہ بنایا۔ باقی اس کے اندر جو آپ کو نشان نظر آتے ہیں یہ صحیح نشان نہیں رہے؛ کیونکہ ابتداء کے اندر تو یہ بڑے واضح نشان تھے، لیکن لوگوں کے اس کو ہاتھ لگانے کی وجہ سے اس کی اصل کیفیت باقی نہیں رہی، لیکن اس کا تھوڑا اثر نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ مقامِ ابراہیم بھی تو اسی بنا کی نشانی ہے۔

﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ [آل عمران: ۹۷]

جو بھی اس کعبہ میں داخل ہوگا وہ امن میں ہوگا۔ دنیا میں بھی وہ ظاہری طور پر قتل سے اور عذاب سے امن میں آ گیا اور آخرت کے اعتبار سے اس میں داخل ہونے والا جہنم کے عذاب سے امن میں آ گیا۔ اور یہ شرف بھی اللہ تعالیٰ کے حرم کو ملا ہے، دنیا کے اور کسی کونے کو نہیں ملا ہے کہ جس کا احترام مسلمان تو مسلمان، بلکہ ابو جہل بھی کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حرم میں کوئی کسی کو قتل نہ کرے، حالانکہ وہ کافر اور مشرک تھا۔

روایت میں آتا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو کفارِ قریش پھانسی دینے لگے تو ان کو تنعیم لے گئے جو حدِ حرم سے باہر ہے۔ اور آج افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ نبی کا کلمہ پڑھنے والے اور اسلام کا دعویٰ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے حرم میں قتل کرنے سے بھی حیا نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ تو وہ جگہ تھی جہاں چیونٹی کو بھی مارنے کی اجازت نہیں تھی اور یہ وہ جگہ ہے جہاں حکم ہے کہ اگر تم تھکے ماندے جا رہے ہو، گرمی ہے، آگے ایک درخت ہے اور اس کے نیچے ایک جانور بیٹھا ہے تو اس کو بھی نہ چھیڑو۔

حرمِ مکہ امن کی جگہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ﴾ [العنکبوت: ۶۷]

میرے مدنی! مکہ کے قریش کو بتائیں کہ کیا ہم نے تمہیں ایسا ٹکڑا نہیں دیا کہ جہاں امن ہی امن ہے اور اس کے باہر لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے کعبہ میں باپ کا قاتل بھی سامنے کھڑا ہے تو اس پر بھی کوئی ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ یاد رکھیں! اگر آدمی انفرادی گناہ کرے تو اس کے ذمہ ہے کہ وہ توبہ کرے، لیکن جب اجتماعی طور پر گناہ ہونے لگیں تو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ سب مل کر توبہ کریں، پھر انفرادی توبہ سے کام نہیں بنتا، بلکہ تب

عذاب اس وقت ٹلتے ہیں جب ہر آدمی اپنے اپنے گھر اور اپنی اپنی جگہ میں اللہ تعالیٰ کے آگے دو رکعت نماز پڑھ کر گر جائے کہ اللہ ہماری گناہوں سے توبہ ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں فرماتے تھے: ((اَللّٰهُمَّ! إِنَّهُ لَمْ يَنْزِلْ بَلَاءٌ إِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ يُرْفَعْ إِلَّا بِتَوْبَةٍ.)) [تفسیر المنار] کہ کوئی مصیبت تم پر نہیں آتی، مگر تمہارا گناہ اس کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اور وہ بلا نہیں ٹلتی جب تک کہ تم اللہ تعالیٰ کے دروازے پر توبہ نہیں کرو گے۔

حج کس پر فرض ہے؟

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ [آل عمران:97]

اے میرے مدنی! ان ظالموں سے کہو: بیت المقدس کا تو حج نہیں ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے حج فرض کیا ہے تو اسی کعبہ کا کیا ہے، جس کی طرف رخ کر کے میں نماز پڑھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو لوگ طاقت رکھتے ہیں ان پر حج ہے۔ طاقت سے مراد ہے کہ مسلمان بھی ہو، عاقل بھی ہو، بالغ بھی ہو، مکہ تک آنے جانے کا خرچہ بھی ہو، امن بھی ہو، جان کو کوئی خطرہ نہ ہو، اگر عورت ہے تو اس کے ساتھ محرم بھی ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ نے زندگی میں ایک مرتبہ حج فرض کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کعبہ کے حج کو اتنی عظمت بخشی ہے فرمایا ہے کہ اگر تم طاقت کے باوجود پوری زندگی میں ایک دفعہ بھی نہ آؤ تو اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے، اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک ہے کہ جو دولت والے سرمایہ دار حج نہیں کرتے وہ یہودی ہو کر مریں یا نصرانی ہو کر مر جائیں اللہ تعالیٰ کو کیا پرواہ ہے۔ اتنی وعید شدید ہے۔ [تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۸۴ بحوالہ ابن مردویہ]

مکہ کے نام:

مکہ کا ایک نام پڑھا کہ بکہ بھی ہے، اسی طرح ''ام القریٰ، البیت العتیق، البیت الحرام، البلد الامین، المامون، ام رحم، عرش، القادس، المقدسة، الناسة، الحاطمة، کوثیٰ، البلدة، البینة، الکعبة'' بھی اس کے نام ہیں۔ کیونکہ کثرت اسامی مشرف پر دلالت کرتی ہے۔ اور کبھی ہیبت پر بھی دلالت کرتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء احادیث مبارکہ میں ثابت ہیں اور جیسا کہ اسد (شیر) کے لغت کے اندر کئی نام ہیں، بعض علماء نے اس پر رسالے لکھے ہیں، اسی طرح قیامت کے کئی نام ہیں اور جہنم کے بھی کئی نام آئے ہیں۔

مکہ کا نام بکہ اس لیے بھی رکھا گیا ہے کہ بڑے بڑے جبار، بڑے بڑے ظالم بھی یہاں آ کر جھکتے ہیں۔ اور

بعض علماء نے فرمایا: بکہ بکاء سے ہے، یعنی بہت سارے لوگوں کا آنا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے رونا۔ اور بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ازدحام بھی ہے کہ لوگ اس پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ اور بعض علماء نے کہا کہ بکہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہاں مرد اور عورتوں کا ایسا ازدحام ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں کہ عورتیں نماز کے اندر مردوں کے آگے کھڑی ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مکہ مقام فج سے تنعیم تک ہے اور اللہ تعالیٰ کے کعبہ سے بطحاء تک جگہ کا نام بکہ ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ بکہ کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ کے گھر اور مسجد پر ہے۔ حضرت میمون بن مہران کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کعبہ میں جو جگہ ہے وہ بکہ ہے اور باقی جگہ مکہ ہے۔
[تفسیر ابن کثیر: ۳/۱۱۵، ۱۱۶]

مقامِ ابراہیم:

مقامِ ابراہیم وہ پتھر ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر فرما رہے تھے، جب دیواریں ہاتھ سے اونچی ہو گئیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میں اوپر اونچائی پر کیسے پہنچوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ آپ اس پتھر پر کھڑے ہو جائیں۔ آپ اس پتھر پر کھڑے ہوئے اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام آپ کو پتھر اٹھا کر دیتے تھے اور پتھر اونچا ہو جاتا تھا اور آپ پتھر لگاتے تھے۔ یہی وہ پتھر ہے جو آج تک محفوظ ہے، جو اللہ پاک کے حرم کی نشانیوں میں سے کھلی ہوئی نشانی ہے کہ چار ہزار سال گزر گئے، لیکن آج بھی وہ پتھر موجود ہے۔ یہ پتھر پہلے بالکل کعبے کی دیوار کے قریب تھا؛ کیونکہ اصول بھی یہی ہے کہ پتھر دیوار کے قریب ہوگا تو پتھر لگائیں گے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ ﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ [البقرۃ: ۱۲۵] طواف کی دو رکعتیں مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھی جائیں تو اب لوگ جب اس جگہ نماز شروع کر دیتے تو طواف والوں کے لیے مسئلہ بن جاتا تھا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو اسی مقام پر جہاں اب ہے اس جگہ اس کو رکھنے کا حکم دیا تھا، تاکہ طواف والوں کے لیے جگہ خالی ہو جائے۔ [تفسیر ابن کثیر: ۲/۷۹]

تاریخ کے اندر ایک قول یہ بھی ہے کہ سیلاب آیا اور یہ پتھر اپنی جگہ سے دور ہو گیا تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اب اس کو دیوار کعبہ کے ساتھ نہ رکھو، بلکہ اس کو ایسے مقام پر رکھا جائے کہ لوگوں کو طواف کے اندر تکلیف نہ ہو۔ پھر یہاں پرانے دور میں ایک کمرہ اور مصلی اور نماز کی جگہ بنی ہوئی تھی، اس سے بھی طواف کے اندر بڑا مسئلہ پیدا



ہو جاتا تھا کہ ساری مخلوق وہاں آکر ٹکراتی تھی تو موجودہ حکومت نے اس کا حل یہ کیا کہ اس پتھر کو اس جگہ رہنے دیا جہاں اس کو خلفائے راشدین نے رکھا ہے اور باہر جو بلاوجہ کمرہ بنا ہوا ہے اس کو توڑ دیا اور اس کے اوپر بلور لگا دیا؛ کیونکہ لوگوں نے بدعات کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اس کو چومتے تھے، ہاتھ لگاتے تھے اور سجدے کرتے تھے، اس طرح کی بدعات کرتے تھے تو اس کے اوپر حکومت نے بلور لگوا دیا، تاکہ نظر بھی آئے اور کوئی اس کو چھو بھی نہ سکے اور یہ کم سے کم جگہ گھیرے اور طائفین کو تکلیف نہ ہو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں سب سے زیادہ حق طواف کرنے والوں کا ہے۔ ساری دنیا کی عبادتیں ہر جگہ ہو سکتی ہیں، لیکن طواف اللہ تعالیٰ کے کعبے کے علاوہ کہیں نہیں ہو سکتا۔

مفسرین کا ایک قول یہ ہے کہ مقامِ ابراہیم کا اطلاق صرف اس ایک پتھر پر نہیں، بلکہ سارے حرم پر مقامِ ابراہیم کا اطلاق ہے۔ بعض نے فرمایا: حطیم ہی مقامِ ابراہیم ہے۔ اور بعض نے فرمایا: حج کے تمام مناسک پر مقامِ ابراہیم کا اطلاق ہوتا ہے۔

مجرم کے لیے حرم میں بھی امن ہے:

﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے حرم کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ میں نے حرم کو امن والا بنایا۔ جب کوئی ڈرا ہوا آدمی اس میں داخل ہو جائے وہ ہر قسم کے خوف سے امن میں آجاتا ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ کا حرم امن کی علامت تھی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی انسان نے کوئی قتل کیا ہوا ہوتا ہے اور وہ اپنے گلے میں کوئی کپڑا ڈال کر حرم میں داخل ہو جاتا اور اس کو مقتول کا بیٹا دیکھ لیتا کہ میرے باپ کا قاتل ہے، لیکن جب تک وہ حرم میں ہوتا وہ اس کو کچھ نہ کہتا تھا۔

مجرم کو حرم سے پکڑنے کا طریقہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ((مَنْ عَاذَ بِالْبَيْتِ أَعَاذَهُ الْبَيْتُ، وَلٰكِنْ لَا يُؤْوَى وَلَا يُطْعَمُ وَلَا يُسْقَى، فَإِذَا خَرَجَ أُخِذَ بِذَنْبِهٖ)) [تفسیر ابن کثیر: ۳/۱۱۷] اگر کوئی آدمی بھاگ کر آئے اور اللہ تعالیٰ کے کعبہ میں پناہ پکڑے تو اللہ تعالیٰ کا کعبہ اس کو پناہ دیتا ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی قاتل یا مجرم ہے اللہ تعالیٰ کے حرم میں آگیا تو وہ پناہ میں آگیا۔ اب

اس پر پہرہ لگادو کہ اس کو پانی نہ ملے، کھانا نہ ملے، تا کہ وہ تنگ ہو کر باہر نکلے۔ جب باہر نکلے تو اس کو پکڑ لیا جائے۔

اس لیے امام ابو حنیفہ ؒ کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حدود حرم میں کسی کو سزا نہ دی جائے۔ اگر کوئی مجرم ہے، قاتل ہے، باغی ہے یا ڈاکو ہے، اگر وہ حرم میں آ گیا تو اس کو مجبور کرو کہ باہر نکلے۔ جب باہر نکلے تو آپ اس کو سزا دیں یا اگر وہ پکڑا گیا ہے تو اس کو حدودِ حرم سے باہر جا کر سزا دیں، تا کہ حرم کا احترام ہر طرح سے قائم رہے۔

امام احمد بن حنبل ؒ فرماتے ہیں: اگر اس نے حرم میں جرم کیا ہے تو اس کو حرم میں بھی سزا مل سکتی ہے۔ مقامِ ادب یہ ہے کہ ہر آدمی خود حرم کے احترام میں کسی دوسرے کو سزا نہیں دیتا، قتل نہیں کرتا، ورنہ اگر کوئی گناہ کا مرتکب ہوا کہ اس پر حد ہے تو حد ہوگی، قاتل ہے تو قصاص ہوگا اور سارق ہے تو قطع ید ہوگا۔ تو امام احمد بن حنبل ؒ فرماتے ہیں کہ اس کو حرم میں سزا دی جاسکتی ہے کہ جب اس نے اللہ تعالیٰ کے حرم کا خود احترام توڑ دیا ہے تو اب وہ کس احترام کا مستحق ہے؟

حرم میں رزق کی فراوانی:

دوسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ۝﴾ [قریش: ۳،۴]

اللہ تعالیٰ کا رزق ایک وعدہ عمومی ہے کہ کوئی جانور، کوئی چیز زمین پر چلنے والی نہیں، مگر اللہ تعالیٰ اس کو رزق دیتے ہیں۔ اور یہ سب کے لیے وعدہ ہے، چاہے مسلمان ہے، کافر ہے، مومن ہے، فاسق ہے، انسان ہے، چرند ہے یا پرند ہے۔ اور ایک وعدہ مکہ والوں کے لیے، حرم والوں کے لیے خاص ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اللہ تعالیٰ کے حرم کا احترام کرو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری بھوک بھی مٹائیں گے اور تمہارا ڈر بھی ختم کر کے تمہیں امن نصیب کریں گے۔ اس لیے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حرم میں صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ایسے مقام سے رزق دیتے ہیں کہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

موجودہ دور کے اندر لوگ دین سے بہت دور ہو گئے ہیں، ہمارے پاس عمل نہیں رہا۔ حرمین شریفین کا جو ادب اور عظمت ہے وہ بھی ہم صحیح معنوں میں ادا نہیں کر رہے، اس کے باوجود دنیا کے کسی ملک میں جائیں وہاں یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ وہاں سال، چھ مہینے بے کار رہیں اور آپ زندگی گزار لیں، مشکل ہے، لیکن اگر یہاں کچھ بھی نہ ہو تو

زندگی گزر جاتی ہے، یعنی اب بھی ہم گناہ گاروں کے لیے اتنی برکات ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے دروازے پر صحیح معنوں میں بیٹھ جائیں اور عبادت کریں ان کے لیے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے: ﴿اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ کہ اس کو امن دیں گے اور دوسرا اس کو کھانا اور رزق دیں گے۔

بعض علماء نے مختلف بلاد کے خصائص لکھے ہیں کہ فلاں بلد کی یہ خصوصیت ہے اور فلاں قوم کی یہ خصوصیت ہے۔ انہوں نے خصائص مکہ کے اندر لکھا ہے کہ کوئی بھی باہر سے آنے والا آدمی اللہ تعالیٰ کے حرم میں بھوکا نہیں سوتا اور کچھ نہ ہو تو زم زم تو ہے۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسجد حرام کی یہ بھی حرمت ہے کہ حرم کے اندر شکار نہ کھیلیں، کسی گھونسلے کے اندر بیٹھے ہوئے پرندے کو بھی نہ اڑائیں اور یہ بھی حکم ہے کہ حدود حرم کے اندر کوئی گھاس، کوئی درخت نہ کاٹیں۔ یہ حرم کا امن ہے کہ جو صرف بندوں کو نہیں ملا، بلکہ درختوں اور گھاس اور چرند پرند کو بھی ملا ہے۔

اس سے اندازہ کریں کہ جہاں جانور کو پتھر مارنا ناجائز ہو، وہاں جو لوگوں کو قتل کر دیں ان سے بڑے بدبخت دنیا میں نہیں ہوں گے۔

حرم اب سب کے لیے حرم ہے:

(حدیث) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا هِجْرَةَ، وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ، وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ، فَانْفِرُوا)) [بخاری، رقم: ۱۸۳۴] اب مکہ سے ہجرت بند ہے، مگر آدمی جہاد کی غرض سے یا کسی اور غرض سے جا سکتا ہے۔ اگر تمہیں جہاد کے لیے بلایا جائے تو چلے جاؤ۔

((فَإِنَّ هٰذَا بَلَدٌ حَرَّمَ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، وَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَلَمْ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ، وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا، وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا، قَالَ الْعَبَّاسُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِلَّا الْإِذْخِرَ، فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوتِهِمْ، قَالَ: قَالَ: إِلَّا الْإِذْخِرَ)) [صحیح بخاری، رقم: ۱۸۳۴]

اور اسی طرح فرمادیا کہ یاد رکھو! اس بلد (مکہ) کو اللہ تعالیٰ نے حرمت والا بنایا ہے۔ جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اس کی حرمت کا حکم اس وقت سے ہو گیا۔ کسی قتال کی اجازت نہیں اور نہ کسی کے لیے



اللہ تعالیٰ کا حرم حلال ہے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: یاد رکھو! مجھ سے پہلے بھی کسی کے لیے اللہ تعالیٰ کا حرم حلال نہیں کیا گیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی چند گھڑیوں کے لیے حرم کے اندر قتال کرنے کی اجازت دی تھی اور ان گھڑیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بھی اور میری امت کے لیے بھی قیامت تک حرام کر دیا۔ اور فرمایا: خبردار! یہاں کا کوئی کانٹا بھی نہ کاٹا جائے اور اس میں شکار نہ کیا جائے۔ اگر حرم کے اندر کوئی چیز پڑی ہے تو نہ اٹھائیں، مگر جو آدمی اس نیت سے اٹھائے کہ میں اس کا اعلان کروں گا، تاکہ اصل مالک کو مل جائے۔ اور فرمایا: اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے، کسی درخت کی ٹہنی بھی نہ توڑیں۔ جب آپ ﷺ یہ فرما رہے تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مہربانی فرما کر اذخر (ایک قسم کی گھاس) کی اجازت دے دیں؛ کیونکہ یہ آگ جلانے والوں کے لیے اور لوہار کے کام آتی ہے، وہ کہاں سے لکڑی لے کر آئیں گے؟ آپ ﷺ نے اذخر کی اجازت دے دی۔ یاد رکھیں! اذخر کی اجازت دینا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے؛ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نہ اپنی منشاء سے کسی چیز کو حرام فرماتے ہیں اور نہ حلال فرماتے ہیں۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو شریح نے حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ سے کہا: جب وہ مکہ کی طرف وفد بھیج رہے تھے کہا: اے امیر! مہربانی کریں اور مجھے اجازت دیں، میں آپ کو وہ اقوال سناتا ہوں جو میرے آقا ﷺ نے فتح مکہ والے دن بیان فرمائے تھے۔ وہ بات میرے کانوں نے سنی، میرے دل نے اس کو محفوظ رکھا اور میں نے اپنی آنکھوں سے محمد پاک ﷺ کو دیکھا۔ جب آپ ﷺ یہ بات فرما رہے تھے کہ آپ نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف وثنا بیان کی اور اس کے بعد فرمایا: اے لوگو! سن لو! مکہ کے حرم کی حرمت کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا، کسی بندے نے حرام نہیں کیا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ حرمت پر بھی ایمان رکھتا ہے۔ خبردار! اگر کوئی لوگ میری جنگ سے استدلال پکڑیں تو ان کو بتایا جائے کہ میں نے یہ جنگ اپنی منشاء سے نہیں کی، بلکہ میرے اللہ تعالیٰ نے مجھے چند گھڑیوں کے لیے اجازت دی ہے اور اس کے بعد اس کی حرمت اسی طرح قائم ہو گئی۔ جو لوگ میری بات کو سن رہے ہیں وہ ان کو پہنچائیں جو غائب ہیں۔ حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سننے کے بعد کہا کہ میں بھی اس مسئلہ کو جانتا ہوں، لیکن یاد رکھو کہ حرم کسی نافرمان کو پناہ نہیں دیتا، کسی قاتل کو پناہ نہیں دیتا، حرم کسی ایسے آدمی کو جو دہشت گردی کرنا چاہے اور فتنہ ڈالنا چاہے اس کو بھی پناہ نہیں دیتا۔ [بخاری، رقم: ۱۸۳۲]



(حدیث) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا: ((لَا يَحِلُّ لِأَحَدِكُمْ أَنْ يَحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ)) [صحیح مسلم، رقم: ۱۳۵۶] کہ کسی بندے کو اجازت نہیں کہ وہ حرم میں ہتھیار اٹھائے، یعنی لڑائی کے لیے ہتھیار نہ اٹھائے۔ اگر اس نے ویسے ہتھیار اٹھائے ہیں، امن قائم کرنے کے لیے ہتھیار اٹھائے ہوئے ہیں اس کو اجازت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عدی بن الحمراء الزہری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ میں نے حضور پاک ﷺ کی زبان مبارک سے سنا ہے آپ حزورہ (مکہ کے ایک بازار) میں کھڑے فرما رہے تھے: مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے! ساری دنیا کی زمین میں سب سے بہتر اے مکہ! تو ہے، اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور مجھے بھی محبوب ہے۔ اگر میری قوم مجھے مجبور کر کے حرم سے نہ نکالتی تو میں کبھی حرم کو چھوڑ کر نہ جاتا۔ [ترمذی، رقم: ۳۹۲۱]

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امن سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے عذاب سے امن میں لائیں گے۔ شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے احکام پر ایمان لائے۔

مسجد حرام میں داخل ہونے کے فوائد:

(حدیث) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ دَخَلَ الْبَيْتَ دَخَلَ فِي حَسَنَةٍ وَخَرَجَ مِنْ سَيِّئَةٍ وَخَرَجَ مَغْفُورًا لَهُ)) [سنن بیہقی، رقم: ۹۷۲۵] جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے حرم میں داخل ہوا گویا وہ بھلائی اور نیکیوں میں داخل ہوا اور گناہوں سے نکل گیا اور اس حال میں نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیں گے۔

حج کس پر فرض ہے؟

مکہ کی ایک عظمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کا حج ہر اس انسان پر جو طاقت رکھتا ہے۔ زندگی میں ایک بار فرض کر دیا۔ طاقت کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ مسلمان ہو؛ کیونکہ کافر پر حج فرض نہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ بالغ ہو اور اگر نابالغ ہونے کی حالت میں حج کیا ہے تو اس سے فرض ادا نہیں ہوگا، نفلی حج ہو جائے گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ آزاد ہو۔ اگر غلام ہے تو وہ سردار کے تابع ہے۔ جب تک وہ اجازت نہ دے وہ سفر نہیں کر سکتا۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ غنی ہو اور اپنے گھر سے لے کر مکہ مکرمہ تک آنے جانے کا کھلا خرچ اس کے پاس موجود ہو۔ راستے میں بھی

امن ہو، راستے میں کسی کے مارڈالنے کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ اگر عورت ہے تو اس کے لیے محرم کے ساتھ ہونا شرط ہے۔ اگر اس کے ساتھ محرم نہ ہو تو وہ حج پر نہیں آسکتی۔ محرم سے مراد وہ آدمی جس سے نکاح کرنا حرام ہے یا وہ اس کا خاوند ہو۔ اللہ نے حج اس کعبہ کا رکھا ہے، نہ مسجد اقصیٰ کا اور نہ مسجد نبوی کا۔ اس سے بڑی عظمت کعبہ کی کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر زندگی میں ایک دفعہ کعبہ میں حاضر ہونا فرض کر دیا ہے۔

جب یہ آیت اتری تو اس کے اندر مفسرین کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ [آل عمران: ۹۷] وہی آیت ہے جس سے حج فرض ہوا۔ اور بعض فرماتے ہیں ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ [البقرۃ: ۱۹۶] اس آیت سے حج کی فرضیت ہے، لیکن پہلا قول صحیح اور راجح ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے حج کے فرض ہونے کا حکم دیا ہے اور اس دوسری آیت کے اندر اتمام کا حکم ہے کہ اگر حج یا عمرہ کرو تو اس کو پورا کرو۔

حج زندگی میں ایک بار فرض ہے:

(حدیث) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ، فَحُجُّوا، فَقَالَ رَجُلٌ: أَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ لَوَجَبَتْ، وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ: ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ)) [صحیح مسلم، رقم: ۱۳۳۷]

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے، حج کرو۔ ایک صحابی نے عرض کیا: کیا ہر سال ہم پر حج فرض ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ اس نے دوسری دفعہ کہا، آپ چپ ہو گئے۔ اس نے تیسری دفعہ کہا تو آپ چپ رہے۔ اس کے بعد فرمایا: تم جو بار بار پوچھ رہے ہو کہ ہر سال، ہر سال اگر میں کہہ دیتا کہ ہر سال فرض ہے تو ہر سال فرض ہو جاتا۔ اور اس قول کے بعد آپ نے ایک جامع نصیحت فرمائی کہ خبردار! میں جب تک کوئی بات نہ کہوں تم بھی زیادہ نہ پوچھا کرو۔ پہلے لوگ اسی وجہ سے برباد ہو گئے کہ اپنے انبیاء پر کثرت سوال کیا کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب اللہ تعالیٰ نے سخت احکام فرض کر دیئے تو ان کو پورے نہ کر سکے تو ناکام ہو گئے۔ اس لیے میں جس چیز کا حکم کروں اس کی تعمیل کرو اور جس چیز سے منع کروں اس سے رک جاؤ۔ کیونکہ جب نبی موجود ہوتے ہیں، اگر پوچھو

گے تو وجی آئے گی، پھر تم نہیں کر سکو گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے بندوں کے لیے رحم کے فیصلے فرماتے ہیں، بظاہر اگرچہ ہمیں کتنی تکلیف نظر آ رہی ہو۔

فرشتوں کی بے ادبی کرنے کا عذاب:

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنے زمانے کا واقعہ لکھا ہے کہ جب ہم حدیث شریف پڑھتے تھے تو حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب طالب العلم اللہ کے دین کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ تو ایک معتزلی طالب علم نے یہ حدیث سنی تو کہنے لگا کہ کل سے جوتے کے نیچے میخیں لگواؤں گا اور فرشتوں کے پر توڑ دوں گا۔ اور اس نے جوتے کے نیچے باقاعدہ میخیں لگوائیں۔ اس کے بعد چلا اور پاؤں زمین پر مارے، تا کہ فرشتوں کو تکلیف ہو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں؛ کیونکہ جب اللہ کے نبی نے فرمایا کہ فرشتے پر بچھاتے ہیں، ضروری تو نہیں کہ وہ پر ہمارے پاؤں کے نیچے دیتے ہیں، بلکہ معنی یہ ہے کہ تواضع اور احترام کرتے ہیں۔

حج کے لیے استطاعت سبیل کا معنی:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ [آل عمران:97]

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج پر تشریف لائے تو اپنی ازواج مطہرات کو بھی ساتھ لے آئے۔ اور فرمایا: اب تم اچھی طرح حج کر لو۔ اس کے بعد تو پابندی کا زمانہ ہے، یعنی اس طرف اشارہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات قریب ہے؛ کیونکہ جب آپ کی وفات ہو جائے گی تو ازواج مطہرات کا اکیلے سفر کرنا منع ہے۔ حکم تھا: ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ [الاحزاب:33] تو اس سے معلوم ہوا کہ جب تک عورت کے ساتھ محرم نہ ہو وہ حج کا سفر نہیں کر سکتی۔

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: استطاعت کے احکام کتب احکام کے اندر کتاب الحج کے اندر ساری تفصیلات مل جائیں گی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((قَامَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَنِ الْحَاجُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الشَّعِثُ التَّفِلُ، فَقَامَ



رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ: أَيُّ الْحَجِّ أَفْضَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الْعَجُّ وَالثَّجُّ، فَقَامَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ: مَا السَّبِيْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ)) [ترمذی، رقم:۲۸۹۶]

ایک آدمی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں کھڑا ہوا، اس نے پوچھا: یارسول اللہ! حاجی کی کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا: حاجی کی صفت یہ ہوتی ہے کہ اس کے بال بکھرے ہوئے، میلی کچیلی حالت میں ہوتا ہے۔ (یہ اس زمانے کے مطابق تھا) دوسرے صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کونسا حج زیادہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستے میں ''لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ'' کا شور مچانا اور قربانی ذبح کرنا۔ تیسرے صحابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! سبیل سے کیا مراد ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کے پاس خرچہ بھی ہو اور سواری بھی (اب موجودہ حالات کے مطابق اس کے پاس راستے کا کرایہ) کھانا پینا ہو تو اس پر حج فرض ہے۔

کیا لڑکیوں کی شادی کرنا حج فرض کے لیے رکاوٹ ہے؟

سبیل سے معلوم ہوا کہ جس آدمی کے پاس خرچہ بھی ہے، سواری کا انتظام بھی ہے، اس پر حج فرض ہے۔ باقی ہمارے بعض لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ پہلے اس کی شادی کرو، اگرچہ اس کو دس سال رشتہ نہ ملے تو کیا حج ختم ہو جائے گا؟ اگر دو لڑکیاں ہوں تو کیا نماز بھی ختم ہو جائے گی کہ پہلے ان کا رشتہ کریں؟ یاد رکھیں! حج کی فرضیت اپنی جگہ ہے اور لڑکے لڑکیوں کی ذمہ داریاں اپنی جگہ ہیں۔ اگر حج فرض ہو جائے تو اس میں غفلت نہ کی جائے؛ کیونکہ موت کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ یا کئی کروڑوں پتی ہوتے ہیں، اگلے سال کنگال ہو جاتے ہیں اور کوئی غریب ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو دولت دے دیتے ہیں۔

علماء نے اس پر بھی کتابیں لکھی ہیں کہ حج علی الفور فرض ہے یا علی التراخی فرض ہے۔ بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ جب صاحب استطاعت ہو جائے تو فوراً حج کرے۔ اور بعض ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ اگر فوراً حج نہیں کر سکا، سال دو سال لیٹ ہو گیا تو کوئی بات نہیں، لیکن حج ادا کرے۔

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۞ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۞﴾

[آل عمران: ۹۸، ۹۹]

''کہہ دو کہ اے اہل کتاب! اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو؟ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب کا گواہ ہے۔
کہہ دو کہ اے اہل کتاب! اللہ کے راستے میں ٹیڑھ پیدا کرنے کی کوشش کر کے ایک مومن کے لیے اس میں کیوں رکاوٹ ڈالتے ہو جبکہ تم خود حقیقت حال کے گواہ ہو؟ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔''

ان آیات مبارکہ میں دوبارہ اہل کتاب کو خطاب ہے۔ بعض تثلیث کے قائل ہیں، بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود خدا کہتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ جن کو یہ پتہ نہیں کہ انجیل کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کون ہیں؟ وہ مذہب سے بیزار ہیں، لیکن ان کے ساتھ بھی لفظ اہل کتاب لگتا ہے، جبکہ اہل کتاب وہ سمجھے جائیں گے جو صحیح معنی میں اپنی کتاب پر تو عمل کرتے ہیں، اگرچہ کتابیں بدل گئیں، تحریف ہو گئی، لیکن کچھ نہ کچھ تو مانتے ہوں، لیکن جو لوگ بالکل جانتے نہیں ہیں ان کو خطاب آیا:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [آل عمران:۹۸]

اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو؟ اور اللہ تعالیٰ گواہ ہیں، جاننے والے دیکھنے والے ہیں جو کچھ تم کر رہے ہو۔

ان آیات کے اندر تہدید و دھمکی ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ جو کچھ کر رہے ہیں اس کا کسی کو پتہ نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، یعنی تمہیں اس کی سزا دیں گے اور اگر تمہارے اعمال صحیح ہو جائیں گے تو جزا دیں گے، لہٰذا جھوٹ نہ بولو۔

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ [آل عمران:۹۹]

اے اہل کتاب کیوں لوگوں کو منع کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے راستے سے؟

''سَبِيْلِ اللّٰهِ'' سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء نے فرمایا: ایمان مراد ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا مراد ہے۔

اہل کتاب کے لوگوں کو اسلام سے روکنے کے ڈھنگ:

﴿لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ [آل عمران:۹۹]

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جو ایمان لائے اس کو بھی کجی کے راستے پر چلا دیں اور اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہیں ان چیزوں سے جو تم کرتے ہو۔

ان آیات کے اندر بتایا گیا ہے کہ اہل کتاب خود بھی ایمان نہیں لاتے تھے اور دوسروں کو بھی ایمان لانے سے روکتے تھے کہ ان کے ذہنوں میں شبہات ڈال دیتے تھے، اسی طرح آپ پڑھ چکے ہیں کہ اہل کتاب کے دس آدمیوں نے مشورہ کیا تھا کہ ہم مل کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں جاتے ہیں، ان پر ایمان لاتے ہیں اور شام کو کافر بن کر نکل جائیں گے، تاکہ لوگ سمجھیں گے کہ یہ پڑھے لکھے لوگ تھے، اسلام بھی لے آئے، لیکن اسلام کو چھوڑ کر نکل گئے۔ آخر کوئی بات ہے۔ اس طرح بھی دوسروں کو اسلام سے روکنا ہے۔

اور اس طرح جب ان سے لوگ حضور اکرم ﷺ کی صفات پوچھتے تھے تو جو صفات تورات کے اندر تھیں ان کے اندر تحریفات کر کے کہتے کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں، ان کی صفت تو یوں ہے۔ اس طرح بھی لوگوں کو اسلام لانے سے روکتے تھے۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۗ وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝﴾ [آل عمران: ۱۰۰، ۱۰۱]

''اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی بات مان لوگے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تم کو دوبارہ کافر بنا کر چھوڑیں گے۔ اور تم کیسے کفر اپناؤ گے جبکہ اللہ کی آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں اور اس کا رسول تمہارے درمیان موجود ہے؟ اور (اللہ کی سنت یہ ہے کہ) جو شخص اللہ کا سہارا مضبوطی سے تھام لے، وہ سیدھے راستے تک پہنچا دیا جاتا ہے۔''

اے ایمان والو! اگر تم نے فرمانبرداری کی ایک جماعت کی جو اہل کتاب میں سے ہے، وہ تمہیں نکال ڈالیں گے ایمان لانے کے بعد اور کفر کی طرف لٹا دیں گے، کیسے تم کفر کرو گے (یعنی تم تو کفر نہیں کر سکتے)؟ کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے قرآن پڑھنے والے ہو، اللہ تعالیٰ کا رسول تمہارے اندر موجود ہے تو تم کیسے کافر ہو سکتے ہو؟ یعنی تم ہرگز

کافر نہیں بن سکتے ۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرلیا وہی ہے جس کو صراط مستقیم کی ہدایت کی گئی ۔ تم لوگ تو اللہ تعالیٰ کو بھی ماننے والے، اللہ کے نبی کو بھی ماننے والے اور اللہ تعالیٰ کے قرآن کے بھی پڑھنے والے ہو تو تم کیسے کفر کرسکتے ہو؟ لیکن یہ کافر یہی چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان سے کفر میں ڈال دیں۔

ان آیات کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرآن کے اندر باطل کا رد موجود ہے، ہر کذب کا رد موجود ہے اور ہر حق، صدق وعدل کی شہادت موجود ہے ۔ تو اللہ تعالیٰ کا قرآن پڑھنے والا، حضور اکرم ﷺ کے فرمان کو صحیح طور پر پڑھنے اور سمجھنے والا اور آپ کے فرمان پر چلنے والا کوئی بندہ کبھی فرق باطلہ کے دھوکے میں نہیں آسکتا۔

حسد اور دشمنی کی ایک وجہ:

یاد رکھیں! حسد ہمیشہ اس سے ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کوئی شان دے ۔ اس لیے آپ دیکھیں گے کہ عام آدمی کی کوئی مخالفت نہیں کرتا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت دی اس کے خلاف باتیں ہوں گی ۔ اس کی بزرگوں نے مثال دی ہے کہ جس درخت پر پھل ہوتے ہیں بچے اسی کو پتھر مارتے ہیں اور جس درخت پر پھل ہی نہ ہوں اس کو کون پتھر مارے گا؟ اس لیے گلہ اور مخالفت ان امتوں کی اور ان عظیم شخصیتوں کی ہوتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ شان دیتے ہیں اور جتنی شان بڑی ہوگی اتنی مخالفت بھی بڑی ہوگی ۔ ایک عام آدمی کے مقابلے پر عالم کی زیادہ مخالفت ہوگی، عالموں سے اور آگے چلے جائیں تو ائمہ وفقہاء کی دیکھ لیں کتنی مخالفت ہے!!؟ آج بھی ان کی گستاخی کرنے والے موجود ہیں؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ائمہ کو شان جو دی ہے ۔ اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کی کتنی بڑی شان ہے، لیکن ان کی مخالفت کرنے والے بھی آج موجود ہیں۔

حضور ﷺ کو اَن دیکھے ایمان لانے والوں کی فضیلت:

(حدیث) حضور اکرم ﷺ نے ایک دن صحابہ سے پوچھا کہ تم میں سب سے زیادہ بہتر ایمان والے کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: فرشتے ۔ آپ نے فرمایا: فرشتے کیسے ایمان نہ لاتے، کیونکہ وہ تو اپنے رب کے پاس ہیں؟ صحابہ نے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ ایمان کیسے نہ لاتے، حالانکہ ان پر تو وحی نازل ہوتی تھی؟ صحابہ نے عرض کیا: سب سے زیادہ اعجب ایمان والے لوگ ہم ہیں ۔ آپ نے فرمایا: تمہارا کیا کمال ہے!؟ تم کیسے ایمان نہ لاتے، حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا: پھر لوگوں میں سے بہتر ایمان والے

کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے نہ نبی کو دیکھا ہے اور نہ وحی اترتی دیکھی ہے، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کا قرآن پڑھا اور ایمان لے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کا ایمان بڑا پسندیدہ ہے۔

اللہ پر بھروسہ کا حکم:

﴿وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط رکھو اور اللہ تعالیٰ پر توکل رکھو؛ کیونکہ ہدایت دینے میں سب سے عمدہ چیز اللہ تعالیٰ پر توکل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ پر توکل رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اس کو گمراہیوں سے بچاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل ہدایت کا راستہ ہے، وہی سیدھا راستہ ہے اور وہی مراد کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑو، اللہ تعالیٰ سے ہدایت چاہو۔ جب آدمی اللہ تعالیٰ پر توکل کر لیتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اس کے لیے کافی ہو جاتی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝﴾

[آل عمران: ۱۰۲، ۱۰۳]

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے (ایسے) ڈرو (جیسا کہ) اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور اللہ کی رسی (دین) کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں کھول کھول کر واضح کرتا ہے، تاکہ تم راہِ راست پر آ جاؤ۔"

ربطِ آیات:

ان آیات کے اندر ایمان والوں کو حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ سابقہ آیات کے اندر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی دو برائیوں کا ذکر فرمایا: ایک تو وہ خود کفر کرتے تھے اور دوسرا ایمان لانے والوں کو بھی منع کرتے تھے۔ اس کے بعد مومنین کو ہدایت تھی کہ اگر تم اہل کتاب کی کسی ایک جماعت کے کہنے میں آ گئے تو یہ تمہیں ایمان سے نکال ڈالیں گے؛ کیونکہ ان کو اسلام سے عداوت ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہودی کی سازش سے جنگ کا غبار بھڑک اٹھا:

اسی ضمن میں محدثین نے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ انصار کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج تھے۔ یہ مدینہ منورہ کے اصل رہائشی تھے، ان دونوں کے اندر بڑی خانہ جنگیاں تھیں، لیکن جب حضور اکرم ﷺ تشریف لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ملا دیا اور دونوں اسلام کے اندر داخل ہو گئے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ان دونوں کے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ ایک یہودی شاس بن قیس وہاں سے گزرا اور اس نے دیکھا کہ دونوں قبیلے شیر و شکر ہو کر بیٹھے ہیں تو اس کے دل میں بڑی چوٹ لگی اور وہ ان دونوں قبیلے والو کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہا۔ اس کے بعد زمانہ جاہلیت کے کچھ اشعار سنائے، جن کو وہ دونوں قبیلے لڑائیوں کے زمانہ میں ایک دوسرے کے خلاف پڑھا کرتے تھے اور ان کو بہادری کی داستانیں یاد دلائیں کہ تم تو بڑے بہادر اور جنگجو لوگ تھے، مسلمان ہو کر تم بالکل مر گئے ہو۔ تو ان کا خون کھول اٹھا اور دونوں قبائل کے نوجوان لڑائی کے لیے کھڑے ہو گئے، تلواریں نکل آئیں اور قریب تھا کہ جنگ چھڑ جاتی، حضور اکرم ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا: یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اسلام اور ایمان لانے کے بعد اب بھی تمہارے اندر جاہلیت کے آثار باقی ہیں؟ میں بھی تمہارے اندر موجود ہوں۔ ابھی تم میری زندگی کے اندر لڑ رہے ہو تو بعد میں کیا ہوگا؟ جب آپ ﷺ نے خطاب فرمایا تو دونوں قبائل ٹھنڈے ہو گئے۔ پھر سے دونوں ایک دوسرے کے گلے مل گئے۔

[تفسیر ابن کثیر: ۳/۱۳۶، ۱۳۷]

اللہ تعالیٰ کی صحابہ کو نصیحت:

اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ

رَسُوْلُهٗ﴾ کہ تم کیسے کفر کرتے ہو، جبکہ اللہ تعالیٰ کی آیات تم پر پڑھی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رسول تمہارے اندر موجود ہے؟ اس آیت کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں: بعض علماء نے فرمایا: یہاں کفر سے مراد کفر اعتقادی ہے کہ تم پھر ایک دوسرے کے قتل کو حلال جان کر کھڑے ہو گئے ہو۔ اور بعض علماء نے فرمایا: کفر عملی مراد ہے کہ لڑائی کرنا، کسی کو قتل کرنا یہ تو کافروں کا کام ہے، مسلمانوں کا یہ کام تو نہیں ہے۔ اسلام سلامتی کا دین ہے اور ایمان امن کی علامت ہے۔ اسلام تو ناپاک جانور پر بھی بلاوجہ ظلم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

پہلے خود عمل کرو تو دوسروں پر اثر زیادہ ہوتا ہے:

اب ان آیات کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ جیسے کافروں میں دو برائیاں تھیں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو دو اچھائیوں کا حکم دیا ہے کہ ایک تو تم خود اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور دوسری صفت یہ ہونی چاہیے کہ بھلائی کا حکم کرو اور برائی سے منع کرو۔

علماء کرام اور مفسرین عظام نے لکھا ہے کہ آدمی فی ذاتہ پہلے خود کامل بنے۔ جب اپنے اندر کمال پیدا کر لے تو پھر دوسرے کے اندر کمال کا ذریعہ بنے۔ یعنی اگر تم خود نماز نہیں پڑھتے ہو تو دوسروں پر کیا اثر ہوگا؟ خدا نہ کرے باپ نماز نہیں پڑھتا، ماں نماز نہیں پڑھتی تو بچوں کو کون نماز پڑھائے گا؟ بچے کو لاکھ کہتے رہو "نماز پڑھو" وہ کہاں پڑھے گا؟

یاد رکھیں! علم کی فضیلت زیادہ ہے، علم فضیلت میں عمل سے مقدم ہے اور اثر کے اعتبار سے عمل زیادہ ہے۔ ایک آدمی زبانی کلامی بات کہتا رہے، اس کا اثر اتنا نہیں ہوتا جتنا اثر عمل کر کے دکھانے کا ہوتا ہے۔ آپ دیکھیں! ہمیں کافروں نے کبھی لیکچر نہیں دیا، خط نہیں بھیجا کہ تم اپنی لڑکیوں کو عریاں لباس پہناؤ، بلکہ وہ خود اپنی لڑکیوں کو ایسا لباس پہنا کر سڑک پر نکل آئے۔ اس لیے عمل کا ایک عجیب اثر ہے۔ اگر آدمی خود عامل نہ ہو اور دوسروں کو ہدایت کرے تو اس کا اثر نہیں ہوتا۔

(واقعہ) ایک اللہ والے کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت بچہ لے کر آئی اور کہا کہ حضرت! یہ گڑ کھاتا رہتا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ کوئی بیماری نہ لگ جائے۔ دعا کریں اللہ تعالیٰ اس کی عادت کو چھڑائیں۔ ان بزرگوں نے فرمایا: کل بچے کو لے آنا، ہم دعا کریں گے۔ وہ بچے کو لے کر چلی گئی۔ ان اللہ والوں کے خادموں نے نے عرض کیا کہ دعا

فرمادیتے، بوڑھی عورت تھی۔ آج بچے کو لے آئی تھی اور کل پھر بچے کو لے کر دھکے کھائے گی؟ فرمایا: اللہ کے بندو! آج صبح میں نے خود میٹھا کھایا ہوا تھا تو میری طبیعت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ خود میٹھا کھا کے بیٹھا ہوا ہوں تو دوسروں کے لیے کیسے دعا کروں کہ میٹھا چھوڑ دے۔

تقویٰ کے درجات:

علماء نے فرمایا: تقویٰ کے بھی مدارج ہیں:

- ......سب سے پہلا درجہ ''اِتِّقَاءٌ مِنَ الشِّرْكِ'' ہے کہ شرک سے بچ جاؤ۔
- ......دوسرا درجہ یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں سے بچ جاؤ۔
- ......تیسرا درجہ یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کے ساتھ ساتھ صغیرہ گناہوں سے بھی بچ جاؤ۔
- ......اوران سب سے بڑا درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہیں اور کسی کا خیال بھی نہ ہو۔

خوشی اور غمی میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی حالت:

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے، ان کو ایک بہت بڑی خوشخبری ملی۔ فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ!''۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کو اندوہناک خبر ملی تو آپ نے فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ''۔ جب آپ علیحدہ ہوئے تو حجت والے خادم نے کہا: یہ اچھی بات ہے خوشی آئے تو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ!''، غم آئے تو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ!'' ہمیں تو یہ مسئلہ سمجھ نہیں آیا!؟ انہوں نے فرمایا: نہ خوشی کچھ ہے اور نہ غم کچھ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب خوشی ملی تو میں نے اپنے دل کی کیفیت پر غور کیا کہ خوشی میں آ کر کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوگئی؟ تو دیکھا کہ وہ اسی حالت پر ہے تو میں نے کہا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ!''۔ اور جب غمی ملی تو میں نے دل پر غور کیا کہ غم کے اندر ڈگمگا تو نہیں گیا ہے؟ لیکن وہ اپنی حالت پر تھا تو میں نے کہا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ!''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے ایک دن پوچھا: مجھے بتائیں تقویٰ کا کیا معنی ہے؟ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے بڑی پیاری تفصیل بیان فرمائی کہ میں آپ کو سمجھاتا ہوں، لیکن آپ مجھے یہ بتائیں کہ کبھی آپ کا ایسے راستے سے گزر ہوا کہ جس پر کانٹے پڑے ہوئے ہیں، درمیان میں بڑا باریک راستہ ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کئی دفعہ گزرے ہیں۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب آپ وہاں سے

گزرے تو آپ کیسے گزرے؟ آپ نے فرمایا: کپڑے اونچے کر لیے، تا کہ کپڑا کانٹے میں نہ اٹک جائے اور نظر راستے پر رکھتے ہیں کہ پاؤں پھسل نہ جائے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسی کا نام تقویٰ ہے۔

[تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۶۴]

ادھر عورت کا حسن اور ادھر شہوانیت بلا رہی ہو، لیکن سیدھا جنت کا راستہ ہے اور ادھر ادھر ہلاکتیں ہیں۔ اب ہم نے بھی ہر گناہ سے بچنا ہے اور منزل پر پہنچنا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی کا سادہ سا ولیمہ:

خدا کی قدرت ہے کہ آج گناہ سستا ہے اور حلال مہنگا ہے۔ آج کوئی غریب بھی شادی کرنا چاہے تو لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپے معمولی سی بات ہے اور اگر کوئی اچھی شادی کرے تو لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایسی شادی ہم نے کبھی دیکھی ہی نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ آج میرا ولیمہ ہے۔ جس کے گھر میں جو کھانا ہے وہ ظہر کے وقت مسجد میں لے آئے۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ کوئی ستو لے آیا، کوئی کھجور لے آیا اور کوئی سبزی لے آیا۔ دستر خوان بچھا کر کھانا لگا دیا گیا اور ہم نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔

آج اگر ایسی شادی ہو تو کوئی مشکل نہیں، لیکن آج حرام سستا ہے اور حلال مہنگا ہے۔

کتے چھوڑ رکھے ہیں، ڈھیلے باندھ رکھے ہیں:

(حکایت) شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک بزرگ سردی کے موسم میں ایک ایسی بستی سے گزر رہے تھے کہ اتفاق سے محلے کے کچھ کتوں نے حملہ کیا۔ انہوں نے ان کو بھگانے کے لیے جب پتھر اٹھائے تو اٹھائے نہ جا سکے تو ایک جملہ فرمایا کہ اس بستی والے بڑے عجیب لوگ ہیں کہ کتوں کو چھوڑ دیا ہے اور پتھروں کو باندھ دیا ہے۔

تو یہ مثال آج ہمیں سمجھ آتی ہے کہ حرام کو ہم نے چھوڑ رکھا ہے اور حلال کو باندھ رکھا ہے۔ آج کوئی آدمی جتنا گناہ اور برائی کرنے والا ہے وہ اکڑ کر چل رہا ہے اور جتنا شریف ہے اتنا ڈرا ہوا ہے۔

تقویٰ اختیار کرنے کا حکم:

اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ [آل

عمران:۱۰۲] اور دوسری آیت کے اندر حکم دیا: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن:۱۶] تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو جتنی تمہاری طاقت وقوت ہے۔ اور جو چیز تیرے ہاتھ سے باہر ہے وہ تیری طاقت میں نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب تقویٰ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا معنی یہ ہے کہ ہر حکم میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اللہ کی نافرمانی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، اس کو نہ بھولو۔ اور ہر بات میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔ یہ تقویٰ کا مقام ہے۔

[تفسیر ابن کثیر:۲/۸۷]

﴿وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ اور نہ مرو تم، مگر اس حال میں کہ تم اسلام پر ہو۔ یعنی ایک دن کے لیے تقویٰ اختیار نہ کرو، بلکہ مرتے دم تک تقویٰ اختیار کرو؛ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ))[1] اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اگر ایمان پر خاتمہ ہوگا تو نجات ہوگی۔ اگر ساری زندگی تہجد پڑھتا رہے، لیکن مرنے سے پہلے......نعوذ باللہ......کافر ہو گیا تو کوئی فائدہ نہیں اور اگر ساری زندگی کفر پر رہا، لیکن مرنے سے پہلے مسلمان ہو گیا تو کامیاب ہو گیا۔

اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے دو حکم دیئے ہیں: ایک تقویٰ اختیار کرو اور دوسرا اس پر ثابت قدم رہو، تاکہ تمہارا خاتمہ ایمان پر ہو۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" دَخَلَ الْجَنَّةَ))[2] جس کی مرنے کے وقت آخری بات یہ ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو سمجھ لو کہ وہ جنت میں گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تقویٰ نصیب فرمائیں۔

اللہ کی تعریف اور شکر:

روایات میں ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ اتری: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ [آلِ عمران:۱۰۲] تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت گھبرائے؛ کیونکہ انسان چاہے کتنا عابد و زاہد بن جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں سکھایا کہ دعا میں یوں کہیں: ((لَا أُحْصِي ثَنَاءً

[1] [صحیح بخاری، رقم:۶۶۰۷]
[2] [ابوداؤد، رقم:۳۱۱۶]

عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ))[1] اے اللہ! ہم تو تیری مدح نہیں کر سکتے، مگر وہی مدح وثنا جو تو نے اپنی ذات کے لیے بیان کی ہے، ہم اسی کو دہراتے ہیں، ورنہ ہماری طاقت نہیں ہے کہ آپ کی مدح وثنا کر سکیں۔

روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا﴾ [سبا: ۱۳] تو حضرت داوٗد علیہ السلام نے اپنے گھر میں ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ اپنے بچوں بیٹیوں کو اکٹھا کر کے بٹھایا اور ڈیوٹی لگادی کہ روزانہ ہر آدمی مثلاً ایک گھنٹہ عبادت میں مشغول رہے، تاکہ دن اور رات میں ایک لمحہ بھی ایسا نہ گزرے جس میں گھر کا کوئی نہ کوئی فرد عبادت میں مشغول نہ ہو۔ حضرت داوٗد علیہ السلام نے اس قدر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، لیکن اس کے باوجود بھی کہا کہ یا اللہ! آپ نے جو حکم دیا ہے کہ میرا شکر ادا کرو تو میں آپ کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں؟ میں آپ کی کس نعمت کا شکر ادا کروں؟ اگر میں شکر کروں تو اس کی توفیق بھی تو آپ ہی دیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے نبی! اب تو نے صحیح شکر ادا کیا ہے۔ یعنی تم نے شکر ادا کرنے میں عاجزی کا اعتراف کر لیا ہے۔ معلوم ہوا کہ کوئی بھی اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

اللہ سے ڈرنے کی حد:

اس طرح جب یہ آیت مبارکہ اتری تو صحابہ کرام بہت گھبرائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق جو ڈرنا ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت مبارکہ نازل فرمائی: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن: ۱۶] اے میرے بندو! تم اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرو، گناہوں سے بچنے کی کوشش کرو جتنی تمہاری طاقت ہے۔ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اتباعِ سنت رسول اللہ کی کوشش کریں۔ اس کے باوجود بھی ہماری اتباع اور صحابہ کی اتباع کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھیں! اللہ کے فرشتے اور اللہ کے نبی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور ہم جیسے گناہ گار بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، لیکن سب کے ڈرنے میں بڑا فرق ہے کہ اللہ کے ملائکہ معصوم ہیں، ان کو تو پتہ ہے کہ ہمارے ذمہ تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ کے نبی معصوم ہیں، ان کو پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری ہر بات معاف فرمادی ہے۔ اس لیے ان کا ڈرنا اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے ہوتا ہے اور ہمارا ڈرنا گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔

﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۰۲] اسلام پر جمے رہو اسلام کے کام کرو، یعنی اگر صحت کے

[1] [مسلم، رقم: ۲۲۲]

اندر اچھے کام کرو گے تو بیماری میں بھی اللہ تعالیٰ اس کا ثواب عطا فرمائیں گے۔

حدیث مبارک میں ہے کہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرماتے ہیں کہ یہ بندہ جب تک تندرست تھا میری عبادت کرتا تھا، آج وہ بستر پر مریض پڑا ہوا ہے، تم اس کے کھاتے میں اس طرح کی عبادت لکھتے رہو جس طرح سے وہ صحت کے زمانہ میں کرتا تھا۔

اللہ کی رسی سے کیا مراد ہے؟

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ [آل عمران:۱۰۳]

رسی کے پکڑنے کے یہ فائدے ہیں کہ اگر آدمی اوپر ہے تو رسی کو پکڑ کر بڑے آرام سے نیچے اترتا ہے اور گرنے سے بچ جاتا ہے۔ اور اگر آدمی نیچے ہے تو رسی کو پکڑ کر اوپر منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسلام اور ایمان کی رسی ایسی مضبوط ہے جو ٹوٹ نہیں سکتی، چھوٹ سکتی ہے۔

''حَبْلِ اللّٰهِ'' سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء نے فرمایا: جو تم نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تو ہمارا رب ہے، اس کو مضبوطی سے تھامو۔ اور آج غیروں کو مشکل کشا سمجھتا ہے تو وہ رسی کہاں گئی جو تم نے پکڑی تھی؟ بعض علماء نے فرمایا: ''حَبْلِ اللّٰهِ'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرآن ہے۔

﴿وَلَا تَفَرَّقُوْا﴾ اور ایسے کام نہ کرو کہ کبھی قرآن وسنت کے کسی حکم کا انکار ہو اور آپس میں تفرقہ بازی کرو۔ تفرق وتشتت میں نہ پڑو، بلکہ مجموعی اتحاد سے، اعتصام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔

ائمہ مجتہدین کی تقلید فرقہ بندی نہیں:

ان الفاظ کو لے کر بعض لوگ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ پر اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ ان کو اختلاف اور تفرق کا معنی سمجھ نہیں آیا ہے۔

دوسرا یاد رکھیں کہ جتنے ائمہ ہیں جو مسئلہ قرآن یا احادیث سے، قطعی الدلالت سے ثابت ہو جائے اس میں کبھی ائمہ کا اختلاف نہیں ہوتا۔ مثلاً: چوبیس گھنٹے کے اندر پانچ نمازیں فرض ہیں۔ تو کسی امام نے یہ نہیں کہا کہ چھ نمازیں فرض ہیں۔ فجر کی نماز میں دو رکعت ہیں۔ کسی امام نے یہ نہیں کہا کہ تین یا چار رکعات پڑھو۔ اختلاف وہاں ہوتا ہے جہاں اجتہاد کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور جب اجتہاد کریں گے تو لازمی بات ہے کہ ہر آدمی کے علم وفہم میں فرق ہے۔

قرآن میں مثالیں کیوں دی جاتی ہیں؟

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بڑی عظیم مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ کہیں تمثیلات اور کہیں کنایات ہیں؛ کیونکہ یہ سب فصاحت وبلاغت کا انداز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا: ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ [الحشر:۲۱] یہ مثالیں ہم اس لیے بیان کرتے ہیں، تاکہ لوگ تفکر وتدبر کریں اور بات کو سمجھیں؛ کیونکہ دنیا کے اندر یہ قاعدہ ہے کہ مثال کے ساتھ بات بڑی آسانی سے سمجھ آجاتی ہے۔ یہاں "حَبْل (رسی)" ایک بڑی عظیم مثال ہے؛ کیونکہ تمام نزولِ وحی آسمانوں سے ہے، اتنی بلندی سے ہے اور جنت کا مقام بھی آسمانوں میں ہے تو اپنے بلند مقام پر پہنچنے کے لیے اسباب میں سے کسی سبب کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک رسی کی مثال بیان فرمائی ہے کہ تم رسی کو پکڑ کر بلندی پر پہنچ جاؤ۔ اور ساتھ یہ بھی اشارہ فرمادیا کہ جیسے سیڑھیوں سے چڑھنا تو بڑا آسان ہے، لفٹ لگی ہوئی ہو تو آسانی ہے، لیکن رسی کو پکڑ کر چڑھنا ذرا مشکل ہے۔ اس لیے اشارہ فرمادیا کہ جنت کا حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، اس کے لیے آدمی محنت کرنی پڑے گی۔ جب رسی سے چڑھنے والوں کی ایکسرسائز ہوجائے تو وہ ایک منٹ میں چڑھ جاتے ہیں۔ اس لیے جو جنت والے اور ایمان والے ہیں ان کو بھی اس رسی کے پکڑنے اور محنت کی عادت ہوجائے گی، پھر ان کے لیے مشقت نہیں ہوگی۔ جیسے ایک آدمی کو نماز کی عادت ہے، اس کے لیے کوئی مشقت نہیں ہے، لیکن جو نماز نہ پڑھتا ہو اور اس کو آپ نماز پڑھائیں تو اس کو ایک سو چار کا بخار ہوجاتا ہے۔

دوسرا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ایسی رسی نہیں ہے جو بوسیدہ ہوجائے یا ٹوٹ جائے، بلکہ یہ "حَبْلِ اللّٰهِ" ہے، اس کے ٹوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے تم یہ غم کرو کہ تم سے چھوٹ نہ جائے۔

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا﴾ تم سب کے سب اس طرح رسی کو مضبوطی سے تھام لو تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تمہیں جنت کی بلندیوں تک پہنچادیں گے۔ اس کے اندر حکم دیا کہ سب مل کر رسی کو تھام لو؛ کیونکہ جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اور اللہ کی رحمت ہے۔ اتفاق میں برکت ہے۔ ﴿وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ تم ہرگز آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، جھگڑے نہ ڈالو۔ ﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ اور اس کے بعد تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو۔

"حَبْلِ اللّٰهِ" سے کیا مراد ہے؟ منکرین حدیث کا رد:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ "حَبْلِ اللّٰهِ" سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا قرآن اللہ کی رسی



ہے اور یہ ایسی مضبوط رسی ہے جو کبھی ٹوٹتی نہیں ہے اور یہی صراط مستقیم ہے۔ [ترمذی، رقم: ۲۹۰۸]

(حدیث) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ)) اللہ تعالیٰ کا قرآن ہی اللہ کی رسی ہے جو آسمانوں سے زمین تک دراز ہے۔
[ترمذی، رقم: ۳۷۸۸]

بعض لوگوں نے اس آیت کو لے کر یہ کہہ دیا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے قرآن میں نجات ہے، اس لیے قرآن کے بعد حدیث کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح آدمی بھٹک جاتا ہے۔

اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ عالم سے مسئلہ پوچھو، حدیث کا معاملہ ہے تو محدثین سے رجوع کرو اور اگر رجال کا معاملہ ہے تو اصحاب الجرح والتعدیل سے رجوع کرو۔ وہ بتائیں گے کہ یہ ثقہ ہے یا ثقہ نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی فقہ کا مسئلہ درپیش آجائے تو فقہاء سے پوچھو؛ کیونکہ جب آدمی کا دامن نیچے سے مضبوط چلا جائے اور کڑی سے کڑی ملتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ٹوٹتی نہیں اور اگر آدمی نے آخری منزل کی کڑی کو پکڑ لیا۔ جب تک پکڑے ہوئے ہے تو ٹھیک ہے؛ کیونکہ وہ کڑی بھی اسی راستے کی ہے، لیکن اللہ نہ کرے اگر اس کڑی سے ہاتھ چھوٹ گیا تو بات ختم ہوگئی؛ کیونکہ وہ باقی کڑیاں خود چھوڑ چکا ہے۔ مثلاً: میرے سامنے کوئی میرے شیخ کی بات نقل کرے تو میرے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ میں اپنے استاذ کی بات کو نہیں ٹھکراؤں گا۔ میرے استاذ بڑے عالم ہیں، وہ کوئی غلط بات نہیں کہتے تو میں جب اپنے استاذ کی بات کو رد نہیں کرسکتا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی بات کو کیسے رد کرسکتا ہوں؟ اور جب میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی بات کو رد نہیں کرسکتا تو صحابہ کی بات کو کیسے رد کرسکتا ہوں؟ کیونکہ انہوں نے براہِ راست حضور اکرم ﷺ سے پڑھا ہے اور جو آدمی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ کے قول کو نہیں چھوڑ سکتا تو وہ کیا کبھی محمد مدنی ﷺ کے قول سے منہ موڑ سکتا ہے؟ ٹھنڈے دل سے بات کو سوچیں کہ جب ہم ایک صحابی کی بات کو نہیں چھوڑ سکتے تو اللہ تعالیٰ کے نبی کی بات آجائے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ان کی بات کا انکار ہو۔ اور جب ہم حضور اکرم ﷺ کی بات پر جان دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی بات کو کیسے ٹال سکتے ہیں؟ اس لیے سند کا سلسلہ ہوتا ہے، تاکہ کڑی ایک دوسرے کے ساتھ ملتے ہوئے حضور پاک ﷺ تک پہنچ جائے۔

اور اگر درمیان میں ساری کڑیاں نکال دیں اور کوئی یوں کہے کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے تو ٹھیک ہے۔

بہر حال آپ نے جو بات کی ہے وہ صحابی کی بات ہے، اس طرح صحابہ تک کی کرلی اور حضور اکرم ﷺ تک پہنچ گئے۔ اب جب حضور اکرم ﷺ کی بات کہیں سمجھ نہ آئی تو کہہ دیا کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان سرآنکھوں پر، لیکن حضور اکرم ﷺ بھی تو قرآن کے تابع ہیں، پہلے مجھے قرآن دکھاؤ تو یہاں مزید الجھ گئے، اسی لیے بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کے دماغوں میں ٹھوکر لگی۔ تو انہوں نے کہا: ہم قرآن کے سوا کوئی بات نہیں مانتے؛ کیونکہ "حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنِ" قرآن ہے۔ ہم تو قرآن کو مانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔ یہ تو اچھی بات ہے، لیکن دوسری بات کفر ہے کہ نبی کی بات ہم نہیں مانتے، حالانکہ قرآن سمجھانے والے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جن پر قرآن اترا، جن پر شریعت نازل ہوئی اور جنہوں نے قرآن سمجھایا اگر تم ان کے فرمان کو نہیں مانو گے تو قرآن کہاں سے سمجھو گے؟ حدیث تو قرآن کی شرح ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی وحی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [النساء: ۸۰] جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ [النجم: ۳، ۴] حضور اکرم ﷺ نہیں بولتے اپنی خواہش سے، مگر جو بولتے ہیں وہ ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ حضور پاک ﷺ جو فرما رہے ہیں وہ اس رب کی بات ہے، سمجھانے والے محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

تین پسندیدہ اور تین ناپسندیدہ چیزیں:

(حدیث) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا، وَيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا، يَرْضَى لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا، وَأَنْ تُنَاصِحُوا مَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَمْرَكُمْ، وَيَسْخَطُ لَكُمْ قِيلَ: وَقَالَ: وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ)) [مسلم، رقم: ۱۷۱۵، تفسیر ابن کثیر]

تین چیزیں ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہوتے ہیں اور تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں:

- ......پہلی بات جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں کہ اس کی خالص عبادت کرو اور اس کا شریک نہ کرو۔
- ......اور دوسری بات جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے پکڑلو، فرقہ بندی میں

نہ پڑو۔

❁ اور تیسری بات یہ ہے کہ جو تمہارا حاکم بنے اس کی خیر خواہی اور اطاعت کرو، اس کے خلاف بغاوت نہ کرو؛ کیونکہ جب لوگ اولوالامر کی اطاعت سے نکلتے ہیں تو فتنے پیدا ہوتے ہیں اور ان فتنوں میں اتنی ہلاکت ہے کہ جس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا اور اولوالامر سے مراد حاکم اور علماء ہیں۔ اگر ان میں کوئی غلطی بھی ہے تب بھی آپ اطاعت نہ چھوڑیں۔ اللہ نہ کرے اگر وہ کھلے کفر کا حکم دیں، مثلاً: کہیں کہ نماز نہ پڑھو تو پھر ہم ان کی اطاعت نہیں کریں گے۔

اور وہ تین چیزیں جس سے میرا رب ناراض ہوتا ہے:

❁ پہلی چیز قیل وقال ہے کہ میں نے سنا ہے، کسی نے کہا ہے، بزرگوں نے فرمایا: ہے۔ یہ پتہ نہیں کہ کون سے بزرگوں نے فرمایا: ہے؟

❁ دوسری چیز بہت زیادہ سوالات کرنا۔

❁ اور تیسری چیز مال ضائع کرنا، یعنی فضول خرچی کرنا وغیرہ۔

ایمان کی حالت میں مرنے کا حکم:

﴿وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ [آل عمران: ۱۰۲]

تم ہمیشہ ایمان واسلام پر قائم رہو، تاکہ تمہاری موت اسلام پر آئے؛ کیونکہ جو آدمی جس حال پر ہوتا ہے اس حالت میں اس کو موت آتی ہے اور اسی حالت پر اٹھایا جائے گا۔ یہ اگر مومن ہو کر مرا ہے تو قبر سے ایمان کی حالت میں اٹھے گا۔ اگر خدانخواستہ کفر پر موت آئی ہے تو قبر سے کفر کی حالت میں اٹھے گا۔ ہمارے بس میں تو نہیں ہے کہ ہم مسلمان ہو کر مریں؛ کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ﴾ [لقمان: ۳۴] کسی بندے کو یہ بھی پتہ نہیں کہ کل کیا ہوگا؟ کسی بندے کو یہ بھی پتہ نہیں کہ میری موت کہاں آئے گی؟ کب اور کیسے آئے گی؟ لاکھوں لوگوں نے اپنی پوری زندگیاں اللہ تعالیٰ کے حرم میں گزار دیں، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں گزار دیں، لیکن وہاں موت نصیب نہ ہوئی۔ اور کتنے لوگ ہیں جو ساری زندگی میں ایک دفعہ عمرے کے لیے آئے، ان کو حرمین میں موت نصیب ہوگئی۔ ہدایت اور غوایت (گمراہی) یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، لیکن ہمیں حکم ملا ہے ﴿وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ [آل عمران: ۱۰۲] کہ تم اپنی طرف سے

اسلام پر جمے رہو؛ کیونکہ بظاہر حالات یہی ہیں کہ جو آدمی جس حالت پر ہوتا ہے اسی پر اس کو موت آتی ہے۔ مثلاً: ایک آدمی نمازی ہے تو اکثر اس کو موت اس حالت پر آتی ہے۔ اور اللہ نہ کرے اگر ایک آدمی شرابی ہے تو اس کو موت بھی اس حالت میں آتی ہے۔

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ۝ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝﴾ [آل عمران: ۱۰۴ تا ۱۰۹]

"اور تمہارے درمیان ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جس کے افراد (لوگوں کو) بھلائی کی طرف بلائیں، نیکی کی تلقین کریں اور برائی سے روکیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جن کے پاس کھلے کھلے دلائل آچکے تھے، اس کے بعد بھی انہوں نے آپس میں پھوٹ ڈال لی اور اختلاف میں پڑ گئے۔ ایسے لوگوں کو سخت سزا ہوگی۔ اس دن جب کچھ چہرے چمکتے ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔ چنانچہ جن لوگوں کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے ان سے کہا جائے گا: کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا؟ لو پھر اب مزہ چکھو اس عذاب کا، کیونکہ تم کفر کیا کرتے تھے۔ دوسری طرف جن لوگوں کے چہرے چمکتے ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں جگہ پائیں گے، وہ اسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ اور اللہ دنیا جہان کے لوگوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں چاہتا۔ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کا ہے اور اسی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جائیں گے۔"

اس امت کے لیے دعوتِ دین کی ذمہ داری:

دوسرا حکم دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو، یعنی قرآن پاک کو مضبوطی سے پکڑ و۔ اب ہمیں ہدایت



مل گئی تو اس کے بعد یہ حکم ہوا: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ بعض مفسرین نے فرمایا: امت سے مراد علماء کاملین ہیں؛ کیونکہ جب تک بندہ خود پہلے عالم نہ ہو تو کسی دوسرے کو کیسے ہدایت کرے؟ جب تک بندہ خود عامل نہ ہو تو کسی دوسرے کو عمل کی ہدایت کیسے کرے؟ جب تک کامل لذاتہ نہ بنے اس وقت تک کامل لغیرہ کیسے بن سکتا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو چالیس چالیس سال عبادت وریاضت کرائی، اس کے بعد ان کے نبی ہونے کی ان کو خبر دی گئی۔ اور پھر بھی حکم ملا: ﴿يَأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ إِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝﴾ [المزمل: ۱ تا ۴] اے میرے نبی! جاگو؛ کیونکہ اب ہم آپ پر بہت بڑی عظمت والا اور بہت بڑا معنوی بوجھ، یعنی ذمہ داری اتارنے والے ہیں۔

دین کی دعوت کی ذمہ داری کس پر ہے؟

بعض مفسرین نے فرمایا: اس سے مراد امراء ہیں کہ اللہ تعالیٰ جن کو امارت وحکومت دے ان کو چاہیے کہ لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائیں۔ معروف کا حکم دیں اور منکر سے منع کریں۔

اور بعض ائمہ نے فرمایا: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ کو دوسری آیت کی روشنی میں دیکھیں ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ [آل عمران: ۱۱۰] اور تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝﴾ [العصر: ۱ تا ۳] اس سے علماء نے مسئلہ نکالا ہے کہ امت کے ہر فرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو امر بالمعروف کرے، لیکن آگے جا کر درجات علیحدہ ہو جائیں گے، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے اس آیت کو اس طرح سمجھایا کہ ((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ)) [مسلم، رقم: ۴۹]

برائی کو روکنے کے تین درجات:

تم میں سے کوئی شخص اگر برائی دیکھے تو اس کو قوت کے ساتھ مٹا دے، اگر طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے نصیحت کرے اور اگر زبان سے بھی کہنے کی طاقت نہیں، ڈرتا ہے تو کم از کم دل میں تو برائی کو برا سمجھے۔

محدثین نے فرمایا: طاقت سے برائی کو مٹانا امراء کا کام ہے، زبان سے برائی کو مٹانا علماء اور خطباء کا کام ہے اور دل سے برا سمجھنا یہ سب کا کام ہے۔

اور بعض علماء نے فرمایا: امت کا ہر فرد تبلیغ کا پابند ہے۔ بھلائی کا حکم کرے اور برائی سے منع کرے۔ اگر ایک آدمی کو اذان آتی ہے تو لوگوں کو اذان سکھائے اور اگر ایک آدمی کو نماز آتی ہے تو لوگوں کو نماز سکھائے۔ لوگوں کو کہے کہ حضور پاک ﷺ کی شکل بناؤ اور کافروں کی شکل نہ بناؤ، حضور پاک ﷺ کا لباس پہنو اور کافروں کا لباس نہ پہنو۔ کوئی ڈاکہ ڈال رہا ہے منع کرو، کوئی نشہ کرتا ہے اس کو منع کرو۔ تو برائی سے روکنا ہر آدمی کا کام ہے۔

آج کل ایک وبا پھیل گئی ہے کہ اگر آپ ایک فلیٹ میں رہتے ہیں اور سامنے والے فلیٹ میں برائی ہو رہی ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ ان کو چھوڑ دو اور اپنے کام سے کام رکھو، تمہیں کسی کے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت ہے؟ حالانکہ یہ بات اسلام کے خلاف ہے؟ کیونکہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اچھائی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔

برائی سے نہ روکنے سے تباہی کی ایک مثال:

حضور اکرم ﷺ نے اس کی بڑی پیاری مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک کشتی ہے۔ اس کے دو حصے ہیں: ایک اعلیٰ حصہ ہے اور ایک نیچے والا حصہ ہے۔ کچھ لوگ نیچے والی منزل میں ہیں اور کچھ لوگ اوپر والی منزل میں ہیں۔ نیچے والوں کو پانی کے لیے اوپر جانا پڑتا ہے کہ اوپر پانی کا انتظام ہے تو اوپر والے غصے میں آ گئے اور انہوں نے کہا کہ یہاں سے پانی مت بھرو۔ اب نیچے والوں نے فکر کی کہ وہ ہمیں پانی نہیں بھرنے دیتے اور پانی کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ بہر حال ہم پانی کے تو بالکل قریب ہیں کہ ہم نیچے ہیں، لہٰذا کشتی میں ایک سوراخ کرتے ہیں، پانی اندر آ جائے گا یہاں بیٹھے بیٹھے پیتے رہیں گے۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: اگر وہ ایسا کرنا چاہیں اور اوپر والے بھی ان کو نہ روکیں کہ سوراخ کرتے ہیں تو کرنے دو، ہم تو اوپر بیٹھے ہیں تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ کشتی میں پانی بھر جائے گا اور دونوں حصے والے ڈوب جائیں گے۔ اور اگر اوپر والے ان کو کہیں کہ عقل کا کام کرو، یہ کیا کر رہے ہو؟ اگر تم نے سوراخ کیا تو کشتی میں پانی بھر جائے گا، تم بھی مرو گے اور ہم بھی مریں گے۔ ہم تمہارے پانی کا انتظام کر دیتے ہیں، کچھ تم لحاظ کرو اور کچھ ہم لحاظ کرتے ہیں۔ تو دونوں بچ جائیں گے۔

اس لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی برائی ہو رہی ہے تو تم نے نہیں روکا ہے تو یہ نہ سمجھو کہ میرا گھر تو

محفوظ ہے، تیرا گھر بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ [بخاری، رقم:۲۶۸۶] کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ آگ کہیں جلائی جائے تو اس کی گرمی کے اثرات پہنچیں گے۔ اگر کسی ایک جگہ بدبو پڑی ہوئی ہے تو اس بدبو کو جب ہوا اڑائے گی تو باقی لوگ بھی اس سے متاثر ہوں گے۔ ایک آدمی کو بیماری لگے تو وہ جراثیم لاکھوں لوگوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ اگر کسی کو ہدایت نہیں کرو گے تو جو کفر و شرک اور بدعات کے اثرات ہیں کیسے اثر نہیں کریں گے؟ اس لیے حکم ہے کہ ہر آدمی کو جتنی توفیق ہے امر بالمعروف کرے اور نہی عن المنکر کرے۔

ایک حدیث مبارک میں یہ الفاظ مبارک بھی آئے ہیں: ((انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا))[1] اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیران ہو گئے اور عرض کیا: ہمیں یہ بات تو سمجھ آ گئی کہ مظلوم کی مدد کریں، لیکن ظالم کی مدد کیسے کریں؟ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: ظلم کرنے والے کو ظلم کرنے سے روک دیں، یہ اس کی مدد ہے۔ کیونکہ اگر وہ ظلم کرے گا تو دین و دنیا میں تباہ ہوگا۔ جب تم اس کو ظلم سے روک دو گے تو گویا تم نے اپنے بھائی کی مدد کی ہے۔

بنی اسرائیل میں اور اس امت میں فرقوں کی تعداد:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾ ہرگز تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ وہ بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے۔

حضور پاک ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئی اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ اور فرمایا: سب کے سب جہنم میں جائیں گے، صرف ایک فرقہ نجات پائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کون سا ایک فرقہ ہے جو نجات پائے گا؟ فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہے۔ [ابوداؤد، رقم:۴۰۹۷]

اہل سنت والجماعت حق پر ہے:

محققین علماء نے ارشاد فرمایا کہ وہ نجات پانے والا فرقہ اہل سنت والجماعت ہے؛ کیونکہ سنت کا معنی ہے محمد مدنی ﷺ کا طریقہ اور جماعت سے مراد صحابہ ہیں۔ اب جو سنت سے ہٹ گیا وہ بھی نجات سے ہٹ گیا اور جو صحابہ کی جماعت سے ہٹ گیا وہ بھی نجات سے ہٹ گیا۔ نجات اس کو ملے گی جس نے حضور اکرم ﷺ کا دامن پکڑا

[1] [بخاری، رقم:۲۴۴۴]

ہے، آپ کے نقش قدم پر چلا ہے اور حضور اکرم ﷺ کی پوری زندگی کا نقشہ ہمیں صحابہ سے ملا ہے۔ اس لیے جتنے باطل فرقے ہیں سب سے زیادہ حملہ صحابہ پر کرتے ہیں؛ کیونکہ اصحاب رسول دین اسلام کے گواہ ہیں، وہ اللہ کے نبی پر وحی اترنے کے گواہ ہیں اور وہ حضور اکرم ﷺ کی شریعت مطہرہ اور دین اسلام کی جزء جزء کے گواہ ہیں۔ جب صحابہ پر ایمان نہیں رہے گا تو دین خود بخود ختم ہو جائے گا۔

مثال کے طور پر: آپ کورٹ کے اندر مقدمہ دائر کریں اور جرح کے اندر آپ کے گواہ جھوٹے ثابت ہو جائیں تو مقدمہ ختم ہو جاتا ہے؛ کیونکہ مقدمہ کی کامیابی کا مدار گواہوں پر ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے فرمان کا مقصد تھا کہ میرا راستہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور صحابہ کا راستہ وہ ہے جو محمد مدنی ﷺ نے سمجھایا ہے۔ اب آپ خود دیکھیں جو لوگ صحابہ سے ہٹتے گئے، کوئی روافض بن گئے، کوئی خوارج بن گئے۔ پھر ان سے آگے فرقے نکلے، کوئی مرجئہ کہلائے، کوئی کرامیہ بن گئے، کوئی قدریہ بن گئے اور کوئی جبریہ بن گئے۔ انہیں سے فرقے بنتے چلے گئے۔

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ مجتہدین کا اختلاف اصولِ دین میں اختلاف نہیں ہے۔ جو مسئلہ اللہ تعالیٰ کے قرآن کی نص سے ثابت ہے یا فرمانِ رسول پاک ﷺ سے بالکل قطعی الدلالت کے اعتبار سے ثابت ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان کا اختلاف ان مسائل میں ہے جن کے اندر اجتہاد کی ضرورت پڑ گئی یا وہ مسائل جن کے اندر حضور پاک ﷺ کے فرمان کے اندر دو پہلو معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ اصولِ دین میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

قیامت میں اہل سنت کے چہرے روشن اور غلط عقائد والوں کے سیاہ:

﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ [آل عمران: ۱۰۶] قیامت کے دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ ہوں گے۔ علماء نے لکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت و ایمان نور ہے اور اس کے مقابلہ پر کفر و بدعات ظلمات ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اتباعِ سنت والوں کے چہروں پر قیامت کے دن خاص روشنی عطا فرمائیں گے کہ ان کے چہرے دمکتے ہوں گے۔ اور جو لوگ کافر ہیں یا جن لوگوں نے بدعت کو اپنا دین بنالیا ہے، جن لوگوں نے اتباعِ اھواء کی، چونکہ وہ ظلمات میں تھے تو قیامت کے دن بھی ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ واضح کر دیں گے کہ یہ روشن چہرے والے ایمان والے ہیں اور سیاہ چہرے والے بدعت، کفر اور شرک والے ہیں۔

یاد رکھیں! آج بعض اعدائے اسلام ایک ایک موقعے کی انتظار میں ہوتے ہیں کہ اعتراض کریں۔ یہاں انہوں نے کہا کہ اسلام تو بڑا فخر کرتا ہے، ہمارے نزدیک گورے اور کالے کا کوئی فرق نہیں۔ اور قرآن خود فرق کر رہا ہے کہ

قیامت والے دن دو گروہ ہوں گے: ایک سفید چہرے والے ہوں گے اور دوسرے سیاہ چہرے والے ہوں گے۔

یاد رکھیں کہ اسلام کہتا ہے گورے کالے کا فرق نہیں ہے، بلکہ اصل عزت اسلام ہے اور اسلام میں الحمد للہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک کوئی فرق نہیں ہے، سب ایک صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور کتنے لوگ ہیں کہ پڑھنے والے گورے ہیں اور پڑھانے والا استاذ کالا ہے۔ یہ جو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے یہ یوم الجزاء ہے۔ تو کیا تم اس قید خانہ کی زندگی کو دنیا کی زندگی سے ملاتے ہو؟ تم جو مجرموں کو سزا دیتے ہو اس کا لباس الگ، رہنے کی جگہ الگ، کھانا الگ اور برتن الگ کرتے ہو۔

بعض علماء نے فرمایا: کچھ لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے اور کچھ لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جیسے آج دنیا میں کسی آدمی کو خوشی کی خبر ملے تو اس کا چہرہ کھل جاتا ہے اور کسی آدمی کو مصیبت پڑ گئی، کوئی حادثہ ہو گیا تو وہ کڑھتے کڑھتے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رنگ اڑ گیا ہے۔ اس لیے یہ ضروری نہیں کہ یہ سفیدی اور سیاہی حقیقتاً ہو، بلکہ جو ایمان والے ہیں اس دن ان کے لیے آزادی اور جنت و نعمت ہے، وہ خوش ہوں گے۔ اور جو جہنم والے ہیں، ان پر عذاب اور تکلیف ہے، اس کی وجہ سے وہ پریشان حال ہوں گے، لیکن یہ قول راجح نہیں ہے، بلکہ راجح قول یہ ہے کہ حقیقتاً ان کے چہرے سیاہ و سفید ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن میں کئی مقامات پر ان کا ذکر فرما دیا ہے۔

کیا صرف مرتدین کے چہرے سیاہ ہوں گے؟

﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۔ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۰۶] جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان کو کہا جائے گا: کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ تو عذاب چکھو بسبب اس کے جو تم نے کفر کیا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیاہ چہرے تو سب کافروں کے ہوں گے، آیت سے معلوم ہوا کہ صرف ان لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے جو ایمان لانے کے بعد کفر کریں۔

مفسرین، محدثین اور علماء نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں:

بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد منافق ہیں کہ وہ بھی ظاہراً ایمان لے آئے، لیکن انہوں نے اپنے اندر کفر کو

چھپائے رکھا۔

اور بعض علماء کرام فرماتے ہیں: اس سے مراد مرتد ہیں۔

اور بعض علماء نے فرمایا: کفر اعتقادی بھی ہوتا ہے اور کفر عملی بھی ہوتا ہے۔ ایک آدمی مسلمان ہے، لیکن کافروں والے عمل کر رہا ہے، خنزیر بھی کھالیتا ہے، سود بھی کھالیتا ہے اور شراب بھی پی لیتا ہے ان کو کہا جائے گا کہ ظالمو! تم نے ایمان لانے کے بعد وہ عمل کیے جو کافروں کے عمل تھے۔ اس وجہ سے تم آج عذاب کا مزہ چکھو۔

اور بعض علماء نے فرمایا: ﴿أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے ایک عہد لیا تھا: ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ اور سب نے اقرار کیا تھا: ﴿بَلَىٰ﴾ [الاعراف: ۱۷۲] اس کے بعد جس نے کفر کیا گویا ایمان کے بعد کفر کیا، لیکن یاد رکھیں! آیت اپنے عموم پر ہے۔ یہ سارے کے سارے جوابات اس کے تحت آجائیں گے۔

فصاحت قرآنی کا بیان:

قرآن میں کئی مقامات پر "ذُقْ، ذُوقُوا" کے الفاظ آتے ہیں، حالانکہ ذوق کا معنی ہوتا ہے چکھنا۔ قرآن پاک میں جہنمیوں کو حکم دیا گیا: ﴿ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ [الدخان: ۴۹]، ﴿فَذُوقُوا الْعَذَابَ﴾ [آل عمران: ۱۰۶] کھانا اور چیز ہے، چکھنا اور چیز ہے اور سونگھنا اور چیز ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں: اس لفظ کو لانے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ یہ تو ذرا سا عذاب ہے، اس کے آگے بڑا عذاب ہے، اس کو چکھو تو سہی۔

﴿بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ با سببیہ ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا عدل ہے کہ اللہ تعالیٰ جہاں جہاں مومن کو انعام دیتے ہیں وہاں انعام کی وجوہات کا ذکر زیادہ نہیں فرماتے ہیں؛ کیونکہ بادشاہوں کی شان یہ نہیں ہوتی کہ جس کسی کو انعام واکرام کریں تو یہ بتاتے رہیں، لیکن جب کسی کو سزا دیں تو پھر عدل کا تقاضا ہے کہ اس کا جرم ساتھ بتایا جائے۔ اس لیے جہاں سزا کا ذکر آیا ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ بیان کر دی ہے۔

﴿وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ [آل عمران: ۱۰۷]

اور وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہوں گے اور جن کے چہرے پرنور ہوگا ان کے لیے دو نعمتیں ہیں: ﴿فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے اور جنت میں ہوں گے۔ اور دوسری نعمت ہے: ﴿هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾



یہ جنت کی نعمتیں دائمی ہوں گی، یہ نہیں کہ آج دے دو اور کل چھین لو، بلکہ فرمایا: دائمی جنت ملے گی۔ اس سے اشارہ ہو گیا کہ جنت محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ملے گی، ورنہ ہم اگر ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں، شکر ادا نہیں کر سکتے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے۔ صحابہ نے عرض کیا: ((وَلَا أَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟)) اے اللہ کے رسول! آپ بھی نہیں؟ فرمایا: مجھے بھی اللہ اپنی رحمت سے ڈھانپ لیں گے، یعنی جنت میں ہر آدمی رحمت سے جائے گا۔ [بخاری، رقم: ۵۶۷۳]

﴿تِلْكَ آيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [آلِ عمران: ۱۰۸] میرے مدنی! یہ اللہ کی آیات، بینات ہیں۔ یہ ہم آپ پر پڑھ رہے ہیں، تا کہ آپ پر دنیا و آخرت کی حقیقت کھول دیں۔ اللہ تعالیٰ نہیں ارادہ فرماتے لوگوں پر ظلم کرنے کا؛ کیونکہ اللہ پاک عادل اور حکیم ہیں، علیم و رحیم ہیں۔ جتنی صفات نقصان والی ہیں اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہیں۔ اللہ پاک نے ان کو اتنی سزا اس لیے دی کہ ان کے کفر کا تقاضا یہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے مدنی پاک! آپ ان کے احوال کو نہیں جانتے، یہ ہم آپ پر کھول کر پڑھ رہے ہیں، آپ کو سنا رہے ہیں۔

﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ﴾ [آلِ عمران: ۱۰۹]

اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔ یعنی اگر کوئی جاہل، کوئی کافر یا کوئی باغی یہ الزام لگائے کہ اللہ نے اتنی بڑی اور لمبی جہنم کیوں دے دی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے مدنی! آپ دنیا کو سمجھا دیں کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے اس کا مالک اللہ ہے تو اگر کوئی اپنے ملک میں کچھ کرے تو کسی کو کیا تکلیف ہے؟

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ [آلِ عمران: ۱۰۴]

حضرت ضحاک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امت سے مراد اصحابِ رسول اللہ ﷺ اور مجاہدین ہیں؛ کیونکہ مجاہدین کا جہاد اس لیے ہوتا ہے کہ بھلائی پھیلے اور برائی مٹ جائے؛ کیونکہ جب جہاد کے ذریعے اسلام کو غلبہ نصیب ہوگا تو لازمی بات ہے کہ خیر عام ہوگی اور شر مٹ جائے گا۔

ابو جعفر باقر رحمہ اللہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور پاک ﷺ نے یہ آیت مبارک تلاوت فرمائی: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ پھر ارشاد فرمایا: خیر سے مراد ہے کہ قرآن کی اتباع کریں اور میری سنت کی اتباع کریں۔ [تفسیر ابن کثیر: ۲/۹۱]

تبلیغ کرنے کا فائدہ اور نہ کرنے کا نقصان:

(حدیث) حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ)) [ترمذی، رقم: ۲۱۶۹] مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم امر کرو بھلائی کا اور روکو برائی سے۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے تم پر عذاب بھیجیں۔ اور جب وہ عذاب آئے گا پھر تم اللہ کو پکارو گے، لیکن تمہاری دعائیں قبول نہیں ہوں گی، تمہاری پکاریں نہیں سنی جائیں گی۔

آج دیکھ لیں کہ حضور پاک ﷺ کا فرمان مبارک ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ لاکھوں مسلمان دعائیں مانگتے ہیں، لیکن دعائیں منظور نہیں ہوتیں؛ کیونکہ ہم نے اللہ کے احکام کو چھوڑ دیا ہے، حضور اکرم ﷺ کے فرمان کو چھوڑ دیا ہے، ہر آدمی اپنے اپنے مفادات میں الجھا ہوا ہے اور ہر آدمی ذاتی مفادات کو ترجیح دے رہا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ آپ کسی کے گناہ پر اعتراض کریں، آپ کہیں گے: چھوڑو! میں اپنا کام تو کر والوں۔

حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میری امت پر ایک دور ایسا بھی آئے گا کہ لوگ برائی کو برائی نہیں سمجھیں گے۔ مثلاً: اگر آج کوئی آدمی سگریٹ پی رہا ہے تو دیکھنے والا اس کو برا نہیں سمجھتا، یعنی سگریٹ اتنی عام ہو گئی ہے کہ کسی کو بری نہیں لگتی۔ کوئی آدمی بیٹھا فلم دیکھ رہا ہے، کسی کو ناگوار بھی نہیں گزرتا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میری امت پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ برائی بھلائی بن جائے گی اور بھلائی برائی بن جائے گی۔ آج دیکھ لو کہ جو آدمی روزانہ داڑھی پر استرا پھروائے، تھری پیس سوٹ پہنے اور باقاعدہ ٹائی لگائے، صورت و سیرت، اٹھنا بیٹھنا اور بول چال سے بالکل انگریز نظر آئے تو لوگ کہتے ہیں: یہ بڑا آدمی ہے۔ اس کے مقابلہ پر ایک آدمی پنڈلیوں تک چادر باندھے ہوئے، سر پر پگڑی ہو، جیب میں مسواک ہو اور بڑی داڑھی ہو تو اس کے بارے میں لوگ ...... نعوذ باللہ ...... کہہ دیتے ہیں کہ یہ داڑھی ہے یا جھاڑی ہے۔ جو آدمی اس دور میں انتہائی جھوٹ بولتا ہو، بہت بڑا مکار اور

بڑا دھوکے باز ہو، لوگ کہتے ہیں کہ یہ بڑا سیاست دان ہے کہ اپنے مخالف کو ایک منٹ میں بے وقوف بنالیتا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں ایک آدمی سارا دن قرآن پڑھنے والا ہو اور جھوٹ نہ بولتا ہو، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تو اس دور میں چلنے کے قابل نہیں ہے اور یہ تو زندگی میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

اس طرح گھروں پر نظر ڈالیں کہ جو عورتیں پردہ دار، شرم والی ہیں، تہجد گزار ہیں، قرآن پڑھنے والی ہیں اور سادہ لباس پہنتی ہیں، اس سے سارے گھر والے تنگ ہیں کہ ہم نے تو سوچا تھا ہمارا بیٹا شادی کرے گا، یہ تو ملانی پکڑ کر گھر میں لایا ہے، روز وظیفے پڑھ رہی ہے اور اسی وجہ سے ہم پر عذاب آ رہے ہیں۔ اس کے مقابلہ پر اگر کوئی آدمی ایسی لڑکی لے آئے جو بالکل بے حیا ہو، جس کی آنکھوں میں شرم کا شائبہ نہ ہو، بال کٹواتی ہو، ہر کسی کے ساتھ ہاتھ ملاتی ہو، ہر کسی کے ساتھ باہر جا کر پھرتی ہو اور ڈانس کرتی ہو تو کہتے ہیں: بڑی سوشل عورت ہے۔ اس لڑکے نے اس کے ساتھ شادی کی ہے، اس عورت نے اس کو اونچا کر دیا ہے۔ تو حضور اکرم ﷺ کا فرمان سچا ہے کہ برائی بھلائی بن جائے گی اور بھلائی برائی بن جائے گی۔ ہم تو......نعوذ باللہ......اس سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں کہ برائی کرنے کے بعد دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر فخراً بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایسے زنا کیا ہے اور ایسے شراب پی ہے۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اللہ کی غیرت کو چیلنج کر رہا ہے۔ اگر غلطی ہوگئی ہے تو اس کو چھپاؤ، اس پر پردہ ڈالو، یہ نہیں کہ اس پر تماشہ بناؤ اور فخر جتاؤ۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ڈیڑھ ارب مسلمان ہر جگہ ذلیل ہو رہا ہے۔

کافروں پر گناہوں کے باوجود اللہ کا عذاب کیوں نہیں آتا؟

بعض لوگ یہاں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کافر بھی تو خدا کو مانتے ہیں، وہ بھی زنا کرتے ہیں، شراب پیتے ہیں اور کھلم کھلا سڑکوں پر گناہ کرتے ہیں تو ان پر تو ایسے عذاب نہیں آتے؟ یاد رکھیں! کافروں کے ساتھ کافروں والا معاملہ کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ کیا جاتا ہے۔ مسلمان جب اللہ تعالیٰ کو مان کر انکار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو قہر آجاتا ہے، جبکہ کافر تو کافر ہے، اس کے لیے دنیا میں جنت ہے، کھائے پیئے مزے کرے۔ مثال کے طور پر: اگر سڑک پر جانے والا آدمی تمہیں گالی دے دے تو تمہیں تکلیف نہیں ہوگی، لیکن جب تمہارا بھائی، تمہارا شاگرد یا تمہارا بیٹا تمہیں گالی دے تو تم کہتے ہو کہ آج میرا دل پھٹ گیا ہے۔ اس لیے جب ہم بھی مسلمان بن کر غداری کرتے ہیں تو زیادہ عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں۔

فرقوں کی تعداد اور حق جماعت:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾

[آل عمران:١٠٥]

اے امت محمد مصطفیٰ ﷺ! تم بھی پہلی امتوں کی طرح نہ ہو جانا، جیسے پہلی امتیں اختلاف میں پڑ گئیں اور وہ بہتر فرقوں میں بٹ گئے، تم بھی ایسے نہ ہو جانا۔ انہوں نے بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیا۔ بلکہ انہوں نے اپنے قاعدے بدل ڈالے۔ اگر کوئی امیر آدمی گناہ کرتا تو اس کے لیے الگ سزا ہوتی اور اگر کوئی غریب آدمی گناہ کرتا تو اس کے لیے الگ سزا ہوتی۔ اب تم بھی ایسا کرو گے تو تمہارا انجام بھی اسی طرح ہوگا جو پہلی امتوں کا ہو چکا ہے۔ اور انہوں نے افتراق و اختلاف تب کیا جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی نشانیاں آ گئیں، اللہ کے پیغمبر اور اللہ کے نبی ان کے پاس آئے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے فرقہ بندی اختیار کر لی۔

(حدیث) ابو عامر عبد اللہ بن لحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم نے حضرت معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں ان کے ساتھ حج کیا۔ جب ہم مکہ میں آئے اور آپ نے ظہر کی نماز ادا کی تو آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: تھا:

((إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابَيْنِ افْتَرَقُوا فِي دِينِهِمْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَإِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً يَعْنِي الْأَهْوَاءَ، كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً وَهِيَ الْجَمَاعَةُ وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ تُجَارَى بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهِ، لَا يَبْقَى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ إِلَّا دَخَلَهُ، وَاللهِ! يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ! لَئِنْ لَمْ تَقُومُوا بِمَا جَاءَ بِهِ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَغَيْرُكُمْ مِنَ النَّاسِ أَحْرَى أَنْ لَا يَقُومَ بِهِ)) [سنن ابی داؤد، رقم:٤٥٩٧]

مجھ سے پہلے جو امتیں تھیں وہ بہتر فرقوں میں بٹ گئیں اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی۔ اور تمام کے تمام فرقے جہنمی ہوں گے، مگر ایک فرقہ اور وہ جماعت ہے (اہل سنت والجماعت ہے)۔ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو اپنی خواہشات کے پیچھے چلیں گے۔ ان کی خواہشات ان کے اندر ایسے سرایت کر جائیں گی جیسا کہ کتا۔ اپنے ساتھی کے ساتھ کوئی رگ باقی نہیں ہوگی، کوئی جوڑ باقی نہیں ہوگا جس میں ان کی خواہشات کا دخل نہ ہو جائے، یعنی جیسے کسی کو کتا کاٹ لے تو اس کی رگ رگ میں زہر پھیل جاتا ہے، اسی طرح اہل بدعت کی رگ رگ

میں بدعت کا زہر پھیل جاتا ہے۔اوپر والی حدیث کو بیان کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم ہے! اے عرب والو! اگر تم نے بھی اپنے نبی کی سنت پر عمل نہ کیا تو جو غیر ہیں وہ کیسے عمل کریں گے؟ یعنی تم عرب ہو اور تمہارے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھیجا۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١١٠﴾ لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ۖ وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿١١١﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿١١٢﴾﴾ [آلِ عمران: ۱۱۰ تا ۱۱۲]

”(مسلمانو!) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے، تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا۔ ان میں سے کچھ تو مومن ہیں، مگر ان کی اکثریت نافرمان ہے۔ وہ (یہودی) تھوڑا بہت ستانے کے سوا تمہیں کوئی نقصان ہرگز نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر وہ تم سے لڑیں گے بھی تو تمہیں پیٹھ دکھا جائیں گے، پھر انہیں کوئی مدد بھی نہیں پہنچے گی۔ وہ جہاں کہیں پائے جائیں، ان پر ذلت کا ٹھپہ لگا دیا گیا ہے، الا یہ کہ اللہ کی طرف سے کوئی سبب پیدا ہو جائے یا انسانوں کی طرف سے کوئی ذریعہ نکل آئے جو ان کو سہارا دیدے۔ انجام کار وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں اور ان پر محتاجی مسلط کر دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ (نیز) اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور ساری حدیں پھلانگ جایا کرتے تھے۔“

خلاصہ و ربطِ آیات:

ان آیات مبارکہ میں امت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت ہے کہ جتنی امتیں گزری ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام امم میں سب سے خیر، سب سے افضل اور

سب سے بہتر امت امت محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔

گزشتہ تمام آیات کو ذہن میں رکھیں تو آپ کو یہ فضیلت آسانی سے سمجھ آجائے گی کہ سورۃ آلِ عمران کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ عیسائیوں کا مناظرہ کیا، حتیٰ کہ مباہلہ تک کی کچھ تفصیل بیان فرمائی۔ اس میں ابطالِ نصرانیت اور حقانیتِ اسلام کا ثبوت تھا۔ اس کے بعد یہود کے شبہات، اعتراض کا جواب تھا، یعنی ابطالِ یہودیت اور حقانیتِ اسلام کا بیان تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی افضلیت کا ذکر فرمایا اور اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ ثابت کیا کہ دین اسلام حق ہے، اب یہودیت ونصرانیت ختم ہو چکی ہے، اب دین اسلام کے سوا نجات نہیں مل سکتی۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی بیان فرمایا کہ ہم نے سب سے افضل نبی بھی یہیں پیدا کیا اور سب سے افضل گھر بھی ہم نے یہیں رکھا ہے۔ اور یہ ساری فضیلتیں امت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ملی ہیں۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جتنے ادیان اور کتابیں اتاری ہیں سب اپنے اپنے وقت پر منسوخ ہو گئیں، لیکن یہ شرف بھی امت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ملا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا نبی دیا ہے جس کے بعد نبوت اور رسالت ختم ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی کتاب نصیب کی ہے کہ جس کے بعد کتاب ختم ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی شریعت نصیب فرمائی ہے کہ جس کے بعد شریعت ختم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو خطاب کرنے کے بعد ان کی دو برائیوں کا ذکر کیا کہ وہ خود کفر کرتے تھے اور لوگوں کو بھی روکتے تھے۔ اور امت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اللہ نے فضیلت بیان کی ہے۔

فضیلتِ امت محمدیہ:

یہ ایسی امت ہے جو لوگوں کی خیر کی طرف بلاتی ہے اور خود بھی ایمان رکھتی ہے۔ اور اس کے بعد عظمتِ کتاب کا ذکر تھا کہ ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا﴾ [آل عمران: ۱۰۳] اس قرآن کو جو پکڑے گا وہ نجات پا جائے گا۔ ان ساری عظمتوں کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ....﴾ [آل عمران: ۱۱۰] اے میرے نبی! اپنی امت کو خوشخبری دیں کہ جب نبی سب سے افضل ہے تو امت بھی سب سے افضل ہے۔

(حدیث) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((نَحْنُ الْآخِرُونَ الْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَنَحْنُ أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ)) آخر بھی ہم ہیں اور قیامت کے دن سب سے پہلے بھی ہم ہوں گے اور ہم سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ [مسلم، رقم: ۸۵۵]

حضور ﷺ کی چند خصوصیات:

(حدیث) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی نعمتوں اور انعام سے نوازا ہے جو پہلے کسی نبی کو نہیں ملا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ((نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ)) اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں میں میری ہیبت ڈال دی ہے۔ [بخاری، رقم: ۳۳۵]

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے زمین کی کنجیاں دی گئی ہیں اور میرا نام احمد رکھا گیا ہے اور میرے لیے مٹی کو طہارت کا سبب بنایا گیا ہے اور میری امت کو خیر الامم بنایا گیا ہے۔ [مسند احمد: ۱/ ۹۸]

اس امت کے شرف کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بلال کہاں ہے؟ حضرت بلال حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: آج تم کعبۃ اللہ کی چھت پر چڑھ جاؤ اور کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان کہو۔

محدثین وعلماء نے اس کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ اذان اونچے مقام پر ہو۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ آج کافروں کو پتہ چل جائے کہ جس کعبہ میں تم ہمیں نماز نہیں پڑھنے دیتے تھے، جس کعبہ میں تم ہمیں داخل نہیں ہونے دیتے تھے اور جس کعبہ میں اللہ کے نبی کا داخلہ بند تھا، آج اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عزت دی کہ اذانیں کعبہ کی چھت کے اوپر ہو رہی ہیں۔

اسلام میں کوئی کالے گورے کا فرق نہیں:

محدثین نے لکھا ہے کہ اس سے اللہ کے نبی نے ایک اور بھی اشارہ فرمایا ہے کہ اگر کعبہ پر اذان دینی تھی حضور پاک ﷺ خود کھڑے ہو کر اذان دے دیتے یا آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دے سکتے تھے، حضرت عمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کو حکم دے سکتے، لیکن آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اونچا کیا اور اس سے اشارہ کیا کہ لوگو! دیکھ لو! میری امت کا صحابی جو رنگ میں کالا ہے، لیکن اس کی شان آج کعبہ سے بھی بلند ہے۔ اور اسی کے اندر آپ نے قیامت تک پوری دنیا کو سبق دیا کہ میں وہ سچا نبی ہوں جو گورے اور کالے کی تمیز کو مٹانے آیا۔ آج میری فتح کا دن ہے۔ اگر چاہتا تو قریشیوں کو کھڑا کر دیتا یا سرخ رنگ والوں کو کھڑا کر دیتا، لیکن میں نے کالے بلال کو کھڑا کیا ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام میں کوئی رنگ کا جھگڑا نہیں ہے، کوئی قوم کا جھگڑا نہیں ہے اور کوئی لسانی تعصب

نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اسلام سے جس کو چاہیں اونچا کر دیں اور جس کو چاہیں نیچا کر دیں۔

امت محمدیہ ﷺ کی خصوصیات:

1 ...... اسی طرح دیکھیں کہ جب حضور اکرم ﷺ نے پہلی امتوں کا ذکر فرمایا کہ ان کی عمر پانچ سو سال یا اس سے بھی بڑی عمر کے لوگ گزرے ہیں تو صحابہ نے حیران ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم ان کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ کیونکہ ہماری عمر تو ساٹھ ستر سال ہے یا زیادہ سے زیادہ سو سال تک ہوتی ہے تو ہم ان کا مقابلہ کیسے کریں گے کہ ایک آدمی نے تو ہزار سال نماز پڑھی اور ایک آدمی نے پینتیس سال نماز پڑھی ہو؟ حضور اکرم ﷺ کے دل میں بھی خیال پیدا ہوا کہ صحابہ ﷺ کا اشکال تو ٹھیک ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ القدر نازل فرمائی اور فرمایا: آپ کی امت کی عمر تو کم ہے، لیکن میں سال میں ایک رات لیلۃ القدر کی پیدا کروں گا۔ اگر تیری امت اس رات عبادت کرلے تو وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور یہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ ہم لیلۃ القدر میں ساری رات جاگتے رہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نصیب کرے تو الحمد للہ، ورنہ جو شخص عشا کی نماز جماعت سے پڑھے اور اس کے بعد تراویح بھی ادا کرے اور فجر کی نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھے، الحمد للہ اس کو لیلۃ القدر کا بہت بڑا حصہ مل گیا۔ تو یہ شرف بھی امت مصطفیٰ ﷺ کو ملا ہے۔

2 ...... علماء اور محدثین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی امتیں پیدا کی ہیں حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک جتنی کتابیں اتری ہیں، ان کتابوں کے حافظ صرف نبی ہوتے تھے، نبی کے علاوہ کوئی حافظ نہیں ہوتا تھا۔ الا قلیل۔

آج بھی آپ دیکھ لیں کہ نصرانی ہوں یا یہودی ہوں، ان کو اپنے مذہب پر بڑا ناز ہے۔ ان سے کہو کہ ایک انجیل کا حافظ پیدا کر کے دکھاؤ، جبکہ تم کہتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام پر اتری ہے تورات کا دعویٰ کرتے ہو کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اور یہ وہی کتاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو ملی تھی تو پوری دنیا میں ایک تورات کا حافظ لے آؤ۔ یہ شرف بھی اللہ تعالیٰ نے امت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دیا ہے کہ جیسے آپ کے سینے میں قرآن محفوظ ہے، امت کے سینے میں بھی قرآن محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت میں لاکھوں قاری پیدا کر لیے، کروڑوں حافظ پیدا ہوئے۔

3 ...... اور اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے نبی گزرے ہیں سب برحق ہیں اور

جتنے اللہ تعالیٰ نے ان پر احکام نازل کیے سب برحق ہیں، لیکن ان کتابوں میں جب اللہ تعالیٰ خطاب فرماتے تو صرف نبی کو خطاب فرماتے تھے۔

﴿یٰزَکَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُهٗ یَحْیٰی ۙ﴾[مریم:۷]

﴿یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ﴾[مریم:۱۲]

﴿وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾﴾[الصافات:۱۰۴]

اسی طرح جتنے انبیاء ورسول گزرے ہیں اللہ تعالیٰ خطاب نبی کو فرماتے تھے، لیکن یہ شرف امت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ملا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کو بھی خطاب کیا اور امت کو بھی براہ راست خطاب کیا ہے اور کسی امت کو یہ شرف نہیں ملا ہے۔

(حدیث) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ بھی اللہ تعالیٰ نے میری امت پر رحم کیا ہے کہ پہلی امتوں پر عذاب آئے: ایک عذابِ خسف ہے اور ایک عذابِ مسخ ہے، یعنی شکل بدل جائے اور خسف کا معنی ہوتا ہے کہ پوری کی پوری بستیوں کا زمین میں دھنس جانا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت پر رحم کیا ہے اور میری امت پر دو عذاب نہیں آئیں گے کہ ساری امت کی شکل بدل جائے یا ساری امت کو یک دفعہ خسف آجائے، ایسا نہیں ہوگا۔

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میری امت کے اندر جو علماء آئیں گے (کتاب وسنت کے علماء، اللہ کے قرآن اور نبی کی سنت پر چلنے والے علماء) ان کو بھی اللہ تعالیٰ اتنا مرتبہ دیں گے جیسے بنو اسرائیل کے نبی گزرے ہیں (اس سے افضلیت کا بیان مقصود ہے)۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میری امت کا عالم ایک ہزار عابد سے شیطان پر بھاری ہے۔ کیونکہ عابد تو اپنی عبادت میں مصروف ہے، عابد ایک محدود دائرے کے اندر محدود ہے، لیکن عالم دنیا میں میرا دین پھیلا رہا ہے، دنیا میں شیطان کو روک رہا ہے اور پوری دنیا میں جہاں جہاں فرق باطلہ ہوتے ہیں وہاں ہر جگہ عالم مقابلہ کر رہا ہے۔ یہ سارا شرف امت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ملا ہے۔

فصاحتِ قرآنی کی ایک مثال:

﴿تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ﴾[آل عمران:۱۱۰]

یہاں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو بعد میں ذکر کیا ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو پہلے ذکر کیا ہے؛ کیونکہ یہ قرآن کا اسلوبِ بیان ہے کہ کبھی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی اور کبھی اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف نزول ہوتا ہے۔ یہ فصاحت و بلاغت ہے۔ یہاں چونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت بیان کرنی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر پہلے کیا اور ایمان کا ذکر بعد میں کیا ہے۔

﴿وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ [آل عمران:۱۱۰]

اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں کہ اگر یہ بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہت بہتر تھا؛ کیونکہ اگر کوئی اہل کتاب میرے مدنی پر ایمان لے آئے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ایسے لوگوں کو دہرا اجر ملتا ہے۔ [بخاری، رقم:۹۷]

﴿مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ [آل عمران:۱۱۰]

اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو ایمان لے آئے، لیکن ان کی اکثریت کفر کرنے والی ہے، حق سے نکلنے والی، اطاعت کو چھوڑنے والی ہے اور ان کی اکثریت بغض و عناد کا شکار ہوگئی ہے۔ اگر وہ بھی ایمان لے آتے اور امت مصطفیٰ ﷺ میں شامل ہو کر خیر امت کے لقب سے ملقب ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی دہرا اجر عطا فرماتے، لیکن جن کے مقدر میں ایمان لکھا تھا وہ ایمان لے آئے اور جن کے مقدر میں ہدایت نہیں تھی باوجود کتاب ملنے کے ہدایت نصیب نہ ہو سکی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ کا معنی ہے کہ تم بہتر امت ہو لوگوں کے لیے بھی، یعنی تم لوگوں کے لیے خیر ہو، تم لوگوں کو جنگ میں قید کر کے، ان کی گردنوں میں زنجیر ڈال کر ان کو اسلام کی طرف کھینچ کھینچ کر لاتے ہو، حتیٰ کہ وہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ہر لحاظ سے امت محمد مصطفیٰ ﷺ خیر ہی خیر ہے۔ اگر تبلیغ کریں تب خیر ہے، امر بالمعروف نہی عن المنکر تب خیر ہے، جہاد کرے تب خیر ہے اور کسی کو قید کرے تب خیر ہے؛ کیونکہ ان کا مقصد ہوتا ہے کہ لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں اور آخرت کے عذاب سے بچ کر جنت کے عیش و آرام میں رہیں۔

(حدیث) درہ بنت ابی لہب کہتی ہیں کہ ایک آدمی حضور اکرم ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا اور آپ اس وقت منبر پر

تشریف فرما تھے۔ اس نے پوچھا: حضور! سب سے بہتر لوگ کون سے ہوتے ہیں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:((خَيْرُ النَّاسِ أَقْرَؤُهُمْ وَأَتْقَاهُمْ لِلّٰهِ، وَآمَرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ، وَأَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَأَوْصَلُهُمْ لِلرَّحِمِ))[مسند احمد، رقم:٢٧٤٣٤] اچھے لوگ وہ ہوتے ہیں جو قرآن مجید کی زیادہ تلاوت کرنے والے اور ماہر قرآن ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور وہ لوگ جو بھلائی کا حکم زیادہ کرتے ہیں اور برائی سے زیادہ منع کرتے ہیں اور اچھے لوگ وہ ہیں جو زیادہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔

ایک صلہ رحمی قرابت میں ہوتی ہے اور ایک صلہ رحمی عام بھی ہے؛ کیونکہ تمام کلمہ پڑھنے والے مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ہر مسلمان کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آنا یہ بھی صلہ رحمی میں داخل ہے۔ اور صلہ رحمی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے صلہ رحمی کی جس نے اپنے رحم کو جوڑا میں اس کو اپنی رحمت سے جوڑوں گا اور جس نے قطع رحمی کی میں اس کو اپنی رحمت سے توڑ دوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: خیر امت کے سب سے پہلے مخاطب وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ خطاب عام ہے۔ ہر زمانے کے اپنے اعتبار سے پوری امت مصطفیٰ ﷺ کو ہے۔ جیسا کہ سب سے افضل لوگ وہ ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے زمانہ کے ہیں، ان کے بعد تابعین کا دور اور ان کے بعد تبع تابعین کا دور ہے، پھر اس طرح چلتے آئیں۔

مسند امام احمد، ترمذی وغیرہ میں حضرت حکیم بن معاویہ بن حیدہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:((أَنْتُمْ تُوفُونَ سَبْعِينَ أُمَّةً، أَنْتُمْ خَيْرُهَا وَأَنْتُمْ أَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ))[ترمذی، رقم:٣٠٠١] ستر امتیں گزری ہیں اور تم سترہویں امت ہو، لیکن تم ان سب سے بہتر اور اللہ کے نزدیک عظمت والی واحترام والی امت تم ہو۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امت خیر امت اور بھلائی کے میدان میں سبقت لے گئی ہے۔ اس مرتبہ کی وجہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں؛ کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ عزت وعظمت اور شرافت والے نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل، مکمل شریعت دی ہے، آپ سے پہلے کامل شریعت نہ کسی نبی کو ملی اور نہ کسی رسول کو ملی ہے۔ پس جو آدمی حضور اکرم ﷺ کی سنت پر عمل کرے اور ان کے راستہ پر چلے چاہے تو وہ تھوڑا سا عمل بھی

کرے اور باقی امتیں زیادہ عمل بھی کریں، لیکن یہ تھوڑے عمل والا کامیابی کا نمبر لے جاتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((أُعْطِيتُ مَا لَمْ يُعْطَ أَحَدٌ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا هُوَ؟ قَالَ: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ، وَسُمِّيتُ أَحْمَدَ وَجُعِلَ التُّرَابُ لِي طَهُورًا، وَجُعِلَتْ أُمَّتِي خَيْرَ الْأُمَمِ))[مسند احمد، رقم:٧٦٣] اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی نعمتیں دی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں ملیں۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کون سی نعمتیں ہیں جو آپ کو ملی ہیں؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی ہے۔ اگر میں کافروں سے جہاد لڑوں تو میں ابھی دور ہوتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام زمین کے خزانوں کی چابیاں دی ہیں، لیکن میں نے فقر کو اختیار فرمایا۔ اور آپ نے فرمایا: اللہ نے مجھے یہ بھی شرف بخشا کہ میرا نام احمد ہے، مجھ سے پہلے کسی کا نام احمد نہیں رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے پوری زمین کو میرے لیے پاک فرما دیا ہے، یہ امت اس سے تیمم بھی کر سکتی ہے اس پر نماز بھی پڑھ سکتی ہے، اگر وہ جگہ پاک ہو۔ مسجد میں نماز پڑھنے کی شرط نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے میری امت کو تمام امتوں کا سردار بنایا ہے اور تمام امتوں سے افضل بنایا ہے۔ یہ وہ نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دی ہیں اور کسی امت کو نہیں ملی ہیں اور آج انہیں کی وجہ سے اس امت کو یہ شرف اور عظمت ملی ہے۔

(حدیث) حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتی ہیں کہ میں نے حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور ام الدرداء فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی ابوالدرداء کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت کے ساتھ روایت کرتے ہوئے نہیں سنا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ: يَا عِيسَى! إِنِّي بَاعِثٌ بَعْدَكَ أُمَّةً إِنْ أَصَابَهُمْ مَا يُحِبُّونَ حَمِدُوا وَشَكَرُوا، وَإِنْ أَصَابَهُمْ مَا يَكْرَهُونَ احْتَسَبُوا وَصَبَرُوا، وَلَا حِلْمَ وَلَا عِلْمَ قَالَ: يَا رَبِّ! كَيْفَ هٰذَا لَهُمْ وَلَا حِلْمَ وَلَا عِلْمَ؟ قَالَ: أُعْطِيهِمْ مِنْ حِلْمِي وَعِلْمِي))[مسند احمد، رقم:٢٧٥٤٥] اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ میں تیرے بعد ایک ایسی امت کو پیدا کرنے والا ہوں اگر اس امت کو کوئی خوشی ملے گی یا کوئی نعمت ملے گی تو اللہ تعالیٰ کا شکر کریں گے اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچے گی پریشانی یا مصیبت آئے گی تو اللہ تعالیٰ سے ثواب طلب کریں گے اور صبر کریں گے اور نہ حلم اور علم۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: یا اللہ! کیسے وہ قوم ایسا کرے گی، جبکہ ان کے پاس علم بھی نہ ہو اور حلم بھی نہ ہو؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں ان کو اپنے حلم سے عطا کروں گا

ان کو اپنے علم سے عطا کروں گا۔ اس امت کے لیے اس سے بڑا شرف کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے حلم اور علم سے عطا فرمایا ہے۔

(حدیث) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((أُعْطِيتُ سَبْعِينَ أَلْفًا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ، وُجُوهُهُمْ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، قُلُوبُهُمْ عَلَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ، فَاسْتَزَدْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فَزَادَنِي مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ سَبْعِينَ أَلْفًا قال أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: فَرَأَيْتُ أَنَّ ذٰلِكَ آتٍ عَلَى أَهْلِ الْقُرَى وَمُصِيبٌ مِنْ حَافَاتِ الْبَوَادِي.)) [مسند احمد، رقم:۲۲] مجھے ستر ہزار افراد ایسے دیے گئے ہیں جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے، ان کے چہرے ایسے ہوں گے جیسے چودھویں کا چاند روشن ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اللہ میاں! اور زیادہ کریں (ستر ہزار تو بہت تھوڑا ہے اور زیادہ کریں۔ میں مانگتا رہا، اللہ تعالیٰ فرماتے گئے، حتیٰ کہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ستر ہزار جو جنت میں جائے گا ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار جائیں گے۔ دعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں بغیر حساب کے جنت عطا فرمائیں۔) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ یہ بستیوں والے اور بستیوں کے کنارے والے سب اس تعداد میں شریک ہیں۔ (صرف ان کی تعداد جو اوپر حدیث میں آئی ہے چار ارب نوے کروڑ بنتی ہے، جو بلا حساب و کتاب جنت میں جائیں گے)۔

(حدیث) شریح بن عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ (صحابی ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے غلام ہیں۔) حمص میں بیمار ہو گئے اور اس وقت عبداللہ بن قرط ازدی حمص کا امیر تھا، وہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے نہ آیا۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ پر کلاعیین میں سے کچھ آدمی عیادت کرنے کے لیے آئے آپ نے فرمایا: کیا تم لکھنا جانتے ہو؟ اس آدمی نے کہا: ہاں میں لکھنا جانتا ہوں۔ فرمایا: لکھو تو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن قرط جو اس وقت حمص پر امیر تھے ان کو خط لکھا کہ ''مِنْ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا بَعْدُ.......'' [مسند احمد، رقم:۲۲۳۱۸] اگر آج موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی خادم تمہارے وقت میں موجود ہوتا اور وہ بیمار ہوتا تو اس کی عیادت کے لیے آپ ضرور جاتے، لیکن میں محمد مصطفیٰ ﷺ کا خادم بیمار ہوں تو نے میری کوئی خبر گیری نہیں کی۔ اور اس کے بعد یہ خط لپیٹ کر اس آدمی کو دیا اور فرمایا: یہ پہنچا دو گے؟ اس نے کہا: آپ فکر نہ کریں، میں یہ خط امیر کو پہنچا دوں گا۔ جب امیر کو یہ خط ملا تو اتنا گھبرا کر اٹھا کہ لوگوں نے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑی بات پیش آ گئی ہے اور وہ سیدھے حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور ان کی عیادت کی اور جب جانے کی

اجازت چاہی تو حضرت ثوبان نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ اگر تم نے عیادت کرنے کا ثواب حاصل کیا ہے تو بیٹھو، میں بھی تمہیں محمد مصطفیٰ ﷺ کی حدیث سناؤں کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے ستر ہزار ایسے لوگ ہوں گے جن سے نہ حساب ہوگا اور نہ عذاب ہوگا۔ ان کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کریں گے اور ایک ہزار کے ساتھ ستر مزید ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بغیر کسی حساب کے، بغیر کسی عذاب کے جنت میں بھیجیں گے۔

مفسر کا اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ امت محمد مصطفیٰ ﷺ سے ستر ہزار اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اتنی امت بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی روایت کے مطابق ایک اور روایت بھی لکھی ہے اس میں ستر ہزار افراد بلا حساب جنت میں جائیں گے اور ان کے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار مزید جنت میں جائیں گے۔ لہٰذا یہی بات راجح ہے جو پہلی روایت میں مذکور ہے۔

قیامت میں حضور ﷺ کی امت کی کثرت:

(حدیث) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک رات ہم حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں تھے بات بہت طویل ہوتی گئی پھر صبح کو ہم حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأَنْبِيَاءُ اللَّيْلَةَ بِأُمَمِهَا، فَجَعَلَ النَّبِيُّ يَمُرُّ، وَمَعَهُ الثَّلَاثَةُ، وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الْعِصَابَةُ، وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ النَّفَرُ، وَالنَّبِيُّ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ، حَتَّى مَرَّ عَلَيَّ مُوسٰى، مَعَهُ كَبْكَبَةٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَأَعْجَبُونِي، فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ فَقِيلَ لِي: هٰذَا أَخُوكَ مُوسٰى، مَعَهُ بَنُو إِسْرَائِيلَ. قَالَ: قُلْتُ: فَأَيْنَ أُمَّتِي؟ فَقِيلَ لِي: انْظُرْ عَنْ يَمِينِكَ. فَنَظَرْتُ، فَإِذَا الظِّرَابُ قَدْ سُدَّ بِوُجُوهِ الرِّجَالِ، ثُمَّ قِيلَ لِي: انْظُرْ عَنْ يَسَارِكَ. فَنَظَرْتُ، فَإِذَا الْأُفُقُ قَدْ سُدَّ بِوُجُوهِ الرِّجَالِ، فَقِيلَ لِي: أَرَضِيتَ؟ فَقُلْتُ: رَضِيتُ يَا رَبِّ، رَضِيتُ يَا رَبِّ . قَالَ: فَقِيلَ لِي: إِنَّ مَعَ هٰؤُلَاءِ سَبْعِينَ أَلْفًا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ.....))[مسند احمد، رقم:۳۸۰۶] رات کو مجھے تمام انبیاء علیہم السلام دکھائے گئے میں نے دیکھا کہ بعض پیغمبر ایسے بھی ہیں کہ ان کے ساتھ اسلام لانے والے صرف تین آدمی ہیں اور بعض پیغمبر ایسے ہیں کہ جن کے ساتھ تھوڑی سی جماعت ہے اور بعض پیغمبر ایسے بھی ہیں کہ جن کے ساتھ ایک ہی ماننے والا ہے اور بعض پیغمبر ایسے بھی ہیں جن کے ساتھ ایمان لانے والا کوئی بھی نہیں ہے۔ پھر میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، ان کے ساتھ بہت بڑی جماعت ہے، میں حیران ہوا اور پوچھا: یہ کون

ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان کے ساتھ یہ بنو اسرائیل ہیں۔ پھر میں نے پوچھا: یا اللہ! میری امت کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: اپنے دائیں طرف دیکھو۔ جب میں نے دیکھا تو سب افق میری امت سے بھرا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! کیا اب تم راضی ہو کہ سب سے زیادہ آپ کی امت ہے۔ میں نے عرض کیا: ہاں اللہ میں راضی ہوں، میں راضی ہوں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو فرمایا: اس کے بعد مجھے کہا گیا کہ یہ تو آپ کی امت ہم نے دکھائی ہے، اس کے ساتھ ستر ہزار ایسے بھی ہیں جن کو ہم جنت میں داخل کریں گے اور ان کا کوئی حساب بھی نہیں ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا: تم پر میرے ماں باپ قربان! تم چاہو تو کوشش کرو اور اس ستر ہزار میں داخل ہو جاؤ۔ اگر تم ستر ہزار میں داخل نہیں ہو سکتے تو کم از کم اس کثرت میں داخل ہو جاؤ جو ظراب (ٹیلوں) کی شکل میں نظر آ رہی تھی۔ اگر تم ایسا نہ کر سکو تو موافق والوں میں سے ہو جاؤ، میں نے دیکھا ہے کہ وہاں لوگ اضطراب اور پریشانی میں مبتلا ہوں گے۔ عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس ستر ہزار میں داخل کر دے جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور فرمایا: تم ان میں سے ہو گے۔ اس کے بعد ایک اور آدمی کھڑا ہوا اس نے کہا: حضور! میرے لیے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کر لے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عکاشہ تم سے سبقت لے گیا۔

صحابہ کہتے ہیں اس کے بعد ہم نے بحث کی کہ وہ کون خوش نصیب ہوں گے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ بعض صحابہ نے کہا: وہ ستر ہزار لوگ ہوں گے جو اسلام میں پیدا ہوئے، مسلمان پیدا ہوئے، مسلمان زندہ رہے اور اسلام پر موت آئی۔ کہتے ہیں کہ ہم اپنی اپنی عقل سے یہ باتیں سوچ رہے تھے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ صحابہ یہ باتیں کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ستر ہزار جو بلا حساب و کتاب جنت میں جائیں گے وہ لوگ ہوں گے اور اپنا علاج داغ دے کر نہیں کروائیں گے؛ کیونکہ داغ فی الحقیقت آگ کا عذاب ہے اور آگ کا عذاب اللہ تعالیٰ جہنمیوں کو دیتے ہیں، گو بعض بیماریوں میں مجبور ہو جائے تو جائز ہے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔

اور وہ لوگ جو منتر جنتر پر یقین نہیں رکھیں گے۔ (یعنی وہ منتر جو زمانہ جاہلیت میں پڑھتے تھے اور جن میں غیر شرعی الفاظ ہوتے ہیں ایسا منتر پڑھنا حرام ہے اور کفر تک لے جاتا ہے اور بعض دم شرع کے موافق ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سکھائے ہیں، ان کو پڑھنا جائز ہے)۔

اور وہ ایسے لوگ ہوں گے جو تطیر نہیں کریں گے۔ (زمانہ جاہلیت کے اندر ایک عادت تھی کہ مثلاً کسی کام کے لیے نکلتے، آگے پرندہ بیٹھا ہوتا تو اس کو مارتے۔ اگر وہ پرندہ دائیں طرف اڑ جاتا تو کہتے تھے کہ ہمارا کام ہو جائے گا اور اگر پرندہ بائیں طرف اڑ جاتا تو کہتے تھے کہ آج ہمارا کام نہیں ہوگا۔ اسی طرح وہ بہت ساری چیزوں سے بد فالی لیتے تھے)۔

اور وہ ہر بات میں اپنے اللہ پر آسرا اور توکل کرتے ہیں کہ جو بھی چیز ہے میرے اللہ کی طرف سے ہے: نفع و نقصان، خوشی و رنج سب میرے اللہ کی طرف سے ہے۔

حضرت حصین بن عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ ہم سعید بن جبیر کی خدمت میں تھے۔ انہوں نے ہم سے پوچھا کہ تم میں سے کون شخص ہے جس نے رات کے وقت جو تارا ٹوٹا ہے اس کو دیکھا ہو؟ میں نے کہا: میں نے دیکھا ہے کہ ستارا ٹوٹا ہوا ہے، لیکن میں نماز نہیں پڑھ رہا تھا، بلکہ مجھے کوئی سانپ بچھو لڑ گیا، اس کی تکلیف کی وجہ سے میں بیٹھا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ جب تو ڈسا گیا تو تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا: اس پر رقیہ پڑھا تھا۔ انہوں نے کہا: تم نے رقیہ کو کیوں پڑھا؟ میں نے کہا: شعبی نے ہمیں ایک حدیث بیان کی ہے اس کی وجہ سے۔ سعید نے دریافت کیا: شعبی نے تمہیں کیا حدیث بیان کی ہے؟ میں نے کہا: شعبی نے ہمیں بریدہ بن حصیب اسلمی سے حدیث بیان کی ہے کہ جھاڑ پھونک صرف نظر یا بخار سے ہوتا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بہرحال تم نے تو رقیہ پڑھا ہے، لیکن بات یہ ہے کہ مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث سنائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سارے نبی دکھائے گئے...... اور آگے گزشتہ حدیث مکمل بیان کی۔

(حدیث) حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: ((إِنَّ اللهَ وَعَدَنِي أَنْ يُدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعِينَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ فقال يَزِيدُ بْنُ الْأَخْنَسِ: وَاللهِ مَا أُولَئِكَ فِي أُمَّتِكَ يَا رَسُولَ اللهِ إِلَّا مِثْلَ الذُّبَابِ الْأَصْهَبِ فِي الذُّبَابِ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ اللهَ وَعَدَنِي سَبْعِينَ أَلْفًا، مَعَ كُلِّ أَلْفٍ سَبْعُونَ أَلْفًا وَزَادَنِي ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ)) [السنۃ لابن ابی عاصم، رقم: ۵۸۸] میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں بھیجیں گے۔ یزید بن اخنس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم یہ لوگ تو آپ کی امت میں ایسے ہوں گے جیسے بھورے رنگ کی مکھی دوسری مکھیوں میں ہوتی ہے (بہت کم تعداد میں ہوں گے۔) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد



فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ستر ہزار کا وعدہ کیا ہے اور ہر ہزار کے ساتھ اور ستر ہزار ہوں گے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ تین حثیات (لپیں) بھر کر جہنم سے نکالیں گے تو ان کا عدد بھی کوئی نہیں جان سکتا، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ۔ یہ بھی حضور اکرم ﷺ کی امت کو شرف ملا ہے۔

(حدیث) حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ سے میرے رب نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت کے ستر ہزار لوگ جنت میں داخل ہوں گے، ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے، نہ ان پر کوئی حساب ہوگا اور نہ ہی عذاب، اور میرے رب کی تین لپیں ہوں گی۔

[السنۃ لابن ابی عاصم، رقم: ۵۸۹]

(حدیث) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے چار لاکھ جنت میں داخل فرمائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور! اللہ تعالیٰ سے اور زیادہ مانگیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بس جو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے وہ کافی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوبکر! رہنے دو۔ جس بات پر حضور اکرم ﷺ خاموش ہوجائیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہیں کیا ہے میں اللہ تعالیٰ سے اور زیادہ مانگتا ہوں، سب کے سب جنت میں داخل ہوجائیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: (اللہ تعالیٰ کا جو ثلاث حثیات کا وعدہ ہے) اللہ تعالیٰ اپنے ایک ہاتھ سے سب کو جنت میں بھیجیں گے۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: عمر نے سچ کہا ہے۔ [مسند احمد: ۳/۱۶۵]

(حدیث) ابو مالک سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((أَمَا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَيَبْعَثَنَّ مِنْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى الْجَنَّةِ مِثْلُ اللَّيْلِ الْأَسْوَدِ زُمْرَةٌ جَمِيعُهَا يُحِيطُونَ الْأَرْضَ، تَقُولُ الْمَلَائِكَةُ: لَمَا جَاءَ مَعَ مُحَمَّدٍ أَكْثَرُ مِمَّا جَاءَ مَعَ الْأَنْبِيَاءِ)) [المعجم الکبیر للطبرانی، رقم: ۳۴۵۵] مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی زندگی ہے! جب تمہیں قیامت والے دن جنت میں بھیجیں گے تو ایسے ہوگا جیسے رات کا اندھیرا دنیا پر چھاجاتا ہے، میری امت بھی سب پر چھاجائے گی (یعنی اتنی بڑی ہوگی)۔ حتیٰ کہ اللہ کے فرشتے کہیں گے: سبحان اللہ!! دیکھو تو سارے نبیوں کی امتوں کو جمع کرو تو ایک طرف ہیں اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت ایک طرف ہے۔

اس لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی امت پر فخر کروں گا؛ کیونکہ قیامت میں میری امت تمام نبیوں کی امتوں سے زیادہ ہوگی۔ [ابوداؤد، رقم: ۲۰۵]



دشمنوں نے بھی اس لیے آج کل منصوبہ بندی کا پروگرام بنایا ہے کہ امت مصطفیٰ ﷺ کو کم کر دو۔ وہ بدبخت اپنے ملک میں منصوبہ بندی نہیں کرتے، حالانکہ امت محمد مصطفیٰ ﷺ اتنی حضور اکرم ﷺ کے لیے باعث خوشی ہے۔

(حدیث) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور پاک ﷺ سے سنا کہ مجھے اپنے رب سے امید ہے کہ میری پیروی کرنے والے میرے امتی قیامت میں جنت کا چوتھائی ہوں گے۔ ہم نے خوشی سے کہا: "اللہ اکبر"۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ پوری جنت میں آدھی میری امت ہوگی اور آدھی جنت میں سارے انبیاء کی امتیں ہوں گی۔ [مجمع الزوائد للہیثمی: ۱۰/ ۴۰۲]

دوسری روایت میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت والے دن جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں بنیں گی: ان میں اسی صفیں میری امت کی ہوں گی۔ یعنی سب سے زیادہ حضور اکرم ﷺ کی امت ہوگی۔

[مسند احمد: ۱/ ۴۵۳]

(حدیث) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝﴾ [الواقعہ: ۴۰-۳۹] یعنی پہلے گزری ہوئی جماعتوں میں سے بہت سارا عدد ہوگا اور اسی طرح بعد والوں میں سے بھی بہت سارے لوگ ہوں گے۔ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم لوگ جنتیوں کا چوتھائی حصہ ہوگے، تم جنتیوں کا تہائی حصہ ہوں گے، تم لوگ جنتیوں کا نصف ہوگے اور تم لوگ جنتیوں کی دو تہائی ہوگے۔

[الحلیۃ لابی نعیم: ۷/ ۱۰۱]

(حدیث) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: ہم باعتبار زمانہ کے سب سے آخر میں آنے والی امت ہیں۔ اور آپ نے فرمایا: اَوَّلُوْنَ بھی ہم ہوں گے۔ صحابہ کو سمجھانے کے لیے حضور اکرم ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ سب سے پہلے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ میری امت کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔ [مسلم، رقم: ۸۵۵]

یہ بہت بڑا شرف عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ساری کائنات بنائی ہے، اس کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ اس سے پہلے عالم ارواح گزر چکا ہے اور یہ عالم دنیا ہے۔ اس کا ایک وقت معین ہے، جو صرف اللہ کے علم میں ہے کہ یہ دنیا کب فنا ہوگی؟ اور جب اس کائنات کو بسایا تو سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو بھیجا گیا، ان سے توالد و تناسل ہوا، ان سے ہزاروں لاکھوں پیدا کیے۔ اور ان کو دنیا میں رہنے کی تعلیم دی۔ ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور

انتہائے نبوت میرے مدنی محمد رسول اللہ ﷺ پر ہوئی۔ اس بات کو بعض علماء اس پیرائے میں بیان کرتے ہیں اور اس سے حضور اکرم ﷺ کی شان بیان کرنا مقصود ہوتا ہے کہ جب ہم ایک ایک بات پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری کائنات اسی لیے سجائی تھی کہ اپنا رسول بھیجیں۔

یاد رکھیں! یہ شرف بھی حضور اکرم ﷺ کو ملے گا کہ آپ قیامت والے دن سب سے پہلے اپنی قبر مبارک سے کھڑے ہوں گے اور آپ اس شان سے کھڑے ہوں گے کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام بھی ساتھ ہوں گے، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی ساتھ ہوں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کے بعد میں بقیع الغرقد (مدینے کے قبرستان) میں آؤں گا، وہ کھڑے ہوں گے، پھر میں مکہ والوں کا انتظار کروں گا، مکہ والے مسلمان بھی قبروں سے اٹھ کر پہنچیں گے اور پھر میں ان سب کو لے کر شام کی طرف روانہ ہوں گا (کیونکہ میدان حشر شام میں ہوگا)۔

(حدیث) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ الْجَنَّةَ حُرِمَتْ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ كُلِّهِمْ حَتَّى أَدْخُلَهَا، وَحُرِمَتْ عَلَى الْأُمَمِ حَتَّى تَدْخُلَهَا أُمَّتِي))[1] اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انبیاء پر جنت میں داخل ہونے کو روک لیا ہے جب تک میں داخل نہ ہوں (کوئی پیغمبر یا نبی داخل نہیں ہوں گے) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں پر جنت میں داخل ہونے کو روک دیا ہے جب تک میری امت داخل نہ ہو (تو کوئی امت داخل نہیں ہوگی)۔

ان احادیث مبارکہ سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ شرف بھی حضور اکرم ﷺ کو بخشا ہے کہ سب سے پہلے ہمارے آقا جنت میں جائیں گے، آپ کے بعد سارے انبیاء جنت میں جائیں گے۔ اور اسی طرح تمام امتوں میں سب سے افضل چونکہ حضور اکرم ﷺ کی امت ہے، وہ پہلے جنت میں داخل ہوگی اور اس کے بعد باقی امتیں جنت میں داخل ہوں گی۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے یہ حضور اکرم ﷺ کی امت کے شرف میں جتنی احادیث ذکر کی ہیں یہ مرتبہ ان کو ملے گا جن کے اندر یہ تین صفات ہوں گی جو اس آیت میں مذکور ہیں: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ [آل عمران: ۱۱۰] اگر یہ تین صفات نہ ہوں تو ان کو یہ شرف حاصل نہیں ہوگا۔



[1] [تفسیر ابن کثیر، جلد: ۲، صفحہ: ۱۰۳]

آج ہر مسلمان کے دماغ میں آ گیا ہے کہ اعمال کی ضرورت نہیں ہے، بس "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ." پڑھ لیا ہے، بس ہم مسلمان ہیں، لہٰذا ہم امت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں تو جو آپ کی امت کی فضیلت ہے وہ ہمیں خود بخود مل گئی ہے۔ اس وجہ سے آج لوگ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور اعمال سے غافل ہیں، حالانکہ آج ہمارے اعمال دیکھ کر یہود بھی شرماتے ہیں۔ آپ پورے قرآن کو کھول کر دیکھ لیں! جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان کا ذکر فرمایا ہے، آگے اعمال صالحہ کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ مومن وہ ہے جو اعمال صالحہ کرتا ہے، لہٰذا اگر وہ مومن والی صفات آپ کے اندر پائی جائیں گی تو آپ مومن بنیں گے اور اگر وہ صفات نہیں پائی جائیں گی تو کہنے سے کوئی مسلمان نہیں بن جاتا اور وہ ان مراتب پر فائز نہیں ہو سکتا، ورنہ...... نعوذ باللہ! نعوذ باللہ!...... یہ ناانصافی ہوگی کہ ایک آدمی کی سو سال تک تہجد بھی قضا نہ ہو وہ بھی مسلمان ہے اور ایک آدمی سو سال تک نماز ہی نہ پڑھے وہ بھی اسی درجہ کا مسلمان ہو۔ ایسی ناانصافی تو کوئی بندہ بھی نہیں کرتا، خدا کیسے کرے گا؟ اگر...... نعوذ باللہ!...... عمل سے کچھ نہیں ہوتا تو صحابہ بلاوجہ نماز پڑھتے، اعمال کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ عمل سے اگر کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا تو اللہ کے نبی کی تہجد پڑھتے پڑھتے پاؤں پر ورم آ گئی تھی۔

اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس کے اندر یہ صفات پیدا ہوں گی وہ اس مدح کے اندر داخل ہوگا اور جس میں یہ صفات نہیں ہوں گی وہ مدح میں داخل نہیں ہوگا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حج کرنے کے لیے گئے اور دیکھا کہ لوگوں کے اندر اعمال کی سستی ہے تو آپ نے فرمایا: خبردار! جو چاہتا ہے کہ میں اس امت کی صفتوں میں داخل ہو جاؤں اس کو چاہیے کہ وہ ان شرطوں کو پورا کرے، تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو امت کے مراتب نصیب فرمائے۔ [تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۱۰۳]

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی آدمی برائی دیکھ کر منع نہیں کرتا اور بھلائی کا حکم نہیں کرتا تو اس کا وہ حال ہوگا جو اہل کتاب کا ہے، جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مذمت بیان کی ہے: ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ﴾ [المائدۃ: ۷۹] ہم نے ان کو کتاب کا علم دیا، لیکن وہ منکر (برائی) کو دیکھتے جس کو لوگ کر رہے ہوتے تو یہ ان کو کبھی منع نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے جب امت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مدح کی تو اب اگلی آیات کے اندر اہل کتاب کی مذمت بیان کی ہے، فرمایا: ﴿وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۱۰]
اگر اہل کتاب ایمان لے آتے جو کچھ اتارا گیا محمد مصطفیٰ ﷺ پر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تو ان کے

لیے بہت بڑا اجر اور بہت بڑی خیر تھی۔ ان کو دو ثواب ملتے: ایک اپنے پیغمبر پر ایمان لانے اور عمل کرنے کا اور دوسرا حضور اکرم ﷺ پر ایمان لانے کا ثواب ملتا۔ لیکن ان اہل کتاب میں سے تھوڑے سے لوگ ایمان لے آئے اور اکثر ان کے اللہ کی اطاعت سے نکلنے والے ہیں۔

آج بھی جو یہودی یا نصرانی اسلام میں آرہے ہیں وہ ہم سے کروڑ درجہ ایمان کے اندر پکے ہیں۔ ان کی شکل وصورت اور عبادت کے اندر اسلام نظر آتا ہے، ان کا ایک ایک لمحہ اسلام کی خدمت میں گزر رہا ہے اور ان کا جو ایک آدمی مسلمان ہوا اس نے پھر ہزاروں کو مسلمان کیا ہے، لیکن ہم تو اسلام کے نام پر داغ ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ یہ بھی مسلمان ہے اور ڈسکو میں بھی کھڑا ہے، کلب میں بھی کھڑا ہے، خنزیر بھی کھا رہا ہے اور گوری لڑکیوں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر شام کو سیر بھی کر رہا ہے تو وہ کہتے ہیں: یہ عجیب مسلمان ہے! اگر ایسا اسلام ہے تو اس کو گھر میں رکھو۔ اگر ہم نے مسلمان ہونے کے بعد یہی کام کرنا ہے تو کیا فائدہ ہوا؟

یہودیوں کی شکست:

﴿وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾ [آل عمران:۱۱۱]

اگر کبھی اہل کتاب تمہارا مقابلہ کریں گے تو تمہیں شکست نہیں دے سکتے اور یہ اللہ تعالیٰ نے جیسا وعدہ کیا تھا پورا ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ یہود کے قبائل: بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو قریظہ مقابلہ نہ کر سکے، ان کو مدینہ چھوڑ کر جلاوطن ہونا پڑا اور وہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور ان کو وہاں سے بے عزت کر کے اور ذلت کے ساتھ نکالا گیا۔ وہ خیبر میں تھے تو وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور پھر جب صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور آیا تو ان کو جزیرہ عرب سے بھی نکال دیا گیا اور ذلت ان کا مقدر ہو گی۔

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا﴾ [آل عمران:۱۱۲]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ان یہودیوں پر ذلت مقدر کر دی ہے۔ یہ جہاں بھی ہوں گے ذلیل وخوار ہوں گے۔ ﴿اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ [آل عمران:۱۱۲] یا تو یہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کی وجہ سے یا لوگوں کی وجہ سے بچ جائیں چند دنوں کے لیے تو اور بات ہے۔

آپ تاریخ عالم کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں! چار ہزار سال سے زیادہ بنو اسرائیل کو گزرے ہیں، لیکن صرف سو یا

دیتے ہیں جو سال ان کو آرام ملا ہے، ورنہ ہر جگہ یہ ذلیل و خوار رہے ہیں۔ بخت نصر کے زمانے میں دیکھ لیں، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دیکھ لیں اور ان کے بعد والے زمانے میں دیکھ لیں کہ ہمیشہ ذلت ان کا مقدر رہی ہے۔ اور آج بھی اگر زندہ ہیں تو لوگوں کے سہارے پر زندہ ہیں۔ اگر لوگوں کا سہارا ان سے آج بھی منقطع ہو جائے تو وہ چند دنوں کے لیے بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ان پر یہ ذلت اس لیے لکھی کہ وہ میرے نافرمان تھے، وہ حد سے نکلنے والے تھے، انبیاء کو قتل کرتے تھے، گستاخ تھے اور اللہ کے دین میں بہانے بناتے تھے۔

﴿لَيْسُوا سَوَآءً ۗ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۗ وَأُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَآ أَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۗ وَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۗ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝﴾ [آل عمران: ۱۱۳ تا ۱۱۷]

"(لیکن) سارے اہل کتاب ایک جیسے نہیں ہیں، اہل کتاب ہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو (راہ راست پر) قائم ہیں، جو رات کے اوقات میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور جو (اللہ کے آگے) سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اچھائی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے ہیں اور نیک کاموں کی طرف لپکتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا شمار صالحین میں ہے، وہ جو بھلائی بھی کریں گے، اس کی ہرگز ناقدری نہیں کی جائے گی۔ اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ (اس کے برعکس) جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، اللہ کے مقابلے میں نہ ان کے مال ان کے کچھ کام آئیں گے اور نہ اولاد، وہ دوزخی لوگ ہیں، اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ جو کچھ یہ لوگ دنیوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سخت سردی والی تیز ہوا ہو، جو ان لوگوں کی کھیتی کو جا لگے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہو اور وہ اس کھیتی کو برباد کر دے۔ ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہیں۔"

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ان اہل کتاب کا ذکر فرمایا ہے جو صحیح ایمان والے تھے کہ میرے مدنی! تمام اہل کتاب برابر نہیں ہے، بلکہ ان اہل کتاب میں ایک جماعت ایسی ہے جو دین پر قائم رہنے والی ہے، جو اللہ نے کتابیں نازل فرمائی ہیں ان کی تلاوت کرنے والے ہیں، راتوں کو جاگنے والے ہیں اور اللہ کے آگے لمبے لمبے سجدے کرنے والے ہیں۔ یہ جماعت حق والی ہے۔

﴿لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ﴾

بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو اسلام لے آئے، جیسا کہ عبداللہ بن سالم رضی اللہ عنہ، اسد بن عبید رضی اللہ عنہ، ثعلبہ بن سعید رضی اللہ عنہ اور اسید بن سعید رضی اللہ عنہ وغیرھم۔

بعض علماء نے فرمایا کہ ہر دور میں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں بھی ایک جماعت ایسی تھی جو صحیح معنی میں دین پر قائم تھی، جو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول اور اللہ کا نبی مانتے تھے، آخرت پر ایمان رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل تھے اور وہ صحیح معنوں میں انجیل پر عمل کرنے والے تھے۔ اور اسی طرح یہود میں سے کچھ ایسے لوگ تھے جو صحیح معنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے، تورات پر عمل کرنے والے، آخرت پر ایمان لانے والے اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے مدنی! جیسے میں نے آپ کی امت کو شرف دیا ہے ایسے اہل کتاب میں وہ لوگ جو آپ پر ایمان لائے اور اپنے نبی پر بھی ایمان لائے اللہ تعالیٰ ان کو دوہرا اجر عطا فرمائیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر جنگ کرنے کے بعد کسی کے حصہ میں کنیز ملے اور وہ اس کو اچھی طرح تعلیم دے، ادب اور دین سکھائے اور آزاد کر کے اس سے شادی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو دہرا اجر عطا فرماتے ہیں۔

رات کی عبادت کی فضیلت:

﴿مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۱۳]

اہل کتاب میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو اپنے دین پر قائم رہنے والا ہے، اللہ کے قرآن کی تلاوت کرنے والا ہے اور ساری رات ان کی سجدے میں گزرتی ہے۔

علماء نے فرمایا: قرآن پڑھنا تو بڑی نعمت ہے، لیکن اگر آدمی رات کو جب سب لوگ آرام کر رہے ہوں اس

وقت اللہ کے دربار میں کھڑا ہو کر قرآن پڑھتا ہے تو اس کا انداز الگ ہے اور اس کی رحمتیں ہی الگ ہیں۔ ﴿اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلاً ﴾ [المزمل:٦] رات کو جاگنا نفس کو مارنے کی قوی بات ہے۔ لہٰذا رات کو عبادت کرنا اور لمبی لمبی رکعتیں پڑھنا، لمبی لمبی قرأت کرنا، لیکن قرآن اس طرح پڑھے کہ ایک ایک حرف پر غور کرے، ایک ایک اجملہ پر غور کرے کہ اللہ قرآن میں کیا درس دے رہا ہے!؟ اگر ترجمہ نہیں جانتا تو ایک ایک آیت کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور لمبے لمبے سجدے کرے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سب سے قریب سجدے میں ہوتا ہے۔

نیک لوگوں کی صحبت کے فوائد:

اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا معنی یہ ہے کہ جب بندہ اپنی ذات کو مٹا کر اور عاجزی کا اقرار کر کے اپنے چہرے کو مٹی میں ملا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے نے اپنے عجز کی انتہاء کر دی ہے۔ اس لیے اس وقت جو دعا نکلتی ہے سیدھی عرش پر پہنچتی ہے۔ اس لیے سجدہ زیادہ سے زیادہ لمبا کریں، لیکن لمبا سجدہ اس وقت جب علیحدہ ہوں، کوئی دیکھنے والا نہ ہو، ورنہ اگر آپ امام ہیں تو حکم ہے کہ جلدی سے نماز پڑھاؤ، تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔

بزرگوں نے فرمایا: آدمی ایک گھڑی اللہ والوں کے ساتھ بیٹھ جائے، ایک سو سال نفلی عبادت کرے اس سے یہ ایک گھڑی بہتر ہے:

؎ یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

کیونکہ اگر اکیلے عبادت کرے گا تو کبھی بھٹک سکتا ہے، کبھی پٹڑی سے اتر کر ریاء کا شکار ہو سکتا ہے، لیکن اللہ والے کی صحبت تریاق ہے، آدمی کی ہر بیماری کا علاج کرتی چلی جائے گی۔ حکم ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ [التوبۃ:١١٩] اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔ صحابہ کو صحبتِ نبی سے مقام ملا ہے اور تابعین کو صحابہ کی صحبت سے مقام ملا ہے اور تبع تابعین کو صحبتِ تابعین سے مقام ملا اور عام مومن کو مقام صحبتِ اولیاء اللہ، صحبتِ علماء سے ملا۔

کوشش کریں تنہائی میں جو وقت ملے قرآن پڑھیں۔ اللہ کا قرآن سمجھ میں نہ آئے تو بار بار پڑھیں، ایک ایک

آیت کو ہزار بار پڑھیں۔ اللہ کی رحمت سے قرآن خود سینے میں اترنا شروع ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نیک صفت اہل کتاب کی صفات بیان فرمائیں: ﴿يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝﴾ [آل عمران: ۱۱۴، ۱۱۵] کہ وہ صحیح معنی میں اللہ پر ایمان لانے والے اور آخرت پر ایمان لانے والے ہیں اور صحیح معنی میں بھلائی کا امر کرنے والے ہیں اور صحیح معنی میں برائی سے روکنے والے ہیں اور بھلائی کے کام میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے والے ہیں۔ یہی لوگ اچھے لوگوں میں سے ہیں اور جو کچھ ان لوگوں نے دنیا میں نیک عمل کیا ہے ہرگز اس کو نہیں مٹایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کو جاننے والے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نیک کاموں میں امت پر سبقت:

﴿وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ﴾

احادیث کے اندر ایک واقعہ آتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک بیوہ عورت تھی، جس کا کوئی سہارا نہیں تھا۔ میں نے سوچا رات کو اٹھ کر جاؤں گا، اس کے گھر میں جھاڑو دوں گا اور پانی بھر کر رکھ دوں گا۔ جب میں اس کے گھر میں گیا تو دیکھا کہ اس کے گھر کی صفائی بھی ہو چکی ہے، پانی بھی بھرا ہوا ہے اور ہر چیز اپنے اپنے مقام پر رکھی ہے۔ میں حیران ہو گیا کہ مجھ سے بھی پہلے کوئی نمبر لے گیا!! میں دوسری رات اس سے زیادہ جلدی گیا، لیکن وہاں پہلے سارے کام ہو چکے تھے۔ میں تیسری رات اور زیادہ جلدی گیا، لیکن اس بڑھیا کے سارے کام ہو چکے تھے۔ فرماتے ہیں کہ چوتھی رات میں نے فیصلہ کر لیا کہ آج عشاء کے بعد سونا ہی نہیں ہے، آج میں دیکھتا ہوں کہ مجھ سے پہلے کون نمبر لے جاتا ہے؟ میں نے دیکھا کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے ان سے کہا: ابوبکر! کیا آپ کسی دوسرے کو بھی نمبر لینے دو گے؟ ایمان میں بھی سب سے پہلے آپ ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بھی سب سے پہلے آپ ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی سب سے پہلے آپ ہیں اور اب لوگوں کی خدمت میں بھی سب سے پہلے آپ ہیں۔ ہمیں بھی کوئی موقع دے دیں، تا کہ ہم بھی کوئی کام کر سکیں۔

جو نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، نیک کام کرتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا ہے: ﴿وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝﴾ [آل عمران: ۱۱۴] یہی لوگ میرے نیک بندے ہیں۔ فرمایا: انہوں نے



اگر دنیا میں کوئی نیکی کی ہے، کوئی عمل کیا ہے یا پہلے دور میں کوئی عمل کیا ہے وہ ہم ضائع نہیں کریں گے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں ڈرنے والے اور ایمان والے کون ہیں۔

کافروں کا آخرت میں انجام:

مومنین کے بعد کافروں کا ذکر فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ [آل عمران:۱۱۶] جن لوگوں نے کفر کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری اولادیں، ہمارے مال اور ہماری جائیدادیں ہمارے کام آئیں گی، حالانکہ یہ چیزیں بالکل ان کو فائدہ نہیں پہنچائیں گی، ان کو اللہ کے عذاب سے کوئی چیز نہیں چھڑا سکے گی۔

کافروں کے پاس پیسہ ہے، اس لیے ان کو گھمنڈ ہے۔ جیسے دنیا کے اندر پیسہ دیا اور مقدمہ سے نکل گئے، دنیا میں کوئی عذاب آ گیا پیسے دیئے نکل گئے، مقابلہ ہو گیا اولادیں ساتھ کھڑی ہو گئیں، جیت گئے، اس طرح کافر آخرت کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ ہم بچ جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ قیامت میں یہ کچھ کام نہ آئے گا، بلکہ یہ جہنمی ہیں، ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ان کو میرے عذاب سے چھڑانے والی کوئی طاقت نہیں ہو گی۔

اشکال:

بعض کافر بڑے اچھے اچھے کام بھی کرتے ہیں: غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کی مدد کرتے ہیں، بڑے بڑے ہسپتال بناتے ہیں اور خیراتی ادارے بناتے ہیں تو کیا ان کو ان نیک کاموں کا کوئی بدلہ ملے گا؟

جواب:

اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اچھے کاموں کا دنیا کے اندر بدلہ دے دیتے ہیں، ان کے لیے آخرت میں کوئی بدلہ نہیں ہے؛ کیونکہ آخرت میں بدلہ ایمان والوں کو ملے گا، دنیا کے اندر کافروں کو بدلہ مل جاتا ہے کہ اولاد مل گئی، پیسہ مل گیا۔

حضرت مجاہد، حسن اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اسی سوال کا جواب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَثَلُ مَا يُنفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ [آل عمران:۱۱۷] جو کچھ کافروں نے دنیا میں خیرات کی ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک ہوا چلے، اس میں پالا ہو (ٹھنڈ ہو)۔ کیونکہ صر کا معنی ہے جمادینے والی سردی، وہ کسی کھیتی کو پہنچے تو سب کو جلا

ڈالے۔ان کافروں کا حال بھی یہی ہے کہ ان کے کفر نے ان کے اعمال کو جلا ڈالا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ ظلم سے منزہ اور پاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ذرہ کے برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتے، لیکن جن بندوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا کفر کر کے، شرک کر کے اور اللہ کی بغاوت کر کے تو ان پر عذاب آ گیا، اب ان کے اعمال کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں خیرات وہ قبول ہے جو ایمان کے ساتھ ہو۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿لَيْسُوا سَوَآءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ﴾ [آل عمران: ۱۱۳] کون برابر نہیں ہیں؟ اس میں دو قول ہیں: ایک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ امت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل کتاب برابر نہیں ہیں؛ کیونکہ سیاق و سباق کا تقاضا یہی ہے۔ اس قول کی ایک حدیث مبارکہ سے بھی تائید ہوتی ہے، جس کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند امام میں ذکر کیا ہے۔

(حدیث)((أَخَّرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَإِذَا النَّاسُ يَنْتَظِرُونَ الصَّلَاةَ، قَالَ: أَمَا إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ هَذِهِ الْأَدْيَانِ أَحَدٌ يَذْكُرُ اللهَ هَذِهِ السَّاعَةَ غَيْرَكُمْ))[ ] ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز میں دیر کی اور کافی دیر کے بعد۔ جب تشریف لے آئے اور دیکھا کہ لوگ نماز کی انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں تو آپ نے فرمایا: اس وقت کوئی مذہب والا ایسا نہیں ہے جو اللہ کے ذکر کے لیے جاگ رہا ہو، صرف میری امت ہے جو اتنی دیر کے باوجود بھی بیٹھی ہے، تاکہ ان کو جماعت کی نماز نصیب ہو جائے۔ اس حدیث سے بھی آپ کی امت کو یہ شرف ملا کہ اور کوئی دین والا ایسا نہیں جو جاگ رہا ہو ماسوائے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تو اس سے یہی نتیجہ نکلا کہ امت محمد اور اہل کتاب برابر نہیں ہیں؛ کیونکہ ایک سونے والا اور ایک جاگنے والا ہے۔ ایک ذاکر ہے اور ایک غافل ہے۔

تدوین حدیث کا زمانہ:

یاد رکھیں! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے زمانہ میں اگر کسی مسئلہ میں یا کسی بات پر دو قول ہو جاتے تو جھگڑا نہیں ہوتا تھا۔ ان کا محض علمی اختلاف تھا، اسی طرح خیر القرون کا زمانہ گزر گیا۔ آپ اس چیز سے اندازہ کریں کہ اڑھائی سو سال بعد احادیث کی بڑی بڑی کتب مرتب ہوئیں۔ اس موضوع پر سب سے پہلے بعض صحابہ کرام نے اپنے لیے کچھ مجموعے محفوظ کیے، پھر دوسری صدی کے وسط میں حضرت ابن شہاب

زہری رحمہ اللہ اور ربیع بن صبیح رحمہ اللہ نے احادیث کی تدوین کا کام شروع کیا۔

لیکن آج ہمارے ہاں جو اختلافات ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بارہویں صدی میں انگریز نے آکر اس پورے خطہ پر قبضہ کیا تو اتنا دور بیٹھ کر اتنے بر اعظموں پر کنٹرول کرنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ اس لیے انہوں نے یہ حالات پیدا کیے کہ آدمی خرید کرو اور ان کو مذہب کے نام پر لڑا دو۔ اس لیے آپ مجھے بارہویں صدی سے قبل دکھا دیں کہ کسی فریق کا نور بشر پر جھگڑا ہوا ہو، آمین پر جھگڑا ہوا ہو وغیرہ، بلکہ کوئی جھگڑا ہی نہیں تھا۔ انگریز نے ان لوگوں کے خلاف جو موحد تھے، جنہوں نے کفر کے خلاف طاقت پکڑی تھی انگریز کے خریدے ہوئے لوگوں نے ان کے خلاف مسئلے بنائے کہ یہ حضور اکرم ﷺ کو نہیں مانتے، یہ نبی کو بندہ مانتے ہیں، یہ نبی کی توہین کرتے ہیں، یہ نبی کے گستاخ ہیں تو اس وقت لڑائیاں شروع ہوئیں اور آج تک چلی آرہی ہیں، لیکن ہم ایک منٹ کے لیے بھی سمجھنے کے لیے تیار نہیں، بلکہ جو جس کے دماغ میں آگیا اس پر قائم ہو گیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ﴿لَيْسُوْا سَوَآءً﴾ سب اہل کتاب برابر نہیں، بلکہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو دین پر قائم رہنے والے، اللہ کے قرآن کی تلاوت کرنے والے، ساری رات جاگنے والے اور سجدے میں میری یاد کرنے والے ہیں۔ جیسے عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور جو ان کے ساتھ اہل کتاب ایمان لے آئے ان کی شان علیحدہ ہے اور جو کافر ہیں ان کی شان علیحدہ ہے۔ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ مفسرین کے نزدیک یہی دوسرا قول مشہور ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾﴾ [آل عمران: ۱۱۸ تا ۱۲۰]

''اے ایمان والو! اپنے سے باہر کے کسی شخص کو راز دار (بھیدی) نہ بناؤ، یہ لوگ تمہاری خرابی میں کمی نہیں کریں گے۔ ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ، بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ (عداوت) ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے پتے کی باتیں تمہیں کھول کھول کر بتادی ہیں، بشرطیکہ تم سمجھ سے کام لو۔ دیکھو تم تو ایسے ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو، مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔ اور تم تو تمام (آسمانی) کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (قرآن پر) ایمان لے آئے اور جب تنہائی میں جاتے ہیں تو تمہارے خلاف غصے کے مارے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔ (ان سے) کہہ دو: اپنے غصے میں خود مر جاؤ، اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتیں خوب جانتا ہے۔ اگر تمہیں کوئی بھلائی مل جائے تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی برائی (شکست وقحط) پہنچے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم صبر اور تقوی سے کام لو تو ان کی چالیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا ئیں گی۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سب اللہ کے (علم اور قدرت کے) احاطے میں ہے۔''

کفار کو اپنا راز دار مت بناؤ:

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے خصوصی ہدایات جاری فرمائی ہیں: اے ایمان والو! تم اپنے سوا کسی کافر کو، منافق کو اور غیر مسلم کو راز دار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات پر خصوصی طور پر ارشاد فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ﴾ [المائدۃ:۵۱] ایمان والو! خبردار! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ ایک دوسرے کے دوست ہو سکتے ہیں، لیکن مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔

اندازہ کریں کہ سینکڑوں صدیاں بیتنے کے بعد بھی نصاریٰ نے یہود کے جرم معاف کر دیئے اور یہودیوں نے نصرانیوں کے جرم معاف کر دیئے؛ کیونکہ وہ ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں۔ وہ چاہے کسی نقطہ پر اکٹھے نہ ہوں، لیکن اسلام کو مٹانے کے لیے وہ سب ایک ہو جائیں گے۔ آپ دیکھ لیں کہ کافر کوئی بھی ہو وہ سب سے بڑا دشمن ہے تو اسلام کا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان آیات کے اندر حکم دیا ہے کہ اے ایمان والو! اپنے سوا کسی غیر کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔

غیر مسلموں کی زبان سیکھنا منع نہیں:

﴿بِطَانَۃً﴾ کا معنی ہے اندر کی چیز، رفیق خاص، راز دار۔

اس سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ مسلمان حکومت کسی عہدے پر کسی غیر مسلم کو نہ رکھے؛ کیونکہ اس سے کبھی یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ مسلمانوں کا ہمدرد بنے گا۔

حدیث مبارک میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابی کو حکم دیا کہ تم جا کر فارس کی زبان سیکھو، تم جا کر روم کی زبان سیکھو، عبرانی، سریانی زبان سیکھو؛ کیونکہ مجھے جب باہر کے بادشاہوں کے خطوط آتے ہیں یا میں کسی بادشاہ کو خط لکھنا چاہتا ہوں تو میں ان کافروں پر اعتبار نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اپنی طرف سے کوئی ایک جملہ بڑھا دیں یا اپنی طرف سے کوئی ایک جملہ حذف کر دیں، حالانکہ ایک نکتہ بدلنے سے بھی معنی بدل جاتا ہے۔ مثلاً: ہم دعا مانگتے ہیں: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا" اے اللہ! ہماری مغفرت فرما۔ اور اگر "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا" کی غین کا نقطہ گرا کر عین بنا دیں تو معنی ہوگا: اے اللہ! ہمیں برباد کر دے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیٹھی تھیں۔ ایک یہودی نے آ کر حضور اکرم ﷺ کو کہا: "اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ" تم پر موت ہو۔ بی بی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے ان کی بات سمجھ لی تو میں نے کہا "وَعَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ" تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! ٹھہر جاؤ، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر کام میں نرمی کو پسند کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ نے سنا نہیں ہے کہ اس بدبخت نے کیا کہا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے اس کے جواب میں کہا تھا "وَعَلَيْكُمْ" کہ (تم پر موت ہو)۔ اللہ میری دعا منظور کریں گے۔ [بخاری، رقم: ۶۰۲۴]

اس لیے آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ تم زبان سیکھ لو؛ کیونکہ ہم کسی یہودی، نصرانی اور مشرک پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔

کافروں کو اسلامی حکومت میں عہدے دینا:

اس لیے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں جہاں اور حکم جاری کیے تھے وہاں آپ نے یہ حکم بھی جاری کیا تھا کہ خبردار! کسی محکمہ میں کوئی کافر منشی نہ رکھنا، کسی کافر کو کلیدی عہدے پر نہ رکھنا، کسی کافر کو اہم جگہ پر نہیں رکھنا، تاکہ وہ مسلمانوں کے راز چرا کر دشمنوں کو نہ پہنچائے۔

اور آج ہم کہتے کہ رواداری اور وسعت قلب ہے، حالانکہ یہ وسعت قلب نہیں، بلکہ اللہ کے قرآن کی مخالفت ہے۔ آج بھی دنیا میں کوئی حکومت اپنے باغی کو کوئی عہدہ نہیں دیتی، بلکہ اس کے لیے ذلت آمیز سزا ہوتی ہے۔ تو جو اللہ کا باغی ہے، محمد مصطفیٰ ﷺ کا باغی ہے، قرآن اور اسلام کا باغی ہے، اس کو عہدے دینے کا کیا مطلب ہے؟ اس کو رواداری نہیں کہا جاتا، بلکہ اپنی منافقانہ رویوں کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کے راز دشمنوں کو مل جاتے ہیں اور مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

انگریزی حکومت میں ہند میں اکثر بڑے القاب پانے والے کون؟

تاریخ اسلام پر نظر دوڑا کر دیکھ لیں کہ مسلمانوں نے کبھی دشمنوں سے شکست نہیں کھائی۔ چاہے دشمن ان کے مقابلے میں دس گنا ہوں یا بیس گنا ہوں۔ مسلمانوں کو شکست منافقوں سے ملی ہے، جنہوں نے ظاہری طور پر کلمہ پڑھا، نمازیں پڑھیں، بظاہر مسجدوں میں امام رہے، جو تمہارے پیر اور گدی نشین بنے۔ اس لیے انگریز نے کسی کو ''سر'' کا خطاب دیا، کسی کو ''ڈاکٹر'' کا خطاب دیا، کسی کو بڑے القاب سے نوازا اور کسی کو جاگیریں دیں۔ آخر انگریز کو ان پر اتنی مہربانی کرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی؟ دراصل یہ غدارانِ اسلام، غدارانِ قوم تھے، انہوں نے کافروں کی اعانت کی اور مسلمانوں کو ذلیل کرایا۔ ان کے صلہ میں ان کو جاگیریں، گدیاں اور القابات ملے۔

کفار کا اسلام اور نبیٔ اسلام ﷺ سے بغض:

﴿لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا﴾ [آل عمران:١١٨]

تم کافروں کو اپنا ہرگز راز دان نہ بناؤ۔ وہ تمہیں خراب کرنے میں ہرگز رعایت اور نرمی نہیں کریں گے، بلکہ جب کبھی موقع ملا تو تمہیں خنجر گھونپیں گے۔ وہ تو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ تمہیں تکلیف پہنچے۔ اے میرے مدنی! یہ دشمن ایسے ہیں کہ شدتِ بغض میں ان کے منہ سے بات نکل جاتی ہے، یہ زہر اگلتے رہتے ہیں۔ اور یہ تو وہ باتیں ہیں جو یہ زبان سے کہتے رہتے ہیں اور جو مسلمانوں کے خلاف ان کے دلوں کے اندر چھپا ہوا ہے وہ بہت بڑا ہے۔ آپ کو تو صرف اتنا پتہ ہے جو وہ زبان سے کہتے ہیں۔

آپ حضور اکرم ﷺ کی زندگی پر نظر ڈال کر دیکھ لیں کہ مکہ کے اندر مشرکین نے کوشش کی کہ آپ کو قتل کر دیا جائے۔ اور جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو دیکھ لیں کہ یہودیوں نے کیا کیا؟ انہوں نے حضور

اکرم ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی اور آپ پر لبید بن عاصم نے جادو کیا جو یہودی تھا۔ خیبر آپ تشریف لے گئے، یہودیہ عورت نے گوشت میں زہر ملا کر آپ کو دیا۔ آپ بنونضیر کے پاس جانے لگے، انہوں نے قلعہ کی دیوار پر اپنا آدمی بٹھا دیا کہ جب اللہ کے نبی دیوار کے نیچے بیٹھیں گے تو اوپر سے پتھر گرا کر...... نعوذ باللہ...... آپ کو قتل کر دیا جائے۔ یعنی مشرکین نے بھی آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی اور یہود و نصاریٰ نے بھی آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفر جہاں کہیں بھی ہوگا کفر ہمیشہ ایک ہوتا ہے۔ کفر کا معنی ہے اسلام کی مخالفت، اسلام کی دشمنی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے مدنی! جو ان کے دلوں میں ہے وہ بڑا بغض ہے۔

﴿قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۱۸]

اے امت محمد مصطفیٰ ﷺ! تمہیں کیا ہو گیا کہ تم ان کافروں سے دوستی رکھتے ہو، ان کے لیے دلوں میں بڑے نرم گوشے رکھتے ہو؟ اور وہ تم سے کوئی محبت نہیں کرتے۔

کامیابی کا راستہ:

یاد رکھیں! ہماری اور تمہاری کامیابی کا ایک ہی راز ہے کہ ہم محمد مدنی کے غلام بن جائیں اور صحابہ کے غلام بن جائیں۔ اس راستہ پر چلیں جو راستہ ہمیں حضور اکرم ﷺ نے دکھایا ہے، تب ہمیں منزل مقصود مل سکتی ہے۔ آج لوگوں نے سمجھ لیا کہ جو یہودی ہے تو یہودیوں کا عدد بڑھ گیا، اگر کوئی نصرانی ہے تو نصرانیوں کا عدد بڑھ گیا اور ہم مسلمان ہیں تو مسلمانوں کا عدد بڑھ گیا، حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ مسلمان کہلانے سے مسلمان نہیں بنتا؛ کیونکہ آپ سارے قرآن کو کھول کر دیکھ لیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ [الکھف: ۱۰۷]

اور کہیں فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ [مریم: ۹۶]

اور کہیں فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ [البینۃ: ۷]

مومن وہ ہے جو عمل صالح کرے، جس میں ایمان کی نشانیاں پائی جائیں، مومن وہ ہے جس کے اندر صفاتِ ایمان پائی جائیں۔ اگر وہ صفات اور نشانیاں ہیں تو مومن ہے، ورنہ مومن نہیں ہے۔ صرف کہنے سے مومن نہیں بن سکتا ہے۔ اس لیے آج اسلام ہر جگہ رسوا اور ذلیل ہے کہ ہم اسلام کا نام تو لیتے ہیں، لیکن ہمارے تمام کام اسلام



والے نہیں ہیں۔

﴿وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ﴾

مسلمانو! تم تو قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہو، تورات پر بھی ایمان رکھتے ہو، انجیل پر بھی ایمان رکھتے ہو، تم تو سارے نبیوں پر بھی ایمان رکھتے ہو اور ساری کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہو، لیکن وہ بد بخت تو تمہاری کتاب پر بھی ایمان نہیں لے آتے۔ تم ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کو مانتے ہو، وہ تمہارے ایک مدنی محمد مصطفیٰ ﷺ کو نہیں مانتے۔ پھر بھی عجیب بات ہے کہ تم سب کو مانو اور وہ محبت نہ کریں۔ تم سب کو مانو اور وہ تمہارے قریب نہ آئیں۔ پھر بھی تم ان سے محبت کرو تو بڑی عجیب بات ہے!!

یہود و نصاریٰ کے غصہ کی حالت:

﴿وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ﴾

جب یہ تم کو ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم مسلمان ہیں، ہم تمہارے خیر خواہ ہیں۔ اور جب علیحدہ ہوتے ہیں اور اپنی جماعت میں بیٹھتے ہیں تو تمہارے خلاف غصہ میں آکر اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں کہ ہمیں موقع تو ملے ہم انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔

﴿قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١١٩﴾﴾

اے میرے مدنی! آپ کہہ دیں اپنے غصے میں جل بھن کر مر جاؤ۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، میرا اللہ میرے ساتھ ہے، میرا اللہ مددگار ہے۔ تم ہمارے سامنے محبت کا اظہار کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں عداوت کا اظہار کرتے ہو۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ ہمیں علم نہیں ہے، حالانکہ ہمارا اللہ تو دلوں کے بھید جاننے والا ہے اور اللہ اپنے نبی کو خبر دینے والے ہیں۔ ان کو ایک ایک چیز کا پتہ ہے، تمہاری دشمنی چھپی ہوئی نہیں رہ سکتی، تمہارا بغض و عناد چھپا ہوا نہیں رہ سکتا۔

﴿اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ﴾

اے میرے مدنی! اگر مسلمانوں کو کوئی تھوڑی سی بھی خوشی مل جائے تو ان کافروں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے کہ مسلمان کیوں کامیاب ہو گئے؟ اور اگر تمہیں کوئی برائی لگے، کوئی تکلیف پہنچے تو بڑے خوش ہوتے ہیں کہ اچھا ہوا ہمارے دشمن ناکام ہو گئے، ورنہ یہ طاقت و قوت بن جاتے۔ اے مسلمانو! کیا تم ایسے لوگوں کو خیر خواہ بناتے ہو؟

وقت اللہ کے دربار میں کھڑا ہو کر قرآن پڑھتا ہے تو اس کا انداز الگ ہے اور اس کی رحمتیں ہی الگ ہیں۔ ﴿إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝﴾ [المزمل:٦] رات کو جاگنا نفس کو مارنے کی قوی بات ہے۔ لہٰذا رات کو عبادت کرنا اور لمبی لمبی رکعتیں پڑھنا، لمبی لمبی قرأت کرنا، لیکن قرآن اس طرح پڑھے کہ ایک ایک حرف پر غور کرے، ایک ایک اجملہ پر غور کرے کہ اللہ قرآن میں کیا درس دے رہا ہے!؟ اگر ترجمہ نہیں جانتا تو ایک ایک آیت کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور لمبے لمبے سجدے کرے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سب سے قریب سجدے میں ہوتا ہے۔

نیک لوگوں کی صحبت کے فوائد:

اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا معنی یہ ہے کہ جب بندہ اپنی ذات کو مٹا کر اور عاجزی کا اقرار کر کے اپنے چہرے کو مٹی میں ملا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے نے اپنے عجز کی انتہاء کر دی ہے۔ اس لیے اس وقت جو دعا نکلتی ہے سیدھی عرش پر پہنچتی ہے۔ اس لیے سجدہ زیادہ سے زیادہ لمبا کریں، لیکن لمبا سجدہ اس وقت جب علیحدہ ہوں، کوئی دیکھنے والا نہ ہو، ورنہ اگر آپ امام ہیں تو حکم ہے کہ جلدی سے نماز پڑھاؤ، تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔

بزرگوں نے فرمایا: آدمی ایک گھڑی اللہ والوں کے ساتھ بیٹھ جائے، ایک سو سال نفلی عبادت کرے اس سے یہ ایک گھڑی بہتر ہے:

؎ یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

کیونکہ اگر اکیلے عبادت کرے گا تو کبھی بھٹک سکتا ہے، کبھی پٹڑی سے اتر کر ریاء کا شکار ہو سکتا ہے، لیکن اللہ والے کی صحبت تریاق ہے، آدمی کی ہر بیماری کا علاج کرتی چلی جائے گی۔ حکم ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝﴾ [التوبۃ:١١٩] اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔ صحابہ کو صحبتِ نبی سے مقام ملا ہے اور تابعین کو صحابہ کی صحبت سے مقام ملا ہے اور تبع تابعین کو صحبتِ تابعین سے مقام ملا اور عام مومن کو مقام صحبتِ اولیاء اللہ، صحبتِ علماء سے ملا۔

کوشش کریں تنہائی میں جو وقت ملے قرآن پڑھیں۔ اللہ کا قرآن سمجھ میں نہ آئے تو بار بار پڑھیں، ایک ایک

آیت کو ہزار بار پڑھیں۔ اللہ کی رحمت سے قرآن خود سینے میں اترنا شروع ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نیک صفت اہل کتاب کی صفات بیان فرمائیں: ﴿يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ۝﴾ [آلِ عمران: ۱۱۴،۱۱۵] کہ وہ صحیح معنی میں اللہ پر ایمان لانے والے اور آخرت پر ایمان لانے والے ہیں اور صحیح معنی میں بھلائی کا امر کرنے والے ہیں اور صحیح معنی میں برائی سے روکنے والے ہیں اور بھلائی کے کام میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے والے ہیں۔ یہی لوگ اچھے لوگوں میں سے ہیں اور جو کچھ ان لوگوں نے دنیا میں نیک عمل کیا ہے ہرگز اس کو نہیں مٹایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کو جاننے والے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نیک کاموں میں امت پر سبقت:

﴿وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ﴾

احادیث کے اندر ایک واقعہ آتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک بیوہ عورت تھی، جس کا کوئی سہارا نہیں تھا۔ میں نے سوچا رات کو اٹھ کر جاؤں گا، اس کے گھر میں جھاڑو دوں گا اور پانی بھر کر رکھ دوں گا۔ جب میں اس کے گھر میں گیا تو دیکھا کہ اس کے گھر کی صفائی بھی ہو چکی ہے، پانی بھی بھرا ہوا ہے اور ہر چیز اپنے اپنے مقام پر رکھی ہے۔ میں حیران ہو گیا کہ مجھ سے بھی پہلے کوئی نمبر لے گیا!! میں دوسری رات اس سے زیادہ جلدی گیا، لیکن وہاں پہلے سارے کام ہو چکے تھے۔ میں تیسری رات اور زیادہ جلدی گیا، لیکن اس بڑھیا کے سارے کام ہو چکے تھے۔ فرماتے ہیں کہ چوتھی رات میں نے فیصلہ کر لیا کہ آج عشاء کے بعد سونا ہی نہیں ہے، آج میں دیکھتا ہوں کہ مجھ سے پہلے کون نمبر لے جاتا ہے؟ میں نے دیکھا کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے ان سے کہا: ابوبکر! کیا آپ کسی دوسرے کو بھی نمبر لینے دو گے؟ ایمان میں بھی سب سے پہلے آپ ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بھی سب سے پہلے آپ ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی سب سے پہلے آپ ہیں اور اب لوگوں کی خدمت میں بھی سب سے پہلے آپ ہیں۔ ہمیں بھی کوئی موقع دے دیں، تاکہ ہم بھی کوئی کام کر سکیں۔

جو نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، نیک کام کرتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا ہے: ﴿وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝﴾ [آلِ عمران: ۱۱۴] یہی لوگ میرے نیک بندے ہیں۔ فرمایا: انہوں نے

ہے۔ اس طرح انہوں نے خط لکال کر دے دیا۔ جب انہوں نے خط پڑھا کہ مجھے لکھتے ہیں کہ ان کو گورنر بنا دو اور ان کو لکھتے ہیں کہ ان کو قتل کر دو، یہ کیا بات ہے!!؟ اس طرح لڑائی ہوگئی اور اس کا نتیجہ یہ لکلا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ حالانکہ حرکت کرنے والا ایک منشی تھا لیکن اس فتنہ کے نتیجہ میں ہزاروں صحابہ شہید ہو گئے۔

آپ کا ملک بنا تو ظفر اللہ قادیانی آ گیا، جس کا نتیجہ آپ لوگ آج تک بھگت رہے ہیں۔ اس لیے کافر کو جس جگہ بھی بٹھاؤ گے وہ کبھی تمہارا خیر خواہ نہیں ہوگا۔ اس کو جب موقع ملے گا وہ اسلام کو نقصان پہنچائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر جیسی مہر بنوانا منع ہے:

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آتے تھے اور آپ ان لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنایا کرتے تھے۔ وہ لوگ جب حدیث سنتے تو ان کو سمجھ نہ آتی کہ حدیث مبارک کا کیا مطلب ہے؟ اور وہ لوگ اس حدیث مبارک کو یاد کر کے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی خدمت میں آتے تھے کہ ہم نے یہ حدیث سنی ہے، مہربانی کر کے ہمیں سمجھا دیں کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے کہ ((لَا تَنْقُشُوا فِي خَوَاتِيمِكُمْ عَرَبِيًّا ، وَلَا تَسْتَضِيئُوا بِنَارِ أَهْلِ الشِّرْكِ)) [شعب الایمان، رقم: ۸۹۳۰]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی انگوٹھیوں میں عربی نہ لکھواؤ اور مشرکین کی آگ سے آگ نہ جلاؤ۔ لوگوں کو اس کا مطلب سمجھ نہ آیا تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی خدمت میں آئے اور ان سے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی ہے تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی میں جو نقش لکھا ہوا ہے وہ عربی خط میں ہے: ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' تو تم بھی اگر اس طرح لکھواؤ گے تو ان کو شبہ پڑے گا، لہٰذا ایسی طرز میں نہ لکھواؤ جس سے شبہ ہو کہ تم وہی نقش لکھوا رہے ہو، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا ہے۔ اس لیے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اگر تم لکھوانا چاہتے ہو تو کسی اور طرز میں لکھواؤ، تاکہ کسی کے ذہن میں خلل نہ پڑ سکے۔ اور مشرکین کی آگ سے آگ نہ جلانے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے آدمی کسی گھر سے آگ لے کر گھر میں روشنی کرتا ہے تو مشرکوں سے مشورہ کر کے کوئی کام نہ کیا کرو کہ ان سے روشنی مانگو کہ ہمیں راستہ دکھاؤ، جب تم ان سے مشورہ مانگو گے تو وہ تمہیں ہلاکت میں لے جائیں گے۔ پھر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کتاب کی اس آیت سے ہوتی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا



يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ﴾ [مسند احمد: ۳/۹۹]

ایک جاہل حکیم کا قصہ:

اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ صرف حدیث پڑھ لینا کافی نہیں ہوتا۔ آج جو آدمی دو جماعت پڑھ لے وہ کہتا ہے کہ میں نے حدیث پڑھی ہے۔

جیسا کہ مشہور ہے کہ ایک آدمی کو راستہ میں حکیم کی کتاب کے کچھ کاغذات مل گئے، ان کو پڑھ کر وہ حکیم بن گیا۔ کافی عرصہ کے بعد ایک مریض آیا اور اس کو دیکھا تو اس نے کہا: یہ حکیم تو نظر نہیں آتا، اس لیے اس سے پوچھا: جناب! آپ اپنا کوئی ایسا کارنامہ تو بتائیں کہ کسی بیماری کا علاج کیا ہو؟ اس نے کہا: میرے کارنامے کیا پوچھتے ہو جو سامنے قبرستان نظر آرہا ہے یہ میرا کارنامہ ہے۔ اور تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ اس مریض نے کہا: کیا مطلب ہے؟ حکیم نے کہا: جب میں دوائیں دوں گا تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا قبرستان میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو میرے بغیر مرا ہو، سب میرے علاج سے گئے ہیں۔

اس لیے بڑے بڑے علم والے لوگ کہ سورج کی طرح ان کا علم چمکتا تھا، لیکن جب ان سے کوئی پوچھتا تو فوراً دیکھتے کہ اس مسئلے کے بارے میں امام ابوحنیفہ نے کیا فرمایا ہے؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ شاید حضور اکرم ﷺ کے فرمان کو سمجھنے میں ہم سے ذرا بھی کوتاہی ہو جائے تو ہم مارے گئے، اس لیے ان سے پوچھتے ہیں جن کا زمانہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ کے زیادہ قریب ہے۔

(واقعہ) حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میرے استاذ امام اوزاعی رحمہ اللہ جن سے میں نے حدیث مبارک پڑھی تھی وہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ناراض تھے کہ وہ حدیث کو چھوڑ کر اپنی عقل سے بات کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے لیے بڑی مشکل ہوگئی؛ کیونکہ میں دونوں کا شاگرد تھا۔ میں نے ایک دن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کچھ مسئلے ایک کاپی میں لکھے ہوئے آستین میں چھپا کر استاذ کی خدمت میں آیا تو انہوں نے پوچھا: یہ کاغذ کیا ہیں؟ میں نے کہا: حضرت! اس میں کچھ مسئلے لکھے ہوئے ہیں۔ استاذ صاحب نے کہا: مجھے دکھاؤ، دیکھوں کیا لکھا ہوا ہے؟ میں نے ان کو دے دیئے۔ صبح نماز کے بعد مجھے انہوں نے خود بلا کر فرمایا: یہ



مسئلے تم نے کہاں سے لکھے ہیں؟ میں نے عرض کیا: ایک عالم ہیں، ان کے درس میں کبھی کبھی جا کر لکھ لیتا ہوں۔ استاذ نے فرمایا: میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اس آدمی کا ساتھ کبھی نہ چھوڑنا، اس کے دروازے پر جا کر علم حاصل کرو۔ میں نے کہا: حضرت! یہی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔ پہلے تو آپ ان کا نام سننا نہیں چاہتے تھے۔ کہنے لگے: اللہ تعالیٰ ابوحنیفہ پر رحمت کرے۔ مجھے لوگوں نے غلط خبریں پہنچائی ہیں۔ اس کاپی میں تو ایسے مسائل کا حل بھی موجود ہے جو مجھ سے پوری عمر میں حل نہیں ہوتے تھے۔

ایک حدیث کا صحیح معنی:

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس تفسیر کے اندر مجھے اعتراض ہے کہ تم محمد نہ لکھواؤ؛ اس لیے کہ خطِ کوفی بھی ہے، خطِ عربی بھی ہے اور خطِ نسخ بھی ہے تو معنی یہ ہے کہ تم عربی خط نہ لکھواؤ، تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کے مشابہ نہ ہو جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کوئی آدمی اپنی انگوٹھی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش کے عین مطابق نقش لکھوائے۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ((وَلَا تَسْتَضِيئُوا بِنَارِ أَهْلِ الشِّرْكِ)) کا معنی یہ نہیں جو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: ہے، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم مشرکوں کے قریب نہ رہو، تم مشرکوں کے شہر اور بستی میں نہ رہو، ایک دوسرے سے دور رہو۔ اگر قریب رہو گے تو تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ جیسا کہ سنن ابی داؤد کی حدیث مبارک میں آتا ہے کہ اتنا دور رہو کہ تمہیں ایک دوسرے کی آگ بھی نظر نہ آئے۔

ایک حدیث پاک میں آتا ہے: ((مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكَ وَسَكَنَ مَعَهُ فَإِنَّهُ مِثْلُهُ)) [سنن ابی داؤد، رقم: ۲۷۸۷] جو بندہ اپنے آپ کو مشرک کے ساتھ رکھے یا مشرکوں کے اندر عمداً رہے بغیر کسی وجہ کے تو...... نعوذ باللہ...... وہ بھی ان کے حکم کے اندر آ جائے گا۔

اس لیے حکم ہے کہ مشرک و کافر کی محبت سے بچیں، فاسق و فاجر کی محبت سے بچیں؛ کیونکہ اگر تم چار آدمی ایک کمرے میں رہتے ہو۔ تین آدمی برائی کرتے ہیں اور ایک آدمی برائی نہیں کرتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ کیا کروں دوست ہیں؟ میں ان کو چھوڑ نہیں سکتا۔ تو چاہے وہ برائی نہ کرے، لیکن اس پر اتنا گناہ ہے جتنا برائی کرنے والوں پر گناہ ہے، ورنہ حکم تھا کہ ان کو منع کرتا؛ کیونکہ برائی پر راضی رہنا گویا برائی کرتا ہے۔



﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝﴾ [آلِ عمران:۱۲۱ تا ۱۲۳]

"(اے پیغمبر! جنگ احد کا وہ وقت یاد کرو) جب تم صبح کے وقت اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو جنگ کے ٹھکانوں پر جما رہے تھے اور اللہ سب کچھ سننے جاننے والا ہے۔ جب تمہی میں سے (لشکر کے) دو گروہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں، حالانکہ اللہ ان کا حامی و ناصر تھا۔ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ اللہ نے تو (جنگ) بدر کے موقع پر ایسی حالت میں تمہاری مدد کی تھی جب تم بالکل بے سروسامان تھے۔ لہٰذا (صرف) اللہ کا خوف دل میں رکھو، تا کہ تم شکرگزار بن سکو۔"

ربط بین الآیات:

ان آیات کے اندر غزوہ احد اور غزوہ بدر کا ذکر ہے۔ غزوہ احد کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ گزشتہ آیات کے اندر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم کافروں اور منافقوں پر اعتماد نہ کرو۔

عبداللہ بن ابی کو تم نے شریکِ مشورہ بھی رکھا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب حضور اکرم ﷺ احد کے جہاد کے لیے نکلے تو یہ منافق اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس آگیا، عین موقع پر مسلمانوں کو چھوڑ کر ان کی طاقت کو توڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے جو حکم دیا تھا کہ کبھی ان کو راز دان نہ بناؤ، کبھی ان کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ اب تو تم نے احد میں تجربہ کرلیا ہے کہ وہ منافقین جو تمہارے ساتھ ملے ہوئے تھے، لیکن اندر دشمنی رکھتے تھے، کیسے انہوں نے احد میں وقت پر تمہیں نقصان پہنچایا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ پچھلی آیات کے اندر تھا: ﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ﴾ [آلِ عمران: ۱۲۰] اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو دشمنوں کا کوئی مکر تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا، لیکن تم نے احد میں دیکھ لیا کہ صبر میں کمی آگئی، تم نے حضور اکرم ﷺ کے فرمان مبارک پر کما حقہ عمل نہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فتح شکست میں بدل گئی۔

اس سے ہمیں سبق ملا کہ انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی مسلمان اس وقت ذلیل ہوتا ہے جب یہ دونوں چیزیں نہ رہیں: صبر اور تقویٰ۔ جب ان میں سے ایک میں کمی آئے گی تو نقصان آئے گا اور اگر یہ دونوں چیزیں پکی رہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بدر کو دیکھ لو! اس میں تم نے صبر کا مظاہرہ کیا، کمالِ اطاعت کا مظاہرہ کیا اور کمالِ تقویٰ کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عظیم فتح سے نوازا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کو بھی ﴿یَوْمَ الْفُرْقَانِ﴾ بنا دیا کہ کفر کی طاقت ٹوٹ گئی، ان کے ستر سردار مارے گئے اور قلیب بدر میں ڈالے گئے اور بدر میں لڑنے والے مجاہدین کو اللہ تعالیٰ نے اتنا اونچا انعام دے دیا کہ آج کے بعد جو کرو تمہاری مرضی ہے، لیکن میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ (اللہ کے علم میں تھا کہ یہ نافرمانی نہیں کریں گے)۔

غزوہ احد کا بیان:

﴿وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾﴾

غزوہ احد بڑا مشہور غزوہ ہے۔ یہ غزوہ بروز ہفتہ ۳ ھ شوال المکرم میں پیش آیا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جنگ بدر کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت و عظمت دی اور اللہ نے اصحابِ بدر کو وہ مقام دیا کہ بدری صحابہ کا مقام دوسرے صحابہ سے اونچا کر دیا ہے۔ ویسے تو سارے صحابہ رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے بنے ہوئے موتی ہیں، لیکن ہر ایک کی چمک اپنی ہے۔ تو جو نوجوان غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے وہ آپس میں بیٹھ کر تمنائیں کرتے تھے کہ افسوس ہے! کہ ہم غزوۂ بدر میں نہ گئے، ورنہ ہم بھی بدری بن جاتے! کاش! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی کوئی موقع دے اور ہم بھی اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ بدر کا بدلہ اتارنے کے لیے مشرکین بھی تڑپ رہے تھے، ان کو چین نہیں تھا۔ انہوں نے دوبارہ اپنی طاقت کو منظم کیا اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو بلایا اور ان سے مشورہ کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ مشرکین مکہ مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کے لیے آ رہے ہیں تو اب ہم کیا کریں؟ یعنی ہم مدینہ منورہ سے باہر نکل کر قریش کو روکیں یا ہم مدینہ منورہ کے اندر رہیں، وہ باہر سے آ کر محاصرہ کریں اور ہم اندر بیٹھ کر ان سے لڑتے رہیں۔ جو شیلے نوجوانوں نے کہا: ہم باہر جا کر لڑتے ہیں۔ اور جو مدبر آدمی تھے انہوں نے کہا: ہم مدینہ میں اپنے گھروں میں موجود ہیں، ہمارے پاس کھانے پینے کا سارا معاملہ اندر موجود ہے، لیکن قریش کتنے دن باہر بیٹھ سکیں گے!!؟ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین

بھی اس مشورہ کے اندر ملا ہوا تھا اس کا مشورہ بھی یہی تھا کہ ہم باہر نہ لڑیں۔ حضور اکرم ﷺ صحابہ کی باتیں سنتے رہے۔ آپ نے ان کے جوش وجذبہ کو دیکھ کر خیال کیا کہ ہم باہر لڑیں تو آپ اپنے گھر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر تشریف لے آئے کہ اب ہم ان کو راستے میں روکیں گے۔ اب وہ صحابہ گھبرا گئے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم مدینہ منورہ سے باہر لڑیں، انہوں نے سوچا کہ حضور اکرم ﷺ تو ناراض ہیں، آپ کے چہرہ مبارک پر غصہ ہے۔ انہوں نے عرض کیا: اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم مدینہ کے اندر لڑیں تو ہم آپ کے حکم کے تابع ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ نبی کی شان نہیں ہوتی کہ ہتھیار پہن کر واپس لوٹ جائے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے فیصلہ کر دیں۔ ہم نے تیاری کر لی ہے۔ اب جو اللہ کو منظور ہے وہ ہوگا۔ اب حضور اکرم ﷺ لشکر لے کر مدینہ سے چلے تو وہ منافقین جو لشکر کے اندر تھے وہ علیحدہ ہو گئے۔

جنگ بدر کے حالات:

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جنگ احد کا اصل سبب یہ تھا کہ جو بدر کی لڑائی ہوئی تھی کہ ابوسفیان ایک بہت بڑا تجارتی سامان لے کر شام سے مکہ مکرمہ کی طرف آ رہے تھے۔ مسلمانوں کو اطلاع ملی تو مسلمانوں کا ارادہ ہوا کہ اس قافلہ پر حملہ کیا جائے، تاکہ مکہ والوں کی اقتصادی قوت کو کاٹا جائے (آج کل بھی لڑائیاں اسی دولت کے زور سے ہوتی ہیں)۔ حضور اکرم ﷺ کا قافلہ مدینہ سے چلا اور زیادہ تیاری بھی نہیں کی گئی اور صحابہ کے تین سو تیرہ آدمی نکلے۔ ادھر ابوسفیان کو جب پتہ چلا کہ مسلمان میرے قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے مدینہ سے نکلے ہیں تو وہ اپنے قافلے کو اور زیادہ نیچے سمندر کی طرف لے گیا، تاکہ قافلہ نظر نہ آئے۔ اور ادھر مکہ والوں کو پتہ لگا کہ ہماری سال کی جو کمائی آ رہی ہے اور جس میں ہم نے اپنی ساری دولت ڈالی ہوئی ہے، اگر وہ مسلمانوں کے ہاتھ آ گئی تو ہم برباد ہو جائیں گے۔ ابوجہل نے لوگوں سے کہا: جلدی کرو، ہم اپنے قافلے کی مدد کریں اور مسلمانوں کو روکیں۔ تو وہ ایک ہزار کا لشکر لے کر مکہ سے نکل پڑا۔ اللہ کی شان ہے کہ ابوسفیان نہ تو ابوجہل کو ملا اور نہ مسلمانوں کو ملا، مگر یہ دونوں لشکر بدر میں آمنے سامنے ہو گئے۔ اللہ کی رحمت اسی کے اندر تھی کہ یوم بدر یوم الفرقان بن جائے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اس لڑائی میں فتح نصیب فرمائی اور کافروں کو ذلت آمیز شکست نصیب ہوگئی۔ ان کے ستر سردار مارے گئے اور ستر قید ہو گئے۔ جن جن لوگوں کے باپ مارے گئے تھے ان کی اولادوں نے ابوسفیان سے کہا کہ جو تجارت کا سامان

آیا ہے اس سے ہم ایک پیسہ بھی نہیں لیتے، ہمارے باپ دادا قتل ہو گئے ہیں، اس پیسے کو تجارت میں لگا کر اکٹھا کرو اور اسی پیسے کو ہم خرچ کر کے مسلمانوں سے بدلہ لیں گے۔ ابوسفیان نے اس پیسے کو اکٹھا کیا اور اس سے بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ احابیش (غنڈہ گردی کرنے والوں) کو بھی پیسے دے کر خریدا اور تین ہزار کا لشکر لے کر مدینہ منورہ پر چڑھائی کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو یہ غزوہ احد کا سبب تھا۔

مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بدر مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ اس کو بدر اس لیے کہتے ہیں وہاں کنواں تھا، اس کنویں کے مالک کا نام بدر تھا۔

حضور ﷺ کی ازواج بھی اہل بیت میں شامل ہیں:

﴿وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾

اور جب آپ نے صبح کی اور اپنے گھر سے نکلے تو...... دنیا کی تمام تفاسیر اٹھا کر دیکھ لیں لکھا ہوا ہے کہ...... حضور اکرم ﷺ اس وقت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے نکلے تھے۔ اس سے ان لوگوں کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ اہل بیت سے صرف پنجتن پاک مراد ہیں۔

﴿مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ﴾

جب جنگ ہوتی ہے تو بعض فوج داہنی طرف ہوتی ہے اس کو میمنہ کہا جاتا ہے اور بعض فوج بائیں طرف ہوتی ہے اس کو میسرہ کہا جاتا ہے اور بعض کو مقدمۃ الجیش کہا جاتا ہے، اس کو ہراول دستہ کہتے ہیں اور بعض فوج کا حصہ عقب میں رکھا جاتا ہے، تاکہ اگر ہم پر کبھی کمزوری کا کوئی وقت آ جائے تو پیچھے والے آ کر ہماری مدد کریں۔ یہ ساری جنگ کی ایک ترتیب ہوتی ہے؛ کیونکہ جنگ ایسے نہیں لڑی جاتی، بلکہ اس کے کچھ اصول اور ضوابط ہوتے ہیں۔

جنگ احد میں بعض صحابہ کرام کی پوزیشن:

﴿وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ﴾

اللہ پاک نے صرف یہ نہیں فرمایا کہ جب آپ احد کی طرف جا رہے تھے، ورنہ اتنی بات ہی کافی تھی، لیکن فرمایا: جب آپ جنگی ٹھکانوں پر اپنے ساتھیوں کو بٹھا رہے تھے۔ اس میں اشارہ ہے کہ جبل احد میں ایک درہ تھا، ایک راستہ تھا، وہاں حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ تم لوگ اپنے آپ کو یہیں رکھو اور ان کے امیر

عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جنگ احد میں ہم جیت جائیں یا خدانخواستہ ہمیں شکست ہو جائے، اگر تم ہمیں دیکھو کہ ہمیں پرندے اچک رہے ہیں تو بھی تم لوگوں نے یہ جگہ نہیں چھوڑنی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میدانِ حرب اس طرح بنا تھا اور وہ جگہ اتنی اہم تھی کہ اگر خدانہ کرے دشمن لڑائی کے وقت پیچھے اس درے سے حملہ کر دیتا تو اس کا حملہ روکنا بہت مشکل ہو جاتا۔ بہر حال جب جنگ شروع ہوئی تو ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ جو لوگ اس درے پر تھے، انہوں نے کہا کہ آپ کی بات کا مقصد یہ تھا کہ ہم یہاں رہیں، تا کہ دشمن حملہ نہ کرے، لیکن اب دشمن بھاگ گیا ہے اور وہ جان بچارہے ہیں، لہٰذا اب ہم یہاں کیوں ٹھہرے رہیں؟ ہم بھی کافروں کو پکڑیں اور ان کا سامان اٹھائیں۔ ان کے امیر ان کو روکتے رہے کہ حضور اکرم ﷺ کے حکم کو سمجھو! آپ نے فرمایا: تھا کہ ہم جیت جائیں یا ہار جائیں، مگر تم لوگ یہ جگہ نہ چھوڑنا۔ لیکن انہوں نے کہا: بلکہ حضور اکرم ﷺ کے حکم کا مقصد لڑائی کے وقت تھا۔ اس طرح ان سے اجتہادی خطا ہوئی اور صبر میں کمی آئی۔ اور جب یہ کمی آئی، جب یہ کمزوری آئی اور وہ وہاں سے ہٹ گئے تو حضرت خالد بن ولید جو اس وقت کافر تھے، مسلمان نہیں ہوئے تھے اور کافروں کی طرف سے جنگ کے میمنہ کے سپہ سالار تھے، انہوں نے اس جگہ پر نظر رکھی ہوئی تھی؛ کیونکہ وہ جنگی آدمی تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ درہ خالی ہو گیا ہے تو اس نے اپنے لوگوں کو جمع کیا اور اسی جگہ سے آکر حملہ آور ہوا تو مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات مبارکہ کو گزشتہ آیات کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا کہ تمہیں شکست اس لیے آئی کہ ایک تو تم نے عبداللہ بن ابی منافق کو رازدان بنایا تھا، وہ تمہاری شکست کا سبب بنا کہ جب حضور اکرم ﷺ لشکر لے کر احد کی طرف روانہ ہوئے وہ اپنے تقریباً تین سو ساتھیوں کو لے کر نکل گیا اور اس نے کہا: ہم نہیں لڑتے، حضور اکرم ﷺ نے ہماری بات نہیں مانی، ہماری رائے کا خیال نہیں فرمایا، لہٰذا ہم کیوں لڑیں؟ تو جب ایک ہزار آدمی لڑنے جارہا ہو اور اس سے تین سو آدمی نکل جائیں تو کمر ٹوٹ گئی۔ اس کی وجہ سے انصار کے دو قبیلے: بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے قدم بھی لڑکھڑا گئے۔ انہوں نے کہا: اب ہم تھوڑے رہ گئے ہیں، یہ نکلنے والے بڑے سمجھدار ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس جنگ میں کامیابی نہیں ہوگی۔ ان کے قدم بھی لڑکھڑانے لگے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ثابت قدم رکھا۔ اور دوسرا سبب صبر میں کمی تھا۔

ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے امت محمد مصطفیٰ ﷺ کو سبق دیا ہے کہ تمہاری فتح اسباب پر نہیں ہوتی، لشکر کی تعداد پر نہیں ہوتی اور تمہاری فتح اسلحہ کے زور پر نہیں ہوتی، بلکہ تمہاری قوت ایمان اور اسلام ہے، تمہاری قوت صبر

اور تقویٰ ہے اور تمہاری قوت محمد مدنی ﷺ کی غلامی ہے۔ جب تک اس پر قائم رہو گے مدد آئے گی اور جب اس میں کمی آئے گی تو ذلت آئے گی، شکست آئے گی۔

﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾

اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے ہیں۔ یعنی جب مشورہ ہو رہا تھا تو اللہ تعالیٰ وہ بھی جانتے ہیں جو مومن مخلص کے دل میں ہے اور جو ابن ابی کی جماعت کے دل میں ہے ہم وہ بھی جانتے ہیں۔ ہمارے آگے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔

جنگ بدر میں کامیابی کی وجہ:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

ان آیات کے اندر اللہ تعالیٰ نے بدر کا ذکر فرمایا ہے کہ اے میرے نبی! اپنے صحابہ کو بتائیں کہ کیا بھول گئے بدر میں کیا ہوا کہ اللہ نے مقامِ بدر میں تمہاری نصرت کی، حالانکہ تم کمزور تھے، تم نہتے تھے، تمہارے پاس سواریاں بھی نہیں تھیں، تمہارے پاس تلواریں بھی نہیں تھیں، تمہارے پاس جنگ کے اسباب بھی نہیں تھے اور تمہارے پاس کوئی ذرائع بھی نہیں تھے، لیکن جب تم نے صبر کیا، ڈٹ گئے اور میرے مدنی کی اتباع کرلی تو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے پہنچی؟ لہٰذا اب بھی اللہ تعالیٰ یہی حکم دیتے ہیں کہ تم تقویٰ اختیار کرو، تا کہ تم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بنو۔

یاد رکھیں! جب مومنوں کے اندر یہ دو صفات آئیں تو مومنوں کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ جب یہ صفات نہ رہیں تو مسلمانوں کو کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔

مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن، حضرت قتادہ، سدی اور جمہور علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں احد کا قصہ مراد ہے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے یوم الاحزاب مراد ہے۔

مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: احزاب والا قول بالکل کمزور ہے یہ توجہ کے قابل بھی نہیں ہے۔

مفسر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جنگ احد جب واقع ہوئی تو ہفتہ کا دن تھا، شوال کا مہینہ تھا اور تین ہجری میں یہ واقعہ پیش آیا۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شوال کی گیارہ راتیں گزر چکی تھیں، جب حضور اکرم ﷺ احد کے لیے نکلے۔

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں: ہفتہ کا دن تھا اور تقریباً پندرہ شوال تھی۔ بہر حال یہ اقوال قریب قریب ہیں؛ کیونکہ

بات چھ شوال سے شروع ہوئی اور لڑائی کا دن پندرہ آ گیا۔

جنگ احد میں مشکلات:

غزوہ احد میں حضور اکرم ﷺ کو بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، جنگ احد میں مسلمانوں کا بڑا نقصان ہوا کہ ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ یہ وہی میدانِ احد ہے جس میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے چچا شہید ہوئے۔ اور یہ وہی میدان احد ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کے خود کا کڑا کٹ کر رخسار میں لگا اور آپ کا چہرہ مبارک لہولہان ہو گیا۔ یہ وہی کارزار احد ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کے دانت مبارک شہید ہوا۔ یہ بہت بڑا امتحان تھا جس میں مسلمانوں پر ایک بلائے ناگہانی ٹوٹ پڑی۔

اور اس کے ساتھ جنگ بدر کا ان آیات مبارکہ میں ذکر ہو رہا ہے۔ ان کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک غزوہ میں فتح و کامرانی ہے اور دوسرے غزوہ میں اللہ کا نبی بھی موجود ہے اور وہی صحابہ کی جماعت بھی موجود ہے، لیکن اس میں شکست ہے، پریشانی ہے۔

ان دونوں غزووں کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان میں تدبر و تفکر کریں کہ ایک میں ہمیں فتح ملی تو کیسے ملی اور ایک میں شکست آئی تو کیوں آئی؟ اس کی وجہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ غزوہ احد میں صحابہ سے اجتہادی خطا ہوئی کہ ایک تو آپ کا مدینہ کے اندر رہ کر لڑنے کا ارادہ تھا، لیکن بعض صحابہ جوش میں آ گئے اور انہوں نے کہا: دشمن سے باہر جا کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ ان کا جذبہ خالص اور نیت نیک تھی، لیکن چونکہ حضور اکرم ﷺ کی رائے کے مطابق نہیں تھا، آپ کی رائے تھی کہ ہم مدینہ کے اندر رہ کر لڑیں گے؛ کیونکہ دشمن مکہ سے ساڑھے چار سو کلومیٹر دور سے آیا ہے ان کو اتنی دور سے کمک پہنچنا کوئی آسان نہیں ہوگا۔

یہ مدینہ منورہ کے باہر کتنی مدت بیٹھیں گے۔ جب ان کے پاس سب کچھ ختم ہو جائے گا تو ہم ان کے عقب میں حملہ کریں گے۔ اگر یہ مدینہ منورہ کے اندر داخل ہوں گے تو ہم ان کو ایک ایک گلی، ایک دیوار پر ان کو روکیں گے، ہمارے بچے اور عورتیں چھتوں پر پتھروں کے ذریعہ ان کے ساتھ مقابلہ کر سکتے ہیں۔ صحابہ جذبہ جہاد اور شجاعت اسلامی میں آ کر باہر لڑنے کو زیادہ ترجیح دینے لگے۔ جب آپ گھر سے آئے تو ان نوجوان صحابہ کو احساس ہوا اور انہوں نے کھڑے ہو کر درخواست کی کہ اگر آپ کی منشاء باہر لڑنے کی نہیں ہے تو ہم آپ کے غلام ہیں، ہم نے جذبہ

بہادری کے اندر آ کر بات کر دی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے کسی نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ ہتھیار پہن کر واپس لوٹ جائے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے فیصلہ کر دیں۔

جب صحابہ سے اجتہادی خطا ہوئی، (یہ نافرمانی نہیں ہے؛ کیونکہ نافرمانی تب ہوتی جب دشمن سے مل کر کوئی سازش کرے اور پھر وہ خود بچ جائیں تو دشمن کہہ سکتا ہے کہ صحابہ نے حضور اکرم ﷺ کا کہنا نہ مانا) جب انہوں نے درہ چھوڑا تو چونکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پرانے جنگجو آدمی تھے، اس کی نظر اس درے پر تھی۔ انہوں نے جبل احد کے پیچھے سے جا کر کافروں کو روکا کہ کیوں مر کر بھاگے جا رہے ہو؟ اور پھر اسی درے پر صحابہ پر حملہ کر دیا۔ اب چونکہ صحابہ مطمئن تھے کہ ادھر سے حملہ نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ ہمارا پہرہ مضبوط ہے۔ اگر کوئی دشمن ادھر سے آتا ہوا نظر آئے گا تو وہ کم از کم ہمیں اطلاع دیں گے۔ خالد بن ولید ٹوٹ پڑا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ فتح شکست میں بدل گئی، ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے اور حضور اکرم ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ احادیث مبارک میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنے ہاتھوں سے اور اپنے کپڑوں سے اپنے چہرے مبارک کا خون روک رہے ہیں اور آپ کا چہرہ مبارک خون سے بھرا ہوا ہے تو اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک سبق دیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اجتہادی خطا ہوئی تو مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔

بظاہر ایسے شکست کے آثار پیدا کیے کہ ابوسفیان کو اتنی جرأت ہوئی کہ وہ پہاڑ پر چڑھ کر کہنے لگا: ''اُعلُ ھُبَلْ'' (آج ہمارا خدا بلند ہو گیا)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے عرض کیا: حضور! ابوسفیان یہ کہہ رہا ہے تو ہم کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: تم کہو: ''اللّٰہُ أعلٰی وَأجَلُّ'' (کہ اللہ کی ذات سب سے بلند ہے)۔ یہ وقتی طور پر شکست کا ہو جانا تمہارے خدا کی کامیابی نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر امتحان ہے۔

ابوسفیان نے پھر نعرہ لگایا: ''یَوْمٌ بِیَوْمِ بَدْرٍ'' اے مسلمانو! آج ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا، آج ہم برابر ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کو جواب دو کہ ہم کیسے برابر ہو گئے!؟ ہمارے قتل ہونے والے جنت میں شہید بن گئے اور تمہارے جہنم میں پڑے ہیں، تو کیسے برابر ہو گئے۔

ابوسفیان نے پھر نعرہ لگایا: ''إنَّ لَنَا العُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ'' عزیٰ اس کے خدا کا نام تھا۔ آج عزیٰ نے ہمیں عزت دی ہے، ہمارے ساتھ ہے، تمہارے ساتھ نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: عمر! ان کو جواب دو: ''اللّٰہُ

مَوْلَانَا، وَلَا مَوْلٰی لَكُمْ ''اللہ ہمارا ولی وناصر ہے، تمہارا کوئی ولی وناصر نہیں۔

کافروں نے اعلان کردیا: ''قَدْ مَاتَ مُحَمَّدٌ'' ''محمد مصطفیٰ ﷺ شہید ہو گئے، صحابہ کی کمر ٹوٹ گئی۔

حدیث مبارک میں آتا ہے کہ ایک عورت مدینہ منورہ سے دوڑتی ہوئی آئی۔ اس کو بتایا گیا کہ تمہارا شوہر شہید ہوگیا ہے، اس نے کہا: کوئی بات نہیں، مجھے یہ بتاؤ کہ محمد مدنی ﷺ کس حال میں ہیں؟ اس کو بتایا گیا کہ تیرا بیٹا شہید ہوگیا ہے، اس نے کہا: میرے بیٹے کو چھوڑو، یہ بتاؤ کہ محمد مدنی ﷺ کس حال میں ہیں؟ صحابہ پریشان تھے۔ ان کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کی یہ آیات مبارکہ اتاری تھیں: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ﴾ [آلِ عمران: ۱۴۴] اے مسلمانو! تمہیں کیا ہوگیا ہے محمد مصطفیٰ بھی تو میرا ایک رسول ہے، میرے بندوں میں سے ایک بندے ہیں، اولادِ آدم ہیں، آپ سے پہلے بھی نبی اور رسول گزرے ہیں تو کیا اگر محمد مصطفیٰ پر موت آجائے یا شہید ہو جائیں تو کیا تم دین چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے؟ تم نے اپنے اللہ کی توحید کو بھی بھلا دینا ہے۔ اب دیکھیں! جب دشمن حضور اکرم ﷺ کی موت کی خبر اڑا رہا تھا تو آپ فرما سکتے تھے کہ میری رسالت کا نعرہ بلند کرو، تاکہ دشمن کو پتہ چلے کہ میں موجود ہوں۔

﴿اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ؁ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ؁ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ؁ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَاۗىِٕبِيْنَ ؁ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ؁ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؁﴾ [آلِ عمران: ۱۲۴ تا ۱۲۹]

''جب (بدر کی جنگ میں) تم مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کو بھیج دے؟ ہاں! بلکہ اگر تم صبر اور تقوی اختیار کرو اور وہ لوگ اپنے اسی ریلے میں اچانک تم تک پہنچ جائیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج دے گا جنہوں نے اپنی پہچان نمایاں کی ہوئی ہوگی۔ اللہ نے یہ سب انتظام صرف اس لئے کیا تھا، تا کہ تمہیں خوشخبری ملے اور اس سے تمہارے دلوں کو اطمینان نصیب ہو، ورنہ فتح تو کسی اور کی طرف سے نہیں، صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے، جو مکمل اقتدار کا بھی مالک ہے، تمام تر حکمت کا بھی مالک۔ (اور جنگ بدر میں یہ مدد اللہ نے اس لیے کی) تا کہ جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے ان کا ایک حصہ کاٹ کر رکھ دے یا ان کو ایسی ذلت آمیز شکست دے کہ وہ نامراد ہو کر واپس چلے جائیں۔ (اے پیغمبر!) تمہیں اس فیصلے کا کوئی اختیار نہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو عذاب دے؛ کیونکہ یہ ظالم لوگ ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔''

غزوۂ بدر:

﴿اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُنْزَلِیْنَ﴾

اب غزوۂ بدر کا ذکر آیا ہے کہ میرے مدنی! یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے مقامِ بدر میں تمہاری مدد کی، جبکہ تم کمزور اور بے سروسامان تھے اور دشمنوں کی نظر میں بالکل قلیل تھے کہ تم تین سو تیرہ تھے اور کافر ایک ہزار تھے۔ صحابہ کے پاس دو گھوڑے، دس اونٹ تھے، تلوار نہیں تھی، حتیٰ کہ صحابہ نے حضور اکرم ﷺ سے عرض بھی کیا تھا کہ ہم کن چیزوں سے کافروں سے لڑیں گے؟ آپ نے فرمایا: کھجوروں کے گوشے لے آؤ۔ وہ لائے گئے، ان کی چھڑیاں اتاری گئیں۔ وہ صاف کر کے آپ نے اپنے ہاتھوں سے صحابہ کو پکڑوائیں کہ اب ہم ان سے مقابلہ کریں گے؛ کیونکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے سہارے پر لڑنا ہے، ہم نے اسلحہ کے سہارے پر نہیں لڑنا۔ جب صحابہ کرام کا یہ لشکر مقامِ بدر پہنچا تو پانی والا حصہ کافروں کے پاس اور ریت والا حصہ مسلمانوں کے پاس آ گیا تو صحابہ نے اس موقع پر عرض کیا کہ یہ بڑا عجیب مقابلہ ہے! حضور اکرم ﷺ نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ اپنے ساتھیوں کو بتائیں کہ کوئی فکر نہ کرو، تمہارا زمین کی فوج سے مقابلہ ہے، ہم نے آسمانوں کی فوج کو

حکم دیا ہے کہ تین ہزار فرشتے محمد مصطفیٰ ﷺ کی نصرت کے لیے اتریں۔

یہاں یاد رکھیں کہ کافروں کے مقابلہ پر ایک فرشتہ بھی کافی تھا، لیکن تین ہزار فرشتوں کو بھیجنا یہ مسلمانوں کے لیے اعزاز تھا کہ ﴿بَلٰٓی ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ﴾ [آلِ عمران:۱۲۵] پہلی والی دو شرطیں: صبر اور تقویٰ کا بیان ہے کہ اے میرے مدنی! اپنے صحابہ سے کہیں کہ تم صبر کرو اور دشمن کے مقابلے پر جمے رہو اور صرف مجھ سے ڈرو اور کسی سے نہ ڈرو، اللہ سے تقویٰ اختیار کرو۔ یاد رکھو! اگر تم پر دشمن اچانک ٹوٹ پڑا تو فکر نہ کرو، پھر ہمارا ابھی وعدہ ہے کہ ہم پانچ ہزار فرشتے آسمانوں سے ایسے اتاریں گے کہ وہ ایسے گھوڑوں پر سوار ہوں گے جو علامت سے واضح ہوں گے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان فرشتوں پر علامتیں ہوں گی کہ جن سے پتہ چلے گا کہ یہ بھی رضا کار ہیں، یہ بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے خادم بن کر آئے ہیں، شرط یہ ہے کہ تم جمے رہو۔ حضور اکرم ﷺ کے لیے ایک عریش (چھپر) بنایا گیا، تا کہ سایہ بھی رہے اور اگر ضرورت ہو تو اوپر کھڑے ہو کر اپنے سپاہیوں پر نظر بھی رکھ سکیں۔

حضور اکرم ﷺ کو مدینہ والوں کی فکر تھی؛ کیونکہ ان لوگوں نے کبھی جنگ نہیں لڑی تھی۔ وہ زراعت پیشہ لوگ تھے اور قریش ساری زندگی جنگیں ہی لڑتے رہے، تو حضور اکرم ﷺ کو انصارِ مدینہ کی فکر تھی۔ اور اللہ کی شان ہے کہ جنگ بھی ایسی ان کے سامنے آگئی کہ نہ ہتھیار ہے، نہ سواریاں ہیں، نہ کھانے پینے کا سامان ہے اور دشمن کا یہ عالم تھا کہ ان کا ایک ایک سردار روزانہ لشکر کو کھانا دے رہا تھا۔ اس کے باوجود صحابہ کی ثابت قدمی کا یہ حال تھا کہ جب آپ اس پریشانی کے اندر تھے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ جو انصار کے سردار تھے، انہوں نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ آپ کیوں فکرمند ہو رہے ہیں؟ کیا آپ اس لیے فکر کر رہے ہیں کہ ہم انصار لڑنا نہیں جانتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے، لیکن: ''لَسْنَا أَصْحَابَ مُوسٰی وَنَحْنُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ'' ہم موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی نہیں ہیں جو ان کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، ہم تو محمد مدنی ﷺ کے ساتھی ہیں۔ ہم تو آپ کے سامنے کٹیں گے، آپ کے دائیں بائیں کٹیں گے، ہماری لاشوں پر گزر کر دشمن آسکتا ہے، ورنہ جب تک ہم زندہ ہیں کوئی آپ کی طرف آنکھ بھی نہیں اٹھا سکتا۔ حضور اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک کھل اٹھا۔ یعنی ثابت قدمی کا اتنا بڑا مظاہرہ کہ جو نہ لڑنے والے تھے وہ اتنے بڑے بہادر نکلے۔

غزوۂ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اگر تو نے ہماری مدد نہ کی تو یہ میری چھوٹی

سی جماعت ہے۔ اگر آج ان کو بھی تو نے ہلاک کر دیا تو تیرے نام لیوا مٹ جائیں گے۔

اس سے اندازہ کریں کہ اللہ کے نبی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے ہیں، نہ آدم علیہ السلام سے اور نہ کسی دوسرے پیغمبر سے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ جتنے پیر تمہارے ہیں ان کی شان زیادہ ہے یا سیدنا ابراہیم الخلیل علیہ السلام کی شان زیادہ ہے؟ وہ اللہ کے نبی ہیں، ساری دنیا کے ولی اکٹھے کرو، ایک صحابی کا مقابلہ نہیں کر سکتے، سارے انبیاء کے صحابہ ایک نبی کا مقابلہ نہیں کر سکتے، لیکن اللہ کے نبی اللہ سے مدد مانگ رہے ہیں اور ہم غیروں سے مدد مانگ رہے ہیں۔

﴿هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ﴾

علماء کہتے ہیں: پانچ ہزار فرشتہ نہیں اترا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہے کہ گر تم پر دشمن اچانک آ پڑا تو ہم پانچ ہزار فرشتہ اتاریں گے۔

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ایک کافر جس کا نام کرز بن جابر تھا، وہ اپنے علاقے سے بہت بڑا لشکر لے کر قریش کی مدد کے لیے آ رہا تھا۔ مسلمانوں کو جب یہ اطلاع ملی تو انہوں نے سوچا کہ کافر تو پہلے بھی ہم سے زیادہ ہیں اور کرز بن جابر بھی لشکر لے کر آ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے مدنی! اپنے صحابہ سے کہہ دیں کہ کوئی گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ لشکر آ پہنچا تو میرا بھی آسمانوں سے مزید لشکر آ پہنچے گا۔ صحابہ کہتے ہیں: اس دن اللہ کے فرشتے ایسے مدد کے لیے اترے کہ جنگ کے بعد صحابہ نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ ہم تلوار کا اشارہ کرتے تھے، ابھی ہماری تلوار کافر کی گردن کے قریب بھی نہیں جاتی تھی کہ اس کی گردن اڑ جاتی تھی۔ آپ نے فرمایا: وہ اللہ کے فرشتے تمہاری طرف سے لڑ رہے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ﴾ ہم نے فرشتوں کی فوج اس لیے اتاری تھی کہ ایک تمہارے لیے خوش خبری ہو جائے اور دوسرا تمہارے دلوں کے لیے طمانینت و سکون کا ذریعہ بن جائے، ورنہ اللہ تبارک و تعالیٰ تو بغیر فرشتوں کے اتارنے کے بھی مدد کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیجنے کے بغیر بھی کافروں کو شکست دے سکتے ہیں۔

﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾

اور مدد اللہ کے ہاتھ میں ہے جو غالب بھی ہیں اور حکمت والے بھی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ مدد اس لیے کی، تا کہ کافروں کی ایک جماعت کٹ جائے اور کافروں کو اللہ ذلیل کر دیں اور وہ ایسے لوٹیں کہ ناکام ہوں۔

غزوۂ بدر پہلے ہے اور غزوۂ احد بعد میں ہے، لیکن یہاں پہلے غزوۂ احد کا ذکر ہے اور پھر غزوۂ بدر کا ذکر ہے؛

کیونکہ نزولِ قرآن کے وقت مقصود تنبیہ تھی اس لیے احد کو مقدم کر دیا اور بدر کا ذکر مؤخر کر دیا۔

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾

اب دوبارہ آیت میں احد کا ذکر ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ جب جنگ احد میں حضور اکرم ﷺ کے دانت مبارک شہید ہوئے، آپ کا رخسار مبارک زخمی ہوا، حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، آپ غصہ اور جلال میں آ گئے، آپ نے کافروں کا نام لے کر لعنت بھی کی اور یہ بھی کہا کہ یا اللہ! یہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جو اپنے نبی کے چہرے کو بھی لہو لہان کر رہی ہے؟ انہوں نے اپنے نبی کے چہرے کا بھی لحاظ نہیں کیا، وہ کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اندر فرمایا: میرے مدنی! آپ کے ہاتھ میں ہر چیز نہیں ہے، میری مرضی ہے۔ آج وہ خالد جو جنگ احد میں آپ کو شکست دے رہا ہے، میں آپ کا سپاہی بناؤں گا، میں اسے ''سیف اللہ'' کا لقب دلواؤں گا۔ اور عکرمہ جو آج دشمنوں کی طرف سے لڑ رہا ہے وہ بطل اسلام بنے گا۔ اس لیے یہ سب میرے ہاتھ میں ہے، تو آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ کیسے فلاح پائیں گے؟ ہدایت میرے ہاتھ میں ہے، عزت اور ذلت میرے ہاتھ میں ہے، میں ان کی توبہ قبول کروں گا۔

اس لیے آگے فرمایا: ﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [آل عمران: ۱۲۹] جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ اللہ کا ہے، جس کو چاہیں بخش دیں اور جس کو چاہیں عذاب دے دیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ بخشنے والے بھی ہیں اور مہربان بھی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام دلوں کا مالک اللہ ہے، وہ چاہے تو بھٹکے ہوؤں کو صراط مستقیم پر کھڑا کر دیں، وہ چاہیں تو عزیزوں کو ذلیل کر دیں، وہ چاہیں تو ذلیلوں کو عزیز کر دیں اور وہ چاہیں تو فقیروں کو غنی کر دیں اور غنیوں کو فقیر کر دیں۔

ان دونوں جنگوں سے ہمیں یہ سبق ملا کہ اصل فتح ونصرت کے مالک اللہ تبارک وتعالیٰ ہیں اور ہمیں اسی کے حکم کی اطاعت کرنی چاہیے۔

ترتیب مضامینِ قرآن:

﴿إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ﴾........ وَلِلَّهِ مَا فِي

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ [آل عمران: ۱۲۴ تا ۱۲۹]

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو اپنے پیغمبر سے اپنی رحمت سے وعدہ فرمایا کہ ہم آپ کی مدد کریں گے تین ہزار فرشتوں سے اور دوسرا وعدہ فرمایا کہ پانچ ہزار فرشتوں سے مدد فرمائیں گے۔ پانچ ہزار فرشتوں کے اندر دو قول ہیں: بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ وعدہ مشروط تھا کہ اگر دشمن تم پر اچانک ٹوٹ پڑے تو میں پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا۔ مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ فرشتوں کے نزول کا وعدہ احد میں تھا یا بدر میں تھا؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں واقعات کو کچھ اتصال سے بیان کیا ہے اور اس میں تقدیم وتاخیر بھی ہے کہ بدر پہلے ہے اور احد بعد میں ہے۔ تقدیم وتاخیر کا فائدہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ اس کے اندر مسلمانوں کو تنبیہ ہے حکم دیا گیا کہ کافروں کو مشوروں میں نہ شریک کرو، ان کو اپنا رازدان نہ بناؤ، لیکن احد میں عبد اللہ بن ابی مشورے میں شریک تھا، اس لیے احد کا ذکر پہلے آ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کو بیان کیا کہ بدر میں تمہیں اس لیے کامیابی ملی کہ تم نے اس میں کسی غیر کو شریک مشورہ نہیں کیا تھا، تم نے کسی دشمن کو اپنے ساتھ شامل نہیں کیا اور صبر وتقویٰ کا اعلیٰ مظاہرہ کیا تھا تو ہماری مدد بھی آ گئی۔

یاد رکھیں! قرآن کوئی قصے کی کتاب نہیں ہے کہ ترتیب سے قصہ بیان ہو، بلکہ یہ تو کتاب ہدایت ہے، اس میں تذکرہ ہے، وعید ہے، یہ تو انسانوں کو جھنجھوڑتا ہے اور ان کو حیوانیت سے نکال کر انسان بناتا ہے۔ اس لیے جہاں جتنی ضرورت ہوتی ہے آیت آ جاتی ہے، ترتیب کا خیال نہیں رکھا جاتا۔

علماء نے لکھا ہے کہ فرشتے احد میں اترے یا بدر میں اترے، وہ صحابہ کی مدد کے لیے اترے۔ اگر صحابہ ناپاک ہوتے تو فرشتے کبھی نہ اترتے۔ صحابہ کی ایسی مقدس اور پاک جماعت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس پاک جماعت کی مدد کے لیے پاکیزہ فوج بھیجی، ورنہ اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجتے جو تمام کافروں کو اٹھا کر ایک طرف پھینک دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرشتے اتار کر اشارہ کر دیا کہ میرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی پاک ہے، میرے مدنی کی جماعت بھی پاک ہے اور ان کے ساتھ مل کر لڑنے والے بھی پاک ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا دشمن پلید اور کافر ہے۔

فرشتے جنگ بدر میں اترے تھے یا جنگ احد میں؟

اس بات میں علماء کے دو قول ہیں کہ فرشتے احد میں اترے تھے یا بدر میں اترے تھے۔



پہلا قول: حضرت حسن بصری ؒ، حضرت عامر شعبی ؒ اور حضرت ربیع بن انس ؒ نے کہا ہے کہ آیت کریمہ ﴿اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ کا تعلق ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ﴾ کے ساتھ ہے۔ یعنی فرشتوں کے اترنے کا تعلق بدر کے ساتھ ہے اور اسی قول کو ابن جریر ؒ نے ترجیح دی ہے۔

عباد بن منصور ؒ نے حضرت حسن بصری ؒ سے روایت کیا ہے کہ ﴿اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُنْزَلِیْنَ﴾ کا تعلق یوم بدر سے ہے۔ اس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔

مفسر ابن کثیر ؒ فرماتے ہیں: حضرت عامر شعبی سے روایت ہے کہ بدر کے میدانوں میں مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر مشرکوں کی مدد کے لیے آ رہا ہے۔ یہ بات مسلمانوں کے لیے بڑی مشقت والی تھی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر یہ آیات نازل کیں: ﴿اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُنْزَلِیْنَ﴾ میرے مدنی! کیا تمہیں یہ کفایت نہیں کرے گا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں سے تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے۔ باقی پانچ ہزار فرشتوں کی بات یہ ہے کہ جب کرز بن جابر لشکر لا رہا تھا تو اس کو پتہ چل گیا کہ کافروں کو شکست ہوگئی، اس لیے وہ ان کی مدد کو نہ آیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے بھی پانچ ہزار فرشتے نہیں بھیجے؛ کیونکہ پانچ ہزار کا وعدہ دشمن کے آنے سے مشروط تھا۔

کتنے فرشتے اترے تھے؟

سوال: مفسر ؒ فرماتے ہیں: قرآن کی ایک آیت مبارکہ میں آیا ہے: ﴿اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُنْزَلِیْنَ﴾۔ اور دوسری جگہ آیا: ﴿اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُرْدِفِیْنَ﴾ [الانفال:9] کہ ایک آیت میں ایک ہزار کا ذکر ہے اور دوسری میں تین ہزار اور تیسری میں پانچ ہزار فرشتوں کا ذکر ہے۔

جواب: علماء نے فرمایا: یہ تعارض نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جہاں ہزار کا وعدہ ہے وہاں فرمایا: ''مردفین''۔ جس کا معنی ہے کہ ان کے پیچھے اور بھی آئیں گے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑھا کر تین کر دیا اور پھر پانچ ہزار تعداد کر دی، لہٰذا اس میں کوئی تعارض نہیں ہے، لیکن دشمنانِ اسلام ایسی باتیں تلاش کر کے مسلمانوں کو حیران کرتے ہیں، حالانکہ دنیا کے اندر بھی کوئی بادشاہ دوسرے کو کہتا ہے: آپ پریشان نہ ہوں، ہم ایک ہزار جوان



بھیج رہے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ تھوڑے ہیں۔ یہ کہتا ہے: کہ چلو ہم تین ہزار کر دیتے ہیں۔ وہ کہے کہ دشمن کی تو اور بھی کمک آرہی ہے، یہ کہتا ہے کہ چلو ہم پانچ ہزار بھیج دیتے ہیں۔ یہ کوئی تعارض نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا تو مقصد بھی یہ تھا: ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ کہ مسلمانوں کے دل کو اطمینان ملے، لیکن اصل مدد اور فتح تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ چاہیں تو ایک مچھر سے نمرود کو مروا دیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ چاہیں تو ابابیلوں سے ہاتھیوں کو برباد کر دیں۔ غزوہ احزاب میں جب کفر کے سارے قبائل اکٹھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیجی جس سے دشمنوں کے خیمے اڑ گئے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ ناکام ونامراد ہو کر واپس چلے گئے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ بدر و احد میں چاہتے تو ایک فرشتے کو بھی نہ بھیجتے اور کافروں کو ہلاک کر دیتے، لیکن یہ مسلمانوں کا اعزاز تھا کہ میرے مدنی! آپ بھی شان والے اور آپ کے صحابہ بھی شان والے، مشرکوں کی مدد کافروں سے آئے گی اور صحابہ کی مدد آسمانوں سے آئے گی۔

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات دلالت کرتی ہے کہ یہ قصہ بدر کا ہے۔ یہ بات مشہور ہے کہ بدر میں اللہ کے فرشتوں نے اتر کر کافروں کے ساتھ جنگ لڑی۔ واللہ اعلم۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہے: ﴿اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُنْزَلِيْنَ ؕ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُسَوِّمِيْنَ﴾ [آل عمران: ۱۲۴، ۱۲۵] اس آیت کا تعلق پہلی آیت: ﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ [آل عمران: ۱۲۱] سے ہے، یعنی احد کے واقعہ سے تعلق ہے۔ یہ قول حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت ضحاک، حضرت زہری اور حضرت موسیٰ بن عقبہ وغیرہ رحمہم اللہ کا ہے۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اللہ پاک نے پانچ ہزار فرشتوں کو احد میں نہیں اتارا، بلکہ ایک فرشتہ بھی نہیں اتارا گیا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تھا: ﴿اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا﴾ شرط یہ تھی کہ تم صبر کرو اور ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرو، لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم اس دن صبر اختیار نہ کر سکے، بلکہ انہوں نے وہ درہ چھوڑ دیا، ثابت قدم نہ رہ سکے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی مدد نازل نہ فرمائی۔ حضرت عکرمہ نے احد میں تین ہزار



کی بھی نفی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد میں ایک ہزار بھی فرشتہ شریک نہیں ہوا تھا۔

جنگوں میں اترنے والے فرشتوں کی علامات:

﴿مُسَوِّمِيْنَ﴾ ان فرشتوں پر نشانی ہوگی کہ تمہیں اندازہ ہو کہ یہ فرشتہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بدر والے دن اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو سفید اونی لباس دیا تھا اور جن گھوڑوں پر وہ سوار تھے ان کی پیشانیوں پر علامات تھیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ سرخ اونی لباس میں تھے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان کے گھوڑوں کی پیشانی اور پاؤں سفید تھے اور ان کی دموں پر بھی علامت تھی۔ حضرت مکحول رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان کی نشانی یہ تھی کہ انہوں نے سر پر پگڑیاں باندھی ہوئی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک قول مبارک ہے کہ جب بدر والے دن فرشتے اترے تو ان کے سروں پر سیاہ رنگ کی پگڑیاں تھیں اور یومِ حنین میں جب اترے تو ان کے سروں پر سرخ رنگ کی پگڑیاں تھیں۔ یعنی یہ وہ علامات تھیں جن سے وہ پہچانے جاتے تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فرشتوں نے لڑائی میں شرکت صرف بدر والے دن کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک قول مبارک یہ بھی منقول ہے کہ جب ملائکہ آئے تو ان کی پگڑیاں سفید تھیں اور ان کے پلے انہوں نے پشت کی طرف ڈالے ہوئے تھے۔ حنین والے دن ان پر سرخ رنگ کی پگڑی تھی اور ملائکہ نے کسی جگہ کافروں کو نہیں مارا سوائے بدر کے، ورنہ دوسرے مقامات پر مسلمانوں کا عدد بڑھانے کے لیے، مسلمانوں کی نصرت کے لیے اترتے رہے، لیکن قتال میں حصہ نہیں لیا (یہ تمام روایات تفسیر ابن کثیر جلد: ۲، صفحہ: ۱۱۳ پر سند کے ساتھ منقول ہیں)۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بدر والے دن پگڑی زرد رنگ کی تھی اور اس کا پلہ آپ نے منہ پر ڈالا ہوا تھا تو ملائکہ بھی اسی رنگ کی پگڑیوں میں اترے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: ۳۴۷۵۳، راوی عباد بن حمزہ رضی اللہ عنہ)۔

بہر حال یہ سارے اقوال ہیں جو مفسر رحمہ اللہ نے نقل کیے ہیں۔

﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝﴾ [آل عمران: ۱۳۱ تا ۱۳۶]

"اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اور اللہ اور رسول کی بات مانو، تاکہ تم سے رحمت کا برتاؤ کیا جائے۔ اور اپنے رب کی طرف سے مغفرت اور وہ جنت حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دکھاؤ، جس کی چوڑائی اتنی ہے کہ اس میں تمام آسمان اور زمین سما جائیں۔ وہ ان پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے جو خوشحالی میں بھی اور بدحالی میں بھی (اللہ کے لیے) مال خرچ کرتے ہیں اور جو غصے کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کر دینے کے عادی ہیں۔ اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر کبھی کوئی بے حیائی کا کام کر بھی بیٹھتے ہیں یا (کسی اور طرح) اپنی جان پر ظلم کر گزرتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں کہ اور اس کے نتیجے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، اور اللہ کے سوا ہے بھی کون جو گناہوں کی معافی دے؟ اور یہ اپنے کیے پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کا صلہ ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے، اور وہ باغات ہیں جن کے نیچے دریا بہتے ہوں گے، جن میں انہیں دائمی زندگی حاصل ہوگی، کتنا بہترین بدلہ ہے جو کام کرنے والوں کو ملنا ہے۔"

ربطِ آیات:

ان آیات کے بارے میں بعض مفسرین کرام کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ پچھلی بات اپنی جگہ ختم ہوگئی، اب یہ علیحدہ ایک حکم ہے، اس کا سابقہ آیات کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔ ہم اللہ کے بندے ہیں، اللہ جب چاہیں اور جو چاہیں اپنے بندوں کو حکم دیں، کسی بندے کو اللہ کے کام پر اعتراض کا حق نہیں ہے۔

شانِ نزول:

بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان آیات کا سابقہ آیات سے ایک تعلق ہے کہ جنگ بدر میں جب ستر کافر مارے گئے تو ان کے ورثاء نے ابوسفیان سے کہا: تجارت کے سارے پیسے ہمیں نہ دو، اس پیسے پر تجارت کا سود کا کاروبار کرو، جتنی دولت آئے اکٹھی کرو، ہم مسلمانوں سے جا کر اپنے باپ دادا کا بدلہ لیں گے...... کیونکہ قبائلی لوگ تھے اور قبائلی لوگوں کا کوئی آدمی قتل ہو جائے تو وہ اس کو بھولتے نہیں ہیں...... تو ان کافروں نے وہ تجارتی اور سود والی رقم خرچ کی اور احد میں آکر مسلمانوں سے لڑے۔ اب مسلمانوں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر ہمارے پاس بھی پیسے ہوں اور ہم بھی لوگوں کو پیسے دیں اور رقم جمع کر کے ان کافروں سے مکہ میں لڑیں اور ان سے بدلہ لیں تو تعالیٰ نے فرمایا: تم کافروں کی طرح سود کھا کر جنگ کی تیاری کرنے کا نہ سوچو؛ کیونکہ تمہارے لیے سود حرام ہے۔

اس لیے غزوۂ بدر و احد کے بعد ان آیات کو نازل فرمایا، تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم سود کھا کر، دولت کے بل بوتے پر شکست دے دیں گے۔ یہ غلط بات ہے، حلال حلال ہے اور حرام حرام ہے۔ قوت و طاقت حلال میں ہے، حرام میں نہیں ہوتی۔ کافروں کی فتح اس وجہ سے نہیں ہوئی، بلکہ اس میں تمہاری اپنی غلطی کا دخل ہے۔

غزوۂ احد میں مسلمانوں کی فتح:

غزوۂ احد میں انجام کے اعتبار سے فتح مسلمانوں کی ہوئی تھی، مثلاً: آپ میرے ساتھ ایک گلاس حاصل کرنے کے لیے لڑیں۔ اگر آپ گلاس نہ لے سکیں، میرے چاہے دس آدمی مارے جائیں، جیت آپ کی نہیں ہوئی؛ کیونکہ گلاس آپ کو نہیں ملا۔ کافروں کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے اور مدینہ منورہ پر قبضہ کیا جائے، لیکن ان کو یہ مقصد حاصل نہ ہوا اور وہ ناکام ہو کر واپس آگئے، حالانکہ مسلمان شکست کھا رہے تھے، مسلمان شہید ہو رہے تھے، لیکن بھاگ کافر ہی رہے تھے۔ مدینہ منورہ بھی خالی تھا؛ کیونکہ وہاں ابن ابی کی جماعت تھی، مخلص جوان حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ اس کے باوجود بھی کافروں کا مدینہ منورہ میں داخل نہ ہونا ان کی شکست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیات کے اندر حکم دیا تھا کہ صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو۔ اس لیے فرمایا: خیال رکھنا سود کھانے والے اللہ سے نہیں ڈر رہے ہیں۔ اگر تم بھی اللہ سے نہ ڈرے تو کامیابی کیسے ہو گی؟

سود کا معنی اور گناہ:

سود کو مثال سے سمجھیں کہ میں نے کسی کو ایک سو ریال قرض دیا اور میں نے کہا: تم مجھے ایک ماہ بعد سو ریال واپس کرو گے، لیکن پانچ ریال اس کے ساتھ مزید دو گے۔ آپ جو مجھے سو ریال دیں گے وہ ان سو کے بدلے میں ہو گئے، یہ اوپر والے کسی چیز کے بدلے میں نہیں ہیں۔ اس کا نام سود ہوتا ہے۔

آج کل لوگوں کے دماغوں میں ایک شیطانی خیال گھسا ہوا ہے کہ سود انفرادی ہوتا ہے، یہ اجتماعی طور پر بڑی بڑی کمپنیوں کو جو بینک دیتے ہیں یہ سود نہیں ہے۔ حالانکہ سود سود ہے، چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی ہو۔ مثلاً: ایک آدمی چوری کرتا ہے، پکڑا جائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ اگر چار آدمی مل کر چوری کرتے ہیں تو نہ کاٹیں؟ حالانکہ چوری چوری ہے، چاہے ایک کرے، دو کریں، تین کریں یا چار کریں۔ سود کی حرمت اتنی شدید ہے کہ حرام تو سور بھی ہے، حرام تو گندگی بھی ہے، لیکن کسی چیز پر اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ میرے ساتھ جنگ ہے، لیکن سود حرام ہے، خدا کے ساتھ جنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر سود خور سود کھانے سے نہیں رکیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ﴾ [البقرۃ:۲۷۹] اے میرے مدنی! ان کو خبر کر دو کہ پھر اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

آپ ایمان سے سوچیں کہ جتنی اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی ہے یہ ساری اکٹھی ہو جائے تو کیا اللہ تعالیٰ سے جنگ لڑ سکتے ہیں؟ لیکن آج ہر اسلامی ملک میں جب سود کھا کر اللہ سے جنگ لڑ رہے ہیں تو کامیابی کیسے ملے گی؟

سود کا نقصان:

دوسری بات اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھائی کہ ﴿یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ﴾ [البقرۃ:۲۷۶] اللہ تعالیٰ برباد کر دیتے ہیں سود کو اور بڑھاتے ہیں خیرات کو۔

اب بظاہر خیرات کرنے میں پیسہ کم ہو رہا ہے اور سود میں بڑھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے! اگر تم میرے قول پر عمل نہ کرو تو ایسے ہو گا جیسے کسی آدمی کو ورم آ جائے اور اس کا بدن سوجا ہوا ہو اور تم کہو کہ بندہ موٹا ہو رہا ہے، حالانکہ وہ صحت مند نہیں ہو رہا، بلکہ ورم کی بیماری میں مبتلا ہے۔ تم ورم اور صحت میں فرق نہیں کر رہے ہو۔ سود کھانے والا برباد ہو گا۔

سود زمانہ کفر سے ایسا گندا کاروبار ہے کہ سود میں آدمی کو ایسا جکڑ لیتے تھے کہ آدمی ساری زندگی اس سے نہیں نکلتا تھا۔ پہلے دور میں سودی کاروبار ہندو کرتے تھے، مسلمان تو سوچ ہی نہیں سکتا تھا، لیکن اب مسلمان اتنی ترقی کر گیا ہے کہ ہندو پیسے میں سود کھاتا تھا اور مسلمان سینکڑوں ہزاروں میں سود کھاتا ہے۔ ہندو اب اس کی خاکِ پاء کے برابر بھی نہیں رہا۔ ہندو یہ کرتا تھا کہ مثلاً آپ کی سوا ایکڑ زمین ہے، آپ ہندو سے پیسے لیتے۔ وہ بڑی نیازمندی سے پیسے دے رہا ہے۔ جب فصل تیار ہو جاتی تو وہ آجاتا کہ آپ کے ذمہ قرضہ تھا، اس کا حساب ہو جائے۔ اس طرح وہ فصل لے کر گھر چلا جاتا اور زمیندار کپڑے کندھے پر رکھ کر گھر آجاتے تھے۔ پھر نیا ادھار شروع ہو جاتا تھا۔ انجام یہ بھی ہے کہ وہ زمینیں بھی ہندو لے گئے، انہوں نے قرضے دے کر دوسرے بندے کو اپنا اتنا زیر احسان بھی رکھا کہ بڑے بڑے جاگیردار فرعون قسم کے آدمی کے پاس اگر ہندو بنیا آجاتا تو وہ اس کو ساتھ والی کرسی پر بٹھاتا تھا؛ کیونکہ اس سے پیسے مانگنے ہوتے تھے اور ہندو کا سود اس طرح برباد ہوا کہ جب ملک بدلا تو وہ بھی برباد ہو گئے۔

سود کی سزا:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: سود کھانے والے پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، سود دینے والے پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، سود کا معاہدہ لکھنے والے پر بھی اللہ کی لعنت ہے اور گواہوں پر بھی لعنت ہے۔ آج اس لعنت سے کوئی بھی نہیں بچ رہا، مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچا لے، ورنہ انہوں نے ہمیں اس طرح جکڑا ہوا ہے کہ اگر ہم حج پر بھی آئیں تو سودی ادارے (بینک) ایک کپی (بوتل) ہمیں دے دیتے ہیں اور اسی حرام والی بوتل میں ہم سارے زم زم پیتے ہیں اور ان کی مشہوری کر رہے ہوتے ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ایک آدمی سے قرضہ لینا تھا تو دروازہ کھٹکھٹا کر دھوپ میں کھڑے ہو گئے۔ گھر والا نکلا اور بھاگتا ہوا آیا کہ یہ کیا ظلم کر رہے ہیں؟ آپ دھوپ میں کیوں کھڑے ہیں؟ گھر کے دروازے پر باقاعدہ شیڈ بنا ہوا ہے، آپ اس کے سائے میں کھڑے ہو جاتے، میں آجاتا۔ تو فرمایا: میں نے آپ سے قرضہ لینا ہے، اس لیے میں آپ کے گھر کے سامنے کھڑا نہیں ہوا کہ کہیں قیامت میں اللہ نہ پکڑ لیں کہ یہ سود ہو جائے؛ کیونکہ مجھے قرضہ لینے کا حق ہے، تیرے گھر کی دیوار کے سائے سے فائدہ لینے کا حق نہیں ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی عمارت میں سودی کاروبار ہوتا ہے تو اس کے سائے سے بھی بچیں۔ آج ہم سود کے بغیر



چل بھی نہیں سکتے۔ انہوں نے ایسا جکڑا ہوا ہے کہ ہمارا پڑھا لکھا آدمی کہتا ہے کہ سود کے بغیر ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ وہ برباد ہو گئے تو پھر ہم انڈسٹریاں کیسے لگائیں گے؟ بڑے بڑے کام کیسے کریں گے؟ یہ سب جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر بغیر سود کے یہ کام نہ ہو سکتے تو پہلے دور میں بائیس لاکھ مربع میل مسلمانوں نے فتح کیا اور کام کیے، سود نہیں لیا تو وہ کیسے ہو گیا؟ اب بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مضاربت کا نظام دیا ہے، تمہارے پاس دولت اور دوسرے کے پاس علم ہے، قوت بازو ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ دونوں مل جاؤ اور اپنے حصے مقرر کر لو۔ اسلام کہتا ہے: تم بڑا کاروبار کرنا چاہتے ہو، مثلاً: ایک مل دس کروڑ میں لگتی ہے، تیرے پاس ایک کروڑ ہے نو آدمی دوسرے شامل کر لو۔ اگر نہیں ملتے تو پچاس پچاس لاکھ کے اٹھارہ آدمی شامل کر لو، بڑھا لو، سب کو حصہ دو، تاکہ دولت پھیلے اور ہر گھر میں جائے۔ یہ نہیں کہ اوپر سانپ بن کر بیٹھا رہے کہ ساری دنیا کماتی رہے اور وہ کھاتا رہے۔ یاد رکھیں! جیسے تمہیں ضرورت ہے کہ بینک ہمیں قرضہ دے، اسی طرح بینک کو بھی ضرورت ہے کہ کوئی قرضہ لینے والا آئے۔ اگر اس سے قرضہ نہ لے تو وہ کب تک چلے گا؟ جب تم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ گے تو وہ تمہاری شرائط پر پیسہ دیں گے: کیونکہ باہر والوں کو بھی منڈی کی ضرورت ہے، ورنہ وہ سامان کہاں بیچیں گے؟

ایک شبہ اور اس کا جواب:

سوال: اس آیت پر دشمنانِ اسلام ایک بڑا اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً﴾ فرمایا ہے، اس کا معنی یہ ہے مثلاً: پہلے دور میں ایک آدمی نے ایک ہزار دیا اور کہا کہ سو ریال سود ہے۔ ایک مہینہ بعد مجھے گیارہ سو دو گے۔ مہینے کے بعد پیسے مانگے، لیکن دوسرے کے پاس نہیں تھے، اس نے کہا: مت گھبراؤ، لیکن میں اب گیارہ سو ریال پر سود لگاؤں گا۔ اگلے مہینے تم مجھے تیرہ سو دو گے۔ اس طرح ہر مہینے میں بڑھاتا گیا، یہ ﴿أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً﴾ ہے کہ ایک سود پر دوگنا، چوگنا، سہ گنا سود لگانا۔ تو منکرین قرآن اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سود سے منع کیا ہے جو دوگنا، سہ گنا، چوگنا لیا جائے، خالص ایک دفعہ لینے پر منع نہیں کیا گیا۔

جواب: یہ ان کی جہالت ہے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرة: ۲۲] کہ اللہ کے ڈھیر شریک نہ بناؤ تو کیا کوئی ایک شریک بنائے تو کوئی حرج نہیں ہوگا اور زیادہ بنائے تو جرم ہے؟ اس طرح تو سارے قرآن کا ترجمہ ہی بدل جائے گا۔

دوسری جگہ قرآن فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۡ وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ﴾[البقرۃ: ۴۱] خبردار! قرآن کی آیات کو تھوڑے پیسے لے کر نہ بدلو۔ کیا زیادہ پیسے لے کر بدلا تو کوئی حرج نہیں؟ حالانکہ اصل مقصد مذمت ہے کہ ایک شریک بناؤ تو مشرک ہو، لاکھ شریک بناؤ تو بھی مشرک ہو۔

اسلوبِ بیان ہے کہ ظالمو! جس کا ایک شریک بنانا بھی جائز نہیں ہے، لیکن تم نے تو لاکھوں شریک بنا رکھے ہیں۔ اگر ساری دنیا کی دولت لے لو، قرآن کے سامنے تھوڑی ہے، جب ساری دنیا بھی قرآن کی ایک آیت کا عوض نہیں بن سکتی تو تم تھوڑے پیسے لے کر جھوٹ بول رہے ہو۔ مسئلہ بدل رہے ہو، کچھ عقل کرو۔ یہ خطاب تو غیرت دلانے کے لیے اور ان کو سمجھانے کے لیے ہے۔

یاد رکھیں کہ سود کا قطرہ بھی حرام ہے اور کروڑوں بھی حرام ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اندر فرمایا: ظالمو! سود حرام ہے اور پھر تم اس کو دوگنا کر کے بھی کھا رہے ہو۔ تم اللہ سے ڈرو اور سود کو چھوڑ دو۔ اور ڈرو اس جہنم کی آگ سے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

جدید ذہنوں کے گمراہ کن نظریات:

آج بعض جدید پڑھے لکھے لوگ جو اپنے آپ کو عالم کہلانے والے ہیں، بڑے بڑے اسکالر، پروفیسر، جدید علوم سے متاثر حضرات محض سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے ایسے حیلے بہانے تراشتے ہیں کہ سود حرام ہے، لیکن بینکوں کا جو کام ہے وہ سود نہیں ہے۔ بینکوں کی قوت اور میڈیا اس آدمی کو اوپر اٹھاتا ہے کہ یہ عالم ہے، اس نے مسئلہ سمجھا ہے، جو مولوی سود کو حرام کہتے ہیں وہ پرانے وقت کے لوگ ہیں، انہوں نے ابھی تو قرآن و حدیث کو سمجھا نہیں ہے۔ یہ قرآن و حدیث کو اسی مفہوم اور طاقت میں لیتے ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں تھا، حالانکہ اب دنیا بدل گئی، حالات بدل گئے ہیں اور پھر وہ مثالیں دیتے ہیں کہ پہلے قبلہ مسجد اقصیٰ تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کر دیا اور پھر خانہ کعبہ کا حکم دے دیا۔

وہ کہتے ہیں کہ اس طرح اگر تم ناسخ و منسوخ کی آیات پر نظر کرو تو معلوم ہوگا کہ منسوخ کئی قسم پر ہیں: بعض منسوخ التلاوت ہیں، لیکن باقی الحکم ہیں۔ بعض منسوخ التلاوت بھی ہیں اور منسوخ الحکم بھی ہیں۔ اور بعض باقی التلاوت ہیں، لیکن منسوخ الحکم ہیں۔ جیسے وصیت اقارب کا حکم تھا، جب آیت میراث نازل ہوئی تو وصیت والا حکم

باقی نہیں رہا، لیکن آیت موجود ہے۔

جدید علوم والا طبقہ سلف صالحین کی روایات سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کے قرآن میں تاویلات بعیدہ سے کام لیتا ہے۔ وہ کہتے ہیں: بینک کا سود سود نہیں ہے، بلکہ سروس چارجز ہیں کہ ایک بینک میں آپ پیسے رکھتے ہیں، وہ ان کی حفاظت کر رہا ہے یا تو بینک آپ ڈرافٹ بنا کر دیتا ہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ پیسے دوسری جگہ پہنچیں تو ڈرافٹ کا بنانا، عملہ، ملازم، کلرک، فیکس مشینیں، ٹیلی فون کے اخراجات وہ انہیں سے لے گا، لہٰذا یہ کوئی سود نہیں ہے۔

دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ سود تب ہوتا ہے جب ظالم ساہوکار کسی ضرورت مند کی ضرورت سے فائدہ اٹھا کر بطور سود کے قرض دیتا تھا۔ یہ سود تو ہم بھی کہتے ہیں کہ حرام ہے، لیکن بینک جس طرح کسی کو قرضہ دینے پر سود لیتا ہے، آپ بھی بینک کو پیسے دیتے ہیں تو وہ آپ کو بھی پیسے دیتا ہے۔ یہ تو نفع ہے، سود تو تب ہوتا جب ایک طرف سے ہوتا۔ مثلاً: آپ نے بینک میں ایک یا دو لاکھ ڈیپازٹ کیا ہے سیونگ اکاؤنٹ میں تو وہ بینک آپ کو نفع دیتا ہے، لہٰذا یہ جانبین سے چل رہا ہے۔ لیتا بھی ہے، دیتا بھی ہے۔ سود تب تھا جب صرف لیتا ہو اور دیتا نہ ہو۔

ان تاویلات کے ذریعہ سے انہوں نے قطعی الدلالت اور نص سے ثابت ہونے والی حرمت کو لوگوں کے سامنے مشکوک بنا دیا۔

اور اسی طرح کہتے ہیں زنا تو وہ ہوتا تھا جو لوگ پہلے لڑکیوں کو پکڑ کر جنگل میں لے جاتے تھے اور زنا کرتے تھے۔ اب تو ہوٹلوں میں کمرے بک ہو جاتے ہیں اور لڑکی اپنی رضا سے آتی ہے۔ یہ تو زنا نہیں ہے۔ اس طرح انہوں نے زنا اور سود کو حلال کر دیا۔

اور شراب کے بارے میں کہہ دیا کہ وہ حرام ہے جو انگوروں سے نکالی جائے، جس کا قرآن میں ذکر ہے۔ ہم تو مالٹے والا پیتے ہیں، انگور والا نہیں پیتے۔ اور مسلمانوں کی تضحیک کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ انگور دو کلو کھا جاتے ہیں۔ اگر ہم ان کو نچوڑ لیں تو حرام ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ عام آدمی کو دھوکہ دیتے ہیں اور اس کو پریشان کر دیتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے مذاق کرتے ہیں۔ ایک ہوتا ہے کسی حکم پر ہم اپنی کمزوری اور غفلت کی وجہ سے عمل نہیں کر سکتے اور ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بدلنا چاہتے ہیں۔

ع خود کو بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

انگور حلال ہے، حرام تب ہوا جب اس کا جوس نکال کر نشہ میں پہنچا دیا گیا۔ نشہ میں نہ پہنچے تو حلال ہے 'کُلُّ مُسْکِرٍ

حَرَامٌ" ہر نشہ آور چیز حرام ہے، چاہے وہ مالٹے سے نکلے، حرام ہے۔

اس لیے دیکھ لیں کہ پیشاب چاہے کتے سے نکلے حرام ہے، بندے سے نکلے تب بھی حرام ہے۔ یہ فرق نہیں کرتے کہ یہ کتے ناپاک سے نکلا ہے تو حرام ہے اور یہ بندے سے نکلا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے کہ بندہ شریف ہے، اپنی جگہ بیٹھ کر پیشاب کرتا ہے۔

اس لیے یاد رکھیں! سود حرام ہے، چاہے ایک طرف سے ہو چاہے دو طرف سے ہو۔ جس کو تم سروس چارجز کہتے ہو وہ نہیں ہیں۔ جب تم مثال کے طور پر سات فیصد فکس کر رہے ہو، حلال تب تھا کہ بینک کو چاہیے تھا کہ وہ لوگوں سے پیسے لے کر اس کو کسی کاروبار میں لگاتا، ہم سب اس میں پیسے جمع کرتے، وہ ہم سے پیسے مضاربت پر شیئر کر کے لے لیتا، اس سے وہ کاروبار کرتا، بلڈنگ خریدتا، مارکیٹ خریدتا، کوئی پلازہ بناتا، تو سال یا دو سال بعد جب پرافٹ آنا شروع ہو جاتا تو حصص میں تقسیم کر دیتا۔ اگر اللہ نہ کرے نقصان ہو جاتا تو کہہ دیتا کہ نقصان ہو گیا، آ کر حساب دیکھ لو۔ تو اسلام نے اس طرح اجازت دی تھی۔ یہ نہیں کہ تم معین کر لو، چاہے اگلا ڈوب جائے یا مر جائے۔ اب بھی بعض بینکوں نے تو لکھ دیا ہے کہ نفع ونقصان کی سکیم ہے، ورنہ یہ بالکل غلط ہے۔

آپ ان سے جا کر پوچھیں کہ آپ نے ہمارا پیسہ کہاں لگایا ہے؟ کیونکہ ہم شیئر ہولڈر ہیں، ہمارا حصہ ہے۔ مثلاً: سعودی عرب میں ایک بینک ہے، میں اس کو درخواست دوں کہ مجھے پانچ لاکھ چاہییں دکان خریدنے کے لیے تو بینک نے کہا: آپ ہمیں دس پرسنٹ سود دیں گے، پانچ لاکھ لے لینا۔ تو دس پرسنٹ سود مجھ پر شروع ہو گیا۔ اب اس میں دو خطرے ہیں کہ میں نے دکان نہ خریدی اور وہ پیسے کام میں لگ گئے۔ اب میرا مکان بھی رہ گیا اور مجھ پر سود بھی چڑھ رہا ہے۔ یہی وہ لعنت ہے جس کے اندر پورا یورپ مبتلا ہے۔ آپ تو دیکھتے ہیں کہ بڑی کاریں ہیں، گھر ہیں۔ اندر سے ان سے پوچھو تو یہ سارا قرضہ کا ہے۔ جو جتنی نوکری کر کے کما رہے ہوتے ہیں ساری بینک کو دے رہے ہوتے ہیں۔ ان کا اصل قرضہ ان پر کھڑا ہے۔

بینک کے کاروبار کی ایک بہترین اور جائز صورت:

سعودی عرب کے اندر ایک اسلامی بینک ہے، ان کا طریقہ بڑا اچھا ہے کہ مثلاً: میں بینک کو جا کر درخواست دیتا ہوں کہ مجھے دس لاکھ ریال چاہییں، میں نے مکان لینا ہے۔ وہ کہیں گے: آپ نے مکان دیکھا ہے؟ میں کہوں کہ

دیکھا ہے۔ وہ پوچھیں گے کہ وہ مکان کہاں ہے؟ میں کہوں گا: فلاں محلے میں ہے۔ وہ کہیں گے: آپ نے اس کو اچھی طرح اندر باہر سے دیکھ لیا ہے؟ آپ کو پسند ہے؟ میں کہوں: بالکل پسند ہے، میں لینا چاہتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے۔ اور بینک جا کر مالک مکان سے وہی مکان دس لاکھ میں خرید لیتا ہے، اس طرح وہ مکان بینک کا ہو گیا۔ اور اس نے آپ کو قبضہ دے دیا۔ اب انسان ہے، کچھ دنوں کے بعد ارادہ بدل سکتا ہے، ہم نے ان کو کہا۔ وہ کہتے ہیں: ٹھیک ہے، تم نہیں لیتے تو نہ لو۔ ہم نے لے لیا ہے، لیکن اگر ہم سے لیتے ہو تو ہم گیارہ لاکھ روپے میں بیچیں گے اور ہم آپ سے پیسے بیس سال بعد لیں گے۔ اس طرح یہ حرام بھی نہ رہا؛ کیونکہ وہ کہتے ہیں: تمہاری مرضی آئے تو لو۔ اگر مرضی نہیں ہے تو نہ لو۔ اور وہ رقم آگے بڑھے گی نہیں، گیارہ لاکھ کا سوا گیارہ لاکھ نہیں ہوگا۔ اگر اللہ نہ کرے دینے والی پارٹی نادہندہ ہو جائے اور مکر جائے کہ میں پیسے نہیں دیتا تو پھر وہ مکان لے لیں گے؛ کیونکہ ان کی یہ شرط ہوتی ہے مکان کے کاغذات مالک کو اس دن دیں گے جب وہ ہمارے پیسے ادا کر دے گا، چاہے آج ادا کر دے یا چاہے بیس سال بعد ادا کر دے۔ جب تک پیسے ادا نہیں کرے گا یہ کاغذات ہمارے پاس رہیں گے اور ہمیں اس میں تصرف کا حق ہوگا۔

میری اپنی ایک کوٹھی تھی۔ کسی نے کہا: ایسے کیوں پڑی ہے کرایہ پر دے دو۔ میں نے کہا: مجھے پتہ نہیں، مسافر آدمی ہوں۔ انہوں نے کہا: اسی لیے تو کہہ رہے ہیں؛ کیونکہ گھر خالی ہو تو جن بھوت بیٹھ جائیں گے۔ اس سے بہتر ہے کرایہ پر دے دیں۔ میں نے کہا: کرایہ کون وصول کرے گا؟ اور اگر دو سال کے بعد کرایہ دار کہے کہ میں نہیں نکلتا تو کیا کروں گا؟ قانونی وکیل نے کہا: ہم نے ایک قانونی راستہ نکالا ہوا ہے۔ میں نے کہا: بتائیں!۔ انہوں نے کہا: ہم یہ لکھوا لیتے ہیں، مثلاً: یہ کوٹھی دو لاکھ روپے سالانہ میں دے رہے ہیں، ہر سال دس پرسنٹ ہمیں کرایہ بڑھانے کا حق ہوگا، لیکن اس کے ساتھ ہم کرایہ دار کے ساتھ طے کر لیتے ہیں کہ تم اگر ہمارے ساتھ شریف رہے تو ہم آپ سے یہ دس پرسنٹ نہیں لیں گے، بلکہ یہی دو لاکھ لیں گے، لیکن رسید دو لاکھ بیس ہزار کی دیں گے، پھر اگلے سال دو لاکھ چالیس ہزار کی دیں گے، جس دن تمہارا دماغ خراب ہو جائے گا تو ہمارا کرایہ بھی سو پرسنٹ بڑھ جائے گا۔ انہوں نے کہا: اس لیے آپ پریشان نہ ہوں۔ میں نے کہا: مجھے یہ دھندے نہیں چاہئیں۔

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی:

بہر حال یاد رکھیں! سود ہر شکل میں حرام ہے۔ خنزیر خنزیر ہے، حرام حرام ہے اور حلال حلال ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا



کہ کتے کو شیمپو کرا کر کار میں بٹھا دیں تو وہ پاک ہو جائے گا، بلکہ کتا کتا ہی رہے گا، وہ پاک نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((الحَلَالُ بَيِّنٌ، وَالحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُشْتَبِهَةٌ)) [بخاری، رقم: ۲۰۵۱] حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ ان دونوں کے درمیان کچھ باتیں ایسی ہیں جو شبہ والی ہوتی ہیں۔ اس شبہ سے بچ جاؤ۔ ہم مولویوں کی کون سنتا ہے؟ اگر اللہ پاک نے آپ کو توفیق دی ہو وہ حکام تک پہنچا دیں کہ کوئی دنیا کا اسلامی ملک اس وقت تک نہ مستحکم ہو سکتا ہے اور نہ ترقی کر سکتا ہے، نہ بچ سکتا ہے جب تک سود کی لعنت کو ختم نہیں کریں گے۔ اور جو ملک ایک دفعہ ہمت مردانہ کر کے سود کو اپنے ملک سے بند کر دے اور اس لعنت سے چھٹکارا لے لے تو اللہ تعالیٰ اپنے زمین و آسمان کے خزانوں کو اس کے لیے کھول دیں گے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہوگا۔

بلا سود جائز طریقے سے کاروبار کرنے والے کا واقعہ:

ملک یاسین مدینہ منورہ کے اندر میرے دوست ہیں، ملتے رہتے ہیں، بہت بڑے بزنس میں ہیں، اربوں کے اندر ان کا کام ہے اور ہمارے پرانے دوستوں میں ہیں۔ ایک دفعہ مدینہ منورہ میں ہم اکٹھے تھے۔ مغرب و عشا کے درمیان میں انہوں نے کہا: میرا دل کر رہا ہے کہ آپ میرے ساتھ ایک چائے کی پیالی پی لیں۔ انہوں نے کہا: ہم مدینہ میں بیٹھے ہیں اور سامنے حرم ہے۔ مکی صاحب! جب تک ہم سودی کاروبار کرتے تھے، یقین کریں نہ دن کو آرام تھا اور نہ رات کو آرام تھا، ہر وقت پریشانی تھی کہ ادھر سود بڑھ رہا ہے، بینکوں سے نوٹس آ رہے ہیں، ادھر کمپنیوں سے نوٹس آ رہے ہیں۔ رات دن جیسے چرخہ چلتا ہے، مشین کی طرح ہم بھاگتے دوڑتے تھے۔ رات کو دو گھنٹے نیند نہیں آتی تھی، گولیاں کھا کر ہم سوتے تھے۔ اللہ پاک آپ لوگوں کو جزائے خیر دے! آپ لوگوں کی صحبت میں آ کر ہماری آنکھیں کھلیں کہ سود حرام ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ سود نہیں لینا۔ میری کمپنی کے سارے ڈائریکٹروں نے کہا: ملک صاحب! آپ تو تقریریں سن کر پاگل ہو گئے ہیں، ہمیں کیوں برباد کرتے ہیں؟ اربوں کا کاروبار بغیر سود کے کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے ان سے کہا: ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا، یہ تو میرا معاملہ ہے۔ آج کے بعد آپ لوگوں سے ختم، اگر آپ نے مجھے چیئر میں بنایا ہے اور آپ نے میری بات پر چلنا ہے تو سود ختم کریں گے۔ وہ آپس میں کھسر پھسر کرتے رہے کہ ملک صاحب کا دماغ خراب ہو گیا ہے، لیکن اسی نے سب کچھ بنایا تھا، اب اس کو انکار بھی نہیں کر سکتے۔ تو انہوں نے کہا: ٹھیک ہے، دو تین سال تک آپ کو دیکھتے ہیں۔ آپ کاروبار کو سود کے بغیر کیسے چلا لیں؟

تو ٹھیک ہے۔

مکی صاحب! آپ یقین فرمائیں! ہمارا کام بھی دس گنا بڑھ گیا اور اللہ کی رحمت سے کسی کا قرض نہیں دینا اور ایک منٹ کے لیے بھی کبھی دماغ میں فکر نہیں ہوا کہ سود بڑھ رہا ہے۔ اور اب سارے ساتھی کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے! آپ نے ہمیں اس لعنت سے چھڑا لیا ہے۔ اب گھر میں سکون ہے، بیوی بچوں میں کوئی لڑائی نہیں، کوئی بیماریاں اور کوئی پریشانی نہیں ہے، ورنہ دو لاکھ نفع آتا تھا او بیوی علاج کے لیے لندن جارہی ہے، بیس لاکھ کا بل بنتا تھا۔ ادھر دس لاکھ کا نفع آتا اور گھر سے ٹیلی فون آجاتا: آپ کے بیٹے نے جوا ہار دیا ہے، بیس لاکھ بھجواؤ۔

ملک صاحب نے کہا: میرے جتنے دوست تھے، جن کے اربوں میں کام تھے، ان کی منت کی تھی۔ اب سود نہیں لیتے اور وہ مطمئن ہیں اور ان کا پہلے سے زیادہ اچھا کام ہے۔ اب ہم اگر مٹی میں بھی ہاتھ ڈالتے ہیں تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ اور کہنے لگے: مکی صاحب! یقین کریں تین سال مجھ پر ایسے گزرے جیسے کسی کو الٹا لٹکا دیا جائے؛ کیونکہ سود کے پیسے دینے تھے، گھر، کوٹھیاں، گاڑیاں اور بچوں کے زیور کو بیچ دیا کہ اس سود کو کسی طرح ختم کردیں۔ ابھی بھی وہ زندہ ہیں۔

الحمد للہ میرے دوستوں میں ایسے بھی ہیں جو بغیر سود کے کاروبار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ایسے مکان سے رزق دیتے ہیں جن کا ان کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ بڑھاپے میں کہا کرتے تھے کہ مولوی مکی! دیکھو! یہ آدمی آم بیچنے والا ہے، ریڑھی لگا کر سڑک کے کونے پر کھڑا ہوجاتا ہے اور ایک آدمی سر پر ٹوکرا رکھ کر گلیوں میں پھرتا ہے۔ آم اس کے بھی بک جاتے ہیں اور آم اس کے بھی بک جاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہوتی ہے کہ تمہارا اللہ پر یقین کیسا ہے!!؟

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

اللہ سے ڈرو گے تو فلاح پاؤ گے اور اگر اپنے مالک سے نہیں ڈرو گے تو ہلاک ہوجاؤ گے۔ اور اس کے فوراً بعد فرمایا: اگر اپنے رب کی رحمت پر، اپنے رب کی ربوبیت پر، اپنے رب کے احسانات پر، اپنے رب کے عطایا پر بھی تمہیں شرم نہیں آئی تو آگ سے ڈرو۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ کبھی ترغیب ہوتی ہے اور کبھی ترہیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کافروں کے لیے تیار کی ہے، لیکن سود خوروں کو بھی اس میں ڈالیں

گے۔ اللہ تعالیٰ نے مجرموں کے لیے جیل بنائی تھی۔ جب تم خود جرم کر کے جیل میں آنا چاہو تو ہم کیا کریں؟

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم تمہیں کامیابی کا راستہ بتاتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اللہ پاک تم پر رحم کرے! دولت کمانے میں سبقت نہ کرو، حرام کھانے میں سبقت نہ کرو، حصص خریدنے میں سبقت نہ کرو، سود لینے میں سبقت اور جلد بازی نہ کرو۔

﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾

سبقت کرنے کا میدان یہ ہے کہ اللہ کی بخشش حاصل کرنے والے کاموں میں جلدی کرو، اس میں تیزی کرو۔ حرام کھانے میں جلدی نہ کرو، بلکہ رزق حلال ڈھونڈنے میں جلدی کرو۔ اللہ تعالیٰ کے مغفرت والے کاموں کو اختیار کرو اور اس جنت میں جانے کی جلدی سوچو جس کا ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں چوڑائی ہیں۔ جب اس جنت کا عرض (چوڑائی) اتنا ہے تو اس کا طول کتنا ہوگا؟ جب اتنی بڑی جنت میں تجھے جگہ نہ ملے تو تیرے جیسا بدقسمت کون ہوگا؟

سود کھانے والا مومن نہیں ہوتا، سود جمع کرنے والا مومن نہیں ہوتا، بلکہ مومن کی صفت یہ ہے کہ ﴿الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ﴾ جو خوشی میں بھی، فراخی میں بھی اور تنگ دستی میں بھی، ہر حال میں میرے راستے میں خرچ کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں۔ مومن کی صفت سود کھانا یا دولت پر سانپ بن کر بیٹھنا نہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ)) جو بندہ اللہ کے راستے میں صدقہ کرے اس کے مال میں کبھی کمی نہیں آتی ہے۔ [سنن الترمذی، رقم: ۲۳۲۵]

اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے: جو تم میرے راستے میں خرچ کرو گے میں بدلہ دوں گا۔

ایک بادشاہ کا معاف کرنے کا عجیب قصہ!

علماء نے لکھا ہے کہ ایک بادشاہ اپنے ایک غلام پر ناراض ہوگیا کہ بادشاہ آیا، وہ غلام کھانا لگا رہا تھا۔ اس بے چارے نے خیال نہ کیا، ڈونگہ جو بھرا ہوا تھا وہ سارا بادشاہ کے اوپر گر گیا۔ بادشاہ کے کپڑے خراب ہو گئے اور اس



کا بدن بھی جل گیا۔ بادشاہ غصہ میں آیا تو اس غلام نے فوراً یہ آیت پڑھی: ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾ کہ ایمان والے وہ ہیں جو اپنے غصہ کو ضبط کرلیں۔ بادشاہ نے کہا: میں نے بھی ضبط کرلیا۔ غلام نے آگے پڑھا: ﴿وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ﴾ مومن کی صفت یہ ہے کہ لوگوں کی غلطی کو معاف کرتے ہیں۔ اس نے کہا: میں نے بھی تجھے معاف کردیا۔ اس غلام نے آگے پڑھا: ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والے بندوں کو محبوب رکھتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا: میں نے بھی احسان کیا، جاؤ! تجھے غلامی سے بھی آزاد کردیا۔

اللہ تعالیٰ کے قرآن کو پڑھنے والے اور سننے والے یوں ہوا کرتے تھے کہ جس وقت قرآن سنا اسی وقت جھک گئے۔ آج ہم ایک طرف سے قرآن سنتے ہیں اور دوسری طرف سے نکال دیتے ہیں۔

آخرت کے متعلق صحیح عقیدہ اہل سنت کا ہے:

فرقہ معتزلہ یہ کہتا ہے کہ جنت دوزخ حق تو ہیں، لیکن ابھی موجود نہیں ہیں۔ جب قیامت کا زمانہ آئے گا اس وقت اللہ تعالیٰ جنت و دوزخ کو پیدا کریں گے۔ اور بعض کافر یہ کہتے ہیں کہ جنت اور دوزخ بالکل نہیں ہیں، بلکہ اکثر کفار یومِ آخرت کے بھی منکر ہیں کہ ہم نے مرنے کے بعد بالکل نہیں اٹھنا۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت پیدا فرما چکے ہیں اور جہنم بھی پیدا فرما چکے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ ہم نے متقین کے لیے جنت تیار کر رکھی ہے۔ اور اسی طرح جہنم کے بارے میں فرمایا: ﴿أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم آئندہ تیار کریں گے، بلکہ فرمایا: تیار کر رکھی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے معراج کی رات خود جنت میں داخل ہو کر جنت دیکھی ہے۔ اگر جنت تیار نہیں تھی تو حضور اکرم ﷺ کس جنت میں داخل ہوئے؟ حتیٰ کہ حضور پاک ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خوشخبری دی کہ میں نے ایک سفید موتیوں کا محل دیکھا ہے تو جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کس کا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: میرا دل چاہا کہ تیرے گھر کو اندر سے بھی دیکھوں، لیکن اس کی سیڑھیوں پر جنت کی حور بیٹھی ہوئی وضو کر رہی تھی تو میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اور حضور پاک ﷺ نے فرمادیا کہ جنت اور جہنم تیار ہے تو اس میں کافر شک کرسکتا ہے، لیکن مسلمان شک نہیں کرسکتا۔

جنت، جہنم کہاں ہیں:

مستشرقین اور اعدائے اسلام اعتراض کرتے ہیں کہ وہ جنت جہنم کہاں ہیں؟ ہم نے راکٹوں کے ذریعے پوری

دنیا کے چکر لگا لیے ہیں، ہم چاند پر پہنچ گئے ہیں اور ہم نے خلاؤں کو مسخر کر لیا ہے۔

یہ ان کی جہالت ہے ل؛ کیونکہ کسی چیز کا علم نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہوتی کہ وہ چیز بھی نہیں ہے۔ مثلاً: ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ صرف حجۃ الوداع میں میرے مدنی کے ساتھ تشریف لائے تو کوئی آدمی دس ہزار صحابہ کے نام بتا سکتا ہے؟ تو اگر نام نہ آئیں تو اس کا کیا مطلب ہے کہ صحابہ بھی نہیں تھے؟ اس طرح ہم انکار کرنا شروع کر دیں تو بہت ساری چیزوں کا نکار کرنا پڑے گا۔ مثلاً: کیا آپ نے اپنے پڑدادا کو دیکھا ہے؟ اگر آپ نے نہیں دیکھا تو کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کا پڑدادا نہیں تھا؟ اللہ تعالیٰ کے اتنے سیارات ہیں، جہاں تک آپ کا تصور بھی نہیں پہنچا، ابھی تک تم چاند تک نہیں پہنچے ہو جو آسمانوں سے نیچے اور زمین کے قریب ہے، ورنہ مشتری، زحل، عطارد ہے اور ایسے ایسے کواکب و نجوم ہیں جن کی روشنی ابھی زمین پر نہیں پہنچی، جبکہ اسی ہزار میل وہ روشنی ایک سیکنڈ میں طے کرتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نظام کے سامنے ایک چیز ہے م، لیکن ہمیں نظر نہ آئے۔ ملائکہ موجود ہیں اور ہر بندے کے ساتھ دو عزت والے لکھنے والے فرشتے موجود ہیں، لیکن ہم نے ان کو کبھی نہیں دیکھا اور اس طرح بہت ساری چیزیں ہیں جو ہم نے نہیں دیکھیں، ہمارا علم ان تک نہیں پہنچا، لہٰذا دیکھنا ضروری نہیں ہوتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرما دیا: جنت موجود ہے اور جہنم موجود ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جنت حق ہے اور میں نے جنت دیکھی ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے۔ اگر ہمیں کوئی چیز سمجھ نہیں آ رہی تو ہماری عقل ناقص ہے۔

قاعدہ ہے: مثلاً: میں طالب علموں کو کہوں کہ دو مہینوں کے بعد امتحان لوں گا۔ اگر تم پاس ہو گئے تو میں تمہیں اتنی فلاں چیز دوں گا۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ اور ایک میں کہوں کہ مثلاً: یہ انعام کی عینک رکھی ہے۔ جواب دو اور لے لو۔ تو چیز حساً موجود ہو وہ زیادہ رغبت کا باعث ہوتی ہے، ورنہ تو اللہ تعالیٰ کا کہہ دینا کافی تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حقیقتاً جنت جہنم کو بنا کر تیار بھی کر دیا، تا کہ ایمان والے جنت میں زیادہ رغبت کریں اور جہنم سے زیادہ ڈریں۔

(حدیث) مسند احمد میں ایک روایت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے ہرقل (روم کے بادشاہ) کو خط لکھا اور اسلام کی دعوت دی تو اس نے سوال لکھا کہ آپ نے مجھے ایک جنت کی دعوت دی ہے جس کا عرض آسمانوں او زمینوں کے برابر ہے۔ اگر جنت ہی اتنی بڑی ہے تو جہنم کہاں ہوگی؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ، فَأَيْنَ اللَّيْلُ إِذَا جَاءَ النَّهَارُ؟)) [مسند احمد: ۳/ ۴۴۲] کیا عجیب آدمی ہے!! بتاؤ جب دن آ جاتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے؟ جب رات آتی ہے تو دن کہاں ہوتا ہے؟ تو جو اللہ دن رات کو پوری کائنات پر پھیلانے پر اور چھپانے پر قادر

ہے تو وہ جنت اور جہنم کو بنانے پر بھی قادر ہے۔ مقصد تو جنت کی وسعت کو بیان کرنا ہے، یہ تو نہیں کہ آدمی اس میں منطقی سوالات پیدا کرے کہ اتنی بڑی جگہ پر تو جنت آ گئی، جہنم کہاں گئی؟ اللہ کے کتنے ملکوت ہیں جو ہم سمجھ بھی نہیں سکتے اور جان بھی نہیں سکتے ہیں، جیسے انکشافات ہو رہے ہیں۔ مثلاً: زمین کا ایک چاند ہے اور ایسے بھی کئی ہیں جن کے سات سات چاند ہیں، تو وہ کتنے بڑے ہوں گے؟ یہ تو ایسی چیزیں ہیں جو ہماری عقل سے ماوراء ہیں۔ یہاں نورِ ایمان کی ضرورت ہے۔ اگر وہ ہوگا تو یہ باتیں سمجھ آئیں گی اور اگر نورِ ایمان کی عینک اتار دو تو یہ باتیں بھی سمجھ نہیں آئیں گی۔

مفسر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ہے: جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے اور جب دن آتا ہے تو رات کہاں جاتی ہے؟ اس کا معنی یہ ہے کہ جب دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ رات کو چھپا دیتے ہیں اور اس کے اوپر روشنی غالب آ جاتی ہے۔ چاہے وہ رات ہمیں نظر نہیں آتی، اسی طرح جہنم چاہے ہمیں نظر نہ آئے، لیکن وہ واقعۃً موجود ہے۔ مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یا اس کی مثال یوں سمجھو کہ جنت آسمانوں میں ہے اور جہنم زمینوں میں ہے، لہٰذا کوئی بات نہیں۔ جنت آسمانوں میں اتنی بڑی ہے اور جہنم زمینوں میں اتنی بڑی ہے۔

تفسیر آیت:

﴿الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ﴾

یہاں سے اللہ تعالیٰ نے مومن کی صفات بیان فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مومن وہ ہیں کہ تنگی ہو تب بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، فراخی ہو تب بھی خرچ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ لاکھ دے تو لاکھ لٹاتے ہیں، اللہ ایک ریال دے تو اس میں بھی خیرات کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ اگر خوشی میں ہیں، جبر میں ہیں، تنگدستی میں ہیں یا بیماری میں ہیں، ہر حال میں وہ اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ آدمی لاکھوں خرچ کرے۔ آدمی تھوڑا خرچ کر دے، حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تمہارے پاس پیسے نہیں تو کسی بھائی کو پانی پلا دو، تمہارا یہ صدقہ ہوگا۔ اور فرمایا: اگر کچھ بھی نہیں دے سکتے تو ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا لیا کرو۔ فرمایا: ((وَإِنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ))[1] کہ جب ایک بندہ دوسرے کو خوش ہو کر مسکرا کر ملتا ہے تو اللہ تعالیٰ



[1] [ترمذی، رقم: ۱۹۷۰]

فرماتے ہیں: اس کو بھی خیرات کا ثواب دو؛ کیونکہ اس نے بھی میرے بندے کو خوش کیا ہے؛ کیونکہ اگر آپ کسی بندے کو غصہ میں ملیں گے تو لازماً اس کو تکلیف ہوگی اور اگر اس کو خوشی سے ملیں گے تو راحت ہوگی۔

تفسیر آیت:

﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾

ایمان والوں کی یہ بھی صفت ہے کہ اپنے غصے کو پی لیتے ہیں اور لوگوں کو غلطیوں پر معافی دیتے ہیں۔ یعنی اگر غصہ آجائے تو دل کرتا ہے کہ اس کو نقصان پہنچاؤں اور نقصان پہنچا بھی سکتا ہے، لیکن نقصان نہیں پہنچاتا تو یہ ایمان والے کی صفت ہے۔ مومن کے ساتھ اگر کوئی بندہ برائی کرے تو اس کی برائی کو بھی بھول جاتے ہیں اور اس کو معاف کردیتے ہیں۔ اور اصل کمال بھی یہی ہوتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((صِلْ مَنْ قَطَعَكَ، وَقُلِ الْحَقَّ وَلَوْ عَلٰى نَفْسِكَ، وَأَحْسِنْ إِلٰى مَنْ أَسَاءَ إِلَيْكَ)) تم اس سے جوڑو جس نے تم سے رشتہ توڑا ہے اور حق بات کہو، اگرچہ اپنے خلاف ہو اور جو تمہارے ساتھ برا سلوک کرے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ [معجم ابن الاعرابی، رقم: ۱۴۶۴]

ورنہ آج کل تو اس سے ہر آدمی جوڑتا ہے جو جوڑتا ہو، حالانکہ کمال تو تب ہے کوئی آدمی آپ کو گالی دے اور آپ اس کو کہیں کہ بھائی صاحب! کوئی بات نہیں۔ وہ گالی دے اور تم دعائیں دو۔

یاد رکھیں! حقیقی بات ہے کہ اگر آدمی آپ ﷺ کے فرمان پر عمل کرے تو ایسے نتیجے نکلتے ہیں کہ آدمی حیران ہوجاتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ سنت پر عمل کرنا مشکل تو ہے۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ کا دشمن سے عجیب حسن سلوک!

حضرت حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ریل گاڑی میں سفر کر رہے تھے۔ ایک آدمی اس ڈبہ میں ایسا بھی موجود تھا جو حضرت کو ہمیشہ گالیاں دیتا تھا اور آپ کے خلاف اخباروں میں لکھتا تھا کہ یہ ہندو کے ایجنٹ ہیں۔ اور جتنی حضرت کی برائی ہوسکتی تھی وہ کرتا تھا۔ بہر حال وہ آدمی بھی اس ڈبہ میں بیٹھا ہوا تھا، وہ بندہ پیشاب کرنے کے لیے گیا۔ جب بیت الخلاء کا دروازہ کھولا تو فوراً اس کو بند کر کے اور ناک پر ہاتھ رکھ کر آگیا اور بڑبڑایا کہ کیسے لوگ ہیں؟ گاڑی میں بیٹھنے کی تہذیب نہیں ہے؟ سارا حمام گندا کردیا ہے، اب ہم کہاں جاکر بیٹھیں؟ وہ غصہ میں یہ کہہ بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے نظر بچائی، چپکے سے اٹھے، بیت الخلاء میں گئے، لوٹے سے پانی بھرا اور اس کی لیٹرین کو دھویا اور صاف کیا اور لوٹے میں پانی رکھ کر دروازہ بند کر کے آئے۔ اور آ کر اس آدمی کو کہا: شاید آپ کو پیشاب کے لیے جانا تھا، بیت الخلاء تو صاف ہے، آپ جا سکتے ہیں۔ وہ جب اندر گیا تو دیکھا بیت الخلاء دھلا ہوا اور صاف ہے اور لوٹے میں پانی بھرا ہوا ہے۔ وہ جب فارغ ہو کر باہر نکلا تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون صاف کر گیا کیا؟ کوئی ریلوے کا ملازم آیا تھا؟ لوگوں نے کہا: وہ داڑھی والا ایک آدمی جو بیٹھا ہے وہ دھو کر گیا۔ اس نے آ کر حضرت کے پاؤں پکڑ لیے کہ حضرت! مجھے اللہ کے لیے معاف کر دیں۔ میں ساری زندگی آپ کو گالیاں دیتا رہا ہوں، میں نے دیکھا ہوا نہیں تھا کہ مدنی کون ہے؟ نام سنا ہوا تھا۔ آج میں نے دیکھا ہے کہ میں ساری زندگی آپ کو گالیاں دیتا رہا، آپ کا یہ اخلاق ہے اور ہمارا یہ اخلاق۔ اس طرح وہ آدمی ٹھیک ہو گیا۔

غصہ کو دبانے کے فائدے:

روایات میں آتا ہے بہادر وہ نہیں ہوتا جو دوسرے کو گرا دے، بلکہ بہادر وہ ہوتا ہے جو اپنے نفس پر قابو پالے۔ نفس کو بڑا غصہ آتا ہے کہ بدلہ لوں اور یہ بدلہ بھی لے سکتا ہے، لیکن اس کے باوجود کہے کہ کیا بدلہ لینا ہے؟ خدا ہی بدلہ لے گا، ہم کیا بدلہ لیں!؟ ایسے بندے ایمان والے ہوتے ہیں۔ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ تبلیغی جماعت کو اتنی گالیاں دیتے ہیں تھے کہ اللہ معاف کرے! ہم وہ کہہ بھی نہیں سکتے کہ وہ کیا کیا برائیاں کرتے تھے، لیکن خدا کی قدرت ہے۔ وہی آدمی جماعت میں چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی کایا پلٹ دی اور ان کی زندگی میں ایسا انقلاب آیا کہ داڑھیاں رکھی ہوئی ہیں، پگڑیاں باندھی ہوئی ہیں اور ہر وقت قرآن، نماز اور درس ہے۔

(حدیث قدسی) ایک روایت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ((يَا ابْنَ آدَمَ! اذْكُرْنِي إِذَا غَضِبْتَ، أَذْكُرْكَ إِذَا غَضِبْتُ، فَلَا أُهْلِكُكَ فِيمَنْ أُهْلِكُ)) [تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۹/ ۲۶] اے آدم کے بیٹے! جب تجھے غصہ آئے تو مجھے یاد کر لیا کر۔ جب مجھے غصہ آئے گا میں تجھے یاد کر لوں گا۔ جب میں لوگوں کو مٹاؤں گا تو تجھے نہیں مٹاؤں گا۔

اس لیے محاورہ ہے جب تجھے اللہ اقتدار دے، قوت دے، اگر کسی پر ظلم کرنے لگو تو خیال کرو کہ مجھ پر بھی کوئی بڑی قدرت والا ہے، وہ بھی مجھے ہلاک کر سکتا ہے۔

مفسر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک غریب حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:



((مَنْ خَزَنَ لِسَانَهُ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهِ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنِ اعْتَذَرَ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ قَبِلَ عُذْرَهُ)) [شعب الایمان، رقم:۷۹۵۸]

جس نے اپنی زبان کو تھام لیا (گالی کا بدلہ گالی نہ دیا) اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور جس نے اپنے غضب کو روک لیا تو اللہ بھی اس سے اپنا عذاب روک دیتے ہیں اور جس نے کسی کا عذر قبول کرلیا اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول کر لیتے ہیں۔ (اس حدیث کی تائید اور کئی وجوہات سے بھی ہوتی ہے، اگرچہ یہ حدیث غریب ہے۔)

(حدیث) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ)) [بخاری، رقم:۶۱۱۴]

اس کو طاقتور نہیں کہتے جو کسی کو گرا دے، بلکہ طاقتور وہ ہے جو اپنے نفس کو غصے کے وقت کنٹرول میں کر لے۔ یہ بہادری ہے۔

(حدیث) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ؟ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا مِنَّا مِنْ أَحَدٍ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِ وَارِثِهِ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اعْلَمُوا أَنَّهُ لَيْسَ مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ، مَالُكَ مَا قَدَّمْتَ، وَمَالُ وَارِثِكَ مَا أَخَّرْتَ)) [سنن النسائی، رقم:۳۶۱۲]

کون ایسا شخص ہے تم میں سے جس کو وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایسا بندہ تو کوئی نہیں۔ ہر بندے کو اپنا مال محبوب ہوتا ہے، وارث کا مال تو محبوب نہیں ہوتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ حالات کے اعتبار سے آپ لوگوں کو وارث کا مال زیادہ محبوب ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: حضور! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا مال تو وہ ہے جو تم نے اللہ کے راستے میں آگے بھیجا۔ (تم نے خیرات کیا، صدقات کیے، زکوٰۃ ادا کی، تم نے کوئی مسجد، مدرسہ بنوا دیا، خیر کے کام میں لگا دیا) وہ تمہارا مال ہے جو تمہارے آگے کام آئے گا اور جو تم چھوڑ کر مرنے جا رہے ہو تو وہ وارثوں کا مال ہے، تمہارے لیے محفوظ ہو گیا ہے۔

((قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا تَعُدُّونَ الرَّقُوبَ فِيكُمْ؟ قَالَ قُلْنَا: الَّذِي لَا يُولَدُ لَهُ، قَالَ: لَيْسَ ذَاكَ بِالرَّقُوبِ وَلَكِنَّهُ الرَّجُلُ الَّذِي لَمْ يُقَدِّمْ مِنْ وَلَدِهِ شَيْئًا، قَالَ: فَمَا تَعُدُّونَ الصُّرَعَةَ فِيكُمْ؟

قَالَ قُلْنَا: الَّذِي لَا يَصْرَعُهُ الرِّجَالُ، قَالَ: لَيْسَ بِذٰلِكَ، وَلٰكِنَّهُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ))

[مسلم، رقم:۲۶۰۸]

حضور اکرم ﷺ نے پوچھا: جانتے ہو کہ رقوب کسے کہتے ہیں؟ صحابہ ؓ نے عرض کیا: ہمارے ہاں رقوب اس کو کہتے ہیں جس کی کوئی اولاد نہ ہو۔ آپ نے فرمایا: یہ رقوب نہیں ہوتا، اصل رقوب وہ ہوتا ہے جس کی اولاد آگے نہیں گئی۔ (یعنی بچہ پیدا ہو کر فوت نہیں ہوا! کیونکہ چھوٹے بچے فوت ہو جائیں وہ والدین کی شفاعت اور بخشش کا ذریعہ بن جاتے ہیں)۔ اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم جانتے ہو کہ بہادر کون ہوتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: بہادر وہ ہوتا ہے جس کو کوئی دوسرا نہ گرا سکے۔ آپ نے فرمایا: یہ بہادری نہیں ہے، بلکہ بہادری یہ ہے کہ انسان کو غصہ آجائے اور وہ اسی وقت اپنے غصہ کو کنٹرول کر لے۔ (طاقت اور قدرت بھی ہو، ورنہ مسکین غریب کسی پر کیا غصہ کرے گا)۔

(حدیث) ایک آدمی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: حضور! مجھے ایسی بات کہیں اور سمجھائیں جو میرے لیے فائدہ مند ہو اور بات بھی بڑی مختصر ہو، اسی کو میں یاد رکھوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((لَا تَغْضَبْ)) غصہ نہ کیا کرو۔ اس نے کہا: حضور! مجھے کوئی اور بات بتائیں۔ آپ نے فرمایا: غصہ نہ کیا کرو۔ اس نے عرض کیا: حضور! مجھے کوئی اور بات سمجھائیں۔ آپ نے سمجھایا: غصہ نہ کیا کرو۔ اس نے جتنی دفعہ پوچھا: آپ نے ایک ہی وصیت فرمائی کہ غصہ نہ کرو۔ [مسند احمد، رقم:۲۰۳۵۷]

علماء نے لکھا ہے کہ اسی ایک چیز میں اس کی اصلاح تھی جب آدمی غصہ نہیں کرے گا تو ہوش میں رہے گا اور جب ہوش میں ہو گا تو غلطی نہیں کرے گا۔

اور علماء نے دوسری بات یہ لکھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ حکیم تھے، اپنی امت کی بیماریوں کا علاج بھی فرماتے تھے، روحانی بیماریاں، شرک والی بیماریاں، حسد والی بیماریاں، کینہ والی بیماریاں اور غیبت والی بیماریاں، ان سب کا علاج دربار محمد مصطفیٰ ﷺ سے ملتا تھا۔ آپ کے پاس جیسا مریض آیا تو اسی طرح کا علاج بتایا۔

حضرت ابوذر ؓ کا واقعہ:

(حدیث) حضرت ابوالاسود سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر ؓ اپنے حوض پر کھڑے تھے۔ ایک جماعت لوگوں کی وہاں آئی اور آپس میں کہا کہ کوئی ہم میں سے ایسا آدمی ہے جو حضرت ابوذر ؓ کو ایسی بات کہے کہ ان

کے بال بھی غصہ میں کھڑے ہو جائیں؟ پھر دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے یہ صحابہ کیا کرتے ہیں؟ ایک آدمی کھڑا ہوا اور جا کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو (باتوں میں) زچ کر دیا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جلدی سے بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد لیٹ گئے۔ لوگوں نے پوچھا: حضرت! کیا بات ہے؟ آپ کیوں بیٹھ گئے؟ کیوں لیٹ گئے؟ آپ نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تھا کہ جب آدمی کو غصہ آجائے اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھنے سے بھی غصہ نہ جائے تو لیٹ جائے۔[1]

(حدیث) اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے۔ تو جب تم میں سے کسی ایک کو غصہ آئے تو وہ وضو کر لے۔

[سنن ابی داؤد، رقم: ۴۷۸۴]

(حدیث) حضرت ابووائل الصنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم حضرت عروہ بن محمد کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے ایسی بات کہی کہ جس سے حضرت عروہ کو غصہ آگیا اور جب انہیں بہت زیادہ غصہ آگیا تو وہ اٹھ کر چلے گئے۔ جب واپس آئے تو ہم نے دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا ہوا تھا۔ ہم حیران ہو گئے کہ انہوں نے وضو کیوں کیا ہے؟ تو انہوں نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ مجھے میرے والد (محمد) نے میرے دادا عطیہ بن سعد السعدی سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ، وَإِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ، وَإِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ، فَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ)) [سنن ابی داؤد، رقم: ۴۷۸۴] غصہ شیطان کو ابھارتا ہے اور شیطان خود آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ پانی سے بجھ جاتی ہے۔ اس لیے اگر آدمی کو کبھی غصہ آجائے اور وہ دیکھے کہ میں صبر نہیں کر رہا تو وہ جلدی سے وضو کر لے۔ جب وضو کرے گا تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔

یہ سارے حضور اکرم ﷺ نے علاج بتائے ہیں۔ جب غصہ آجائے تو آدمی بیٹھ جائے۔ اس طرح آدمی اعتراف کرتا ہے کہ میں نیچے ہوں، تم بڑے ہو، قوت والے ہو۔ اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب تم خود بدلہ نہیں لو گے تو تمہارا بدلہ پھر قدرت لے گی اور اللہ کا بدلہ کتنا سخت ہو سکتا ہے؟ اور اگر تم نے خود بدلہ لیا تو برابر ہو گئے۔ اور کبھی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم مظلوم کی بجائے ظالم بن جاؤ کہ ایک آدمی نے تمہیں ایک گالی دی اور تم نے اس کو تین گالیاں دیں۔ اس طرح تم خود ظالم بن گئے۔ اس لیے مومن کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ اپنے غصہ کو ضبط کرنے والا ہو اور لوگوں

[1] [ابوداؤد، رقم: ۴۷۸۲]

کو معاف کر دینے والا ہو۔

واقعہ افک میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی برداشت:

آپ ﷺ اور صحابہ کی زندگی اس سے بھری پڑی ہے۔ مثلاً: آج اگر کوئی آدمی کسی کی بیٹی پر زنا کی تہمت لگائے تو غیرت مند باپ کیا کر گزرے گا؟ اب اندازہ لگائیں کہ بیٹی ہو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی، باپ ہو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا اور شوہر ہو محمد مدنی مصطفیٰ ﷺ، لیکن جب یہودی سازش ہوئی، منافقین نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو اس دور میں تین پکے مومن بھی اس سازش کا شکار ہو گئے: ان میں ایک حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ ایسے آدمی تھے جن کی ساری زندگی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خدمت کی تھی: کھانا، پینا، کپڑا، رہنا اور لینا دینا وغیرہ کرتے تھے، وہ بھی تہمت لگانے والوں میں شریک ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا اور فرمایا: اب میں اس پر مہربانی نہیں کروں گا۔ اللہ کا قرآن نازل ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے اور اس سے معذرت کی اور فرمایا: پہلے جو تمہیں خرچ دیتا تھا اب اس سے دوگنا دوں گا۔ یہ برداشت ہے کہ وہ سیدہ عائشہ کی تہمت میں شریک ہے اور پھر زیرِ احسان سیدنا صدیق ہے، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا اور خرچہ بڑھا دیا کہ اللہ کا حکم ہے: جو برائی کرے اس کے ساتھ بھلائی کرو۔

حضور ﷺ کا غصہ کو برداشت کرنا:

حضور اکرم ﷺ کی ساری زندگی کھنگال ڈالیں! آپ نے کبھی اپنی ذات کا کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ اس سے بڑی تکلیف اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ سوئے ہوئے تھے، تلوار آپ کے سر پر لٹک رہی تھی۔ دشمن چھپا ہوا تھا، تلوار نکال کر حضور پاک ﷺ کو جگا کر کہنے لگا: کون ہے جو آپ کو میری تلوار سے بچائے گا؟ آپ کے دوساتھی دور ہیں، ان کے آنے سے پہلے میں حملہ کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا: میرا اللہ مجھے بچائے گا۔ یہ سنتے ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ اللہ کے لفظ میں جو اثر تھا اور وہ زبانِ نبی سے نکلا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے تلوار اٹھالی اور فرمایا: اب بتاؤ! تمہیں کون چھڑائے گا؟ اب تو تلوار میرے ہاتھ میں ہے اور ادھر ادھر بھی میرے صحابہ ہیں، تم بھاگ بھی نہیں سکتے ہو۔ اب سب کو پتہ چل گیا ہے، سارے پہنچ جائیں گے۔ اس نے کہا: مجھے آپ کے کرم اور رحم سے امید ہے۔ تو آپ نے فرمایا: اچھا جاؤ، میں نے تمہیں معاف کیا۔ اس طرح حضور اکرم ﷺ نے اپنی ذات کا بدلہ نہیں لیا۔

حضور پاک ﷺ کو زہر دی گئی آپ نے بدلہ نہیں لیا، آپ پر ظالم یہودیوں نے جادو کیا لیکن میرے نبی نے بدلہ نہیں لیا۔ بڑا ہونا بدلہ لینے میں نہیں، بلکہ آدمی معاف کرنے سے بڑا بنتا ہے۔ کوئی اگر زیادتی کرے تو اس کو معاف کردو۔ اگر بدلہ لو گے تو برابر ہو جائے گا۔

(حدیث) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا، أَوْ وَضَعَ لَهُ، وَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، أَلَا! إِنَّ عَمَلَ الْجَنَّةِ حَزْنٌ بِرَبْوَةٍ ثَلَاثًا، أَلَا إِنَّ عَمَلَ النَّارِ سَهْلٌ بِسَهْوَةٍ، وَالسَّعِيدُ مَنْ وُقِيَ الْفِتَنَ، وَمَا مِنْ جَرْعَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ جَرْعَةِ غَيْظٍ يَكْظِمُهَا عَبْدٌ، مَا كَظَمَهَا عَبْدٌ لِلّٰهِ إِلَّا مَلَأَ اللّٰهُ جَوْفَهُ إِيمَانًا)) جو شخص کسی تنگی والے کو مہلت دے یا اس کا قرضہ معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی گرمی سے بچائیں گے۔ آپ نے فرمایا: سن لو! جنت والے عمل کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے اور جہنم کے عمل بڑے آسان اور خواہش سے ہو جاتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کامیاب بندہ وہ ہے جو فتنوں سے بچ گیا۔ سب سے بڑا گھونٹ جو اللہ کو بڑا پسند ہے کہ بندے کو غصہ آیا، لیکن اس بندے نے گھونٹ پی کر صبر کرلیا کہ یہ اللہ کو پسند ہے۔ جو بندہ غصہ کو پی جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے سینے کو ایمان سے بھر دیتے ہیں۔ [مسند احمد، رقم: ۳۰۱۵]

(حدیث) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ، مَلَأَهُ اللّٰهُ أَمْنًا وَإِيمَانًا، وَمَنْ تَرَكَ لُبْسَ ثَوْبِ جَمَالٍ وَهُوَ قَادِرٌ عَلَيْهِ (قَالَ بِشْرٌ: أَحْسَبُهُ قَالَ: تَوَاضُعًا) كَسَاهُ اللّٰهُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ وَمَنْ تَوَّجَ لِلّٰهِ كَسَاهُ اللّٰهُ تَاجَ الْمُلْكِ.)) جو بندہ غصہ کو پی جائے، حالانکہ وہ اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ دشمن سے اپنا بدلہ لے سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے سینے کو ایمان سے بھر دیتے ہیں۔ اور جو آدمی زینت کا لباس پہننے کی طاقت بھی رکھتا ہو، لیکن نہیں پہنتا، اللہ تعالیٰ اس کو (قیامت کے دن) کرامت وعزت کا لباس پہنائیں گے۔ اور جو شخص اللہ کی رضا کے لیے کسی کا سر ڈھانپے اللہ تعالیٰ اس کو بادشاہی کا تاج پہنائیں گے۔ [سنن ابی داؤد، رقم: ۴۷۷۸]

(حدیث) حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہما اپنے ابا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَسْتَطِيعُ أَنْ يُنْفِذَهُ دَعَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ حَتَّى يُخَيِّرَهُ فِي أَيِّ الْحُورِ شَاءَ)) جس شخص کو غصہ آئے اور اس پر عمل کرنے کی بھی طاقت رکھتا ہے، لیکن غصہ پی گیا، صبر کر گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت والے دن تمام مخلوق کے سامنے اس کو حکم دیں گے کہ جنت کی جس حور کو تم چاہو پسند کرلو۔
[سنن الترمذی، رقم: ۲۰۲۱]

(حدیث) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ، إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ)) جو تم اللہ کے راستے میں خیرات کرو گے تو تمہارا مال کم نہیں ہوگا، اگر تم نے کسی کی غلطی معاف کر دی تو اللہ تیری عزت بڑھا دے گا، تیری عزت کم نہیں ہوگی۔ اور جو اللہ کے لیے تواضع کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے رتبے کو بلند کر دیتے ہیں۔ [مسلم، رقم: ۲۵۸۸]

دعا کریں! اللہ تعالیٰ ہمیں حضور اکرم ﷺ کے فرمان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس پر پابند رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

(حدیث) حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُشْرَفَ لَهُ الْبُنْيَانُ، وَتُرْفَعَ لَهُ الدَّرَجَاتُ، فَلْيَعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَهُ، وَلْيُعْطِ مَنْ حَرَمَهُ وَيَصِلْ مَنْ قَطَعَهُ)) جس آدمی کو یہ بات پسند ہو کہ قیامت میں میرے مکان اور میرے درجات بلند ہوں اگر اس کے ساتھ کسی نے زیادتی کی تو اس کو بخش دے اور جس نے اس کو محروم کیا اس کو دے اور جو اس سے رشتہ داری توڑے اس سے جوڑے۔

[مستدرک حاکم، رقم: ۳۱۶۱]

جس آدمی کے اندر یہ تین چیزیں آجائیں اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے اندر بڑی اونچی بلڈنگیں دیں گے اور اس کے درجات بلند فرمائیں گے۔ (یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔)

(حدیث) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ نَادَى مُنَادٍ يَقُولُ: أَيْنَ الْعَافُونَ عَنِ النَّاسِ؟ هَلُمُّوا إِلَى رَبِّكُمْ وَخُذُوا أُجُورَكُمْ، وَحُقَّ عَلَى كُلِّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِذَا عَفَا أَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ)) قیامت والے دن ایک منادی اللہ کے حکم سے ندا کرے گا کہ وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں لوگوں کا ظلم سہنے کے بعد معاف کیا کھڑے ہو جائیں اور اپنے رب کے دربار میں چلیں اور اپنے اپنے اجر وثواب حاصل کریں۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ بات مسلمان کے لیے واجب ہو جاتی ہے کہ جب وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے کے ظلم کے باوجود اس کو معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت نصیب فرما دیتے ہیں۔

[تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۲۲]

یہ انبیاء اور صالحین کا طریقہ ہے کہ آپ پر کوئی ظلم کرے آپ اس کو معاف کرو، وہ گالیاں دے تم دعائیں دو اور وہ کانٹے بچھائے تم پھول برساؤ۔ یہ کرنا بہت مشکل ہے، مگر جب اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ [آل عمران:۱۳۵]

ہر بندہ خطا کار ہے، جیسا کہ آقائے نامدار ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ)) [ترمذی، رقم: ۲۴۹۹] آدم کی تمام اولاد خطا وار ہے (حالانکہ اللہ کے نبی معصوم ہوتے ہیں، لیکن یہ بھی شان تھی کہ حضور اکرم ﷺ اپنے آپ کو امت میں ملا رہے ہیں)، لیکن اچھے خطاوار وہ ہوتے ہیں جب خطا ہو جائے تو فوراً اپنے رب کے دروازے پر گر جائیں۔ یہ نہیں کہ گناہوں پر اڑے رہیں، بلکہ فوراً استغفار، اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی، گناہوں سے بھاگنا شروع کر دیں۔ یہ ایمان والوں کی صفات ہیں۔

(حدیث) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ رَجُلًا أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ: رَبِّ! إِنِّي أَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ، فَقَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: عَبْدِي عَمِلَ ذَنْبًا فَعَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ، قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي، ثُمَّ عَمِلَ ذَنْبًا آخَرَ فَقَالَ: رَبِّ! إِنِّي عَمِلْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ، فَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: عَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ، قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي، ثُمَّ عَمِلَ ذَنْبًا آخَرَ فَقَالَ: رَبِّ! إِنِّي عَمِلْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ لِي، فَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: عَلِمَ عَبْدِيْ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي، ثُمَّ عَمِلَ ذَنْبًا آخَرَ فَقَالَ: رَبِّ! إِني عَمِلْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ، فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ: عَبْدِي عَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ، أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي فَلْيَعْمَلْ مَا شَاءَ)) [بخاری، رقم: ۷۵۰۷]

ایک اللہ کے بندے سے گناہ ہو گیا تو اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میرا اللہ! میں نے گناہ کیا ہے، لیکن میں معافی مانگتا ہوں، میرا گناہ معاف فرما دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: دیکھو! میرا بندہ مجھے جانتا ہے، پہچانتا ہے کہ میرا بھی رب ہے، جو مجھے پکڑ بھی سکتا ہے اور معاف بھی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے تیرا گناہ معاف کیا۔ پھر اس بندے نے گناہ کیا، پھر توبہ کی، اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ اس بندے نے پھر گناہ کیا اور توبہ کی، اللہ تعالیٰ نے پھر اس کو معاف کر دیا۔ اس نے پھر گناہ کیا، توبہ کی، اللہ تعالیٰ نے پھر اس کو معاف فرما دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے ملائکہ! گواہ ہو جاؤ میرا بندہ جو مجھ سے معافی مانگ رہا ہے، میں نے اس کو معاف کر دیا ہے۔

جائے جو چاہے کرے (پھر معافی مانگ لے میں اس کو معاف کر دوں گا)۔

توبہ قبول ہونے کی شرائط:

اصل بات یہ ہے کہ جب بندہ صحیح معنی میں توبہ کرے تو...... ہماری توبہ جو ہم روزانہ کرتے ہیں اس کو توبہ نہیں کہتے کہ جب نماز پڑھی، دعا مانگی کہ اے اللہ! میری توبہ، اللہ! میری لاکھ دفعہ توبہ، کروڑوں دفعہ توبہ۔ یہ توبہ نہیں، محض الفاظ ہیں۔ توبہ کی چند شرائط ہیں: 1 سب سے پہلے تو اس گناہ کو چھوڑ دے، 2 نادم ہو کہ میں نے برا کیا ہے 3 اور پھر عزم کرے کہ میں آئندہ کبھی یہ گناہ نہیں کروں گا۔ جب یہ تین شرطیں ہوں گی تو توبہ قبول ہوگی۔ اس توبہ کے بعد اگر اس سے گناہ ہوگیا انسان ہے تو جب تک توبہ کا دروازہ بند نہ ہوگا اس وقت تک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔

ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے:

بزرگوں نے لکھا ہے:

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ ناؤمیدی نیست
گر صد بار توبہ شکستی باز آ

اگر تم کافر ہو، مشرک ہو یا بت پرست ہو ان سب چیزوں کو چھوڑ دو اور باز آ جاؤ اور توبہ کر لو اور اگر توبہ کرنے کے بعد سو دفعہ بھی توبہ توڑ بیٹھے ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، پھر بھی توبہ کر دو اور اللہ کے دروازے پر آ جاؤ۔ وہ بخشنے والا ہے۔ قاعدہ ہے کہ شیطان پہلے گناہ کرواتا ہے اور جب آدمی گناہ میں پڑ جائے پھر شیطان توبہ سے آدمی کو روکتا ہے۔ اور اگر آدمی توبہ کی نیت کرے تو اس کے دل میں ڈالتا ہے کہ تم کونسے نیک آدمی ہو، اتنی مرتبہ تو تم نے منہ کالا کر لیا ہے، چھوڑو توبہ کو۔ اس طرح وہ وسوسہ ڈالتا ہے، تاکہ بندہ توبہ نہ کرے، ورنہ آدمی جتنا گناہوں میں مبتلا کیوں نہ ہو، ستر سال سو سال آدمی کفر میں پڑا ہو، گناہ میں پڑا ہو اور توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جب کفر و شرک معاف ہو سکتا ہے اور گناہ تو کفر و شرک کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ اس لیے آدمی کبھی

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

گناہگار پر بھی رحم کرو:

یادرکھیں! کبھی کسی کو نہ کہا کرو کہ تم شرابی ہو، نشئی ہو اور میں بڑا نیک ہوں، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں مرنے سے پہلے اسی مرض میں مبتلا کردیں گے اور اس آدمی کو توبہ کی توفیق دے دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا تم میرے بندے پر اعتراض کرتے ہو؟ گندا ہے یا اچھا ہے، میری مخلوق ہے، میں نے اس کو پیدا کیا ہے۔ اگر وہ گناہگار ہے تو بخشنے والا میں ہوں۔

بزرگوں کا قول ہے: گناہ سے نفرت کرو، گناہ گار سے نفرت نہ کرو۔ گناہ گار تو تیری مہربانی کا مستحق ہے، وہ بے چارا مصیبت کے اندر مبتلا ہے، اس کی مدد کرو، تاکہ وہ گناہوں سے نکلے، گناہوں سے باز آئے۔

جیسے تمہارے گھر میں کوئی بیمار ہوجائے تو کیا اس کو اٹھا کر گلی میں پھینک دیتے ہو؟ بلکہ پہلے خود دوائی دیتے ہو۔ اگر ٹھیک نہ ہو تو اس کو ہسپتال لے جاتے ہو۔ اگر وہاں ٹھیک نہیں ہوتا تو اس کو اسپیشلسٹ کے پاس لے جاتے ہو۔ جب ظاہری بیماریوں کے لیے تیری مہربانیوں کا محتاج ہے تو جو گناہوں میں مبتلا ہے یہ بھی تو بیمار ہے، دنیا میں کون چاہتا ہے کہ میں ذلیل ہوجاؤں؟ کوئی نہیں چاہتا کہ میں نشہ پی کر بے ہوش ہو کر گرا پڑا رہوں۔ یہ بھی روحانی بیماریاں ہیں۔ ان کا بھی علاج ہے کہ ان کے ساتھ مہربانی اور ہمدردی کرو، اس کو کسی اللہ والے کی صحبت میں بٹھاؤ، کبھی مسجد میں پکڑ کر لے جاؤ، کبھی نماز میں لے جاؤ، کبھی قرآن کے درس میں لے جاؤ، تاکہ اللہ اس کو بھی درست کردے۔

آپ بڑے بڑے لوگوں کی زندگی پر نظر ڈالیں! جب حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ وغیرہ کی زندگی پر نظر ڈالیں ابتدا میں ان کی زندگیاں بھی غلط تھیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ راضی ہوگئے، سب کچھ دھل گیا۔

اگر گناہ نہیں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری کا اثبات کب ہوگا؟ اگر ہمارے گناہ نہ ہوں تو ستار العیوب کیسے بنے اور کن کے گناہوں پر پردہ ڈالے؟ اس لیے ایک حدیث پاک میں آتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق ایسے پاک ہوجائے کہ ان سے کوئی گناہ بھی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایک اور مخلوق پیدا کردیں گے کہ گناہ کریں اور میں معافی دوں۔ اس لیے اگر ہم گندے ہوگئے کوئی بات نہیں، رحمت کا دریا بہہ رہا ہے۔ شرط یہ ہے کہ پٹڑی پر آجاؤ، اپنے گناہوں پر اڑے نہ رہو، بلکہ توبہ کی طرف رجوع کرو اور یہ سمجھو کہ بس میری زبان سے لفظ توبہ نکلنے کی دیر ہے اور میرا رب مجھے

معاف کردے گا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو گناہ سے توبہ کر لے اس کو کبھی گناہ کا طعنہ نہیں دینا۔ ایسا کہو گے تو تم شیطان کی مدد کرو گے کہ اس کو پھر برے کام یاد دلا رہے ہو کہ وہ دوبارہ گناہوں میں مبتلا ہو جائے۔

(حدیث) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جب ہم آپ کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہو جاتے ہیں اور آخرت والوں میں سے ہو جاتے ہیں اور جب ہم آپ سے جدا ہوتے ہیں تو اپنے بچوں، اپنی بیویوں، اپنے کاروبار میں ہم کھو جاتے ہیں اور ہماری وہ حالت نہیں ہوتی جو آپ کے دربار میں ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تم اسی حال پر رہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرشتے اتر کر اپنے ہاتھوں سے تم سے مصافحہ کریں اور تمہارے گھروں میں آ کر فرشتے تمہاری زیارتیں کریں، (لیکن لازمی بات ہے انسان کے حالات تبدیل ہوتے ہیں۔ اللہ کے نبی کی صحبت میں ایک اور کیفیت ہوتی ہے اور گھر میں دوسری کیفیت ہوتی ہے)۔ اگر تم سے کوئی غلطی نہ ہو اور تم بالکل گناہوں سے پاک ہو جاؤ، اللہ پاک ایک اور قوم پیدا کریں گے جو گناہ کرے گی اور اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کریں گے۔ اس کے بعد صحابہ نے عرض کیا: ہمیں جنت کے بارے میں کچھ تفصیلات سے آگاہ فرمائیں کہ جنت کی جو عمارتیں ہوں گی اس کا میٹریل کیا ہو گا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کی ایک اینٹ سونے کی ہو گی اور ایک اینٹ چاندی کی ہو گی۔ فرمایا: اس کے اندر سیمنٹ کی بجائے خالص مشک کا گارا ہو گا، اس کے اندر کنکریاں لؤلؤ اور یاقوت ہوں گے اور اس کی مٹی زعفران ہو گا اور وہ جنت ایسی عظیم اور محبوب جگہ ہو گی کہ جو اس میں داخل ہو گا پھر کبھی اداس نہیں ہو گا، کبھی اس سے تھک نہیں جائے گا اور اس میں ہمیشہ رہے گا، کبھی موت نہ آئے گی۔ اس کے کپڑے بوسیدہ نہ ہوں گے اور نہ ہی اس کی جوانی ختم ہو گی۔ تین افراد ایسے ہیں کہ ان کی دعا رد نہیں کی جاتی: (۱) عادل حکمران، (۲) روزہ دار کی دعا افطار کے وقت (۳) اور مظلوم کی دعا بادلوں پر اٹھائی جاتی ہے اور اس کے لیے آسمانوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اور رب تعالیٰ فرماتے ہیں: میری عزت کی قسم! میں ضرور تیری مدد کروں گا، اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہو۔ [سنن الترمذی، حدیث:۳۵۹۸]

گناہ معاف ہونے کا صحیح طریقہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: جو حدیثیں میں نے خود حضور اکرم ﷺ سے سنی ہیں اور میں نے ان حدیثوں پر عمل کرنے کی کوشش کی اور اللہ تعالیٰ نے جتنا چاہا مجھے اس سے نفع پہنچایا، لیکن اگر کوئی حدیث میں



نے خود نہیں سنی، کسی دوسرے نے سنی اور اس نے مجھے سنائی تو میں پہلے اس کو قسم دیتا ہوں (احتیاط کے طور پر، ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ صحابہ سب سچے ہیں) اور جب وہ قسم کھاتا ہے کہ مجھے خدا کی قسم ہے! یہ بات میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے تو میں اس کو سچا مان لیتا ہوں۔ ایک دن مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی اور ابوبکر نے سچ کہا ہے (حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابوبکر سچا ہے اور ملنگ کہتے ہیں کہ جھوٹا ہے) انہوں نے مجھے حدیث بیان کی کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: اگر کوئی بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ پہلے اچھی طرح وضو کرے اور پھر دو رکعت نفل نماز پڑھے توبہ کی نیت کے ساتھ اور پھر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ [سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۳۹۵]

صحیحین کی روایت میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں کے سامنے سنت کے مطابق وضو فرمایا، پھر فرمایا: میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو اس طرح وضو کرے گا جیسے میں نے کیا، پھر اس نے دو رکعت پڑھیں اور ان دو رکعات کے درمیان خیالات سے محفوظ رہا تو اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ [بخاری، رقم: ۱۹۳۴]

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝﴾ [آل عمران: ۱۳۷ تا ۱۴۳]

''تم سے پہلے بہت سے واقعات گزر چکے ہیں، اب تم زمین میں چل پھر کر دیکھو لو کہ جنہوں نے (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا ان کا انجام کیسا ہوا؟ یہ تمام لوگوں کے لیے واضح اعلان ہے اور پرہیزگاروں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ (مسلمانو!) تم نہ تو کمزور پڑو اور نہ غمگین رہو۔ اگر تم واقعی مومن رہو تو تم ہی سربلند ہو گے۔ اگر تمہیں ایک زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی اسی جیسا زخم پہلے لگ چکا ہے۔ یہ تو آتے جاتے دن ہیں، جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں، ۔اور مقصد یہ تھا کہ اللہ ایمان والوں کو جانچ لے اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید قرار دے۔ اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور مقصد یہ (بھی) تھا کہ اللہ ایمان والوں کو میل کچیل سے نکھار کر رکھ دے اور کافروں کو ملیا میٹ کر ڈالے۔ بھلا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (یونہی) جنت کے اندر جا پہنچو گے؟ حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانچ کر نہیں دیکھا جو جہاد کریں، اور نہ ان کو جانچ کر دیکھا ہے جو ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ اور تم تو خود موت کا سامنا کرنے سے پہلے (شہادت کی) موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اب تم نے کھلی آنکھوں اسے دیکھ لیا ہے۔''

جنگ بدر اور جنگ احد میں مسلمانوں کی حالت:

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جنگ احد ہوئی اور اس میں اہل ایمان پر ایک بہت بڑا امتحان آیا، اس میں ستر صحابہ شہید ہو گئے اور خود حضور اکرم ﷺ کے رخسار مبارک زخمی ہوئے اور دانت بھی شہید ہو گئے۔ یہ بہت بڑا امتحان تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں کہ میرے مدنی! دیکھیں! آپ سے پہلے بھی تو امتیں گزر چکی ہیں، حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کے زمانہ تک بہت سے انبیاء گزرے ہیں اور ہزاروں امتیں گزری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک طریق ہے کہ ہمیشہ اہل حق اور اہل باطل کی جنگ ہوتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ بھی ہمیشہ رہا ہے کہ کبھی حق کو فتح مل گئی اور کبھی باطل کو فتح ہو گئی، اگرچہ بظاہر اہل حق کو شکست ہو جائے، لیکن انجام کار ہلاکت و بربادی مکذبین اور کافرین کے لیے ہے اور اہل حق کا آخر کار نتیجہ کامیابی ہی کامیابی ہے۔ اس لیے آپ کو اس میں کوئی گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر نبی کے زمانہ میں ایسا ہوتا چلا آ رہا ہے، آپ کی امت کے ساتھ بھی ایسا ہوا ہے کہ جنگ بدر میں فتح ہو گئی اور جنگ احد میں شکست ہو گئی۔ ایک میں فتح دینے کے بعد آزمائے گئے اور

ایک میں شکست دینے کے بعد آزمائے گئے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ایمان والوں کو ہی غلبہ دینا ہوتا تو مغلوب تو زبردستی ایمان قبول کرتا ہے۔ اور زبردستی مسلمان کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں راستے بتادیئے ہیں: اگر ہدایت اختیار کرو گے تو کامیابی ہے اور اگر ضلالت اختیار کرو گے تو ناکامی اور ذلت ہے۔ اللہ کو کوئی نقصان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے، ساری دنیا اس کی محتاج ہے۔

مسلمانوں اور کافروں کے انجام پر کلام:

انجام دو ہیں: ایک انجام باعتبار دنیا کے ہے اور ایک انجام باعتبار آخرت کے ہے۔ اگر آدمی غور کرے تو باعتبار دنیا ہو یا باعتبار آخرت ہو مسلمان کامیاب ہے، جیسا کہ غزوہ احد میں صحابہ کرام شہید ہو گئے اور ان کو شہید ہونے کے بعد بڑا مرتبہ ملا ہے۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تھا: اے کافرو! ہم اور تم کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ ہمارے شہید ہونے والے جنت میں پہنچ گئے اور تمہارے مرنے والے جہنم میں چلے گئے۔ لہٰذا ہم برابر نہیں ہیں۔

کوئی اعتراض کرے کہ یہ تو مسلمان کہتے ہیں کہ ہمارے مرنے والے جنت میں، کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ حالانکہ ہمارے پاس دلیل ہے۔ سب سے بڑی دلیل اللہ کا قرآن ہے اور فرمان مصطفیٰ ﷺ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ شہید کو مردہ بھی نہ کہو، شہید اللہ کے ہاں زندہ ہیں۔ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ شہداء کی ارواح مبارکہ عرش کے نیچے جو قنادیل معلق ہیں ان میں پرندوں کی شکل میں جنت کی سیر کرتی ہیں، ان کے لیے راحتیں ہیں۔ شہداء تو مرنے کے بعد چاہتے ہیں کہ ہم دوبارہ دنیا میں جائیں اور لوگوں کو بتائیں کہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہے۔ ہمارے پاس دلیل ہے، لیکن کافر نہیں مانتا۔ اس کا تو خدا پر بھی ایمان نہیں ہے اور باعتبار دنیا کے انجام کو دیکھیں گے۔

وہی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا تھا مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو اس وقت کافروں کی قیادت کر رہے تھے، جو تین ہزار کا بڑا لشکر لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تھے مسلمان ہو گئے۔ اس سے بڑی کامیابی کیا ہو گی کہ یہ حضرات اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر مسلمان ہو گئے، تو انجام کار کامیابی مسلمان کو ہوئی، اس کا انکار کوئی کافر بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے فرمایا کہ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں انبیاء علیہم السلام کی پیروی کرنے والی تھیں، ان میں کامیابی ان کو ہوئی جو ایمان والے تھے۔ اور جو کافر تھے ان پر ہلاکت پڑی۔

اس لیے اللہ تعالیٰ بار بار دعوت دیتے ہیں کہ آپ لوگوں سے کہیں کہ زمین میں چلیں پھریں، خاص طور پر عرب والے ان کے سامنے شام کا سفر بھی ہے، یمن کا سفر بھی ہے، یہ تو دیارِ قومِ عاد و ثمود پر گزرتے ہیں اور قومِ لوط پر گزرتے ہیں۔ وہ ساری قومیں انہیں علاقوں میں آباد تھیں۔ اے میرے مدنی! اگر یہ تیری بات نہیں مانتے تو حقائق ارض سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ یہ ذرا چلیں پھریں اور دیکھیں کہ قومِ عاد نے جب تکذیب کی تو کیا نتیجہ نکلا! قومِ ثمود نے جب تکذیب کی تو کیا نتیجہ نکلا! قومِ نوح نے جب تکذیب کی تو کیا نتیجہ نکلا! قومِ لوط نے جب گناہ کیے، اللہ کے فرشتوں کو چھیڑا تو کیا نتیجہ نکلا! اب اگر مکہ والے لڑنے کے لیے مدینہ آرہے ہیں، اے میرے نبی! آپ بھی غم نہ کریں۔ آخر کار کامیابی آپ ہی کی ہوگی اور ذلت ان کے مقدر میں ہوگی۔ یہ نور ایمان کی روشنی چمکے گی، آپ کے دین اسلام کو ہم غلبہ دیں گے اور پھر عالم آخرت کی کامیابی آپ کے حصے میں ہے۔

﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾

اے میرے مدنی! آپ مسلمانوں کو ہدایت دیں کہ قرآن پڑھیں۔ اس کے اندر ہم نے لوگوں کے لیے کھول کھول کر ہدایت کو بیان کیا ہے، ہم نے سای قوموں کے واقعات بیان کیے، ہم نے ساری امم کے احوال بیان کیے، ان کے نتائج بیان کیے، اس کے اندر تمہارے دلوں کے لیے ہدایت کے سامان ہیں اور اس قرآن میں وعظ بھی ہے، یعنی یہ قرآن تمہیں گناہوں سے اور حرام سے روکنے والا ہے، حلال اور اچھے کاموں کی طرف چلانے والا ہے، لیکن قرآن سے صرف وہی فائدہ اٹھاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔ جب قرآن پڑھو تو غور کیا کرو کہ قرآن کیا کہتا ہے!؟

جنگ احد میں مسلمانوں پر مشکلات:

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾

اللہ نے مومنوں کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کمزوری کیوں دکھاتے ہو؟ کیوں ضعف اختیار کرتے ہو؟ جو واقعات پیش آئے اس کے اندر مسلمانوں کے لیے بہت بڑا امتحان تھا۔ جب ایک بدبخت کافر نے اعلان کیا: ''قَدْ مَاتَ مُحَمَّدٌ'' کہ حضور اکرم ﷺ......نعوذ باللہ......شہید ہوگئے، صحابہ نے جب سنا تو ان کے دل ودماغ کام کرنا چھوڑ گئے، صحابہ کمزور ہوگئے۔ یہ ان کے لیے کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے اندر ان کو تسلی

دی کہ جنگوں میں ایسے حالات ہوتے ہیں۔ جنگ میں قتل بھی ہوں گے، نقصان بھی ہوں گے اور زخم بھی لگیں گے تو جب جنگ کے اندر یہ ساری چیزیں متوقع ہیں تو کمزوری کیوں دکھاتے ہو؟ ﴿وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ تم غم نہ کرو، ہر حال میں تم سربلند ہو۔ بس تم اپنے ایمان پر جمے رہو، حضور اکرم ﷺ کی اطاعت پر جمے رہو۔ وقتی طور پر اگر شکست آگئی ہے تو اس کے اسباب پر غور کرو۔ یہ تمہارے اپنے اندر کمزوریاں تھیں، جن کی وجہ سے شکست آگئی۔ اگر تمہارے اندر وہ کمزوریاں نہ ہوتیں تو مومن کبھی شکست نہیں کھا سکتا۔ اور تمہارے لیے یہ خوشخبری ہے کہ انجام تمہارا ہے۔ دنیا میں بھی انجام کے اعتبار سے کامیابی تمہاری ہے اور آخرت میں بھی کامیابی تمہارے لیے ہے۔ اور کافروں اور مشرکوں کی دنیا بھی برباد ہے اور آخرت بھی برباد ہے۔

﴿اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُہٗ﴾

یہ دوسری تسلی ہے کہ اے میرے مدنی! آپ اپنے ایمان والے صحابہ سے کہیں کہ اگر آج تمہیں زخم لگے ہیں اور تمہاری جماعت کے لوگ شہید ہوئے ہیں تو دشمن بھی تو مارا گیا ہے، ان کے بھی تو جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے تھے اور ان کو بھی تو زخم لگے تھے اور کافر بھی تو قید ہوئے تھے۔ یہ تو ہمارا نظام ہے کہ کبھی ڈول ادھر ہو جاتا ہے اور کبھی ڈول ادھر ہو جاتا ہے۔ ہم کبھی دولت دے کر آزماتے ہیں اور کبھی دولت لے کر آزماتے ہیں۔

اس لیے جب مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوگئیں، روم و کسریٰ فتح ہو گیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پہلے تو اللہ تعالیٰ نے ہمارا امتحان لیا غربت کے ساتھ، ہم پر فقر تھا، کھانے کو نہیں ملتا تھا، روٹی نہیں تھی، ٹھکانہ نہیں تھا، کھجوریں کھا کر گزارا کرتے تھے اور اب اللہ تعالیٰ نے دولت دے کر امتحان لیا ہے۔ اب قدم قدم پر پیسہ ہے، مال ہے، بھرے ہوئے خزائن و غنائم ہیں، حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اگر ہمارے ملک میں کوئی عیسائی، یہودی، کافر ہے اس کو وظیفہ دو۔

میں کہتا ہوں کہ ہماری بڑی بدنصیبی ہے کہ ہمارے جتنے اچھے اعمال ہیں وہ دشمنوں نے لے لیے ہیں اور ان کے جتنے گندے اعمال ہیں وہ مسلمانوں نے لے لیے ہیں۔ آپ یورپ کے ملکوں میں جا کر دیکھیں کہ وہاں ہر آدمی کا علاج، ہر آدمی کی تعلیم اور آدمی بوڑھا ہو جائے تو اس کا وظیفہ ہے، نوکری چھوٹ جائے تو آپ جا کر اطلاع کریں، آپ کو ہفتہ وار وظیفہ ملے گا، آپ کا بچہ پیدا ہوا تو وظیفہ ملے گا، جتنے بچے زیادہ ہوں گے اتنا وظیفہ بڑھتا جائے گا۔ یہ

سارا انظام اصل میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تھا۔ انہوں نے اپنے وقت میں حکم دیا تھا کہ میری سلطنت میں کوئی بھوکا نہیں ہوگا، بے کار نہیں ہوگا، بیت المال سے اس کو وظیفہ ملے گا اور اس طرح اسلام نے حکم دے دیا کہ اگر تمہیں کہیں غلبہ مل جائے تو ان کی عبادت خانوں کو کبھی نہ گراؤ۔

مسلمانوں پر تکالیف مسلط کرنے کی حکمت:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کبھی ہم جنگ میں فتح دیتے ہیں اور کبھی شکست دیتے ہیں، تاکہ تمہارا امتحان ہو جائے کہ سچے امتحان والے کون ہیں اور اگر شکست نہیں ہوگی تو تمہیں شہادت کیسے ملے گی؟

کسی کے دل میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ کافروں کو فتح کیسے ہوگئی؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے پیاروں کی مدد کرتے ہیں، دشمنوں کی مدد نہیں کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی فتح کو یہ نہ سمجھنا کہ میں ان کو محبوب رکھتا ہوں، بلکہ ﴿وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کسی ظالم کو محبوب نہیں رکھتے۔ محبوب تم ہو، لیکن کبھی میں اپنے محبوبوں پر بھوک مسلط کر دیتا ہوں اور کبھی ان کو آزمانے کے لیے دکھوں میں ڈال دیتا ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ تکلیفیں انبیاء علیہم السلام پر آتی ہیں انبیاء کے بعد جیسے جیسے درجہ ہوتا ہے اتنا ہی بڑا امتحان ہوتا ہے۔ جتنی شان بڑی ہوگی اتنے امتحان بھی بڑے ہوں گے۔

دوسری جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ کے راستے میں اتنی تکلیفیں دی گئی ہیں کہ مجھ سے پہلے کسی نبی پر ایسی تکلیفیں نہیں دی گئیں۔ کیونکہ سب سے بڑی شان آپ کی ہے تو سب سے بڑے امتحان بھی آپ پر آئے۔ اللہ تعالیٰ تکلیفیں دیتے ہیں، تاکہ ایمان والوں کو نکھار لیں۔ اگر ان کے گناہ ہیں تو یہ تکالیف ان کے لیے کفارہ ہو جائیں۔

علماء نے اس کی مثال دی ہے کہ اگر کوئی ایسے ہی کپڑے کو مارنا شروع کر دے تو لوگ کہیں گے کہ پاگل ہو گیا ہے، لیکن جب دھوبی کپڑے کو مارتا ہے تو کہتے ہیں: ذرا اچھی طرح مارنا کہ داغ اچھی طرح صاف ہو جائیں۔ اللہ بھی اپنے بندوں پر امتحان ڈالتے ہیں، تاکہ اس کے بندے پاک ہو جائیں اور اگر ان کے گناہ نہیں ہیں تو ان کے درجات بلند ہو جائیں۔

ایک آدمی نے حضرت سری سقطی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ مجھے ایک بات سمجھ نہیں آتی کہ جتنے ہم نے اولیاء اللہ دیکھے

ہیں ان پر ہم نے تکلیفیں دیکھی ہیں کہ کوئی نابینا ہو گئے، کوئی بوڑھے ہو گئے، کوئی بیمار ہو گئے، کوئی ریڑھیوں پر آ گئے، اٹھنے کے قابل نہ رہے۔ حضرت سری سقطی رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ کے بندے اللہ پاک نے اپنے بندوں کے لیے فیصلہ کیا ہے کہ اس کو جنت کے فلاں درجے پر پہنچانا ہے تو بعض بندے اپنے عمل سے اس درجہ پر پہنچتے ہیں اور بعض کے درجات اتنے اونچے ہوتے ہیں کہ وہ جتنا بھی عمل کریں نہیں پہنچ سکتے تو اللہ تعالیٰ ان کو تکلیفیں دیتے ہیں، تاکہ کچھ عمل کی وجہ سے ترقی کر جائیں اور کچھ صبر کی وجہ سے ترقی کر کے اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴿١٤٢﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے اب اور انداز میں خطاب فرمایا ہے کہ کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم جنت میں چلے جائیں گے اور امتحان نہ ہوگا؟ تم ایک مٹی کا برتن خریدتے ہو تو اس کو دیکھتے ہو کہ ٹوٹا ہوا تو نہیں ہے؟ اور میں اپنے بندے خرید کر کے جنت دوں تو میں بھی نہ دیکھوں کہ میرے بندے کیسے ہیں؟ میں نے بھی تو اپنے بندوں کو آزمانا ہے۔

اس لیے دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿الٓمّٓ ﴿١﴾ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ﴿٢﴾﴾ [العنکبوت: ۱، ۲] کیا گمان کرتے ہیں لوگ کہ ایسے چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں ہوگی؟ بلکہ ان کے امتحان ہوں گے۔ یہ شانِ صحابہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کو کیسے منا رہے ہیں؟ کیسے ان کو خطاب فرما رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ان کو تسلی دینے کے لیے کبھی جبرائیل بھیج رہے ہیں، کبھی قرآن نازل فرما رہے ہیں۔ اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [البقرۃ: ۲۱۴] کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور پہلے لوگوں کی طرح تمہارا امتحان نہیں ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جنت میں جانا ایسے مفت میں نہیں مل جائے گا، بلکہ جنت میں جانے کے لیے امتحان ہوں گے۔ اللہ جانچیں گے کہ کون تم میں سے مجاہد ہے؟ کون تم میں سے صبر کرنے والا ہے؟ اور کون کافروں کے مقابلہ پر جمنے والا ہے؟ اس سے اشارہ ہو گیا کہ جنگ احد میں اس درجے پر پچاس صحابہ تھے: گیارہ صحابہ عزیمت پر رہے، آخری وقت تک لڑے اور شہید ہو گئے۔ اور باقی رخصت پر عمل کر کے اتر آئے تھے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے امتحان لینا ہے کہ کون مقام صبر کے اعلیٰ مقام پر ہے۔

﴿وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿١٤٣﴾﴾



یہ خطاب کا ایک اور انداز ہے کہ آج صحابہ کی موت پر تم غم کیوں کرتے ہو؟ یہ موت تو تم نے خود مانگی تھی۔ جب وہ سامنے آگئی تو کیوں پریشان ہوتے ہو؟ تم نے خود کہا تھا کہ ہم باہر جا کر لڑیں گے اور مقامِ بدر کی طرح مرتبے حاصل کریں گے۔ تمہاری تمنا پوری ہوگئی، پھر کیوں پریشان ہوتے ہو؟

(حدیث) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ، وَسَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا، وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ)) کبھی دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو۔ اگر دشمن سامنے آئے تو جم جاؤ۔ جان لو کہ جنت تلوار کی چھاؤں کے نیچے ہے۔

[بخاری، رقم: ۲۹۶۶]

﴿فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اب تم نے اپنی آنکھوں سے موت کو دیکھ لیا کہ تلواروں کی دھار اور نیزوں کی تیزی اور جوانوں کی صفیں قتال کے لیے بن گئیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں: یہ تخیل ہے کہ آدمی ایسی چیز کا خیال کرے جو موجود تو نہیں، لیکن اس کو محسوس کے طور پر سمجھے، جیسا کہ مثالیں دی جاتی ہیں کہ دنبہ کی دوستی ہے۔ آدمی اس کو پالے تو اس کے پیچھے پھرتا رہتا ہے۔ اور بھیڑیا کی دشمنی ہے کہ اس کو جتنا دودھ پلاؤ وہ بھیڑیا ہی رہے گا، سانپ کو جتنا دودھ پلاؤ کسی نہ کسی وقت اس نے ڈنگ مار دینا ہے وہ اپنی حرکت سے باز نہیں آئے گا۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّاكِرِينَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا ۗ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ۝ وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَآتَاهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝﴾ [آل عمران: ۱۴۴ تا ۱۴۸]

''اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں، بھلا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا انہیں قتل کر دیا جائے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی الٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور جو شکر گزار بندے ہیں اللہ ان کو ثواب دے گا۔ اور یہ کسی بھی شخص کے اختیار میں نہیں ہے کہ اسے اللہ کے حکم کے بغیر موت آجائے، جس کا ایک معین وقت پر آنا لکھا ہوا ہے۔ اور جو شخص دنیا کا بدلہ چاہے گا ہم اسے اس کا حصہ دے دیں گے، اور جو آخرت کا ثواب چاہے گا ہم اسے اس کا حصہ عطا کر دیں گے۔ اور جو لوگ شکر گزار ہیں ان کو ہم جلد ہی ان کا اجر عطا کریں گے۔ اور کتنے سارے پیغمبر ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی۔ نتیجتاً انہیں اللہ کے راستے میں جو تکلیفیں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ انہوں نے ہمت ہاری، نہ وہ کمزور پڑے اور نہ انہوں نے اپنے آپ کو جھکایا۔ اللہ ایسے ثابت قدم لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ ان کے منہ سے جو بات نکلی وہ اس کے سوا نہیں تھی کہ وہ کہہ رہے تھے: ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بھی اور ہم سے اپنے کاموں میں جو زیادتی ہوئی ہو اس کو بھی معاف فرما دے،، ہمیں ثابت قدمی بخش دے اور کافر لوگوں کے مقابلے میں ہمیں فتح عطا فرما دے۔ چنانچہ اللہ نے انہیں دنیا کا انعام بھی دیا اور آخرت کا بہترین ثواب بھی۔ اور اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔''

اسبابِ نزول:

یہ آیات احد کے بارے میں نازل ہوئیں۔ آپ نے غزوہ احد بڑی تفصیل سے پڑھا ہے کہ مسلمانوں پر بہت بڑا امتحان آیا اور نا قابل تلافی نقصان ہوا کہ ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ جب غزوہ احد میں لڑائی شدت اختیار کر چکی تھی، حضور اکرم ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے، آپ نے سر پر خود پہنا ہوا تھا، کسی ظالم نے آپ کو پتھر مارا تو خود کی کڑیاں نکل کر رخسار مبارک میں گھس گئیں، خون کے فوارے پھوٹ پڑے۔ ساتھ ایک گڑھا تھا، حضور اکرم ﷺ کا قدم مبارک پھسلا تو اس میں گر گئے۔ اسی اثنا میں ایک کافر بدبخت نے شور کیا: ''قُتِلَ مُحَمَّدٌ'' محمد مصطفیٰ ﷺ شہید ہو گئے۔ کیونکہ شیطان ایسے مواقع کی انتظار میں ہوتا ہے تو شیطان نے کافروں کی شکل میں آکر شور کر دیا کہ اللہ کے نبی قتل ہو گئے ہیں۔ تو مسلمانوں کے رہے سہے حوصلے گم ہو گئے، صحابہ حوصلے ہار گئے اور بعض لوگوں کے قدم اکھڑ گئے کہ ہمارا تو مقصدِ حیات ہی ختم ہو گیا۔ ان حالات کے سامنے اللہ نے اپنے نبی پر یہ آیات

مبارکہ نازل فرمائیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو میٹھا سا عتاب:

ان آیات میں بڑے محبوب انداز میں صحابہ کے لیے عتاب بھی ہے اور قیامت تک آنے والے مومنوں کے لیے سبق بھی ہے اور ہدایت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے نبی! مومنوں کی جماعت کو آپ خود فرما دیں کہ ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ﴾ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف اللہ کے رسول ہیں، آپ سے پہلے تو رسول گزر چکے ہیں آخر ان پر بھی تو موت آگئی۔ اگر اللہ کے رسول پر موت آجائے یا اللہ کے رسول شہید ہو جائیں تو اس کا کیا مطلب ہے کہ آدمی دین کو چھوڑ کر نکل جائے؟ کیونکہ رسول پر موت آگئی تو کیا دین بھی ختم ہے؟

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ عتاب کے انداز ہوتے ہیں: ایک دشمن پر عتاب ہوتا ہے، وہ الگ ہوتا ہے۔ اور ایک عتاب اپنے محبوب پر ہوتا ہے، اگر آپ دشمن کو ڈرانا چاہیں تو اس سے آپ اور انداز میں بات کریں گے اور اگر اپنے بیٹے کو، محبوب کو، اپنے دوست کو ہدایت کریں گے تو اس کا انداز الگ ہوگا۔

﴿وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا﴾

اے میرے مدنی! آپ ان کو یہ بھی بتا دیں کہ جو آدمی دین کو چھوڑ کر الٹا پھر جائے وہ اللہ کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ یعنی اللہ نہ کرے اگر کوئی مسلمان مرتد ہو جائے، اللہ کا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے، وہ غنی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ساری مخلوق بھی مسلمان ہو جائے، متقی پرہیزگار بھی ہو جائے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر ساری مخلوق...... نعوذ باللہ...... کافر ہو جائے، اسلام کو چھوڑ دے تو اللہ کو کوئی نقصان نہیں ہے۔ اگر اسلام پر رہو گے تو اس کے اندر تمہارا فائدہ ہے اور اگر اسلام سے نکلو گے تو تمہارا اپنا نقصان ہے۔

قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ذکر کرنے کی حکمتیں:

قرآن کی ترتیب پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بہت کم لیا ہے، صرف ان جگہوں پر نام لیا ہے جہاں بے انتہا ضرورت تھی، ورنہ اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ آپ کو القاب سے نوازا ہے، اس آیت کے اندر نام لیا گیا ہے اور ختم نبوت والی جگہ پر آپ کا نام لیا گیا ہے اور حدیبیہ کے موقع پر آپ کا نام لیا گیا ہے۔

دوسری بات رسول نبی سے افضل ہوتا ہے؛ کیونکہ ہر رسول نبی ہوتا ہے، لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ جیسا کہ

حضرت ہارون علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، لیکن رسول نہیں ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام رسول بھی ہیں اور نبی بھی ہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ رسول صاحب شریعت ہوتا ہے اور نبی کسی رسول کی شریعت کے تابع ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے تابع رہے، بنو اسرائیل میں ہزاروں نبی آئے تو تورات پر عمل پیرا رہے۔ رسول تین سو تیرہ ہیں تین سو تیرہ میں سے پانچ افضل ہیں اور ان پانچ میں سے سب سے افضل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

اس لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے رسول کا ذکر کیا ہے۔ جب رسولوں پر موت آئی تو نبی کا ذکر خود بخود سمجھ میں آ گیا۔

﴿أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ﴾

موت کا ذکر پہلے ہے اور قتل کا بعد میں ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ میرے مدنی ﷺ پر موت آئے گی، قتل نہیں ہوں گے۔

مسئلہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر موت آئے گی کوئی بچ نہیں سکتا۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ''حَيٌّ لَا يَمُوتُ'' جو زندہ ہے، زندہ رہے گی، اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝﴾ [الرحمٰن:۲۶، ۲۷] میرے مدنی! اعلان کر دیں کہ ہر وہ چیز جو زمینوں میں ہے سب کو فنا آنی ہے، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو باقی ہے، جو دائم ہے، جو حی ہے اور جو قیوم ہے۔ باقی دنیا میں کسی چیز کو دوام نہیں ہے، ان پر فنا آئے گی، یا قابل فنا ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اس کو فنا نہ کریں، یہ اس کی مرضی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت پیدا کر دی ہے، لیکن جنت پر فنا نہیں آئے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ اس پر بھی فنا طاری کر دیں تو وہ قادر ہیں، اس کو فنا کر سکتے ہیں۔ دنیا کے اندر ایسے لوگ پیدا ہوئے جو خدا کو نہیں مانتے، نبیوں کے منکر پیدا ہوئے، صحابہ کے منکر پیدا ہوئے، اہل بیت کے منکر پیدا ہوئے، اولیاء اللہ کے منکر پیدا ہوئے، حدیث کے منکر پیدا ہوئے، معجزات و کرامات کے منکر پیدا ہوئے، لیکن موت ایک ایسی چیز ہے اس کا کوئی منکر نہیں ہے۔ کافر بھی کہتے ہیں کہ ہم مریں گے، لیکن کہتے ہیں کہ ہم نے مرنے کے بعد اٹھنا نہیں ہے۔

﴿وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ﴾

قرآن کے اسلوب بیان پر غور کریں کہ یہ میدان جنگ سے پیچھے ہٹنا تھا، اسلام سے پیچھے نہیں ہٹنا تھا اور میدان

جنگ میں ایسے حالات میں ہٹ جانا کوئی جرم نہیں ہے، یہ تو جنگوں میں ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے اسلوب میں بیان کیا، تاکہ آنے والے وقت میں تیار ہو جائیں کہ جب اللہ کے نبی فوت ہو جائیں گے تو کیا تم دین سے اس لیے ہٹ جاؤ گے کہ اللہ کے نبی پر موت آ گئی؟ تو اللہ نے فرمایا: سن لو! ﴿وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا﴾ اگر کوئی شخص دین سے ہٹ جائے، اسلام سے نکل جائے اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، اللہ تعالیٰ تو ﴿مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کے مالک ہیں۔ اگر صراطِ مستقیم پر چلو گے تو تمہارا فائدہ ہے اور اگر بھٹک جاؤ گے تو تمہارا نقصان ہے۔ اور اس کے ساتھ فرمایا: ﴿وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں، صبر کرنے والوں اور ہر حال میں اسلام کے پر جمنے والوں کو خاص بدلہ عطا فرماتے ہیں۔

ایک نہ ایک دن حضور ﷺ پر موت آنی ہے:

اس آیت مبارکہ میں ایک تو صحابہ کی تربیت ہو گئی کہ ایک نہ ایک دن حضور اکرم ﷺ پر موت آنی ہے تو پھر تمہارا کیا حال ہوگا؟ یہی وجہ تھی کہ جب حضور اکرم ﷺ پر موت آئی تو یہی آیت تھی جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھی تھی۔

انبیاء کرام علیہم السلام پر موت برحق ہے:

یاد رکھیں! تمام اللہ کے نبی اور اللہ کے رسول برحق ہیں، لیکن سب اولادِ آدم ہیں، سب پر موت آئے گی۔ اور سب پر موت آ گئی، مگر وہ پیغمبر جن کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر بٹھایا ہے، حضرت عیسیٰ پر ابھی موت نہیں آئی لیکن ان پر بھی موت آئے گی۔ بعض لوگ بزرگوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ نہ کہو: وہ فوت ہو گئے، بلکہ وہ وصال فرما گئے ہیں، اللہ تعالیٰ اسے مل گئے ہیں۔ ایک ہے کہ ادباً یہ لفظ کہیں، لیکن یاد رکھیں! اگر موت کا لفظ شانِ نبوت کے خلاف ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی بھی اپنے نبی کے لیے یہ لفظ استعمال نہ کرتے۔ سب سے زیادہ حضور اکرم ﷺ کی شان اللہ نے بیان فرمائی ہے۔ فرمایا: میرے نبی کو کبھی ''رَاعِنَا'' کہہ کر نہ پکارو؛ کیونکہ اس سے تنقیص کا پہلو نکل سکتا ہے۔ تو اگر لفظِ موت کے اندر کوئی توہین کا پہلو ہوتا تو اللہ کبھی اس کو نبیوں کے لیے استعمال نہ فرماتے۔

مسئلہ حیاتِ انبیاء علیہم السلام

بعض میرے بھائی جو موحد بھی ہیں، لیکن وہ بھی حد سے نکل جاتے ہیں اور پٹڑی سے اتر جاتے ہیں، وہ بھی



موت کا معنی یہ کر لیتے ہیں کہ انبیاء پر موت آگئی، مٹی کے اندر مل گئے اور ریزہ ریزہ ہو گئے۔ یہ بھی ......نعوذ باللہ......حد سے نکلنے والی بات ہے۔ انبیاء کی جیسے حیات شان والی ہوتی ہے، اسی طرح ان کی موت بھی شان والی ہوتی ہے۔ اور اللہ زمینوں میں اپنے نبیوں کے جسد مبارک کو ایسے محفوظ رکھتے ہیں کہ زمین کی طاقت ہی نہیں ہے کہ انبیاء کے اجسام کو چھیڑ سکے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مکہ اور شام کے راستے میں سرخ ٹیلہ ہے۔ اس کے قریب میرے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ ابھی بھی گزروں تو میں بتا سکتا ہوں۔ اور جب میں وہاں سے گزرا تو دیکھا کہ موسیٰ نماز پڑھ رہے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کی ملاقات مسجد اقصیٰ میں بھی کروائی اور کچھ بڑے انبیاء کی آسمانوں پر بھی کرائی اور حضور ﷺ تمام نبیوں کے امام بھی بنے۔

موت کا وقت مقرر ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾

فرمایا: موت سے ڈر کر جو پیچھے رہ رہے ہو، شکست سے ڈر کر جو پیچھے رہ رہے ہو، حالانکہ کسی نفس پر موت پہلے نہیں آسکتی، مگر وقت مقرر پر آئے گی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چند دوستوں نے آکر عرض کیا: آپ مہربانی کریں! آپ ایسے جو جنگ لڑتے ہیں ایسے نہ لڑا کریں۔ آپ کی طبیعت تھی کہ گھوڑا دوڑاتے اور دشمن کی صفوں میں گھس جاتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: موت مجھ سے ڈرتی ہے۔ ساتھیوں کو بات سمجھ نہ آئی، انہوں نے عرض کیا: موت کیسے ڈرتی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا وقت سے پہلے آسکتی ہے؟ ساتھیوں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: جب اس نے وقت پر آنا ہے تو میں کیوں ڈروں؟

﴿كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا﴾

موت کا ایک وقت مقرر ہے، جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے۔ اس سے آگے بھی نہیں ہو سکتی اور اس سے پیچھے بھی نہیں ہو سکتی تو پھر بزدلی کا کیا معنی ہے؟

﴿وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ﴾ جو دنیا کا

ثواب مانگے ہم دیتے ہیں۔ اگر تمہیں احد میں صرف مالِ غنیمت چاہیے وہ بھی مل سکتا ہے اور جن کو آخرت چاہیے تو ہم ان کو آخرت کا ثواب دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کو بدلہ دیں گے۔

جنگ میں ڈٹ جانے کا حکم:

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝﴾ اے میرے مدنی! آپ اپنے صحابہ کو بتائیں کہ یہ کوئی پہلی جنگ نہیں ہے، کتنے نبی ہیں جن کے ساتھ اللہ والے مل کر کافروں کے خلاف جہاد کرتے رہے۔

﴿رِبِّيُّوْنَ﴾ کا معنی جماعت بھی آتا ہے، لیکن پہلا معنی راجح ہے۔ اللہ کے راستے میں جو ان کو تکلیفیں آئیں انہوں نے کوئی کمزوری نہ دکھائی، نہ بزدل ہوئے اور نہ دشمن سے دبے، یعنی بالکل اللہ کے راستے پر جمے رہے۔ اور اللہ بھی صبر کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں۔

وہ جو اللہ والے گزر چکے ہیں جہاد میں بھی ثابت قدم رہے، اس کے باوجود بھی ان کی زبانوں پر تھا: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْۤ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ اے اللہ! ہماری غلطیاں، ہمارے گناہ معاف فرمادے اور ہم سے جو اس نیکی کے عمل میں کوتاہی ہوئی ہے اس کو معاف فرمادے اور جنگ میں ہمارے پاؤں جمادے اور کافروں پر ہماری مدد فرما، ہمیں فتح نصیب فرمادے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان:

شانِ صحابہ دیکھیں کہ کچھ صحابہ سے غلطی ہوئی، انہوں نے درہ چھوڑ دیا۔ تو سیدھی سی بات تھی کہ اللہ فرماتے: اے میرے مدنی! کہہ دو کہ معافی مانگیں، لیکن مقامِ صحابہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے مدنی! ہم تیرے صحابہ کو یوں نہیں کہتے، بلکہ ان کو بتاتے ہیں کہ پہلے لوگ ایسے کرتے تھے، تم بھی کرلو، ورنہ تمہاری غلطیاں تو ہم معاف کر چکے ہیں۔

ابن ابی نجیح نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ مہاجرین میں سے ایک شخص ایک انصاری پر (جنگ کے دوران) گزرا اور وہ اپنے خون میں بالکل لت پت ہو چکے تھے، ان کو کہا: تمہیں پتہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں؟ انصاری صحابی نے جواب دیا: اگر یہ بات سچی ہے تو وہ ہمیں اللہ کا دین بھی پہنچا گئے ہیں تو اب تم اللہ کے دین کے لیے لڑو۔ [دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد: ۳، صفحہ: ۲۴۸]



﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۝ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ [آل عمران: ۱۴۹ تا ۱۵۳]

”اے ایمان والو! جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے اگر تم ان کی بات مانو گے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں (کفر کی طرف) لوٹا دیں گے، اور تم پلٹ کر سخت نقصان اٹھاؤ گے۔ (یہ لوگ تمہارے خیر خواہ نہیں) بلکہ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔ جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے ہم عنقریب ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے؛ کیونکہ انہوں نے اللہ کی خدائی میں ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ ظالموں کا بدترین ٹھکانا ہے۔ اور اللہ نے یقیناً اس وقت اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا جب تم دشمنوں کو اسی کے حکم سے قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دکھائی اور حکم کے بارے میں باہم اختلاف کیا اور جب اللہ نے تمہاری پسندیدہ چیز تمہیں دکھائی تو تم نے (اپنے امیر کا) کہنا نہیں مانا۔ تم میں سے کچھ لوگ وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور کچھ وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے۔ پھر اللہ نے ان سے تمہارا رخ پھیر دیا، تاکہ تمہیں آزمائے۔ البتہ اب وہ تمہیں معاف کر چکا ہے۔ اور اللہ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ (وہ وقت یاد کرو) جب تم منہ اٹھائے چلے جا رہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول تمہارے پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے۔ چنانچہ اللہ نے تمہیں (رسول کو) غم (دینے) کے بدلے (شکست کا) غم دیا، تاکہ آئندہ تم زیادہ صدمہ نہ کیا کرو، نہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے، اور نہ کسی اور مصیبت پر جو تمہیں پہنچ جائے۔ اور اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔“

قیامت تک کے آنے والے مسلمانوں کے لیے تنبیہ:

اللہ تعالیٰ نے ان آیات مبارکہ میں غزوۂ احد کا مفصل ارشاد فرمایا ہے۔ ان آیات میں مومنین کے لیے ایک خصوصی تنبیہ ہے۔ سب سے پہلے تو یہ یاد رکھیں کہ کبھی صحابہ نے ...... نعوذ باللہ ...... کافروں کی اطاعت نہیں کی اور نہ انہوں نے کافروں کو اپنا معین و مددگار سمجھا، لیکن خطاب کا انداز اس تنبیہ کے ساتھ ہے، تاکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو سبق ملے۔

فرمایا: اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی بات مانو گے تو کافر یہ نہیں کہیں گے کہ آپ ہماری بات مان لیتے ہیں، اس لیے ہمارا آپ کے ساتھ گزارا ہو جائے گا، بلکہ وہ تمہیں تمہارے دین اسلام سے نکالیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ﴾ [البقرۃ: ۱۲۰] ہرگز یہود و نصاریٰ تم سے راضی نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تم ان کے دین کی اتباع نہ کرو، چاہے تم لاکھ ان سے وفاداریوں کا دم بھرو۔ ان کی منشاء یہ ہے کہ تم اسلام کو چھوڑ دو، تب وہ تمہیں اپنے اندر کھپائیں گے، ورنہ محض تمہاری باتوں سے اور تمہاری اطاعت سے کبھی راضی نہیں ہوتے۔

جب جنگ کے اندر شکست آجائے تو فطری طور پر ایک فریق یہ سوچتا ہے کہ اب ہم ان سے صلح کرلیں، کوئی لینے دینے کی بات کرلیں کہ ہم آپ کو اتنا ٹیکس دیں گے، آپ ہمارا تحفظ کریں گے۔ یہ باتیں فطرۃً دلوں میں آتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات مبارکہ میں یہ ہدایت دی کہ خبردار! ایسی بات کبھی دل وخیال میں بھی نہ لانا کہ تم کافروں کی اطاعت کرو، وہ تو تمہیں دین سے پھیر دیں گے۔ اور اللہ نہ کرے اگر تم دین سے پھر گئے تو تمہاری دنیا و آخرت برباد ہو گئی۔

مفسرین نے خاسرین کا معنیٰ گھاٹا اور نقصان کیا ہے۔ ایک گھاٹا ہوتا مثلاً آپ نے دکان میں ایک لاکھ ڈالا، نفع نہ ہوا، لیکن راس المال بچ گیا۔ اور ایک یہ ہوتا ہے کہ آپ نے ایک لاکھ ریال ڈالا، نفع تو نفع تمہارا پچاس ہزار راس المال بھی ڈوب گیا، جتنی رقم ڈالی تھی ساری ڈوب گئی۔ یہ اصل خسارہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم اسلام سے پھر گئے تو تم ڈوب گئے، دنیا و آخرت میں خاسرین میں آگئے۔ نہ دنیا میں کچھ رہا اور نہ آخرت میں کچھ رہا۔

روافض کا اعتراض:

روافض کے دلوں میں بغضِ صحابہ ہے۔ وہ ایسی آیات کو ڈھال بنا کر اعتراض کرتے ہیں کہ دیکھو! صحابہ کافروں

کے ساتھ مل رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے قرآن اتار کر ان کو روکا کہ کافروں کی اطاعت نہ کرو، ورنہ مر جاؤ گے۔ اگر صحابہ کافروں کی اطاعت نہیں کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کیوں نازل فرمائی؟ اس طرح وہ لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈالتے ہیں۔

جواب:

آپ قرآن پر غور کریں! قرآن کیا کہتا ہے: ﴿يَاۤ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ۝﴾ اگر...... نعوذ باللہ...... صحابہ کفر کی طرف جا رہے تھے تو اللہ تعالیٰ ان کو مومن کبھی نہ کہتا، بلکہ یوں آتا: ﴿يَاۤ أَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو!...... لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! صحابہ کے ایمان کی گواہی اس آیت میں بھی اللہ دے رہے ہیں۔ باقی یہ کہا کہ اگر تم نے کافروں کی اطاعت کی تو وہ تمہیں دین سے نکال دیں گے تو تم نقصان والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ نفع تو نفع، اصل بھی ختم ہو جائے گا۔ اللہ ہی تمہارے ولی و ناصر ہیں اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والے ہیں۔ اس کے مقابلہ پر کوئی مدد نہیں کر سکتا، یہاں خطاب صحابہ کو ہے اور ہدایت آنے والے مسلمانوں کو ہے کہ خبردار! کبھی کافروں کی اطاعت نہ کرو، ورنہ یہ تمہیں دین سے نکال دیں گے۔

آج مسلمان اس دھوکہ کے اندر مبتلا ہیں کہ اگر ہم ان سے دوستی نہیں رکھیں گے تو کبھی کوئی ہماری بات نہیں سنے گا۔ حالانکہ وہ تمہاری کیا بات سنیں گے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تمہارا اسلام ختم ہو جاتا ہے؛ کیونکہ تم اسلام پر تو پکے نہیں ہوتے کہ ان کو دعوت دو، بلکہ تم تو پہلے دین کا طریقہ چھوڑے ہوئے ہو۔

علماء کا دنیاوی اداروں میں آنے کا نقصان:

ہم چھوٹے تھے، اس وقت دینی مدرسہ جامعہ عباسیہ میں پڑھتے تھے۔ اس میں دینی مذہبی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ بہاولپور کی ریاست میں اور کوئی جامعہ نہیں تھا۔ اس وقت مدرسہ میں جو طلباء پڑھتے تھے انہوں نے والد صاحب سے کہا کہ الحمد للہ دورہ حدیث تک آپ کے پاس کتابیں پڑھ لی ہیں۔ اب اچھا موقع ملا ہے کہ ایک یونیورسٹی کھل گئی ہے، ہم وہاں سے علامہ کی ڈگری حاصل کر لیں؛ کیونکہ آپ کے مدرسوں میں صرف دین پڑھایا جاتا ہے، اس میں ڈگری کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر ہم نے وہاں سے علامہ کی ڈگری لے لی تو ہمارے کام آئے گی۔ والد صاحب پرانے خیالات کے لوگوں میں سے تھے، انہوں نے کہا: تم ایسا نہ کرو، تم نے الحمد للہ علم پڑھ لیا ہے،

ڈگریاں لے کر کیا کرو گے؟ تم نے علم ڈگری کے لیے پڑھا ہے؟ تم نے علم اللہ کی رضا اور دین کے لیے پڑھا ہے۔ بہر حال کچھ لوگوں نے بات مان لی اور کچھ نے نہ مانی اور انہوں نے جا کر علامہ کی ڈگریاں حاصل کر لیں۔ تو ان کو سکولوں میں نوکری کا چانس مل گیا۔ کافی سارے لوگوں نے وہاں درخواستیں دے کر نوکری لے لی۔ وہ بڑے بڑے علم والے فاضل لوگ تھے، لیکن یقین کریں! نوکری کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ چار پانچ سال کے بعد صرف لفظ مولوی رہ گیا، باقی سب کچھ بھول گئے۔ کیونکہ پرائمری سکول میں وہ کونسا دین پڑھاتا، مڈل میں کیا پڑھاتا؟ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے پوری داڑھی تھی، آدھی ہو گئی، پھر وہ چوتھا حصہ بچ گئی، پھر فرنچ کٹ بن گئی۔ قابل ترین لوگ تھے، علم کے موتی تھے، لیکن پانچ دس سال کے بعد دین سے رابطہ ختم ہو گیا۔

اسی طرح آپ دیکھ لیں! جس مولوی کے ساتھ ''پروفیسر'' کا لفظ لگایا گیا، ''ڈاکٹر'' کا لفظ لگایا گیا یا ''سر'' کا لفظ لگایا گیا یا کوئی انگریزی خطاب اور القاب لگائے گئے اس نے ایک ایک مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے۔ آپ اس کی تحقیق کر لیں اور ساری کتابیں اٹھا کر دیکھ لیں۔

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ﴾

اس کے اندر مفسرین کرام کے اقوال ہیں کہ وہ کونسا وعدہ تھا جو اللہ نے سچ کر دکھایا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں اپنے نبی اور رسول اور ان پر ایمان لانے والوں کی مدد کرتا ہوں اور انہیں کامیاب کرتا ہوں۔ قرآن کے اندر دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾﴾ [المومن:۵۱] تحقیق ہم مدد کرتے ہیں اپنے پیغمبروں کی اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے۔ اور فرمایا: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾﴾ [المجادلہ:۲۱] میں اپنے رسولوں کو غلبہ دیتا ہوں، کامیابی دیتا ہوں۔ اور اسی طرح فرمایا: ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾﴾ [آل عمران:۱۳۹] تم ہی سربلند رہو گے اگر تم ایمان پر جمے رہے۔

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں: ہم نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا کہ جنگ احد میں بھی جب جنگ شروع ہوئی تو کامیاب ہوئے اور جب جنگ ختم ہوئی تب بھی تم کامیاب ہوئے کہ جب ابو سفیان کی فوجیں پہنچ گئیں اور حضور اکرم ﷺ صحابہ کو لے کر میدان میں آئے تو کافروں کو ایسی شکست ہوئی کہ مسلمان ان کافروں کو اس طرح کاٹ رہے تھے جیسے کوئی فصل کاٹتا ہے۔ اس فتح کو دیکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارے اندر خواہش پیدا ہو گئی کہ ہم بھی مال

غنیمت جمع کر لیں اور تم نے میرے پاک نبی کے فرمان میں اجتہادی خطا کی کہ انہوں نے حکم دیا تھا کہ عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تم پچاس تیر انداز اس درے پر رہو اور اس درے کو کبھی نہیں چھوڑنا۔ اور ساتھ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمادیا کہ اگر ہم جیت جائیں تب بھی تم نے یہاں سے نہیں ہلنا اور اگر ہم جنگ ہار جائیں تب بھی نہیں ہلنا، بلکہ ایک روایت میں یوں بھی آیا کہ اگر جنگل کے درندے تمہاری بوٹیاں نوچ رہے ہوں تب بھی تم نے یہ درہ نہیں چھوڑنا۔ تو جب اللہ نے فتح دے دی، کافر مر گئے، بھاگنے لگے تو درہ پر مقرر صحابہ نے کہا: حضور ﷺ کے فرمان کا مقصد تاکید تھا کہ دشمن یہاں سے حملہ نہ کر دے۔ اب دشمن ذلیل ہو کر بھاگ رہا ہے، اس نے ہم پر کیا حملہ کرنا ہے؟ پچاس میں سے گیارہ صحابہ وہیں جمے رہے اور باقی صحابہ درہ چھوڑ کر مالِ غنیمت کو جمع کرنے میں لگ گئے۔

شبہ اور جوابِ شبہ:

روافض یہاں سے صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن کرتے ہیں کہ دنیا کی محبت میں آ گئے تھے۔

یاد رکھیں! مالِ غنیمت کو جمع کرنا اسلام کے خلاف تو نہیں ہے۔ جب جہاد ہوگا تو مالِ غنیمت بھی جمع ہوگا، لیکن اللہ کو یہ مباح مسئلہ پسند نہ آیا کہ اے میرے نبی کے صحابہ! تمہارا مقام بہت بلند ہے! تم کیوں دنیا کی تھوڑی خواہش دل میں لے آئے؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں نے یہ آیت پڑھی ﴿مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ﴾ تو خدا کی قسم! کبھی میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ ان میں سے کوئی ایسا بھی ہوگا جس کے دل میں دنیا کی ذرا سی تمنا بھی ہوگی۔

اوّل بھی فتح مسلمانوں کی تھی اور آخر بھی فتح مسلمانوں کی تھی:

اوّل میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی تھی اور آخر میں بھی اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی تھی۔ جب ستر صحابہ شہید ہو گئے کفار بڑے خوش ہو گئے کہ ہم نے جنگ جیت لی ہے اور واپس جانے لگے۔ جب بدر صغریٰ پر پہنچے تو ابوسفیان نے اپنی فوجوں کو روکا کہ رک جاؤ! جب سب رک گئے تو اس نے کہا: ہم کیا کر رہے ہیں؟ کیا ہم مکہ سے اس لیے چڑھائی کر کے آئے تھے کہ احد میں لڑ کر واپس چلے جائیں گے؟ حالانکہ ہم نے تو مدینہ پر قبضہ کرنا تھا اور مسلمانوں کی قوت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا تھا، لہٰذا یہاں رک کر اپنی تھکان اتار لو، ہم مدینہ پر قبضہ کر لیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ﴾ اے میرے مدنی! ہم نے



کافروں کے دلوں میں پھر تمہارا رعب ڈال دیا ہے کہ سب کفار نے اکٹھے ہو کر ابوسفیان سے کہا: جو ہو گیا ہے اس کو غنیمت سمجھو۔ اب واپس مدینہ نہ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ زخمی شیر کی طرح مسلمان الٹ پڑیں اور ہمارا ایک بندہ بھی نہ بچے، لہٰذا اب ہم دوبارہ مدینہ نہیں جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ان کو شکست دے دی اور وہ ناکام ہو کر مدینہ پر قبضہ کیے بغیر واپس لوٹ گئے۔ ابتدا میں بھی ہم نے تمہیں کامیاب کیا اور انتہاء میں بھی ہم نے تمہیں کامیاب کیا۔

بلکہ صحیح حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب حضور ﷺ واپس تشریف لے آئے، آپ نے زرہ مبارک اتاری اور زخم مبارک دھویا، جبرائیل علیہ السلام نے آ کر عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے اپنی زرہ اتار دی ہے، آپ نے جنگی لباس اتار دیا ہے، لیکن ہم نے تو ابھی تک نہیں اتارا ہے۔ آپ اپنے صحابہ کو حکم دیں! مشرکوں کا تعاقب کریں اور آپ جلدی تیار ہو جائیں۔ تو آپ اور آپ کے صحابہ نے تیار ہو کر بدر صغریٰ تک کفار کا تعاقب کیا اور ابوسفیان کو کہا: اگر دل کی بھڑاس نکالنی ہو تو ہم پھر حاضر ہیں، لیکن ابوسفیان اپنے لشکر کو لے بھاگ گیا اور اس نے کہا کہ اچھا اگلے سال دیکھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے اندر ارشاد فرمایا کہ تمہاری ابتدا کے اندر بھی فتح اور انتہاء کے اندر بھی فتح ہوئی اور درمیان میں شکست۔ یہ تمہاری اپنی کوتاہی ہے کہ تم نے اس حکم کی اس طرح تعمیل نہیں کی جو منشا رسول ﷺ تھا۔

مسلمانوں کی فتح کا معیار:

اس سے یہ بھی سمجھ لیں کہ مسلمان کبھی اسلحہ کے زور پر نہیں جیت سکتا، عدد، طاقت کے زور پر نہیں جیت سکتا۔ اگر وہ فرمانِ رسول پر جم جائے تو اسے کوئی دنیا شکست نہیں دے سکتی۔ اور جب فرمانِ رسول میں کوتاہی ہو گی تو وہ کبھی جیت نہیں سکتا؛ کیونکہ صحابہ کرام جیسی مقدس جماعت سے بھی اگر ذرا سی کوتاہی ہو جائے تو فتح شکست میں بدل گئی تو ہم کیسے جیت سکتے ہیں؟ جن کا قدم قدم گناہوں پر ہے اور مخالفت رسول بھی ہے۔ ہماری شکل وصورت، اعمال، اخلاق، ہماری تہذیب وتمدن اور ہمارے عقائد سب چیزوں کے اندر ہم اللہ کے باغی ہیں۔ اس کے باوجود ہم کہیں: اے اللہ! ہم تیرے باغی ہیں، لیکن مدد فرما۔ باغی کی مدد کون کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ تو ایمان والوں کی مدد کا وعدہ کر چکے ہیں۔ فرمایا: ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [الروم: ۴۷] (اور ہم نے یہ ذمہ داری لی تھی کہ ایمان

والوں کی مدد کریں۔) اور فرمایا: ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران:۱۳۹] (مسلمانو!) تم نہ تو کمزور پڑو اور نہ غمگین رہو۔ اگر تم واقعی مومن رہو تو تم ہی سربلند ہو گے) اور کہیں فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ [محمد:۷] (اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا)۔

اس کے باوجود شانِ صحابہ دیکھیں کہ اللہ نے ان کو اس طرح خطاب فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے میرے مدنی! ان کے ایمان کا میں گواہ ہوں۔ اگر ان سے تھوڑی سی غلطی ہوگئی ہے تو آپ محسوس نہ فرمائیں۔ ان چھوٹی اجتہادی غلطیوں سے صحابہ کی شان اور عظمت میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔

خطاء کا منشا دیکھا جاتا ہے:

اگر آپ اس طرح دیکھیں تو حضرت آدم علیہ السلام سے بھی خطا ہوئی تو کیا اس سے ان کی نبوت میں فرق آجائے گا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر اپنے پیغمبر بھائی کی داڑھی پکڑ رہے ہیں تو کیا اس سے ان کی نبوت میں کوئی فرق آجائے گا؟ خطا کا منشا دیکھنا پڑتا ہے کہ خطا کے پیچھے بدنیتی ہے یا خطا ہے۔ اگر خطا اجتہادی ہے تو اللہ پاک وہاں سزا نہیں دیتے، بلکہ اس میں معافی دیتے ہیں۔

اللہ کا صحابہ سے پیار دیکھو کہ فرمایا: ہم نے تو وعدہ سچا کیا، تم نے ذرا کمزوری دکھائی ہے۔ جب تم نے سنا کہ حضور اکرم ﷺ فوت ہو گئے ہیں، کیا اگر حضور اکرم ﷺ فوت ہو جائیں تو تم دین سے بھاگ جاؤ گے؟ دین تو باقی ہے، شریعت تو باقی ہے، اللہ تو زندہ ہے۔ اس سے اجتہادی غلطی میں نقصان بڑا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے مدنی! ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ﴾ میں نے ان کو معاف کر دیا ہے۔

عظمتِ صحابہ کا مقام تو دیکھو:

اس آیت کے اندر غور کریں کہ اگر غلطی ہو جائے تو پہلے غلطی والا معافی مانگتا ہے یا دوسرا پہلے معاف کرتا ہے؟ شریعت کے اندر یہ ہے کہ جس سے خطا ہو جائے توبہ کرے اور امید رکھے کہ اللہ معاف کر دیں گے۔ اب دیکھیں کہ صحابہ نے ابھی کوئی توبہ نہیں کی تھی اور اللہ نے فرما دیا کہ معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہم نے تو پہلے معاف کر دیا۔ وہ تو کھرے ہیں، اگر ان سے کوئی لچک پیدا ہوگئی تو یہ ایک فطری بات تھی۔ اور فرمایا: ﴿وَلَقَدْ عَفَا

عَنْكُمْ ؕ سب کو معاف کر دیا اور واؤ تسمیہ کے ساتھ فرمایا کہ مجھے اپنی ذات کی قسم ہے! میں نے تیرے صحابہ کو معاف کر دیا ہے۔ جب اللہ معاف کر دیں تو تم اعتراض کرنے والے کون ہو؟

ایک شکست و مصیبت ہوتی ہے گناہ کی وجہ سے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں فرما دیا: ہم نے صحابہ پر جو تکلیف دی ہے یہ گناہ نہیں، بلکہ امتحان ہے۔ اور اے میرے مدنی! آپ کی موت کے بعد ان کو جو منظر پیش آنا تھا ابھی پیش کر دیا، تا کہ ابھی سے یہ سنبھل جائیں؛ کیونکہ موت برحق ہے۔ اور اللہ کے ہر نبی پر موت آئی ہے۔

جنگ بدر کے قیدیوں کا معاملہ اور صحابہ کرام کا مرتبہ:

علماء نے احادیث کی روشنی میں لکھا ہے کہ جب جنگ بدر ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی، کافروں کے ستر بڑے بڑے لوگ گرفتار ہو گئے اور ستر مارے گئے اور اکثر شکست کھا کر مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ گئے۔ جب ستر قید ہوئے تو ان کے بارے میں مسئلہ پیدا ہو گیا کہ ان کے بارے میں کیا کیا جائے!؟ حضور ﷺ نے بڑے جلیل القدر صحابہ کو بلوا کر مشورہ کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ کے اور ہم لوگوں کے رشتہ دار بھی ہیں اور ان سے بہت ہو چکی ہے، ان کو بڑی ذلت آمیز شکست ہوئی ہے۔ میری رائے ہے کہ ان پر احسان فرما کر ان کو چھوڑ دیں، شاید اللہ تعالیٰ ان کے دل میں اسلام ڈال دیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور! میری ایک ہی رائے ہے۔ مہربانی فرما کر آپ تلوار لیں، آپ کے چچا زاد بھی موجود ہیں۔ میں اپنے چچاؤں کی گردن کاٹتا ہوں، آپ اپنے چچوں کی گردنیں کاٹیں اور کفر کا بیج ختم کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: عمر! تم واقعی سخت ہو۔ تورات میں بھی تمہاری صفت یہی بیان ہوئی ہے۔ قرآن حدید لوہے کا سنگ ہے، لیکن میں ابوبکر کی رائے پر عمل کرتا ہوں اور مطلق احسان بھی نہیں کرتا۔ یہ اپنا فدیہ ادا کریں اور رہائی لے لیں، تا کہ مسلمانوں کو مالی فائدہ بھی ہو جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب یہ فیصلہ ہوا تو صبح کے وقت حضور ایک درخت کے قریب بیٹھے تھے۔ میں جب حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضور رو رہے ہیں۔ میں نے سلام کر کے عرض کیا: کیا بات ہے...... اللہ آپ کو ہمیشہ مسکراتا رکھے...... آپ مجھے بتائیں، تا کہ میں بھی غم میں شریک ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: عمر! اللہ کی طرف سے بڑا سخت

عذاب نازل ہوا ہے۔تم یہ جو درخت دیکھ رہے ہو گویا عذاب بالکل اس کے قریب آ گیا تھا۔اگر عذاب آ جاتا تو صرف تو بچتا یا سعد بچتا اور اس سے کوئی نہ بچ سکتا۔[تفسیر ابن کثیر،جلد:۲،صفحہ:۱۸]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ﴾[الانفال:٦٧] کیا بات ہے ہم نے دشمن قید کر کے آپ کے ہاتھوں میں دے دیئے اور آپ محبت کر کے رہائی دے رہے ہیں۔اگر میں تقدیر میں فیصلہ نہ کر چکا ہوتا کہ میں نے آپ کی ہر بات معاف کر دی ہے تو آج ہم پکڑ لیتے۔

علماء ومحدثین نے لکھا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آج آپ نے ستر کو چھوڑ دیا ہے،لیکن پھر آپ کو اپنے ستر صحابہ کو شہید کرانا ہوگا تو جب یہ فیصلے بدر میں ہو چکے تھے تو صحابہ کا کوئی قصور نہیں ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ جو اللہ کے پیارے ہوتے ہیں ان سے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو ان پر فوراً اللہ کی طرف سے تنبیہ آ جاتی ہے،تا کہ وہ داغ دھل جائے۔اور جو اللہ کے پیارے نہیں ہوتے ان سے گناہ ہوتے رہتے ہیں،اللہ تعالیٰ ان کو نہیں پکڑتے۔ایک دفعہ پکڑیں گے اور ان کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔

(حدیث) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ احد کی لڑائی میں مسلمانوں کی نصرت ہوئی اور مشرک شکست کھا کر ہٹنے لگے تو ابلیس نے ان کو پکارا: اے بھاگنے والو! واپس آؤ،واپس آؤ۔اور ان کا اول آخر پھر گیا اور وہ جمع ہو گئے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ درمیان میں آ گئے اور مسلمان بھی لڑ رہے ہیں تو انہوں نے جلدی سے پکارا: عباد اللہ! خیال کرو،یہ میرا باپ ہے،لیکن وہ مل گئے تھے اور گتھم گتھا ہو گئے تھے۔وہ یہ کہتے رہے،لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ رک نہ سکے اور ان کو تلوار لگ گئی اور وہ بھی شہید ہو گئے۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تم کو معاف کرے۔(کیونکہ عمداً قتل نہیں کیا تھا) حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ کے دل میں کچھ نہ کچھ تو رہا،لیکن بہر حال خیر ہی خیر تھی،حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے خود بھی جا ملے اور فوت ہو گئے۔

[بخاری،رقم:۴۰٦۵]

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:اس دن میں نے دیکھا کہ ہندہ (جب وہ کافرہ تھیں) اپنی خادماؤں اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ پنڈلیاں چڑھائے ہوئے بھاگ رہی تھیں اور ان کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ کیا چھوڑ رہی ہیں؟ زیادہ چھوڑ رہی ہیں یا تھوڑا؟ یعنی ان کو بالکل شکست ہو گئی،لیکن خدا کی قدرت ہے کہ ہمارا جو تیر اندازوں کا گروہ تھا

وہ بھی لشکر کے ساتھ آ کر مل گیا اور انہوں نے درہ چھوڑ دیا اور مالِ غنیمت جمع کرنے میں لگ گیا تو ہماری پشت خالی ہوگئی۔ کافروں نے گھوڑوں کے دستوں کے ساتھ ہم پر حملہ کر دیا اور جو ہمیں پہنچنا تھا پہنچ گیا۔ ایک آواز لگانے والے نے آواز لگائی...... جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ سب سے پہلے تو شیطان نے آواز لگائی، اس کے بعد ابن قمیئہ مشرک نے آواز لگائی...... کہ میں نے محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم بھی اوندھے ہو گئے اور قوم بھی ہم پر اوندھی ہو کر الٹ پڑی، حتیٰ کہ ہمارا علم (جھنڈا) اٹھانے والے بھی شہید ہو گئے اور ہر کوئی علم کے قریب جانے سے بھی ڈر رہا تھا۔ محمد ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جب مشرکین کو بھی شکست ہوئی اور وہ بھاگنے لگے تو عروہ بن علقمہ نے جھنڈا پکڑ کر ان کو پکارا کہ غیرت پکڑو، جھنڈے پھینک کر کہاں بھاگ رہے ہو؟ اس کی غیرت دلانے سے مشرکین پکھر رکے۔ [سیرت ابن اسحاق (ظاہریہ: ق ۱۷۰]

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی شجاعت:

(حدیث) حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم جو ہتھیار پھینک چکے تھے ان کے پاس گئے اور ان کو کہا تم کیوں ہتھیار پھینک کر بیٹھے ہوئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ تو شہید ہو گئے ہیں اب ہم کیا لڑیں؟ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو تم لوگ حضور اکرم ﷺ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ کھڑے ہو جاؤ اور اسی دین پر مر جاؤ جس پر آپ نے وفات پائی ہے۔ پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ مشرکین کی طرف متوجہ ہوئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ [تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۳۶]

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شرکت نہیں کر سکے تھے، اس لیے انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ! تیری قدرت اور تیرے فیصلے ہیں کہ سب سے پہلا غزوہ تھا، میں اس میں شریک نہ ہو سکا، لیکن اب اگر اللہ نے مجھے جہاد کا موقع دیا تو میں جہاد کر کے دکھاؤں گا۔ حتیٰ کہ جب احد کا دن آیا اور مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی، مسلمان مایوس ہو گئے تو حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے یہ دعا کی کہ اے اللہ یہ مسلمان جو کچھ کر رہے ہیں میں اس کی معافی مانگتا ہوں میں نہیں بھاگتا یا اللہ مشرک جو کچھ کر رہے ہیں میں اس سے بری ہوں کہ وہ تیرے نبی ﷺ سے لڑنے کے لیے آئے ہیں۔ اور اس دعا کے بعد لڑنے کے لیے نکلے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ملے ان سے کہا: کہاں جا رہے ہو؟ مجھے تو احد کے دامن سے جنت کی خوشبوئیں آ رہی

ہیں۔ آؤ لوٹیں اور جا کر جہاد کریں۔ اس کے بعد جا کر وہ لڑے اور شہید ہو گئے۔ اس کے بعد جب ان کے بدن کو دیکھا گیا تو آپ کے بدن پر اسی (۸۰) سے زیادہ تلواروں، نیزوں اور تیروں کے زخم تھے اور بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا۔ ان کی بہنوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی انگلی کے پوروں سے آپ کو پہچانا۔ [بخاری، رقم: ۴۰۴۸]

ایک دشمن عثمان رضی اللہ عنہ کو جواب:

عثمان بن موہب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حج کرنے کے لیے آیا تو اس نے دیکھا کہ حرم میں بہت سارے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ یہ قریشیوں کے بڑے لوگ ہیں۔ اس نے پوچھا کہ ان کا اس وقت سب سے بڑا کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ اس نے آ کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: میں آپ کو اللہ کے گھر کی قسم دیتا ہوں! جو کچھ پوچھوں گا آپ مجھے بتائیں گے۔ آپ نے فرمایا: تم پوچھو، میں بتاؤں گا۔ (یہ پوچھنے والا رافضی تھا اور اس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بغض تھا) اس نے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) غزوہ احد سے بھاگ گئے تھے، کیا یہ بات درست ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: درست ہے۔ اس نے کہا: دوسری بات یہ ہے کہ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے اور اس سے بھی وہ بھاگ گئے تھے، کیا یہ بات بھی درست ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ بات بھی درست ہے۔ اس نے کہا: یہ بات بھی بتائیں کہ جب حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان ہو رہی تھی اس میں بھی حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) غائب تھے، انہوں نے بیعت رضوان نہیں کی تھی؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ انہوں نے واقعی بیعت نہیں کی تھی تو وہ آدمی خوش ہو گیا اور اللہ اکبر کہا۔ (کہ دیکھو میرے سارے الزامات سچے ہو گئے اور وہ بڑا خوش ہونے لگا۔) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے سوال پوچھا ہے، میں نے تمہارا جواب دیا ہے۔ اب تمہاری تو ذمہ داری ہے کہ بات کو سمجھو۔ اس نے کہا کہ سمجھائیں۔ آپ نے فرمایا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غزوہ احد میں فرار کے متعلق میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ معاف کر دیا ہے۔ جب اللہ نے معاف کر دیا ہے تو تم اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہو؟

اور آپ نے فرمایا: جب جنگ بدر ہو رہی تھی تو کیا تمہیں پتہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیوی کون تھیں؟

حضرت محمد ﷺ کی بیٹی تھیں، وہ بیمار تھیں تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: تم بدر میں نہ جاؤ، جنگ کے ثواب اور غنیمت کا میں ذمہ دار ہوں۔ تم میری بیٹی کی خدمت کے لیے گھر میں رہو۔ اب تم بتاؤ کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے حکم سے غائب ہوئے تھے یا بھاگ گئے تھے؟ اس نے کہا: یہ بات بھی ٹھیک ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اور سنو! جب صلح حدیبیہ میں بیعت ہو رہی تھی اگر سارے قافلے والوں میں مکہ والوں کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ عزت والا ہوتا تو حضور اکرم ﷺ اس کو مکہ بھیجتے۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو بیعت رضوان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکہ جانے کے بعد ہوئی تھی، تو نبی کریم ﷺ نے اپنے دئیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔[1]

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شخص کو تھپڑ مارا اور فرمایا: یہ تھپڑ لے کر نکل جاؤ۔ آج بھی لوگ اس وجہ سے اعتراض کرتے ہیں کہ ان کو حقیقت کا پتہ نہیں ہوتا۔

مشرکین کا حضور ﷺ پر حملہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا دفاع کرنا:

(واقعہ) جنگ احد میں حضور اکرم ﷺ نے بھی کوشش فرمائی کہ پہاڑ پر چڑھ کر کسی محفوظ جگہ قیام کیا جائے تو مشرکین حملہ کرنے کے لیے آگئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ان کو کون روکے گا؟ تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں روکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: نہیں تم بیٹھ جاؤ۔ ایک انصاری صحابی نے کہا: میں روکتا ہوں۔ آپ نے ان کو اجازت دی۔ اس نے مشرکین سے لڑائی کی اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ تھوڑا سا اور پہاڑ پر چڑھ گئے تو مشرکین کا وفد پھر حملہ کرنے کے لیے پہنچ گیا۔ حضور نے فرمایا: ان کو کون روکے گا؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ان کو روکوں گا۔ ایک اور انصاری نے اجازت مانگی تو حضور اکرم ﷺ نے اجازت دے دی اور اس صحابی نے قتال کیا، حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ آپ اتنی دیر میں کچھ اور اوپر چڑھ گئے، (یعنی دشمنوں سے دور ہو گئے)۔ پھر مشرکین نے حملہ کیا۔ اس طرح کرتے کرتے صحابہ فرماتے ہیں: گیارہ صحابہ شہید ہو گئے اور صرف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ باقی رہ گئے اور کافروں نے آ کر آپ کے ارد گرد گھیرا ڈال لیا۔ اب حضور اکرم ﷺ نے حضرت طلحہ کو فرمایا: اب تم لڑو۔ حضرت طلحہ اٹھے اور انہوں نے اتنے جذبے سے جہاد کیا کہ جتنا

[1] [بخاری، رقم: ۳۰۶۶]

گیارہ صحابہ نے لڑائی لڑی تھی اتنا اکیلے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے لڑائی لڑی۔ آپ کو زخم آئے اور آپ کی انگلیاں کٹ گئیں تو انہوں نے تکلیف سے آہ کی تو حضور نے ان سے فرمایا: اگر تم اس وقت بسم اللہ کہتے اور اللہ کا نام لیتے اور اللہ کا ذکر کرتے تو اللہ کے ملائکہ تمہیں آسمانوں پر اٹھا کر لے جاتے اور لوگ دیکھ رہے ہوتے، حتیٰ کہ آپ کو آسمان میں لے جاتے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ پر تشریف لے گئے اور باقی صحابہ بھی وہیں جمع ہو گئے۔

[دلائل النبوۃ للبیہقی: ۳/۲۳۶]

حضرت قیس بن ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ دیکھا کہ وہ شل ہو چکا تھا۔

بعض روایات کے اندر یہ واقعہ بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر کافروں سے لڑتے رہے، حتیٰ کہ ان کی ڈھال ٹوٹ گئی، آپ کی تلوار بھی ختم ہو گئی۔ اس کے بعد کافروں نے جو تیر برسائے تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تیروں سے بچانے کے لیے تیروں کو اپنے ہاتھ پر روکا اور اس وجہ سے ہاتھ پر اتنے زخم لگے کہ ہاتھ شل ہو گیا۔

فِدَاكَ أَبِيْ وَأُمِّيْ:

حضرت سعید ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیروں والی تھیلی میرے سامنے الٹ دی اور فرمایا: سعد! تیر چلاؤ میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہو جائیں۔

[بخاری، رقم: ۴۰۵۵]

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کا مقام اتنا بلند فرمایا کہ ساری دنیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو جائیں، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی سے فرمایا: میرے ماں بات تجھ پر فدا ہو جائیں۔ ''فِدَاكَ أَبِيْ وَأُمِّيْ'' یہ عربی محاورہ ہے کہ جب کسی کو بہت زیادہ عزت دینی ہو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر دشمن تجھے قید کر لیں تو میں اپنے ماں باپ کو تیرے فدیہ میں دے کر تجھے چھڑا لوں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو فرمائے تھے۔

اور اسی طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے جب وہ دشمنوں کے احوال لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے۔

جبرئیل اور میکائیل حضور ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے:

حضرت ابراہیم بن سعد اپنے ابا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے احد والے دن دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ کے دائیں اور بائیں دو جوان ہیں ان کا سفید لباس ہے جو حضور ﷺ کی حفاظت کر رہے ہیں وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام تھے لیکن وہ انسانی شکل میں تھے۔ [بخاری، رقم: ۴۰۵۴]

حضور ﷺ کے دشمن ابی بن خلف کا انجام بد:

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابی بن خلف نے مکہ میں قسم کھائی تھی کہ میں حضور پاک ﷺ کو ضرور شہید کروں گا۔ جب حضور ﷺ کو اس کا پتہ چلا کہ فلاں کافر نے آپ کے قتل کی قسم کھائی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا: بلکہ ان شاء اللہ میں اس کو قتل کروں گا۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے ابی بن خلف کو دیکھا کہ وہ اس حال میں آیا کہ سر سے لے کر پاؤں تک لوہے کے خول چڑھائے ہوئے تھا، زرہ پہنی ہوئی تھی اور اس نے آکر حضور ﷺ پر حملہ کیا تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آپ کا دفاع کرنے کے لیے آگے بڑھے، حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے۔ حضور پاک ﷺ نے دیکھا کہ ابی بن خلف کی گردن کا تھوڑا سا حصہ نظر آرہا ہے، آپ نے وہیں اس کو اپنے نیزے سے زخم لگایا۔ وہ گھوڑے سے گرا اور زمین پر آ گیا۔

صحابہ کہتے ہیں کہ عجیب بات ہے! جہاں حضور اکرم ﷺ نے نیزہ مارا تھا وہ اتنا گہرا بھی نہیں تھا، وہاں سے خون بھی نہیں نکلا تھا، یعنی معمولی سی خراش تھی، لیکن وہ ایسے چیخ رہا تھا جیسے بیل چیختا ہے۔ تو اس کے ساتھیوں نے اس کو اٹھایا اور کہا: تمہیں تو معمولی سی خراش ہے اور تم خواہ مخواہ واویلا کر رہے ہو۔ اس نے کہا: مجھے جو تکلیف ہو رہی ہے اتنا گہرا زخم اگر تمام حجاز والوں کو لگ جاتا تو وہ سب مر جاتے۔ تمہیں پتہ ہے نبی (علیہ السلام) نے کہا تھا میں ابی کو قتل کروں گا، میرے ہاتھوں مرے گا، اب میں نہیں بچتا۔ تو اللہ نے آپ کے اس فرمان کو سچا کر دکھایا کہ وہ آپ کے ہاتھوں سے مارا گیا اور جہنم میں گیا۔

واقدی نے روایت نقل کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رابغ وادی کے قریب آکر ابی ابن خلف مرا۔ رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد رابغ سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ آگ جل رہی ہے۔ میں ڈر گیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ



اسی آگ میں ایک آدمی کے پاؤں زنجیر میں ہیں، پیاس کی شدت سے مارا ہوا ہے اور کوئی آدمی دور سے آواز دے رہا تھا: اس کو پانی نہ دینا، یہ نبی علیہ السلام کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ یہ ابی ابن خلف ہے۔ [ابن کثیر: ۲/۱۴۱]

یاد رکھیں! جو آدمی نبی علیہ السلام کا دشمن ہو، نبی علیہ السلام کا قاتل ہو یا نبی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوا ہو اس کو سب سے زیادہ شدید عذاب ہوتا ہے کہ وہ اتنا بڑا بد بخت تھا۔ اللہ کے نبی تو سراپا رحمت ہوتے ہیں، لیکن رحمت للعالمین نے بھی اس بد بخت کو مارا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا جرم اتنا بڑھ گیا ہے۔

جنگ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زخمی ہونا:

صحیحین کے اندر حدیث موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلَى قَوْمٍ فَعَلُوْا بِنَبِيِّهِ، يُشِيْرُ إِلَى رَبَاعِيَتِهِ، اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلَى رَجُلٍ يَقْتُلُهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ)) [بخاری، رقم: ۴۰۷۳]

اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب ہوا ان لوگوں پر جنہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک شہید کیا اور اللہ تعالیٰ کا شدید غضب ہے اس پر جو اللہ کے نبی کے ہاتھوں قتل ہو جائے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں عتبہ بن ابی وقاص سے زیادہ کسی کے قتل کا حریص نہیں ہوا؛ کیونکہ یہ بد اخلاق اور اپنی قوم میں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے) بغض رکھنے والا تھا۔ لیکن اس کے بارے میں مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کافی ہو گیا کہ اللہ کا غضب اس شخص پر سخت ہے جس نے رسول اللہ کا چہرہ انور زخمی کیا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ عتبہ نے زخمی کیا تھا۔) [سیرت ابن اسحاق: ۱۷۲]

واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخساروں کو تیر ابن قمیہ نے مارا تھا۔ اور آپ کے ہونٹ زخمی کر کے دانت مبارک عتبہ بن ابی وقاص نے شہید کیا تھا۔

[المغازی للواقدی: ۱/۲۴۴]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے جب احد کا تذکرہ آتا تھا تو ہمیشہ کہتے تھے کہ احد کا پورا ثواب تو طلحہ رضی اللہ عنہ لے گئے۔ اس کے بعد وہ احد کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ جب کافروں کا زور بڑھا اور ہم پیچھے ہٹ گئے تو سب سے پہلے لوٹنے والوں میں میں تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا اور دیکھا کہ ایک

آدمی حضور پاک ﷺ کے دفاع میں لڑ رہا ہے تو میں نے دل میں دعا کی کہ اللہ کرے یہ طلحہ ہو؛ کیونکہ میں نہ سہی، چلو میری قوم کا کوئی بندہ ہو۔ اس کے بعد میں آیا اور میں حضور ﷺ کے زیادہ قریب تھا تو میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ میں نے دیکھا تو وہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ ہم حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو حضور ﷺ کا دانت مبارک شہید ہو چکا تھا اور آپ کے چہرہ مبارک پر زخم آ گیا تھا، خود کے حلقے ٹوٹ کر اندر گھس گئے تو آپ کو بہت تکلیف تھی۔ جب ہم قریب گئے تو آپ نے فرمایا: طلحہ کی خبر لو کہ اس کا کیا حال ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم حضور ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت طلحہ کی طرف نہ جا سکے۔ میں آگے بڑھا، تاکہ ان کڑیوں کو نکالوں تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے مجھے قسم دی کہ تجھے قسم ہے! آگے نہ بڑھنا، یہ مجھے کرنے دو۔ میں رک گیا تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے بجائے ہاتھ ڈالنے کے انہیں خیال ہوا کہ اس طرح حضور ﷺ کو تکلیف زیادہ ہوگی تو انہوں نے اپنے منہ سے ان کڑیوں کو اچھی طرح پکڑ کر کھینچا تو وہ کڑیاں نکل آئیں اور اس کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ بن جراح کی داڑھ بھی نکل آئی۔ اور دوسری مرتبہ بھی اسی طرح ہوا۔

اس کے بعد جب ہم نے وقتی طور پر آپ کا علاج معالجہ کیا تو اب ہمیں خیال آیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تھا: طلحہ کا خیال کرو۔ ہم طلحہ کی طرف دوڑے اور دیکھا کہ ایک گڑھے میں گرے ہوئے ہیں اور ستر یا کم و بیش ان کو زخم لگ چکے ہیں۔ ان میں نیزوں، تلواروں اور تیروں کے زخم تھے۔ ان کی انگلی بھی کٹی ہوئی تھی، ہم نے اس کو جوڑا اور بنایا۔ [مسند الطیالسی: ۳]

حضور ﷺ کے زخموں کی مرہم پٹی:

ابن وہب رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ عمر بن السائب حدیث بیان کرتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی کہ جب جنگ احد والے دن آپ ﷺ زخمی ہو گئے تو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک رضی اللہ عنہ نے آ کر حضور ﷺ کے اس زخم سے خون چوسنا شروع کر دیا، تاکہ خون صاف ہو جائے، حتیٰ کہ اتنا خون چوستے گئے کہ وہ جگہ سفید ہو گئی۔ صحابہ نے ان سے کہا: جو تم خون چوس رہے ہو اس کو باہر تھوک دو۔ انہوں نے کہا: یہ کبھی نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ یہ اللہ کے نبی کا خون ہے، میں اس کو نہیں تھوکتا۔ اور اس کے بعد انہوں نے اٹھ کر قتال کرنا شروع کیا تو حضور پاک ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنی آنکھوں سے جنتی شخص کو دنیا میں چلتے ہوئے دیکھنا ہو تو ان کو دیکھو۔ پھر وہ

شہید ہو گئے۔ (یاد رکھیں! یہ بشارات خاص ہیں)۔ [دلائل النبوۃ للبیہقی: ۳/۲۶۶]

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب آپ زخمی ہو گئے تو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا آپ کے زخم کو پانی سے دھو رہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پانی ڈال رہے تھے۔ پانی ڈھال میں تھا۔ اور یہ بھی آتا ہے: جب سیدہ نے دیکھا کہ پانی سے خون اور زیادہ ہو رہا ہے تو انہوں نے چٹائی کا ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم پر لگائی تو خون بند ہو گیا۔ [بخاری، رقم: ۲۹۱۱]

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان دونوں روایات کو جمع کیا کہ زخم کے حالات ہوتے ہیں۔ ایک وقت وہ تھا جب بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا موجود نہیں تھیں تو اس وقت صحابی نے یہ کیا۔ اور جب پھر زخم سے خون جاری ہو گیا تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی پہنچ گئیں۔

بعض لوگ ان روایات سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ عورتیں میدان جنگ میں جا سکتی ہیں اور مرہم پٹی کر سکتی ہیں، نرسنگ کا کام کر سکتی ہیں۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسی پاک بی بی بھی احد کے میدان میں تشریف لے گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کو دھویا۔

یاد رکھیں! محدثین کرام یہ جواب دیتے ہیں کہ اسلام عورت پر پابندی نہیں لگاتا، اسلام نے عورت کو قیدی نہیں بنایا، اسلام نے تو عورت کو عزت دی ہے کہ مردوں کے حقوق ہیں تو عورتوں کے بھی حقوق ہیں۔ اسلام نے مردوں کو حکم دیا کہ اس کے چہرے پر نظر نہ ڈالیں۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تو اپنے والد گرامی کی ہی پٹی کی تھی، جس پر کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔

اور یاد رکھیں! حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جب علاج معالجہ کی سہولت نہیں تھی اور دشمن تین ہزار تھے اور صحابہ صرف سات سو تھے۔ پھر جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو جائیں تو کیا بی بی گھر میں بیٹھ سکتی تھیں؟ اس لیے آدمی کو سارا پس منظر سامنے رکھ کر سوچنا چاہیے۔ اور یہ بھی دیکھو کہ یہ اکیلی نہیں گئیں، بلکہ خاوند حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ساتھ کھڑے ہیں۔ آج بھی جب عورت خاوند کے ساتھ حج و عمرہ کرنے کے لیے آئے تو آ سکتی ہے۔ اسلام تو عورت کو اوپن ایئر تھیٹرز بننے سے منع کرتا ہے کہ وہ عریاں ہو کر پھرتی رہے اور لوگوں کی نظریں اس پر اور اس کی نظریں لوگوں پر پڑیں اور یہ زنا اور فتنے کا سبب بنے۔ اس سے اسلام منع کرتا ہے۔



﴿ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٥٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾﴾ [آل عمران: ۱۵۴، ۱۵۵]

"پھر اس غم کے بعد اللہ نے تم پر طمانیت نازل کی، ایک اونگھ جو تم میں سے کچھ لوگوں پر چھا رہی تھی۔ اور ایک گروہ وہ تھا جسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی، وہ لوگ اللہ کے بارے میں ناحق ایسے گمان کر رہے تھے جو جہالت کے خیالات تھے، وہ کہہ رہے تھے: کیا ہمیں بھی کوئی اختیار حاصل ہے؟ کہہ دو: اختیار تو تمام تر اللہ کا ہے۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپاتے ہیں جو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اگر ہمیں بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔ کہہ دو: اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی جن کا قتل ہونا مقدر میں لکھا جا چکا تھا وہ خود باہر نکل کر اپنی اپنی قتل گاہوں تک پہنچ جاتے۔ اور یہ سب اس لیے ہوا، تاکہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اللہ اسے آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کا میل کچیل دور کر دے۔ اللہ دلوں کے بھید کو خوب جانتا ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ پھیری جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے، درحقیقت ان کے بعض اعمال کے نتیجے میں شیطان نے ان کو لغزش میں مبتلا کر دیا تھا۔ اور یقین رکھو کہ اللہ نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا بردبار ہے۔"

جنگ میں فتح کے اسباب:

پورے عالم میں اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام رکھا ہے کہ مسلمانوں کو فتح بھی ہو سکتی ہے اور شکست بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس جنگ سے یہ سبق بھی ملا کہ گو اسبابِ ظاہرہ کا استعمال کرنا بھی ضروری ہے، لیکن مسلمانوں کو فتح اللہ کے حکم اور فرمانبرداری میں مل سکتی ہے، اس کے بغیر مسلمانوں کو فتح نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم صحیح

معنی میں مسلمان بن جاؤ اور صحیح معنی میں میری فرمانبرداری اور میرے پاک مدنی کی فرمانبرداری پر قائم دائم ہو جاؤ تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں شکست نہیں دے سکتی۔

اور تیسرا سبق یہ ملا کہ جس وقت آدمی اطاعت میں ہو اس وقت اللہ کی مدد آتی ہے، چاہے وہ نبی کی اطاعت میں ہو یا امیر کی اطاعت میں ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں، جن کا مجھے اللہ نے حکم دیا ہے:

- ......سب سے پہلی چیز جماعت ہے کہ مسلمان کو ایک جماعت کی شکل میں رہنا چاہیے۔
- ......دوسری بات یہ ہے کہ اپنے امیر کا حکم سنے۔
- ......تیسری بات یہ ہے کہ اطاعت کرے، یہ نہیں کہ سنے اور کان سے نکال دے، بلکہ سنے اور فرمانبرداری کرے۔
- ......چوتھی بات ہجرت کرنا۔
- ......اور پانچویں بات اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔

یہ پانچ چیزیں ہیں، ان کے بغیر تمہارا دین کبھی مکمل نہیں ہو سکتا۔

آج ایمان سے دیکھ لیں کہ ان پانچ چیزوں پر کوئی توجہ ہی نہیں ہے، حتیٰ کہ دوسری حدیث پاک میں حضور اکرم ﷺ نے اتنا بھی ارشاد فرما دیا کہ ((فَإِنَّ يَدَ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ)) [سنن نسائی، رقم: ۴۰۲۰] اللہ کا ہاتھ تو جماعت پر ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو ایک ایسے اتحاد میں پرو دیا جائے کہ تمام کلمہ پڑھنے والے ایک جماعت بن کر رہیں۔ اور فرمایا: ((فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ)) [مستدرک حاکم، رقم: ۳۹۱] جو شخص جماعت سے علیحدہ ہو گیا اس کا انجام جہنم ہے۔

دنیا کے اندر ہمیں پانچ مرتبہ ایک امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا کہ اگر تم مسلمان ہو تو تم پر یہ فرض ہے، جیسا کہ اگر تم سفر کرو تو تم میں جو عالم ہو پڑھا لکھا ہو، شریف ہو اور زیادہ سمجھدار ہو، اس کو اپنا امیر بناؤ، یعنی اگر سفر کر رہے ہو تو بغیر امیر کے نہ چلو؛ کیونکہ جماعت بغیر امیر کے قائم نہیں ہو سکتی، حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تم دو آدمی ہو تو پھر بھی جمات کرو کہ ایک امام بن جائے اور دوسرا اس کا مقتدی بن جائے۔

امیر کی اطاعت کا اتنا بڑا حکم ہے۔ اللہ کی رحمت سے تبلیغی بھائی اس حدیث مبارکہ پر عمل کرتے ہیں اور شکر ہے کہ دنیا کے اندر کوئی تو ایسی جماعت موجود ہے جو اس حدیث رسول پر عمل کر رہی ہے۔

امیر بنانے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا تو وہ سب کے امیر بھی ہیں، سب کے امام بھی ہیں، سب کے لیے نبی اور رسول بھی ہیں، ان کی زندگی میں کوئی آگے نہیں آ سکتا۔ اور دوسرا طریقہ

یہ ہے کہ جیسے حضور ﷺ کے بعد مومنوں نے اکٹھے ہو کر حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو چن لیا۔

منافقین کی بدگمانی اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر اللہ تعالیٰ کا انعام:

جب مسلمانوں کو جنگ احد کے اندر مصائب اٹھانا پڑے تو فرمایا: ﴿ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُعَاسًا يَغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ﴾ اس غم اور مصیبت کے بعد اے میرے مدنی! میں نے تیرے صحابہ پر ایک سکینت، ایک اطمینان نازل کیا۔ اس کی شکل یہ تھی کہ ان کے اندر اونگھ مسلط کر دی۔

غور کریں کہ اللہ فرما رہے ہیں کہ ان کی غلطی کے بعد ہم ان پر اپنی رحمت نازل کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مخلصین پر نیند مسلط کر دی اور جو منافقین ساتھ رہ گئے تھے، وہ اپنے دلوں میں وہی جاہلیت کے پرانے گمان کر رہے تھے، غلط غلط گمان اللہ پر لگا رہے تھے اور کہہ رہے تھے: کیا ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے؟ پتہ نہیں اب ہم واپس بھی جائیں گے یا نہیں جائیں گے؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ إِلٰى أَهْلِيْهِمْ أَبَدًا﴾ [الفتح:۱۲] جب میرے مدنی پاک چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ تشریف لے جا رہے تھے تو منافق کہنے لگے: یہ کبھی واپس نہیں آئیں گے؛ کیونکہ ان کو احد میں شکست ہوگئی اور اب یہ خود مکہ میں جا رہے ہیں تو ایک بچہ بھی واپس نہیں آئے گا، مکہ والے ان کو نہیں چھوڑیں گے، وہ سب کو قتل کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اس وقت بھی برے برے گمان کر رہے تھے اور آج بھی منافق برے گمان کر رہے ہیں، لیکن جو مخلص صحابہ تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی۔

یاد رکھیں! نیند کبھی پریشانی میں نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ پر ایسی نیند طاری فرما دی کہ صحابہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاتھوں سے تلواریں گر گئیں۔ اس نیند آنے کی وجہ سے جو تکان، تھکاوٹ اور بدن چور چور ہو چکے تھے، نیند کے جھٹکے کی وجہ سے یہ بدن ترو تازہ ہو گئے۔ دوسرا صحابہ پر حضور ﷺ کے زخموں کا غم تھا، صحابہ کی شہادت کا غم تھا۔ جب نیند آئی تو اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ غم بھی بھلا دیا۔ اور دوسرا اس کے اندر صحابہ کے لیے حکمت جاری کر دی کہ جیسے نیند سے بیدار ہو کر آدمی اپنے کام کے لیے تیار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا مدنی! ہم نے آپ کے صحابہ کو تھوڑا سا سلا دیا تھا، تا کہ بیدار ہو کر دشمنوں سے لڑنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے مدنی! ان منافقوں سے کہہ دیں: ﴿قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ﴾ کہ تم کہتے ہو:

ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے...... اور یہ حقیقت ہے کہ ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں...... یہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بظاہر تو یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے، سب کچھ تقدیر کے ہاتھ میں ہے، ان کی بات تو واقعی سچی ہے، لیکن ان کا یہ مقصد نہیں ہے، بلکہ ان کے دلوں میں جو کچھ ہے وہ آپ پر ظاہر نہیں کر رہے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر ہماری رائے مانی جاتی تو ہم مدینہ سے نہ نکلتے اور مدینہ کے اندر دشمنوں سے لڑتے تو ہم اس جگہ قتل نہ ہوتے۔

اے میرے مدنی! آپ ان کو فرمادیں: ﴿قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ کہ تم کہتے ہو: اگر ہم اپنے گھروں میں ہوتے تو ہم نہ مرتے، آپ ان سے فرمادیں: اللہ پاک ان پر ایسے حالات پیدا کرتے کہ جن کو یہاں مرنا تھا وہ ضرور نکلتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے درباری کی موت اور موت کا فرشتہ:

ایک روایت میں آتا ہے کہ ملک الموت فرماتے ہیں: میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں تھا۔ وہاں ایک آدمی بیٹھا تھا۔ اس کی موت وہاں سے ہزاروں میل دور لکھی تھی اور اس کا وقت بھی تھوڑا رہ گیا تھا۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ اس نے فلاں جگہ مرنا ہے۔ میں ابھی یہ سوچ رہا تھا کہ وہ بندہ کھڑا ہو گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا: میری ایک درخواست ہے کہ میں نے اپنے گھر میں آج ایک بڑے اہم اور ضروری کام کے لیے جانا ہے۔ اگر میں آج نہ پہنچا تو بڑا نقصان ہو جائے گا۔ مہربانی فرما کر اپنی خاص سواری کسی جن کو حکم دیں مجھے اڑا کر لے جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک سرکش جن کو حکم دیا کہ اس کو ابھی اڑا کر پہنچا دو۔ حضرت ملک الموت فرماتے ہیں: وہ جن اس کو کندھے پر اٹھا کر لے جا رہا تھا اور میں مسکرا رہا تھا کہ کیسے اپنی موت کی طرف اڑ کر جا رہا ہے!!!

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ ﴾ [النساء:۷۸] تم جہاں بھی چھپ جاؤ، چاہے تم بڑے قلعے بھی بنوالو اور ان کے دروازے بھی بند کرلو، پھر بھی موت اپنے وقت پر پہنچے گی، اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ جب ملائکہ کو انسان زندگی کی حالت میں نہیں دیکھ سکتا، مثلاً: کراماً کاتبین ہر بندے کے ساتھ ہیں تو موت کے فرشتہ کو بھی کوئی نہیں روک سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ

صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ یہ جنگیں، یہ امتحان اور یہ تکالیف اس لیے آتی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے تمہارا امتحان کر کے ظاہر کرتے ہیں، جو تمہارے دلوں میں ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ اور اس سے یہ نہ سمجھنا کہ جو دل کے اندر چھپا ہوا ہے اس کو نہیں جانتے، بلکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور اس امتحان کے ذریعے لوگوں پر ظاہر کر دیا کہ کون مخلص ہے اور کون منافق ہے؟

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ احد کے دن بعض مخلصوں کے پاؤں بھی ہٹ گئے تھے کہ اب حضور پاک ﷺ شہید ہو گئے تو لڑنے کا کیا فائدہ ہے!؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ان سے غلطی اس لیے ہوئی کہ شیطان نے ان کو پھسلایا، بہکایا بوجہ ان کی غلطی کرنے کے۔ اگر وہ غلطی نہ کرتے تو شیطان کو موقع نہ ملتا، لیکن جب بندہ غلطی کرتا ہے تو اس پر شیطان بھی سوار ہو جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا: اگر آدمی غلطی نہ کرے اور عبادت و ذکر میں مصروف رہے تو شیطان اس کے قریب نہیں آتا، لیکن جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ شیطان کو اپنے قریب آنے کا خود موقع دیتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ میرے نبی مجھے اپنی عزت کی قسم ہے! میں نے تیرے صحابہ کی غلطی بھی معاف کر دی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو خدا نے معاف کر دیا تو دوسرے بھی معاف کر دیں:

یاد رکھیں! پورے قرآن میں یہ قاعدہ ہے کہ جو حکم زیادہ اہم ہو اللہ تعالیٰ اس کو دو دفعہ ذکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو معاف کرنے کا اعلان دو دفعہ فرمایا کہ ہم نے ان کو معاف کر دیا ہے۔ تو جب ہم نے معاف کر دیا ہے تو اے میرے مدنی! آپ بھی ان پر کوئی اعتراض نہ کریں، کوئی گلہ، کوئی شکوہ نہ کریں۔ تو جب اللہ اپنے نبی کو بھی اجازت نہیں دے رہے کہ صحابہ کی غلطی کے بعد کوئی ان پر ناراضگی کا اظہار کریں تو آج کسی بندے کو کیا حق ہے کہ وہ صحابہ کے خلاف دل میں بغض رکھے!!؟

یہ اونگھ اللہ کی طرف سے رحمت تھی:

امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں بھی ان لوگوں میں ہوں جن کو احد کے دن نیند نے پکڑا تھا، حتیٰ کہ وہ ایسی سخت اونگھ تھی کہ میرے ہاتھ سے تلوار کئی دفعہ چھوٹ کر گر پڑی۔ میں



اس کو اٹھاتا، پھر اونگھ آتی اور وہ پھر گر جاتی۔ یہ اونگھ اللہ کی طرف سے ایک رحمت تھی۔ [بخاری، رقم:۴۰۶۸]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات:

﴿وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ﴾

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ولید بن عقبہ سے ملے۔ ولید نے کہا: پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مخالف ہو۔ اس نے کہا: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ احد والے دن بھاگ گئے تھے، دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بدر میں بھی حاضر نہیں ہوئے اور تیسری بات یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا جو رہنے، کھانے پینے کا طریقہ تھا وہ بدل دیا اور ان کے طریقے پر بھی نہیں چلے، اس لیے مجھے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ناراضگی ہے۔ ولید نے حضرت عثمان غنی کو آکر خبر دی کہ آپ پر یہ اعتراضات ہیں۔ (بعض جگہ یہ بھی الزام ہے کہ بیعت رضوان میں بھی آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت نہیں کی ہے۔ یہ الزامات اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سے ان کے جوابات آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جب یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: میرا بھی ان کو سلام کہنا اور ان کو کہنا: جو تم کہتے ہو کہ میں احد میں بھاگ گیا تھا تو احد میں بھاگنے والوں میں میں اکیلا تو نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے اور تم نے ابھی تک مجھے معاف نہیں کیا۔ ﴿وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ﴾

دوسری بات کہ میں بدر میں حاضر نہیں ہوا؛ کیونکہ میری بیوی حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ عثمان! تم بدر نہ جاؤ، تم اپنی بیوی کا علاج کرو۔ بدر کا جو غنیمت کا حصہ ہوگا وہ بھی تمہیں دوں گا، گویا تم بدر میں شریک ہو۔ تو میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کی وجہ سے رک گیا۔ وہ فوت ہو گئیں اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ مجھے غزوۂ بدر کا حصہ دیا۔ وہاں تو میری حاضری ہو گئی۔ تیسری بات بیعت رضوان میں نے نہیں کی، حالانکہ وہ بیعت رضوان ہوئی ہی میرے لیے تھی اور اس کے باوجود بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تھا: یہ میرا ہاتھ ہے اور یہ میرے عثمان کا ہاتھ ہے۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر نہیں چل رہا، یاد رکھو! عمر رضی اللہ عنہ کے راستے پر چلنے میں نہ میری طاقت ہے اور نہ تمہاری طاقت ہے۔ وہ ان کا کام تھا کر گئے، اب حالات بدل چکے ہیں۔ اس طرح تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی روتے تھے کہ ابوبکر جو تم کر گئے ہو وہ ہم نہیں

کر سکتے۔ ان کو جا کر یہ بات بیان کر دو۔[مسند احمد:۱/۶۸]

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝﴾ [آل عمران:۱۵۶تا۱۵۸]

''اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے۔ اور جب ان کے بھائی کسی سرزمین میں سفر کرتے ہیں یا جنگ میں شامل ہوتے ہیں تو یہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ (ان کی اس بات کا) نتیجہ تو (صرف) یہ ہے کہ اللہ ایسی باتوں کو ان کے دلوں میں حسرت کا سبب بنا دیتا ہے، (ورنہ) زندگی اور موت تو اللہ دیتا ہے۔ اور جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تم اللہ کے راستے میں قتل ہو جاؤ یا مر جاؤ، تب بھی اللہ کی طرف سے ملنے والی مغفرت اور رحمت ان چیزوں سے کہیں بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔ اور اگر تم مر جاؤ یا قتل ہو جاؤ تو اللہ ہی کے پاس تو لے جا کر اکٹھے کیے جاؤ گے۔''

خلاصۃ التفسیر:

ان آیات کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک حکم دیا ہے۔ حضور پاک ﷺ جب جنگ احد کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو منافقوں کی ایک جماعت تو راستے سے واپس مڑ گئی۔ انہوں نے یہ کہا کہ اگر یہ ہمارے پاس ہوتے اور سفر پر نہ جاتے، جہاد پر نہ جاتے تو نہ ان پر موت آتی اور نہ قتل ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کا کہنا ہم ان کے لیے غم بنا رہے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو ان کے دلوں کا روگ بنا دے۔ حالانکہ جلانے والے بھی اللہ ہیں اور مارنے والے بھی اللہ ہیں اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو سب کچھ اللہ دیکھنے والے ہیں۔ اگر تم اللہ کے راستے میں شہید ہو جاؤ یا اللہ کے راستے میں فوت ہو جاؤ تو اللہ کی بخشش اور اللہ کی رحمت زیادہ بہتر ہے اس چیز سے جو تم جمع کر رہے

ہو۔ اگر تم مرجاؤ یا قتل ہو جاؤ اللہ کی طرف تم نے جانا ہے۔

کافروں کی مشابہت اختیار نہ کرو:

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ﴿لَا تَكُونُوا الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ بلکہ فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ تم کافروں کی تشابہ اختیار نہ کرو۔ کاف تشبیہ کے لیے ہے تو وہاں مشبہ بہ میں وجہِ تشبیہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ فرمایا: کافروں کی تشابہ اختیار نہ کرو، یعنی تمہارا عمل، تمہارا عقیدہ، تمہارا قول، تمہارا فعل، تمہارا اٹھنا، تمہارا بیٹھنا اور تمہارا لباس ہر چیز کے اندر کبھی کافروں کی شباہت اختیار نہ کرنا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) [سنن ابی داود، رقم: ۴۰۳۱]

جو آدمی جس قوم کی شکل اختیار کرتا ہے قیامت والے دن اس کو ان کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا۔ اگر کسی نے یہودیوں کا یا نصرانیوں کا یا مشرکوں یا ہندوؤں کا تشبہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: چونکہ یہ ان کو محبوب رکھتا تھا، اس لیے اس نے ان جیسا لباس پہنا، ان جیسی شکل بنائی اور ان جیسی عادات اپنائیں تو گویا وہ اس قوم سے ہو جاتا ہے۔

مثال کے طور پر اگر آج آپ کے ملک میں کوئی فوجی دشمن ملک کی وردی پہن کر کھڑا ہو جائے اور اس کو آپ کے ملک کا کوئی آدمی گولی مار دے تو اس مارنے والے پر کوئی سزا نہیں ہوگی؛ کیونکہ اس نے دشمن کی وردی پہن کر اپنی شکل دشمنوں جیسی بنالی اور وہ دشمنوں سے مل گیا۔ یا مثلاً: آپ کے ملک میں کوئی بڑا اچھا اور پڑھا لکھا افسر ہو، لیکن وہ اپنے دفتر میں دشمن ملک کا جھنڈا لگا دے تو کیا تم اس کو معاف کر دو گے؟ اور جب اس کو پکڑ کر پوچھا جائے کہ یہ تم نے کیا کیا ہے؟ وہ کہے: میں نے تو بڑی نیک نیتی سے کام کیا ہے، میرا کوئی مقصد نہیں تھا، میں تو اپنے ملک کا بڑا خیر خواہ ہوں۔ اگر میں نے ایک کپڑے کا ٹکڑا لگا دیا ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ تو کیا دنیا کا کوئی آدمی اس کو معاف کر سکتا ہے؟

اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو میرے نام کا کلمہ پڑھ کر اور محمد مدنی ﷺ کا غلام بن کر کافروں کے لباس پہنے تو کیا میں اس کو اپنا سمجھوں گا؟ تم زبانوں پر نام تو محمد رسول اللہ ﷺ کا لو، لیکن تمہاری عادات، تمہارے اطوار، تمہارا اٹھنا بیٹھنا، تمہارے گھروں کی تہذیب، تمہاری تجارت، تمہاری بینکنگ، تمہاری اقتصادیات، تمہاری پارلیمنٹ، تمہارے قوانین اور تمہارے دستور سب کافروں والے ہوں تو میں تمہیں اپنا کیسے سمجھ سکتا ہوں؟ آپ

سچے دل سے سوچیں کہ آدمی اپنے محبوب کی شکل بناتا ہے یا دشمن کی شکل بناتا ہے؟ کیا آج ہماری شکلیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہیں؟

﴿وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ﴾

''اخوان'' سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء فرماتے ہیں: منافقین کی آپس میں رشتہ داری بھی تھی۔ اور بعض علماء نے فرمایا: یہ اخوت عقیدے کے اعتبار سے تھی، وہ بھی منافق تھے اور یہ بھی منافق تھے۔ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے۔

یاد رکھیں! یہ بھی کفر کا کلمہ ہے کہ کہا جائے: لگتا ہے کہ سفر پر نہ جاتے تو تمہارا ایکسیڈنٹ نہ ہوتا، تمہیں یہ موت نہ آتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ کافروں کی بات ہے۔ سفر پر نہ جاؤ، وہاں نہ جاؤ۔ جو موت اللہ نے لکھی ہے وہ کوئی ٹال نہیں سکتا، موت کی گھڑی معین ہے وہ بدل بھی نہیں سکتی۔ کتنے لوگ ہیں جو سفر میں جا کر، جنگوں میں جا کر صحیح سالم واپس آجاتے ہیں!! اور کتنے لوگ ہیں جو گھروں میں رہتے ہوئے مرجاتے ہیں!! کتنے لوگ ہیں کرسیوں پر بیٹھے بیٹھے ہارٹ اٹیک ہوتا ہے!! ان کو کلمہ تک بھی نصیب نہیں ہوتا اور وہ مرجاتے ہیں اور کتنے لوگ ہیں جو ساری دنیا کی مشقتیں برداشت کر کے صحیح سالم واپس آجاتے ہیں!!

﴿وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾

جب زندہ کرنا اور مارنا اللہ کے ہاتھ میں ہے تو اس کا علم بھی اتنا بڑا ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جاننے والا اور اس کو دیکھنے والا ہے۔

ہمارے بعض بھائی کہتے ہیں: ......نعوذ باللہ...... اللہ حاضر ناظر نہیں ہے، پورے قرآن میں کہیں اللہ کے لیے حاضر ناظر کا لفظ بھی نہیں ہے۔ یاد رکھنا! حاضر کا معنیٰ موجود، ناظر کا معنیٰ ہوتا ہے دیکھنے والا اور بصیر کا معنیٰ دیکھنے والا ہے۔ ضروری نہیں ہوتا کہ ناظر کا لفظ ہو۔ لہٰذا یاد رکھیں! حاضر ناظر کی صفت صرف اللہ کے لیے ہے، اللہ کے قرآن کو بدل کر بلاوجہ اپنے عقائد کو نہ بگاڑا کریں۔

شہید کا مرتبہ:

جب ہم نے مرنا ہے تو سب سے اعلیٰ موت اللہ کے راستے میں شہید ہونا ہے۔ شہید کا اتنا بڑا مقام ہے کہ اس کے



خون کا قطرہ ابھی زمین پر نہیں گرتا اس سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ اور شہید کا اتنا بڑا مرتبہ ہے کہ اس کے بارے میں حکم ہے کہ اس کو غسل دینے کی بھی ضرورت نہیں، تاکہ قیامت والے دن وہ اپنی انہی علامات اور نشانیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑا ہو۔ شہید کا یہ مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوگو! خبردار! میرے راستے میں جان دینے والوں کو مردہ نہ کہا کرو۔ مردہ تو وہ ہوتے ہیں جو کفر پر مر جائیں، مردہ تو وہ ہوتے ہیں جو ایمان سے نکل جائیں، مردہ تو وہ ہوتے ہیں جو فرمانبرداری سے نکل جائیں۔ جو میرے راستے میں شہید ہوئے ہیں ان کو تو ہم نے حقیقی زندگی عطا کر دی ہے۔

فی سبیل اللہ سے مراد دین کے راستے میں، جہاد کے راستے میں، دین کی حفاظت کے راستے میں، اپنی بیوی بچوں کی عزت کی حفاظت کے راستے میں اور ہجرت کے راستے میں۔ یہ سب فی سبیل اللہ شہادت ہے۔

اگر تم اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے تو تمہیں بخشش اور اللہ کی طرف سے رحمت ملے گی۔ تم دنیا میں زندہ رہ کر مال اکٹھا کرو گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم جو تمہیں بدلہ دیں گے وہ تمہاری اس دولت سے کروڑوں درجہ بہتر ہے۔ یہ دولت فانی ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ والدین ساری زندگی محنت کرتے ہیں، مال جمع کرتے ہیں، ان کو کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اور کتنے لوگ ہیں جو محل بناتے ہیں، لیکن ان کو بیٹھنا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ کتنے لوگ ہیں جو دولت جمع کرتے ہیں اور ان کو خرچ کرنا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دنیا فانی ہے اور ہم جو تمہیں آخرت میں نعمتیں دیں گے وہ باقی ہی باقی ہیں۔

دنیا میں کوئی خیر بھی ہو تب بھی شر ہے؛ کیونکہ قاعدہ ہے کہ خالص خیر اگر ہے تو آخرت میں ہے اور خالص شر اگر ہے تو جہنم میں ہے۔ دنیا میں اگر خیر ہے تو ساتھ شر بھی لگا ہوا ہے۔

اس آیت کے اندر ﴿وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ﴾ ہے۔ شہادت مقدم ہے اور موت موخر ہے۔ اور اس سے اگلی آیت کے اندر ﴿وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ﴾ ہے۔ موت مقدم ہے اور شہادت موخر ہے۔ کیونکہ وہاں مقام ہی مرتبہ شہادت کا تھا اور یہاں گھر بیٹھنے والا عام طور پر مرے گا، قتل تو نہ ہوگا۔ بہر حال دونوں صورتوں کے اندر مر کر اللہ کے پاس جانا ہے تو پھر اسی کے حکم پر مریں، اسی کے حکم پر جان دیں۔ جب ہم اللہ کے حکم پر مریں گے سرخروئی سے جائیں گے اور اگر نافرمان ہو کر جائیں گے تو اللہ کے سامنے کیسے جائیں گے؟



﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۗ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ [آل عمران:۱۵۹ تا ۱۶۴]

''ان واقعات کے بعد اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر (اے پیغمبر!) تم نے ان لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیا۔ اگر تم سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ تمہارے آس پاس سے ہٹ کر تتر بتر ہو جاتے۔ لہٰذا ان کو معاف کر دو، ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ لیتے رہو۔ پھر جب تم رائے پختہ کر کے کسی بات کا عزم کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ یقیناً توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور اگر وہ تمہیں تنہا چھوڑ دے تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے؟ اور مومنوں کو چاہئے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔ اور کسی نبی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ مالِ غنیمت میں خیانت کرے۔ اور جو کوئی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن وہ چیز لے کر آئے گا جو اس نے خیانت کر کے لی ہوگی، پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ بھلا جو شخص اللہ کی خوشنودی کا تابع ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف سے ناراضی لے کر لوٹا ہو اور جس کا ٹھکانا جہنم ہو؟ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ اللہ کے نزدیک ان لوگوں کے درجات مختلف ہیں، اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اللہ اس کو خوب دیکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم سے درگزر:

چونکہ صحابہ سے غلطی ہوگئی تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ حضور پاک ﷺ ناراض ہوتے، اپنے جلال کا اظہار کرتے کہ تم نے یہ غلطی کیوں کی ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾ اے میرے نبی! میں نے آپ کو ایسا رحمۃ للعالمین بنایا ہے کہ میں نے آپ کو نرم دل عطا فرمایا ہے۔ جتنی بڑی غلطی کیوں نہ ہو جائے میرے مدنی ﷺ اس کو برداشت کرنے والے ہیں۔ امت جتنی بھی راستے سے بھٹک جائے، لیکن پھر بھی دروازے پر آئے تو اس کو معاف کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ اس کے بندے چاہے لاکھ بھٹک جائیں، گناہ گار ہو جائیں اور اللہ معاف کرے کافر مشرک بن جائیں، پھر بھی اللہ تعالیٰ کے دروازے پر آکر گر جائیں اور توبہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بھی میری رحمت ہے کہ آپ نے صحابہ سے اس معاملہ میں نرم مزاجی سے کام لیا۔ اور یہ بھی میرا کرم ہے کہ میں نے آپ کو رحمت والا بنایا ہے۔ اگر آپ سخت ہوتے، درشت ہوتے اور سخت دل ہوتے تو پھر لوگ بھی آپ سے ہٹ جاتے، لیکن ہم نے آپ کو سراپا رحمت بنایا کہ وہ غلطی کرتے رہے، آپ ان کے لیے دعائیں کرتے رہے، حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ نے آخری عمر یہ دعا کی کہ اگر میں نے کبھی غصہ میں کسی پر لعنت کردی ہو، کسی کو بددعا دی ہو تو اے میرے اللہ! وہ بھی دعا میں بدل دے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقام:

ان آیات کے اندر مقامِ صحابہ، عظمتِ صحابہ اور شانِ صحابہ دیکھیں کہ ساری دنیا اللہ کے پاس سفارش کے لیے جاتی ہے، ان کے لیے اللہ کے نبی اللہ سے سفارش کریں گے، علماء اللہ کے آگے سفارش کریں گے، حافظ قرآن اللہ کے آگے سفارش کریں گے اور اولیاء اللہ کے آگے سفارش کریں گے۔ میرے مدنی ﷺ کے صحابہ کی شان دیکھیں کہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ان کا سفارشی ہوں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو خود معاف کر سکتے ہیں، ان کو سفارش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن یہ مقام صحابہ ہے کہ اگر صحابہ سے غلطی ہوگئی تو اللہ نے فرمایا: ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾ میرا مدنی! ان کو معاف کردیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کا حکم:

اگر بہت بڑی غلطی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ میں تو معاف کر دوں، لیکن میرا اللہ معاف کرے گا یا نہیں؟ تو فرمایا: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ مجھ سے بھی بخشش مانگ لو، میں بھی معاف کرتا ہوں۔ آپ ان کو صرف معاف نہ کریں، بلکہ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ آپ ان کو اسی مرتبہ پر قائم بھی رکھیں، ان کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھائیں۔ حالانکہ اللہ کے نبی کو مشورے کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ کے نبی کا تو اللہ سے تعلق ہے، وحی سے تعلق ہے، لیکن اس سے امت کو سبق دیا جا رہا ہے کہ مشورہ سے کام سرانجام دیں۔ اور فرمایا: ﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ جب آپ نے مشورے کے بعد ارادہ کر لیا تو اب اللہ پر بھروسہ کریں۔

مشورہ کا معنی:

مشورہ ان سے لیا جائے جو مشورہ کے قابل بھی ہوں۔ عربی کے اندر مشورہ کا اصل معنی یہ ہے کہ شہد کے چھتہ سے شہد کا نکالنا۔ تو جیسے شہد میٹھا ہوتا ہے اسی طرح مشورہ دینے والا بھی میٹھا ہو، جیسے شہد اندر کی بھی شفا ہے اور باہر کی بھی شفا ہے۔ جب تم صحیح لوگوں سے مشورہ لو گے تو شفا ملے گی، کامیابی ملے گی، تمہیں ہر مقام پر عزت ملے گی اور غلبہ ملے گا۔ مشورہ کا مطلب جمہوریت نہیں ہے۔ یہ تو کافروں کا بنایا ہوا نظام ہے، اس سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ مشورہ نہیں ہوتا کہ تم نے گھڑی بنانی ہو اور تم لوہار کے پاس چلے جاؤ، تم نے بیمار کے بارے میں مشورہ کرنا ہو تو تم درکھان کے پاس چلے جاؤ۔ لہٰذا یاد رکھیں! مشورہ اس سے کیا جائے جو مشورہ دینے کے لائق ہو، ورنہ تو یزید حق پر تھا کہ تقریباً ساری دنیا اس کو ووٹ دے چکی تھی، لیکن اسلام کہتا ہے کہ جب مکہ مدینہ والوں نے اس کی بیعت توڑ دی تو اس کی خلافت نہیں رہی؛ کیونکہ اصل مشورے دینے والے تو وہ ہیں جو محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلام ہیں۔

﴿إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ﴾ اگر اللہ تعالیٰ مدد کرتے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اور اگر اللہ تمہیں نیچا دکھانا چاہیں تو پھر اللہ کے سوا کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ اس لیے ایمان والے اللہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔

جس نے شکل تبدیل کی اور قتل کر دیا گیا؟

فقہاء نے یہ حکم لگایا ہے کہ کسی شخص نے اگر عمداً اپنی شکل بدل لی اور دوسرے انسان نے اس کو انسان نہیں سمجھا، مثلاً: آج کل لوگ ماسک پہن کر جانور بن جاتے ہیں تو دوسرے آدمی نے اس کو جانور سمجھ کر گولی مار دی تو اس



مارنے والے پر مواخذہ نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس نے خود شکل بدلی تھی۔ علماء کرام کی روایت میں ایک استاد ہیں جو جن تھے اور اس سلسلہ کے اسناد میں ایک ''الشیخ الجنی'' بھی ہیں۔ ان کا قصہ یہی تھا کہ آپ مطالعہ حدیث فرما رہے تھے۔ ایک سانپ آیا، حضرت نے اس کو سانپ سمجھ کر مار دیا۔ تھوڑی دیر بعد سپاہی آئے اور حضرت کو پکڑ کر لے گئے اور ان کو اپنے شاہی دربار میں جا کر پیش کیا کہ یہ ہمارے فلاں بھائی کا قاتل ہے۔ ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: میں نے تو کسی انسان کو قتل نہیں کیا، ایک سانپ کو میں نے مارا ہے۔ انہوں نے کہا: وہ سانپ نہیں تھا، وہ ہمارا بھائی تھا، تم نے اس کو مار دیا ہے۔ انہوں نے کہا: بات یہ ہے کہ اس کا علم کیسے ہوگا کہ یہ جن ہے یا سانپ؟ کیونکہ میرے سامنے سانپ کی شکل تھی اور حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ تَزَيَّا بِغَيْرِ زِيِّهِ فَقُتِلَ فَدَمُهُ هَدْرٌ)) [الضوء اللامع للسخاوی۔ قال السخاوی فی المقاصد لیس اصل بحتمد]

جو کسی غیر کی شکل اختیار کرے اس کا خون معاف ہے۔ تو جب اس نے سانپ کی شکل اختیار کی تو اس پر سانپ کا حکم جاری ہوگا۔ اس حاکم نے ایک بوڑھے جن بزرگ سے پوچھا جو ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ جو حدیث رسول پڑھ رہا ہے کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اس نے کہا: بالکل صحیح ہے۔ حاکم نے کہا: ان کو چھوڑ دو۔ ان کو چھوڑ دیا گیا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیسے تصدیق کی ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے یہ حدیث فلاں صحابی سے سنی ہے۔ (بلکہ سب نے اس کو خود حضور سے سنا تھا)

دوسری بات یاد رکھیں کہ اگر حرم میں کسی کو سانپ نظر آئیں تو علماء یہ کہتے ہیں کہ تجربہ یہ ہے کہ یہ بھی اکثر جن ہوتے ہیں، سانپ کم ہوتے ہیں۔ تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ ان کو کہہ دیں کہ ہمیں ایذا نہ دو اور ہم تمہیں ایذا نہیں دیتے اور ہمارے گھر سے نکل جاؤ۔ دو تین دفعہ کہہ دو۔ اگر وہ جن ہے تو نکل جائے گا اور اگر وہ سانپ ہے اس نے یہ بات کہاں سے سمجھنی ہے؟ پھر آپ اس کو مار دیں؛ کیونکہ وہ موذی سانپ ہے۔

کمزور مسلمان جو خدا کو راضی کرے اور شیطان سے بھی نہ ٹوٹے:

یورپ کے اندر ہسپتالوں میں لوگ مر جاتے ہیں تو ہمیں بعض دوستوں نے بتایا کہ بعض دفعہ ان کے ساتھ کوئی وارث بھی نہیں ہوتا، ان کے کاغذات بھی نہیں ہوتے۔ جب ان کے کپڑے دیکھتے ہیں تو انہوں نے وہی انگریزی سوٹ پہنا ہوا ہوتا ہے۔ تو اس طرح انہوں نے کئی مسلمانوں کو عیسائیوں کے قبرستان میں دفن کر دیا۔ انہوں نے سمجھا

کہ یہ ہمارا ہی کوئی انگریز ہوگا؛ کیونکہ شکل وصورت سے ہی انسان پہچانا جاتا ہے۔ کسی قوم نے اپنا شعار نہیں بدلا، لیکن ایک مسلمان ہے جو رنگیلا بنا ہوا ہے۔ یہ حزب الرحمان میں بھی ہے اور حزب الشیطان میں بھی ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ خدا کو بھی میں راضی کر رہا ہوں اور شیطان سے بھی دوستی نہ ٹوٹے۔

حضور ﷺ کی بعض ظاہری اور باطنی کیفیات:

حضرت انس رضی اللہ عنہ میرے پیارے مدنی ﷺ کے خادم ہیں۔ فرماتے ہیں: میں نے دس سال محمد مدنی ﷺ کی خدمت کی ہے۔ ریشم، اطلس اور کمخواب بھی اتنا نرم نہیں تھا جتنا محمد عربی ﷺ کے ہاتھ نرم تھے۔

حدیث مبارک میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جہاں جہاں کسی کے سینے پر ہاتھ رکھا وہ صحابی کہتے ہیں مجھے ایسی ٹھنڈک محسوس ہوئی کہ کبھی نہیں بھولا۔

حضور پاک ﷺ نے ایک صحابی کے بالوں پر ہاتھ رکھا، وہ صحابی کہتے ہیں: سارے سر کے بال سفید ہو گئے، لیکن وہ بال جن پر حضور ﷺ نے ہاتھ رکھا تھا وہ اسی طرح سیاہ رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میری آنکھوں میں تکلیف تھی، حضور پاک ﷺ نے ہاتھ لگایا تو میری تکلیف ختم ہوگئی اور پھر کبھی آنکھوں میں تکلیف نہیں ہوئی۔

حضور ﷺ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا ایک انداز:

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی سند سے روایت نقل فرمائی ہے کہ ابو راشد الحبرانی بیان فرماتے ہیں: میرا ہاتھ حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ نے پکڑا اور اس کے بعد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی میرا ہاتھ پکڑ کر یہ ارشاد فرمایا:

((يَا أَبَا أُمَامَةَ! إِنَّ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مَنْ يَلِيْنُ لِيْ قَلْبُهُ)) [مسند احمد، رقم: ۲۲۲۹۹]

اے ابو امامہ! مومنوں میں سے بعض ایسے مومن بھی ہیں جن کا دل میرے لیے پسیج جاتا ہے، نرم ہو جاتا ہے۔ یہ بھی محبت کا مقام ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کسی صحابی کا ہاتھ پکڑیں، ورنہ نبی ﷺ کا مقام تو بہت بلند ہے۔ یہ نرمی اور رحمت تھی جو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے دل میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے پیدا فرما دی۔

گناہ گار سے محبت کرو...... گناہ سے نفرت:

﴿فَظًّا﴾ کا معنی ہوتا ہے سخت اور ﴿غَلِيْظَ الْقَلْبِ﴾ کا معنی بھی سخت ہے۔ ﴿فَظًّا﴾ کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ کا کلام

مبارک بجائے نرمی کے سخت ہوتا اور آپ کا دل بھی سخت ہوتا تو جو آپ کے اردگرد پروانے ہیں یہ دور ہو جاتے؛ کیونکہ محبت جمع کرتی ہے اور نفرت دور کرتی ہے۔ اس لیے اللہ والے کہتے ہیں: جتنا ہو سکے دوسرے مومن کے ساتھ محبت اور پیار کے ساتھ ملو۔ اس لیے حکم ہے کہ اگر تمہارے تعلق داروں میں کوئی شخص گناہ گار ہے تو گناہ سے نفرت کرو؛ کیونکہ گناہگار تو بے چارا مریض ہے، وہ تمہاری ہمدردی کا مستحق ہے، تم اس کا علاج کرو، اس کو پیار سے سمجھاؤ اور اس کو اچھے لوگوں کی صحبت میں لے جاؤ۔ اگر تم خود اتنے کمزور ہو کہ اس کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے تمہارے بگڑنے کا خطرہ ہے تو اس سے دور ہو جانا بہتر ہے۔ اور شریعت کا یہ بھی حکم ہے کہ کسی گناہگار کو دیکھ کر اگر آدمی نفرت کرے کہ یہ شرابی ہے اور میں مولوی ہوں، اس کو ہاتھ کیوں دوں؟ تو حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو توبہ نصیب کر دیں گے اور تجھے اس بیماری میں مبتلا کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بندہ تو میرا ہے، تم نفرت کرنے والے کون ہو؟

توراۃ وانجیل میں حضور ﷺ کی صفات:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کتب متقدمہ (توراۃ وانجیل وغیرہ) میں اپنے مدنی ﷺ کی صفت دیکھی۔ اس میں لکھا ہوا تھا: ((لَيْسَ بِفَظٍّ وَلاَ غَلِيظٍ، وَلاَ سَخَّابٍ بِالْأَسْوَاقِ، وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَةَ بِالسَّيِّئَةِ، وَلٰكِنْ يَعْفُو وَيَصْفَحُ)) [بخاری، رقم: ۴۸۳۸] کہ آپ زبان کے سخت بھی نہیں ہوں گے، دل کے سخت بھی نہیں ہوں گے، بازاروں میں شور کرنے والوں میں سے بھی نہیں ہوں گے، کوئی ان کے ساتھ بدسلوکی کرے تو وہ برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ نہیں دیں گے اور اگر کوئی زیادتی کرے گا تو اس کو معاف کر دیں گے اور اس سے درگزر فرمائیں گے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کی حیثیت:

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو حکم فرمایا: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ کہ وہ صحابہ سے مشورہ اور رائے لیا کریں۔ تو کیا یہ امر وجوب کے لیے ہے؟ کیا آپ پر لازم تھا کہ مشورہ کریں؟ یا یہ امر استحباب کے لیے ہے؟ کہ صحابہ کرام کو خوشی ہو کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ہمیں اتنی عزت بخشی ہے کہ ہم سے مشورہ لیتے ہیں تو اس بارے میں دو قول ہیں:

بعض فقہاء فرماتے ہیں: یہ امر وجوب کے لیے ہے۔ اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کا تعلق چونکہ اللہ کی وحی سے ہوتا ہے، اللہ وحی کے ذریعہ سے اپنے پاک پیغمبر ﷺ کو خبر عطا فرما دیتے ہیں، لہٰذا ان پر مشورہ کرنا واجب نہیں، البتہ درجہ استحباب میں ہے، تاکہ صحابہ کے دل خوش رہیں اور آپ کی امت کو تعلیم حاصل ہو کہ ہم نے تمام معاملات میں، خاص طور پر وہ معاملات جو اہم ہوتے ہیں ان میں مشورہ لینا ہے۔

حضور ﷺ کو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ کا حکم تھا:

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا کریں؛ کیونکہ ان دونوں کا مقام بڑا بلند ہے۔ [مستدرک حاکم: ۳/۷۰]

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے حواری اور وزیر اور مسلمانوں کے باپ تھے۔ [تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۴۹]

اس لیے محدثین رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک چند ایک صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیان فرمایا ہے۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ کو دیکھنے والے لاکھوں صحابہ ہیں۔ محدثین نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ادب و احترام اور آپ کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ ہر صحابی کو یہ ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ آنکھ اٹھا کر حضور پاک ﷺ کو دیکھ سکے، بلکہ سب ادب کے ساتھ اس طرح بیٹھے رہتے تھے گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ یعنی پرندے یہ سمجھتے تھے کہ ان کے اندر روح بھی نہیں ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب صحابہ ہیں جو حضور پاک ﷺ کے چہرے پر نظر ڈالتے تھے اور حضور پاک ﷺ بھی ان کی طرف دیکھتے تھے اور تبسم فرماتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں گویا کہ اس آیت کے اندر حکم یہ ہے کہ آپ ان دونوں سے مشورہ کریں۔

(حدیث) مسند امام احمد میں روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: ﴿لَوِ اجْتَمَعْتُمَا فِي مَشُورَةٍ مَا خَالَفْتُكُمَا﴾ اگر تم کسی بات پر دونوں اکٹھے ہو جاؤ تو میں تم دونوں کے خلاف نہیں کروں گا۔ [مسند احمد، رقم: ۱۷۹۹۴]

(حدیث) حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ((سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْمِ؟ فَقَالَ مُشَاوَرَةُ أَهْلِ الرَّأْيِ ثُمَّ اتِّبَاعُهُمْ)) عزم کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: جو اصحاب رائے ہیں، جو مشورہ دینے کا مقام رکھتے ہیں ان سے مشورہ لیں اور پھر ان کے مشورہ پر چلیں۔

[ذکرہ السیوطی فی الدر: ۲/۳۶۰، تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۳۱]

(حدیث) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ)) جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہو۔ لہٰذا آدمی جب بھی مشورہ لے تو کسی دین والے سے مشورہ لے، کسی اہل علم سے مشورہ لے، متقین سے مشورہ لے۔ [ابی داؤد، رقم: ۵۱۲۸]

سببِ نزول:

(حدیث) حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ((إِذَا اسْتَشَارَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُشِرْ عَلَيْهِ)) جب کوئی بھائی تم سے مشورہ طلب کرے تو تم اس کو صحیح مشورہ دو۔

[سنن ابن ماجہ، رقم: ۳۷۴۷]

جنگ بدر کے موقع پر ایک قطیفہ (جھالر دار چادر یا کمبل) نہ ملا مال غنیمت سے تو بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ پتہ نہیں شاید حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے رکھ لیا ہو تو اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کر دیا کہ کیسی باتیں کرتے ہو!!؟ ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ﴾ کہ نبی تو خیانت سے پاک ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ مال غنیمت سے بھی ایسے چیزیں رکھ لیں؛ کیونکہ یہ تو سب سے بڑی خیانت ہے اور میرا نبی تو معصوم ہے، ان کے بارے میں کبھی ایسا تصور بھی نہ کیا جائے۔

مال غنیمت کے اندر خیانت کو غلول کہتے ہیں؛ کیونکہ یہ سب سے بڑی خیانت ہے اور بڑے گناہوں میں سے بڑا گناہ ہے۔

عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کا یہ مطلب نقل کیا ہے کہ اللہ کے نبی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ خیانت کرے، یعنی بعض مجاہدین کو دیں اور بعض کو نہ دیں، بلکہ اللہ کے نبی پورا عدل وانصاف فرماتے ہیں، حق والے کو اس کا حق دیتے ہیں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ [ابن کثیر: ۲/۱۵۱]

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ اللہ کے نبی خیانت سے پاک ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے

نبی ﷺ پر کوئی حکم نازل ہوا اور وہ کچھ پہنچائیں اور کچھ نہ پہنچائیں، بلکہ اللہ تعالیٰ جو بھی حکم دیتے ہیں نبی کریم ﷺ پورے کا پورا پہنچا دیتے ہیں۔ [تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۵۱]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ [المائدۃ: ۶۷] (اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔ اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔) آپ نے یہ بات بھی امت کو بتادی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر جو احکام اتارے یہ ناممکن ہے کہ وہ کچھ احکام پہنچائیں اور کچھ چھپا دیں، بلکہ اللہ کے نبی ایسی باتوں سے پاک ہوتے ہیں۔

مالِ غنیمت میں خیانت کا گناہ عظیم:

(حدیث) حضرت ابو مالک الاشجعی حضور اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((أَعْظَمُ الْغُلُولِ عِنْدَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ذِرَاعٌ مِنَ الْأَرْضِ، تَجِدُونَ الرَّجُلَيْنِ جَارَيْنِ فِي الْأَرْضِ أَوْ فِي الدَّارِ، فَيَقْتَطِعُ أَحَدُهُمَا مِنْ حَظِّ صَاحِبِهِ ذِرَاعًا، فَإِذَا اقْتَطَعَهُ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ)) [مسند احمد، رقم: ۱۷۲۵۵] سب سے بڑی خیانت ایک ہاتھ زمین ہے۔ صحابہ کو یہ بات سمجھ نہ آئی تو انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: دو آدمی زمین میں ہمسائے ہیں، دیوار میں شریک ہیں۔ اب اس کو موقع ملا تو اس نے ایک ہاتھ زمین دوسرے بھائی کی اپنے اندر کرلی کہ یہ میری ہے۔ فرمایا کہ یہ سب سے بڑی خیانت ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن حکم دیں گے کہ جتنا ٹکڑا اس نے بھائی کا اپنے قبضے میں کیا تھا سات زمینوں تک وہ ٹکڑا اس کے گلے میں ڈالو۔ مطلب یہ ہے کہ اتنا بڑا عذاب دیا جائے گا۔

آج بڑے بڑے زمیندار ہیں، جن کے پاس طاقت ہے، اس طرح انہوں نے غریبوں کے حقوق دبائے ہوئے ہیں۔ اب ایک ہاتھ کا مسئلہ نہیں رہا، اب تو زمین کے مربعے کے مربعے ہضم کر جاتے ہیں، مگر کوئی غریب بولنے کی جرأت ہی نہیں کرسکتا۔

(حدیث) مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے حضور پاک ﷺ سے سنا: ((مَنْ وَلِيَ لَنَا عَمَلًا وَلَيْسَ لَهُ مَنْزِلٌ، فَلْيَتَّخِذْ مَنْزِلًا، أَوْ لَيْسَتْ لَهُ زَوْجَةٌ فَلْيَتَزَوَّجْ، أَوْ لَيْسَ لَهُ خَادِمٌ فَلْيَتَّخِذْ خَادِمًا، أَوْ لَيْسَتْ لَهُ دَابَّةٌ

فَلْيَتَّخِذْ دَابَّةً، وَمَنْ أَصَابَ شَيْئًا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ غَالٌّ)) جس آدمی کو کسی کام پر افسر بنایا جائے اس کے رہنے کی جگہ نہ ہو تو رہنے کی جگہ بنا سکتا ہے، بیوی نہ ہو تو شادی کر سکتا ہے، خادم نہ ہو خادم رکھ سکتا ہے اور سواری نہ ہو تو سواری رکھ سکتا ہے۔ ان ضرورت کی چیزوں کے علاوہ اگر کچھ کرے تو وہ خیانت تصور ہوگی۔ یہ نہیں کہ رہنے کی جگہ کروڑوں کی بنالے، بلکہ عام مسلمانوں کی طرح ہو۔ [مسند احمد، رقم: ۱۸۰۱۵]

(حدیث) حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((أَدُّوا الْخَيْطَ، وَالْمِخْيَطَ، فَمَا فَوْقَ ذَلِكَ، وَمَا دُونَ ذَلِكَ؛ فَإِنَّ الْغُلُولَ عَارٌ، عَلَى أَهْلِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَ شَنَارٌ وَ نَارٌ)) اگر تم نے کسی کا دھاگہ یا سوئی بھی چرائی ہے تو واپس کرو۔ تحقیق خیانت بہت برا طعن ہے، عیب ہے اور آگ ہے اپنے خیانت کرنے والوں پر، لہٰذا خیانت سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ [سنن ابن ماجہ، رقم: ۲۸۵۰]

(حدیث) حضرت ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور اکرم ﷺ نے مجھے عامل بنا کر بھیجا کہ لوگوں سے زکوٰۃ جمع کر کے بیت المال میں جمع کراؤں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ابو مسعود! تم جاؤ، لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ قیامت والے دن تم اس حال میں آؤ کہ تمہارے کندھے پر خیانت کا اونٹ ہو، اس کی آوازیں نکل رہی ہوں اور آپ نے اس کی خیانت کی ہو۔ انہوں نے عرض کیا: اگر یہ عالم ہے تو میں نہیں جاتا۔ تو آپ نے فرمایا: تب میں بھی آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔ [ابوداؤد، رقم: ۲۹۴۷]

(حدیث) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ الْحَجَرَ لَيُرْمَى بِهِ فِي جَهَنَّمَ فَيَهْوِي سَبْعِينَ خَرِيفًا مَا يَبْلُغُ قَعْرَهَا، وَيُؤْتَى بِالْغُلُولِ فَيُقْذَفُ مَعَهُ ثُمَّ يُقَالُ لِمَنْ غَلَّ: ائْتِ بِهِ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ: وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.)) اگر کوئی پتھر جہنم کے اندر لڑھکا دیا جائے تو وہ جاتے جاتے جہنم کی تہہ تک ستر سال میں بھی نہیں پہنچے گا۔ تو اسی جہنم میں خیانت کرنے والے کو ڈالا جائے گا اور اس کو کہا جائے گا: جو تم نے خیانت کی تھی اس کو بھی لے آؤ۔
[تفسیر ابن کثیر]

(حدیث) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:

((لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ، أَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: فُلَانٌ شَهِيدٌ، فُلَانٌ شَهِيدٌ، حَتَّى مَرُّوا عَلَى رَجُلٍ، فَقَالُوا: فُلَانٌ شَهِيدٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَلَّا، إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا أَوْ عَبَاءَةٍ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا ابْنَ الْخَطَّابِ!

اذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ، أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ، قَالَ: فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ: أَلَا إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ)) [مسلم، رقم:۱۱۴]

''خیبر والے دن صحابہ کی ایک جماعت آئی اور کہنے لگی: فلاں شہید ہو گیا، فلاں شہید ہو گیا، حتیٰ کہ ایک آدمی کے بارے میں کہا کہ فلاں بھی شہید ہو گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: خبردار! اس کو شہید نہ کہو، میں نے اس کو جہنم میں دیکھا ہے اس چادر یا اچکن کی وجہ سے جس کی اس نے خیانت کی تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے خطاب کے بیٹے! آپ جا کر لوگوں میں اعلان کر دیں کہ جنت میں صرف ایمان والے داخل ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے جا کر اعلان کیا: سن لو! جنت میں صرف ایمان والے داخل ہوں گے۔''

کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے، یہ معاف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنا حق تو معاف کر دیتے ہیں۔ کافی سارے لوگ دکانوں پر ملازم ہوتے ہیں، جو دکان کے پیسوں سے بوتل چائے پی لیتے ہیں۔ قیامت میں تو آدمی ایک ایک دھیلے (پیسے) میں پکڑا جائے گا۔ اس لیے اس کو چاہیے کہ اپنے مالک سے پوچھے کہ مجھے روزانہ کتنے پیسے کھانے کی اجازت ہے؟ جتنی مالک اجازت دے وہ حلال ہے اور اس کے علاوہ سب حرام ہے، حتیٰ کہ علماء نے فرمایا کہ اگر ایک آدمی کی مثلاً: آٹھ گھنٹے ڈیوٹی ہے۔ اگر وہ آدمی نماز پڑھنے کے لیے آئے اور بعد میں نفلیں پڑھ رہا ہے، تاکہ پندرہ بیس منٹ اس میں گزر جائیں، یہ بھی خیانت ہے؛ کیونکہ وہ آٹھ گھنٹے ڈیوٹی کا پابند ہے۔ جتنی دیر کی مالک اجازت دے اس میں نماز پڑھیں۔

امانت میں خیانت کا گناہ:

﴿أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۞﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک آدمی وہ ہے جو اللہ کے حکم پر چلنے والا، امانت ادا کرنے والا، فرمانبرداری کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والا اور ایک وہ جو خیانت کرنے والا ہے، کیا کبھی برابر ہو سکتے ہیں؟ بالکل نہیں؛ کیونکہ ایک مبغوضِ خدا ہے اور ایک محبوبِ خدا ہے۔ ایک اللہ کے حکم کو ماننے والا اور دوسرا خیانت کرنے والا۔ یہ دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ جو مبغوضِ خدا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور محبوبِ خدا کا ٹھکانہ جنت ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے قیامت کی علامات میں سے سب سے پہلی علامت بتائی کہ امانت ختم ہو جائے گی۔ لوگ انگلیوں پر گنیں گے کہ فلاں شخص امین ہے، فلاں بستی میں فلاں آدمی شریف ہے، حالانکہ ہر مسلمان کو امانت دار ہونا

چاہیے تھا، لیکن قربِ قیامت امانت والے اتنے تھوڑے رہ جائیں گے کہ لوگ ان کو انگلیوں پر گن سکیں گے۔

حضور ﷺ کی بعثت مومنین پر اللہ کا انعام ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ ہم نے احسان کیا مومنین پر کہ ہم نے ان میں پیغمبر بھیجا جو ان کی جنس بشر سے ہے۔ اگر وہ جنسِ نور سے ہوتے یا جنس مختلف سے ہوتے تو تم ان سے صحیح استفادہ نہ کر سکتے، لہٰذا یہ بھی اللہ کا بہت بڑا کرم ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے حضور اکرم ﷺ کو بھیجا اور جنس بشر میں سے بھیجا۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [الانبیاء:۱۰۷] اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو انسان، جن اور تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

تو اس آیت کے اندر لفظ عام ہے کہ آپ سب کے لیے رحمت ہیں، آپ کی وجہ سے امتیں عذاب سے بچ گئیں۔ اور اس آیت کے اندر فرمایا کہ مومنوں پر میرا احسان ہے؛ کیونکہ اصل فائدہ ایمان والوں نے اٹھایا ہے۔

اور جیسا کہ اللہ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا﴾ [الروم:۲۱] میری نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ تمہاری بیویاں تمہاری جنس سے پیدا کی ہیں؛ کیونکہ جب جنس ایک ہوگی تو ایک دوسرے سے زیادہ انتفاع حاصل کر سکیں گے۔ اگر تم مٹی کے بنے ہوئے ہوتے اور بیوی آگ سے بنی ہوتی تو مسئلہ ہو جاتا۔ جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اگر کوئی جن کسی عورت کو پکڑ لے تو کیا حال ہوتا ہے؟ اس لیے قاعدہ ہے کہ اگر اللہ چاہتے تو زمین پر فرشتوں کو بھی بھیج سکتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے سارے نبی اولادِ آدم سے بھیجے، جنس بشر سے بھیجے۔ میرے مدنی بھی بشر ہیں، بلکہ سید البشر ہیں، ابن آدم ہیں، ابن آمنہ ہیں اور ابن عبد المطلب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ان پر کروڑوں صلوۃ وسلام ہیں۔

انبیاء کی بشریت کے ثبوت میں سینکڑوں آیات موجود ہیں اور حضور اکرم ﷺ نے خود فرما دیا: ((إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ، أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ)) [بخاری، رقم:۴۰۱] اور دوسری جگہ فرمایا: ((إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَغْضَبُ كَمَا تَغْضَبُوْنَ)) [مسند بزار، رقم:۲۵۳۲] میں بھی ایک بشر ہوں۔ میں بھی بھول جاتا ہوں، جیسا تم بھول جاتے ہو اور مجھے بھی غصہ آتا ہے، جیسے تمہیں غصہ آتا ہے۔

حضور ﷺ کے فرائضِ منصبی:

﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ﴾

میرے اس پیغمبر کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت کریں گے۔ یاد رکھیں ! تلاوت کرنا بھی نبی ﷺ کا وظیفہ ہے، تعلیم دینا بھی نبی ﷺ کا وظیفہ ہے، پڑھانا بھی نبی ﷺ کا وظیفہ ہے اور پاک کرنا بھی نبی ﷺ کا وظیفہ ہے۔ دنیا کے اندر یہ جتنے کام ہو رہے ہیں سب سنت مصطفیٰ ﷺ ہے۔ اگر کوئی بیٹھ کر بچوں کو قرآن پڑھا رہا ہے تو وہ بھی سنت مصطفیٰ ﷺ پر چل رہا ہے، کوئی بیٹھ کر تفسیر قرآن پڑھا رہا ہے تو وہ بھی محمد مصطفیٰ ﷺ کا وظیفہ ہے، اگر کوئی بیٹھا ہوا بخاری پڑھا رہا ہے تو وہ بھی محمد رسول اللہ ﷺ کا وظیفہ ہے اور کوئی بیٹھا بندوں کو اللہ کا ذکر سکھا کر ان کے دلوں کو مانج رہا ہے، ان کی روحانی بیماریوں کو ختم کر رہا ہے، ان کے شرک و بدعات کو ختم کر کے ان میں سنت کی اتباع بھر رہا ہے اور ان کے دلوں کی ظلمات کو اللہ کے ذکر سے مٹا رہا ہے، یہ تزکیہ بھی محمد مصطفیٰ ﷺ کا وظیفہ ہے۔

یاد رکھیں! جب تک یہ چار لائنیں متوازی نہیں چلیں گی، اس وقت تک ہدایت نہیں ملے گی۔ اگر تم نے صرف تعلیم کتاب پر نظر رکھی اور سنت کو چھوڑ دیا تب بھی نجات نہیں ملے گی، اگر تم نے سنت پر نظر رکھی اور قرآن کو چھوڑ دیا تب بھی نجات نہیں ملے گی، اگر تم نے یہ دونوں چیزیں تو پڑھائیں، لیکن تزکیہ کا خیال نہ کیا تو پھر زبانی کلامی تو لوگ پیدا ہوں گے، لیکن اصل عامل پیدا نہیں ہوں گے؛ کیونکہ جب تک اندر کی صفائی نہ ہو تب تک پورا فائدہ نہیں ہوگا۔ مثلاً: ایک گلاس کو آپ باہر سے چمکاتے رہیں، لیکن اس کے اندر ٹھیک نہ ہو تو کبھی صاف نہیں ہو سکتا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے میرے مدنی پاک ﷺ کی جماعت کے بارے میں فرمایا: میں تیری جماعت سے راضی ہو گیا؛ کیونکہ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③﴾ [الحجرات: ۳] ہم جان گئے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ ان کے دلوں کو ہم نے خود مانجھ دیا ہے۔ قرآن نے ہمیں سبق دیا: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑤﴾ [الفاتحہ: ۵] اے اللہ! ہمیں صراطِ مستقیم نصیب فرما۔ آگے فرمایا: ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے اپنا انعام کیا ہے۔ اگر ہم کتاب اللہ سے کٹ گئے، تب بھی صراط مستقیم پر نہیں پہنچیں گے اور اگر ہم اللہ والوں سے کٹ گئے، تب بھی صراط مستقیم پر نہیں پہنچیں گے۔ ہماری کامیابی تب ہوگی جب ہماری ایک جماعت تعلیم میں لگی ہو، ایک جماعت قرآن کی تفسیر میں لگی ہو، ایک جماعت تزکیہ پر لگی ہو، ایک جماعت فقہ

میں لگی ہو اور ایک جماعت سنت کی تشریحات میں لگی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری صفات میرے ایک نبی ﷺ میں جمع فرما دی تھیں۔

حضور ﷺ کی آمد سے پہلے عرب کی حالت:

﴿وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور تم میرے مدنی ﷺ کے آنے سے پہلے کھلے اندھیروں میں پڑے ہوئے تھے۔ تمہاری جاہلیت کی حد یہ تھی کہ کعبۃ اللہ میں ساٹھ بت رکھ دیئے۔ صفا پر بھی بت تھا، مروہ پر بھی بت تھا، زم زم پر بھی بت تھا اور کعبہ کے اردگرد بھی بت تھے۔ یہ تمہارے عقیدے کا عالم تھا اور تمہارے کریکٹر کا یہ عالم تھا کہ شراب کے تم رسیا تھے، لڑکیوں کو تم قتل کرتے تھے، زنا تمہاری گھٹی میں پڑا ہوا تھا، ڈاکے لوٹ مار کر کھانے کو تم بہادری اور فخر سمجھتے تھے اور تمہاری عقل کا یہ عالم تھا کہ جب کعبہ کا طواف کرتے تو کپڑے اتار کر کرتے تھے کہ ان کپڑوں میں ہم نے گناہ کیے ہیں، ان کو کعبہ میں کیسے پہنیں؟ حالانکہ اصل جرم تو اعضاء نے کیے تھے، ان کو کاٹ کر دکھاتے تو پتہ چلتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ایسی گمراہیوں اور جہالت میں پڑے ہوئے تھے۔ ہم نے اپنا پیغمبر بھیجا، امام الانبیاء، احمد مجتبیٰ ﷺ کو بھیجا اور انہوں نے ان بگڑے ہوؤں کو اس مقام پر اونچا کر دیا کہ ساری دنیا ان کے علوم سے استفادہ کر رہی ہے اور قیامت تک استفادہ کرتی رہے گی۔ اور ان آیات کے اندر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوگو! ذرا غور کرو! جو نبی دوسروں کو پاک کرنے آئے، جو دوسروں کو امانت سکھانے آئے، کیا وہ خود خیانت کر سکتا ہے؟

﴿اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ښ وَقِيْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ ۭ ھُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾

[آل عمران: ۱۶۵ تا ۱۶۸]



"جب تمہیں ایک ایسی مصیبت پہنچی جس سے دگنی تم (دشمن کو) پہنچا چکے تھے تو کیا تم ایسے موقع پر یہ کہتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں سے آگئی؟ کہہ دو: یہ خود تمہاری طرف سے آئی ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور تمہیں جو مصیبت اس دن پہنچی جب دونوں لشکر ٹکرائے تھے، وہ اللہ کے حکم سے پہنچی، تاکہ وہ مومنوں کو بھی پرکھ کر دیکھ لے اور منافقین کو بھی دیکھ لے۔ اور ان (منافقوں) سے کہا گیا تھا کہ آؤ اللہ کے راستے میں جنگ کرو، یا دفاع کرو، تو انہوں نے کہا تھا کہ اگر ہم دیکھتے کہ (جنگ کی طرح) جنگ ہوگی تو ہم ضرور آپ کے پیچھے چلتے۔ اس دن (جب وہ یہ بات کہہ رہے تھے) وہ ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے (شہید) بھائیوں کے بارے میں بیٹھے بیٹھے یہ باتیں بناتے ہیں کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ ہوتے۔ کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو خود اپنے آپ ہی سے موت کو ٹال دینا۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی خداوندی:

ان آیات کے اندر اللہ تعالیٰ نے پھر غزوہ احد کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب تمہارے ستر صحابہ شہید ہوئے تو تم کیوں گھبرا رہے ہو؟ کیونکہ تم بھی دشمنوں کو اس سے دوگنی مصیبت پہنچا چکے ہو کہ ان کے ستر بندوں کو قتل کیا اور ستر کو قید کیا۔ وہ وقت تمہیں یاد نہیں رہا؟ اور جب تمہیں تکلیف پہنچی تو گھبرا رہے ہو!!؟

بعض علماء نے فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہیں اب مصیبت پہنچی ہے تو ابتداء احد، ابتداء جنگ میں کافروں کو تم سے بھی دوگنا مصیبت پہنچی ہے۔ ان کو بھی تو تم نے گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا ہے، وہ بھی عورتوں کو لے کر پہاڑوں پر بھاگ رہے تھے۔ ﴿قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا﴾ جب تمہارے اوپر مصیبت آئی تو تم کہنے لگے کہ ہم پر یہ مصیبت کیسے آئی؟ لیکن یاد رکھیں! یہ اعتراض نہیں! کیونکہ تقدیر پر اعتراض کفر ہے اور صحابہ تو سارے عدول تھے۔ اس کہنے کا مقصد تعجب تھا کہ اللہ کے نبی ہمارے ساتھ موجود تھے، پھر بھی ہم پر یہ مصیبت کیسے پہنچ گئی ہے!!

مصیبت اترنے کی وجہ:

اور دوسری بات یہ ہے کہ ہم اللہ کے دین کے لیے لڑ رہے ہیں، ہم ایمان والے ہیں، پھر ہمیں شکست کیسے

ہوگئی!! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے مدنی! آپ اپنے صحابہ کو بتادیں: ﴿قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ﴾ یہ تمہارے اپنے نفسوں کا کیا دھرا ہے۔

علماء نے اس کی دو وجہ لکھی ہیں: جب اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس آدمیوں کو مقرر کیا تھا کہ اس جگہ سے نہیں ہٹنا، لیکن وہ جگہ چھوڑ دی اور حکم کی تعمیل نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے فتح کو شکست میں بدل دیا۔ اور بعض علماء نے فرمایا: جب جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر کافر قید ہوئے اور حضور اکرم ﷺ نے مشورہ لیا تھا ان کے بارے میں تو تم میں سے بعضوں نے ان کو فدیہ لے کر چھوڑنے کا مشورہ دیا تھا۔ اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تھا: اگر تم ان ستر کو چھوڑ دو گے تو تمہارے ستر شہید ہوں گے تو تم نے کہا تھا کہ جب شہید ہوں گے ہوں گے، فی الحال ان کو چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تم نے خود کہا تھا، آج اگر تمہارے وہ ستر شہید ہو گئے تو آج کیوں گھبرا گئے ہو؟

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اے میرے مدنی! آپ ان کو ایک اصول بتادیں کہ جو کچھ تمہیں تکلیف پہنچی جب دو فوجیں احد میں آمنے سامنے ہوئیں وہ اللہ کے حکم سے پہنچی۔ ﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ [التغابن:11] مگر جب تک تم خود غلطی نہیں کرتے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ﴿اللَّهُمَّ إِنَّهُ لَمْ يَنْزِلْ بَلَاءٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَّا بِذَنْبٍ، وَلَا يُكْشَفُ إِلَّا بِتَوْبَةٍ﴾ [المجالسة وجواہر العلم، رقم: 727] تم پر کوئی مصیبت نہیں اترتی، مگر اس کی وجہ کوئی غلطی ہوتی ہے۔ اور پھر وہ مصیبت تم سے اس وقت اٹھے گی جب تم توبہ کرو گے اور اللہ کی طرف لوٹ کر آؤ گے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تمہارے پاؤں میں کوئی کانٹا بھی لگتا ہے تو وہ بھی تمہارے کسی گناہ کی وجہ سے لگتا ہے۔

جنگ احد میں منافقین کی منافقت:

اللہ تعالیٰ نے احد میں یہ مصیبت کا لفظ اس لیے فرمایا تھا کہ مومن اور منافق نکھر جائیں اور دنیا کے سامنے آجائیں؛ کیونکہ ہم تو جانتے ہیں۔

﴿وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا﴾ تم منافقوں سے کہہ رہے تھے کہ اللہ کے راستے میں لڑو اور

اگر لڑتے نہیں تو کم از کم کھڑے تو رہو دشمن کو پتہ چلے کہ ہماری بھی بڑی تعداد ہے۔ اور اگر تم ہماری وجہ سے نہیں لڑتے ہو تو اے ظالمو! اپنے گھروں کو بچاؤ، اپنے اہل وعیال کو بچاؤ؛ کیونکہ آج اگر مکہ والے مدینہ پر قابض ہو گئے تو جب ہمیں قتل کریں گے تو تمہیں بھی نہیں چھوڑیں گے؛ کیونکہ فاتح یہ نہیں پوچھتا کہ تم کون ہو؟ اس نے تو اپنا قبضہ کرنا ہوتا ہے۔ لیکن منافقوں نے کہا: ﴿لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ﴾ اگر ہمیں یہ پتہ ہوتا کہ یہ جنگ ہے تو ہم تمہاری ضرور مدد کرتے، لیکن یہ کوئی جنگ اور لڑائی نہیں ہے؛ کیونکہ تم سات سو ہو اور وہ تین ہزار ہیں۔ یہ تو مرنے والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ﴾ جب منافق یہ بات کہہ رہے تھے اس دن وہ کفر کے زیادہ قریب ہو گئے باعتبار ایمان کے۔ یعنی پہلے تو وہ مسلمانوں سے ملے رہتے تھے تو ایمان کے قریب تھے کہ شاید کبھی پکے بھی ہو جائیں، لیکن آج طوطا چشم بن کر کھلا انکار کر دیا اور اکڑ کر کھڑے ہو گئے اور مسلمانوں سے علیحدہ ہو گئے۔ ﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ﴾ جو کچھ زبانوں سے کہہ رہے ہیں ان کے دلوں میں بھی نہیں ہے، جھوٹ بول رہے ہیں۔ یعنی اگر تم برابر بھی ہوتے تب بھی یہ نہ لڑتے اور اگر تمہارے پاس مکمل ہتھیار ہوتے تب بھی یہ نہ لڑتے۔

منافق کا معنیٰ:

منافق کے لفظ کے بارے میں علماء لغت کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ منافق نفق سے ہے، جس کو سرنگ کہتے ہیں، یعنی جیسے آدمی بھاگے اور سرنگ میں چھپ جاتا ہے۔ یہ منافق بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ منافق نافقاء سے ہے۔ چوہا جہاں اپنی بل بناتا ہے اس کے ہمیشہ دو راستے ہوتے ہیں: ایک کو قسعاء کہتے ہیں اور ایک کو نفقاء کہتے ہیں۔ یعنی اگر اس کو ایک طرف سے پکڑنے لگیں گے تو وہ دوسری طرف سے بھاگ جائے گا۔ منافق بھی اسی طرح ہوتا ہے: ایک طرف تو وہ مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ کافروں کے ساتھ ہوتا ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: منافق اپنے بھائیوں کو کہتے ہیں کہ اگر وہ بیٹھ جاتے اور وہ جنگ میں نہ جاتے تو کبھی نہ مارے جاتے، اپنے گھر میں مزے کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے مدنی! آپ ان کو چیلنج کریں کہ اے کافرو! اے منافقو! اگر تم سچے ہو کہ میدان جنگ میں آدمی تو مرتا ہے اور گھر میں ہو تو نہیں مرتا، چلو تم تو اپنے گھر میں ہو، تم اپنی موت کو روک لو اور نہ مرنا۔ اگر ہم نے کسی کی موت میدانِ جنگ میں لکھی ہے تو وہ وہاں مرے گا اور اگر کسی کی موت ہم نے گھر میں لکھی ہے تو وہ وہیں مرے گا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تمنا پوری نہ ہو سکی:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر جب موت آئی تو بستر پر تڑپ رہے تھے اور کہتے ہیں: مولا! تیری شان ہے! سر سے لے کر پاؤں تک پورے بدن کا ایک انچ کی جگہ بھی خالی نہیں، جہاں مجھے زخم نہ آیا ہو، لیکن آج میرے مولا! میں بستر پر مر رہا ہوں۔ تو نے مجھے میدانِ جنگ میں شہادت عطا نہیں فرمائی۔ یہ تیرا فیصلہ ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ حضور اکرم ﷺ ان کو ''سیف اللہ (اللہ کی تلوار)'' کا لقب عطا فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ کی تلوار کو کافر کیسے توڑ سکتا تھا؟

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ [آل عمران: ۱۶۹ تا ۱۷۵]

"اور (اے پیغمبر!) جولوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں، انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے۔ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے وہ اس پر مگن ہیں، اور ان کے پیچھے جو لوگ ابھی ان کے ساتھ (شہادت میں) شامل نہیں ہوئے، ان کے بارے میں اس بات پر بھی خوشی مناتے ہیں کہ (جب وہ ان سے آکر ملیں گے تو) نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر بھی خوشی مناتے ہیں اور اس بات پر بھی کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرمانبرداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کے لیے زبردست اجر ہے۔ وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا: یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لیے (پھر سے) جمع ہو گئے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرتے رہنا، تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بول اٹھے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ نتیجہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر اس طرح واپس آئے کہ انہیں ذرا بھی گزند نہیں پہنچی اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے۔ اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔ درحقیقت یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، لہٰذا اگر تم مومن ہو تو ان سے خوف نہ کھاؤ، اور بس میرا خوف رکھو۔"

یہ آیات بظاہر صحابہ کی شان میں اتری ہیں، لیکن یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے۔

صحابہ میں سے جو لوگ شہید ہو گئے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر وہ نہ جاتے تو مارے جاتے، حالانکہ ان کی موت تو ایسے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حیات جاودانی عطا فرمائی ہے۔ اور فرمایا: وہ تو ایسے زندہ ہو گئے کہ حکم دے دیا: ان کو مردہ بھی نہ کہو۔

آخرت کے مسائل ہماری عقل میں نہیں سما سکتے:

(مسئلہ) ہر انسان پر ایک موت آنی ہے، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

اب موت کے بعد کیفیات کیا ہوں گی وہ عالم الغیب ہے۔ جب تک اس کو اللہ تعالیٰ خود نہ کھول دیں ہم نہیں سمجھ سکتے۔ مثال کے طور پر: آپ کسی جوہری کے پاس بڑا سا پتھر لے کر جائیں اور اس کو کہیں کہ اس کا وزن کرنا ہے۔ وہ کہے گا کہ یہ اتنا بڑا پتھر ہے، اس کو کیسے وزن کروں؟ آپ کہیں: کمال ہے! ایسے میزان کا کیا فائدہ ہے جو پتھر بھی نہیں تول سکتا؟ حالانکہ وہ پتھر رکھ دیں تو میزان ٹوٹ جائے گا۔ تو جب تیری عقل بھی اتنا چھوٹا سا میزان ہی ہے تو

اس میں عالم آخرت، برزخ کیسے سمائے گا جب تک کہ تم اپنے آپ کو محمد مدنی ﷺ کے تابع نہیں کرو گے؟ اور جب ہم نے کہہ دیا کہ میرا اللہ! ہماری عقل بھی ناقص ہے اور جو محمد مدنی ﷺ کا فرمان ہے وہ حق ہے۔ اس طرح بات واضح ہوجائے گی اور کسی قسم کی کوئی پریشانی باقی نہیں رہے گی۔

دو قبروں کو عذاب کا واقعہ:

حضور اکرم ﷺ کا دو قبروں پر گزر ہوا تو آپ نے فرمایا: ((إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لاَ يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا الآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ)) دو قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی چیز کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا جس کو یہ لوگ معمولی سمجھتے تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پکڑ لیا ہے: ان میں ایک ایسا تھا جو پیشاب کے قطروں کا خیال نہیں کرتا تھا اور دوسرا آدمی چغل خوری کرتا تھا۔ [بخاری، رقم: ۲۱۸]

بعض ہمارے بھائیوں کے دماغ کے اندر ہوتا ہے کہ مسلمان کی روح علیین میں اور کافروں کی روح سجین میں ہوتی ہے تو پھر قبر کا عذاب کیسے ہو رہا ہے؟ تو سمجھیں کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کی روحوں پر عذاب ہو رہا ہے، بلکہ قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: ان دو قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ اور پھر آپ نے ایک صحابی کو حکم دیا کہ سامنے سے کھجور کی ایک چھڑی لے آؤ۔ وہ لے آیا تو آپ نے اس کے دو حصے کر کے: ایک اس کی قبر پر لگا دی اور ایک اس کی قبر پر لگا دی۔ اور فرمایا: میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ جب تک یہ ٹہنیاں سرسبز رہیں گی، ذکر کرتی رہیں گی، اللہ ان کے عذاب میں تخفیف فرما دیں گے۔ اب آپ خود سوچیں کہ اللہ کے نبی نے وہ ٹہنیاں قبر پر لگائیں یا کسی اور جہان میں تشریف لے گئے تھے؟

شہداء صحابہ کا اعزاز:

ان آیات مبارکہ میں مشرکین کا رد اور مومنین کے لیے بشارت ہے۔ کافروں نے احد کی جنگ جیتنے کے بعد نعرہ لگایا تھا: ((يَوْمٌ بِيَوْمِ بَدْرٍ)) دیکھو! آج ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا۔ تو میرے آقا سرکار مدینہ ﷺ نے تو اسی وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ اس کو جواب دو کہ تمہارے جو مارے گئے وہ جہنم میں گئے، ہمارے جو قتل ہوئے وہ جنت میں گئے، لہٰذا ہم کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ مومن تو ہر حال میں فائز المرام اور کامیاب ہے۔ زندہ ہے تو غازی کہلائے گا اور اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہو گیا تو شہید کہلائے گا۔ اور شہید کا اتنا بڑا مقام ہے، اس کو

ایسی حیات مل رہی ہے کہ جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

دوسرا ان آیات کے اندر مومنین کے لیے استبشار اور اعزاز ہے کہ آنکھوں کے سامنے کٹ جانے والے لوگ، جنگ احد میں جو ٹکڑے ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خبردار! ان کو مردہ مت کہو۔ اے اللہ! وہ تو ہمارے سامنے مر رہے ہیں!؟ فرمایا: قتل تو ہو گئے، موت ان کو آئی، لیکن اس کے بعد ان کو مردہ نہ کہو۔ کیا احتراماً مردہ نہ کہیں؟ فرمایا: ﴿بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ کیا اعزازی طور پر زندہ ہیں؟ فرمایا: اعزاز و اکرام نہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں۔ جیسے دنیا میں زندہ کو رزق دیا جاتا ہے۔

یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰي سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓي اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ [البقرۃ:۷]، فرمایا: ﴿اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ﴾ [النحل:۱۰۸] اور فرمایا: ﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰــهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰي عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰي سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ﴾ [الجاثیۃ:۲۳]۔ یعنی: کافروں کو ہدایت نہیں مل سکتی اور ان کے لیے ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ تو خود سوچیں! جب دل کام نہ کرے، قوتِ سامعہ بھی کام نہ کرے اور قوتِ باصرہ بھی کام نہ کرے تو ہدایت کے لیے سارے راستے بند ہو گئے۔

علمی نکتہ:

ان آیات کے اندر اللہ تعالیٰ نے کانوں کا ذکر پہلے کیا ہے اور آنکھوں کا ذکر بعد میں کیا ہے اور جہاں آنکھوں کا ذکر مقدم کیا ہے وہاں مہر کی بات نہیں فرمائی۔

یاد رکھیں! اس کی وجہ علماء نے بیان فرمائی ہے کہ دنیا کے اندر جتنے علم حاصل ہوتے ہیں وہ سمعی ہوتے ہیں، بصری ہوتے ہیں۔ جتنے علوم ہیں چونکہ وہ اکثر سمعی ہیں، مثلاً: جنت کے بارے میں سنا ہے، دیکھا نہیں ہے، نعیم جنت ہیں، لیکن ہم نے دیکھا نہیں ہے، جنت میں حوریں ہیں، لیکن ہم نے دیکھی نہیں ہیں، رضوان ہیں ہم نے دیکھا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا عرش ہے ہم نے دیکھا نہیں ہے، سدرۃ المنتہیٰ ہے، لیکن ہم نے دیکھا نہیں ہے، ملائکہ ہیں لیکن ہم نے دیکھے نہیں ہیں۔ یہ سارے علوم ہیں، سننے سے حاصل ہوئے ہیں؛ کیونکہ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کو ہم دیکھ نہیں سکتے۔

کسی چیز کا نظر نہ آنا نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے:

ویسے بھی اگر غور کریں تو سننے کا علم پہلے ہوتا ہے، مثلاً: اگر آپ سوئے ہوئے ہوں، کوئی آدمی دروازہ کھٹکھٹائے تو پہلے کانوں میں آواز آئے گی۔ آپ اٹھیں گے اور پھر جا کر دیکھیں گے۔ اس لیے اگر آدمی ہر بات پر مطالبہ کرنا شروع کر دے کہ میں نے نہیں دیکھا تو ساری دنیا کے علوم بصری نہیں ہیں کہ دیکھنے سے حاصل ہوں تو کسی چیز کا نہ دیکھنا اس کے نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اس لیے اب جب ہم نے اپنی عقل کی عینک اتار دی اور اپنے تمام حواس خمسہ کو سرکار مدینہ کے تابع کر دیا تو سارے مسئلے حل ہو گئے کہ آپ نے فرمایا: جنت ہے۔ ہم نے کہا: بالکل ہے۔ آپ نے فرمایا: میں خود جنت میں داخل ہوا ہوں۔ تو اب ہم فرقہ معتزلہ یا فرقہ ضالہ کے چکر میں کیوں آ جائیں؟ یا دنیا کے فلسفیوں کی اس الجھن میں کیوں آئیں کہ جنت کہاں ہے اور ہم تو چاند تک چلے گئے، ہم نے زمین کے مدار کے گرد چکر لگا ڈالے ہیں، ہمیں تو کہیں جنت نظر نہیں آئی ہے؟ تو ہم ان جاہلوں کی بات مان لیں یا فرمان محمد مصطفیٰ ﷺ کو مان لیں!؟ حالانکہ یہ تو ستارے نہیں گن سکے، سمندر کی گہرائی کی پیمائش نہیں کر سکے، تم تو ابھی تک یہ نہیں بتا سکتے کہ مشتری اور زحل کا طول وعرض کتنا ہے؟ تو تم کیسے انکار کر سکتے ہو کہ جنت نہیں ہے۔ ہمیں ہمارے پیارے نبی ﷺ نے کہہ دیا ہے، ہم نے سن لیا ہے اور سننے سے ہم نے تمام علوم قبول کر لیے ہیں۔ جب ہم نے اپنی عینک اتار کر اپنی نظر کو حضور اکرم ﷺ کی نظر کے تابع کر دیا تو سارے مسئلے حل ہو گئے، کوئی پریشانی نہ رہی۔

ان آیات کے اندر بھی ہم عقل لڑائیں کہ مر گئے تو وہ کیسے زندہ ہوئے؟ اگر ہم عقل کے گھوڑے دوڑاتے رہیں گے تو کبھی بات سمجھ نہیں آئے گی اور جب ہم اپنی عقل کو قرآن وسنت کے تابع کر دیں گے تو ایک منٹ میں بات سمجھ آ جائے گی کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا میرا صحابی ہے اور اللہ کے فرشتوں کے ساتھ اڑ رہا ہے۔ تو جب حضور اکرم ﷺ نے دیکھ لیا تو آپ کے دیکھنے کے بعد ہماری کیا حیثیت ہے؟ اصل دھوکہ اس لیے لگتا ہے کہ جب ہم اپنی قدرت پر، اپنی طاقت پر اور اپنی عقل پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو قیاس کر لیتے ہیں کہ ہم نہیں کر سکتے۔ حالانکہ یہ نہیں سوچتے کہ ہم کیا ہیں اور ہماری کیا حیثیت ہے؟؟

بئر معونہ میں دعوت کے لیے جانے والے صحابہ کی شہادت:

(حدیث) محمد بن جریر رحمہ اللہ نے اپنی سند سے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان صحابہ کو جن کو

حضور پاک ﷺ نے بئر معونہ کی طرف بھیجا تھا، فرماتے ہیں: یہ مجھے یاد نہیں کہ وہ چالیس تھے یا ستر تھے۔ اور اس پانی پر اس وقت عامر بن طفیل الجعفری کا قبضہ تھا۔ جب اصحابِ رسول پاک کی جماعت آئی تو نزدیک پہاڑ میں ایک غار تھی جو اس پانی کے اوپر تھی، اس غار میں اتر گئے اور کہا کون ہے جو حضور پاک ﷺ کی طرف سے جا کر اہل بئر معونہ کو دعوت دے؟ تو شاید ابن ملحان انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں جا کر حضور اکرم ﷺ کی دعوت پہنچاتا ہوں۔ وہ آئے اور ان کے گھر کے قریب جا کر کھڑے ہوئے اور ان سے کہا: مجھے اللہ کے نبی ﷺ نے بھیجا ہے، سب سے پہلے میں خود گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود برحق نہیں، مگر اللہ، اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ تم بھی اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ ان کے مکانوں کے پیچھے سے ایک آدمی نکلا اور وہ نیزہ لے کر آیا اور ان صحابی کو مارا تو نیزہ دوسری طرف سے نکل گیا۔ جب ان کو نیزہ لگا تو انہوں نے فرمایا: "فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ" [بخاری، رقم:۴۰۹۱] مجھے اللہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد وہ لوگ صحابی کے قدموں کے نشانات پر چلتے ہوئے اس غار تک پہنچ گئے تو وہاں جتنے صحابہ تھے سب کو شہید کر دیا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیت نازل فرمائی، جس میں ان کی طرف سے خبر دی گئی تھی: ﴿أَنْ بَلِّغُوا قَوْمَنَا أَنْ قَدْ لَقِينَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا﴾ [بخاری، رقم:۴۰۹۰] کہ ہماری قوم کی طرف یہ خبر پہنچا دی جائے کہ ہم اپنے پروردگار سے اس حال میں ملے کہ وہ ہم سے راضی اور ہم اس سے راضی ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پہلے کچھ عرصہ ہم اس کو پڑھتے رہے، اس کے بعد آیت تلاوت کے اعتبار سے بھی منسوخ ہو گئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾۔ [بخاری، رقم:۲۸۰۱]

شہداء کی حیات کی کیفیت کی ایک صورت:

حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو میرے راستے میں شہید ہو گئے ان کو مردہ نہ کہو، زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں۔ تو حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس آیت کے بارے میں ہم نے خود حضور اکرم ﷺ سے پوچھا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ، لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ، تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ، ثُمَّ تَأْوِي إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ، فَاطَّلَعَ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمُ اطِّلَاعَةً، فَقَالَ: هَلْ تَشْتَهُونَ شَيْئًا؟ قَالُوا: أَيَّ شَيْءٍ نَشْتَهِي وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا، فَفَعَلَ ذٰلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا رَأَوْا أَنَّهُمْ لَنْ يُتْرَكُوا

مِنْ أَنْ يُسْأَلُوا، قَالُوا: يَا رَبِّ! نُرِيدُ أَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَا فِي أَجْسَادِنَا حَتَّى نُقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخْرَى، فَلَمَّا رَأَى أَنْ لَيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِكُوا)) [مسلم، رقم:۱۸۸۷]

اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز شکل کے پرندوں کے اندر رکھا ہے اور ان کے پنجرے عرش کے نیچے لٹکے ہوئے ہیں اور وہ جنت کی سیر کرتے ہیں، جنت سے جہاں چاہتے ہیں کھاتے ہیں اور پھر انہی قنادیل (پنجروں) کے اندر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: تمہیں اور کوئی چیز چاہیے؟ انہوں نے کہا: اللہ میاں! اور کون سی نعمت ہمیں چاہیے؟ ہم جنت کی سیریں کر رہے ہیں اور اس کا رزق کھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ بات تین دفعہ ارشاد فرماتے ہیں اور وہ کہتے ہیں: مولیٰ! ہماری ایک تمنا ہے کہ آپ ہمیں ایک دفعہ دوبارہ دنیا میں بھیجیں، زندہ کریں، تاکہ ہم آپ کے راستے میں دوبارہ شہید ہو جائیں۔ لیکن چونکہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ جو اس دنیا سے گیا وہ واپس نہیں آئے گا، اس لیے جب اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ ان کو کوئی حاجت نہیں تو ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔

صرف شہید کو دنیا میں لوٹنے کی خواہش ہوتی ہے:

(حدیث) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْ نَفْسٍ تَمُوتُ، لَهَا عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ، يَسُرُّهَا أَنَّهَا تَرْجِعُ إِلَى الدُّنْيَا، وَلَا أَنَّ لَهَا الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، إِلَّا الشَّهِيدُ، فَإِنَّهُ يَتَمَنَّى أَنْ يَرْجِعَ، فَيُقْتَلَ فِي الدُّنْيَا لِمَا يَرَى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ)) [مسلم، رقم:۱۸۷۷]

جو بندہ اللہ کے راستے میں مر گیا، اس کو خوشی نہیں ہوتی کہ اس کو دوبارہ دنیا میں لوٹایا جائے؛ کیونکہ وہ خیر میں ہے، مگر شہید کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ مجھے پھر دنیا میں لوٹایا جائے، تاکہ میں اللہ کے راستے میں دوبارہ شہید ہو جاؤں؛ کیونکہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ نے جنت دے دی وہ مطمئن ہے، لیکن شہید جب دیکھتا ہے کہ شہادت میں اتنے درجات ہیں تو وہ کہتا ہے کہ اللہ میاں! مجھے پھر دنیا میں واپس بھیجو، پھر تیرے راستے میں شہید ہو جاؤں، تاکہ مجھے شہادت کا مرتبہ اور زیادہ ملے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کا اعزاز:

(حدیث) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا:

((أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ أَحْيَا أَبَاكَ، فَقَالَ لَهُ: تَمَنَّ عَلَيَّ، فَقَالَ: أُرَدُّ إِلَى الدُّنْيَا، فَأُقْتَلُ مَرَّةً

أُخرىٰ، فَقَالَ: إِنِّي قَضَيْتُ، أَنَّهُمْ إِلَيْهَا لَا يُرْجَعُونَ)) [مسند احمد، رقم:۱۴۸۸۱]

تجھے پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے والد کو دوبارہ زندہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو حکم دیا کہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ میاں! مجھے دنیا میں دوبارہ بھیج دو، تا کہ تیرے راستے میں دوبارہ شہید ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تقدیر کا فیصلہ ہے کہ جس پر ایک دفعہ موت آ گئی تو اب وہ دوبارہ دنیا میں نہیں لوٹایا جائے گا۔

صحیحین میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کا نام عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاری رضی اللہ عنہ تھا، وہ احد کے دن شہید ہو گئے۔

بخاری شریف کے اندر روایت ہے کہ ابن المنکدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ میرے ابا جان شہید ہو گئے تو میں رو رہا تھا اور اپنے ابا کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر دیکھتا تھا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم مجھے روک رہے تھے کہ مت روؤ، لیکن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے منع نہیں فرمایا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نہ روؤ یا، فرمایا کہ تم کیوں رو رہے ہو؟ تمہیں پتہ نہیں کہ تیرے ابا کا تو یہ مقام ہے کہ اللہ کے فرشتے اپنے پروں کا سایہ کر کے کھڑے رہے، حتیٰ کہ ان کو لے کر چلے گئے۔ [بخاری، رقم:۴۰۸۰]

یاد رکھیں! اگر کسی کا باپ، بیٹا، بھائی فوت ہو گیا اور آدمی آنسو بہا رہا ہے تو یہ منع نہیں بلکہ آنسو بہانا تو اللہ کی رحمت کی دلیل ہے کسی کی موت پر ماتم کرنا منع ہے۔ یعنی آدمی کپڑے پھاڑ دے، سر پر مٹی ڈالے، چہرے پر تھپڑ مارے اور رو رو کر فریادیں کرے اور آواز نکالے جیسا کہ آج کل مروجہ ماتم ہیں کہ عورتیں اکٹھی ہو کر رو رہی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ بڑا آدمی تھا، بڑی دنیا رو رہی تھی۔

شانِ نزول:

(حدیث) حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَمَّا أُصِيبَ إِخْوَانُكُمْ بِأُحُدٍ، جَعَلَ اللهُ أَرْوَاحَهُمْ فِي أَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ، تَرِدُ أَنْهَارَ الْجَنَّةِ، وَتَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا، وَتَأْوِي إِلَى قَنَادِيلَ مِنْ ذَهَبٍ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ، فَلَمَّا وَجَدُوا طِيبَ مَشْرَبِهِمْ وَمَأْكَلِهِمْ، وَحُسْنَ مُنْقَلَبِهِمْ قَالُوا: يَا لَيْتَ إِخْوَانَنَا! يَعْلَمُونَ مَا صَنَعَ اللهُ لَنَا لِئَلَّا يَزْهَدُوا فِي الْجِهَادِ، وَلَا يَنْكُلُوا

عَنِ الْحَرْبِ، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا أُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ هٰذِهِ الْآيَاتِ ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾)) [مسند احمد، رقم:۲۳۸۸]

تمہارے بھائی یعنی صحابہ جب احد کے دن شہید ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو پرندوں میں رکھا۔ وہ جنت کی نہروں پر آتے ہیں، جنت کے پھل کھاتے ہیں اور عرش کے نیچے سونے کے پنجروں میں آرام کرتے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ہمیں ایسی ایسی نعمتیں کھانے کو مل رہی ہیں، رہنے کو مل رہی ہیں، کہنے لگے: اے کاش! ہمارے بھائی جو دنیا میں زندہ ہیں، انہیں بھی پتہ چلتا کہ اللہ تعالیٰ شہیدوں کو کیا انعام دیتا ہے؟ تاکہ وہ بھی دنیا میں زیادہ رغبت نہ کرتے اور جہاد میں بزدلی نہ دکھاتے، بلکہ اللہ کے راستے میں شہید ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہاری یہ تمنا اور خواہش تمہارے بھائیوں کو میں پہنچا دیتا ہوں تو اللہ پاک نے قرآن میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾۔

(حدیث) ابوبکر ابن مردویہ ؒ نے اپنی سند کے ساتھ حدیث نقل فرمائی ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ ؓ سے سنا ہے کہ ایک دن مجھے میرے آقا ﷺ نے دیکھا اور فرمایا:

((يَا جَابِر مَالِيْ أَرَاكَ مُهْتَمًّا؟ قَالَ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اسْتُشْهِدَ أَبِيْ وَتَرَكَ دَيْنًا وَعِيَالًا، قَالَ: فَقَالَ: أَلَا أُخْبِرُكَ مَا كَلَّمَ اللّٰهُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ، وَإِنَّهُ كَلَّمَ أَبَاكَ كِفَاحًا......))

[دلائل النبوۃ للبیہقی: ۳/۲۹۹]

اے جابر! کیا بات ہے تم بڑے غمگین اور اداس ہو؟ تو حضرت جابر ؓ نے عرض کیا: میرے ابا شہید ہو گئے اور بہت بڑا قرض اور عیال چھوڑ گئے ہیں، قرض ادا کرنا ہے، اس کا مجھ پر بوجھ ہے، اس لیے میں غمگین اور اداس ہوں۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: جابر! کیا تجھے پتہ بھی ہے کہ تمہارے ابا کی شان کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی سے بغیر پردے کے بات نہیں کی، لیکن تیرے ابا کی شان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر حجاب کے آمنے سامنے بات کی ہے اور اللہ پاک نے ان سے فرمایا: مانگو کیا مانگتے ہو؟ تو تیرے ابا نے کہا: اللہ! مجھے دنیا میں پھر بھیجو، میں تیرے راستے میں شہید ہونا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تو میری قضا و قدر کا فیصلہ ہے کہ جن لوگوں کو موت آ گئی ان کو پھر دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا۔ تو انہوں نے کہا: اے میرے رب! میرے پچھلوں کو یہ بات پہنچا دیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾۔

ایک بات سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہیں کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ عالم آخرت میں تو ہر مومن کو اللہ کا دیدار ہوگا۔ ہر وہ بندہ جس کو ایمان پر موت آئی یا ایمان پر مرے گا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اپنا دیدار کرائیں گے۔ اور وہ دیدار اتنا کھلا اور واضح ہوگا کہ حضور اکرم ﷺ نے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا: میرے صحابہ! کیا تمہیں اس میں کوئی شبہ ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اس میں کیا شبہ ہے؟ پہلی رات کے چاند میں تو شبہ ہوسکتا ہے کہ کسی کو نظر آیا اور کسی کو نہ آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت والے دن تم سب ایسے اپنے رب کا دیدار کروگے اور اپنے رب کے دیدار میں تمہیں کوئی شبہ نہیں ہوگا۔

رہا عالم برزخ، اس کا ایک سرا دنیا کے ساتھ ہے اور دوسرا سرا عالم آخرت کے ساتھ ہے۔ لہٰذا جب آدمی عالم دنیا سے عالم برزخ میں منتقل ہوگیا، اگر اللہ تعالیٰ کسی کو وہاں زیارت کرادیں تو کوئی انکار کی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اس پر قادر ہیں۔ اصل مسئلہ تو دنیا کے اندر ہے؛ کیونکہ ہر عالم کے لیے اللہ کے اپنے احکام ہیں۔

(حدیث) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرے ابا کو زندہ کیا اور فرمایا: مانگو کیا مانگتے ہو؟ انہوں نے کہا: اے اللہ میاں! میں نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا اور ہم تیری عبادت کا حق ادا نہیں کرسکتے، آپ مجھے دنیا میں دوبارہ بھیجیں، تاکہ میں تیرے نبی کے ساتھ ہوکر کافروں سے لڑوں اور پھر تیرے راستے میں دوسری مرتبہ شہید ہوجاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ میرا فیصلہ ہے کہ اب ہم دنیا میں کسی کو نہیں لوٹائیں گے۔ [دلائل النبوۃ للبیہقی: ۳/۲۹۹]

بعض شہداء کی ارواح جنت کی نہر پر:

(حدیث) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

((الشُّهَدَاءُ عَلَى بَارِقٍ نَهَرٍ بِبَابِ الْجَنَّةِ فِي قُبَّةٍ خَضْرَاءَ، يَخْرُجُ عَلَيْهِمْ رِزْقُهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ بُكْرَةً وَعَشِيًّا))

[مسند احمد، رقم: ۲۳۹۰]

جنت کے دروازے پر ایک نہر ہے، شہداء اس پر ہیں۔ وہاں ایک سبز گنبد بنا ہوا ہے اس سے آتے ہیں اور انہی میں سے ان کا رزق صبح شام بھیجا جاتا ہے۔

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شہیدوں کے بھی مرتبے ہیں کہ بعض پرندوں کے اندر سیر کر رہے ہیں اور بعض جنت کے

دروازے پر اس نہر پر ہیں یا یہ ہے کہ سیر کرتے ہیں، یہاں پہنچتے ہیں اور یہاں ان کو جنت کی خوراک ملتی ہے اور اس کے بعد وہ اپنے اپنے مقام پر چلے جاتے ہیں۔

مسند احمد میں ایک اور حدیث بھی آئی ہے جس کے اندر مومن کو یہ بشارت ملی ہے کہ جو بھی مومن ہیں اور ان کی موت ایمان پر آ گئی اللہ ان کی روحوں کو بھی جنت میں بھیجتے ہیں، وہ بھی سیر کرتے ہیں، وہ بھی جنت کے پھلوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کو بھی سرور اور لذت حاصل ہوتی ہے۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بہت بڑی عظیم اور صحیح سند والی حدیث ہے اور اس کی بڑی شان ہے کہ اس میں تین امام سند کے اندر موجود ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے اور انہوں نے مالک بن انس رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے امام زہری رحمہ اللہ سے، انہوں نے کعب بن مالک رحمہ اللہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَائِرٌ يَعْلُقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ، حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى جَسَدِهِ يَوْمَ يُبْعَثُ)) [سنن ابن ماجہ، رقم: ۴۲۷۱] مومن کی روح ایک پرندے کی شکل میں ہے جو جنت کے اندر ہے، یہاں تک اللہ اس کو لوٹائیں گے اس کے بدن میں جس دن اس کو قیامت میں اٹھائیں گے۔

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان دونوں حدیثوں کے اندر بہت بڑا فرق ہے کہ مومن کی روح کو اللہ تعالیٰ پرندے کی شکل دے دیں گے کہ چلو پھرو اور کھاؤ، لیکن شہداء کی روح کو سبز پرندوں کے اندر رکھیں گے، وہ پرندے ان کو لے کر اڑیں گے۔ تو ایک ہے آدمی کا خود اڑنا اور دوسرا ہے کہ پرندے کا ان کو لے کر اڑنا، دونوں کے مقام کے اندر آسمان اور زمین کا فرق ہے۔ اور شہداء کی ارواح عام مومنین کو ایسے نظر آئیں گی اور وہ اتنی بلندی پر ہوں گی جیسا کہ ہم ستاروں کو بلندی پر دیکھتے ہیں۔ [ابن کثیر]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَرِحِينَ بِمَآ آتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝﴾ شہداء خوش ہوں گے جو اللہ ان کو نعمتیں دیں گے، یعنی وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس ہیں اور جو اللہ نے ان کو نعمتیں دی ہیں ان پر بڑے خوش ہیں اور اس پر بھی خوش ہیں کہ ہمارے بعد ہمارے ایمان والے بھائی اللہ کے راستے پر شہید ہو کر آئیں گے تو ان کو بھی یہ مقام ملے گا اور ان کو آگے آنے والے وقت کا بھی ڈر نہیں ہے؛ کیونکہ وہ تو بخشے گئے ہیں اور جو انہوں نے چھوڑا اس کا انہیں کوئی غم نہیں ہے۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ ان کے پیچھے آنے والے بھائی بھی جہاد میں لگے رہیں گے اور شہادت کی موت پا کر وہ بھی شہادت کی نعمتوں میں ہمارے ساتھ شریک بنیں گے۔

شہداء پر ایک اور نعمت:

حضرت سدی رحمہ اللہ نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ شہیدوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ملائکہ کو حکم دیتے ہیں، وہ آ کر ان کو ایک کتاب دیتے ہیں۔ اس میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں آدمی فلاں دن مرے گا اور تمہارے پاس آئے گا۔ تو جب ان شہداء کو ان کے آنے کی اطلاع دی جاتی ہے تو وہ بڑے خوش ہوتے ہیں کہ ہمارے اور بھائی بھی آ رہے ہیں، ہماری ان سے ملاقات ہوگی۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے ان کو شہداء میں داخل کیا اور انہوں نے شہداء کی عزت دیکھی تو وہ بڑے خوش ہو کر کہیں گے: کاش! کوئی ذریعہ ہوتا کہ ہم اپنے دوستوں کو خبر کرتے کہ شہید کا یہ مقام ہے، لہٰذا تم پیچھے نہ رہ جانا، جہاد کرو اور شہادت کی موت پا کر آؤ۔ جب انہوں نے یہ تمنا کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان شہیدوں سے فرمایا: تم جو تمنا کر رہے تھے ہم نے تمہارے نبی کے ذریعہ ان کو خبر پہنچا دی ہے۔ [تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۶۵]

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت موجود ہے کہ اصحاب بئر معونہ جو ستر آدمی تھے اور ایک وقت میں شہید ہوئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کی اطلاع ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کئی دن تک فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے رہے اور ان لوگوں پر لعنت کرتے رہے جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان شہداء کی شان میں قرآن کی یہ آیات اتاریں: ﴿بَلِّغُوا عَنَّا قَوْمَنَا أَنَّا لَقِينَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَأَرْضَانَا﴾ [بخاری، رقم: ۴۰۹۰] یعنی ہماری طرف سے ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم نے اپنے رب سے ملاقات کی ہے۔ وہ ہم سے راضی ہے اور اس نے ہمیں راضی کر دیا ہے۔

اس کے بعد یہ آیات منسوخ ہو گئیں اور یہ آیات اتریں جن کو ابھی تلاوت کر رہے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت نے تمام مومنین کو جمع کر دیا، خواہ وہ شہداء ہوں یا ان کے علاوہ۔ اور اللہ تعالیٰ اکثر جہاں انبیاء اور ان کے ثواب کا ذکر کرتے ہیں تو وہیں ان انبیاء کے بعد اہل ایمان کے ثواب کا ذکر بھی فرماتے ہیں۔ [تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۶۵]

﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے وہ بندے جنہوں نے میرے مدنی پاک ﷺ کی فرمانبرداری واطاعت کی اور جاں نثاری کی باوجود اس کے کہ وہ زخمی ہوئے اور ان کو تکلیفیں پہنچیں، لیکن انہوں نے میرے مدنی کی پوری پوری اطاعت کی۔

اس کا اصل واقعہ یہ ہے کہ جب جنگ احد ہوئی، اس میں ستر صحابہ شہید ہو گئے، مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ابا شہید ہو گئے، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، بڑے بڑے کئی صحابہ شہید ہو گئے، آپ کے چہرہ مبارک پر زخم آئے اور آپ کا دانت مبارک شہید ہو گیا۔ اس سب کے بعد جب کافر مدینہ منورہ سے دور ہو کر راستہ میں مشورہ کرنے لگے کہ ہم نے تو بڑی غلطی کی ہے۔ جب ہم جنگ جیت گئے تھے تو یہی موقع تھا کہ ہم مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیتے، آج مسلمانوں کی طاقت شکست میں بدل چکی تھی، ہم مدینہ پر حملہ کر دیتے اور آج فیصلہ ہو جاتا کہ مسلمانوں کی قوت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی۔

حضور اکرم ﷺ کو ان کے مشورہ کی خبر ملی اور دوسری روایت آپ پڑھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو بھیجا، انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے جنگ کے لباس کو اتار دیا ہے، لیکن ہم نے تو ابھی تک نہیں اتارا، ہم تو ابھی تک اسی لباس میں کھڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ مشرکین کا تعاقب کریں۔ تو حضور اکرم ﷺ نے آواز دی کہ جو لوگ احد میں میرے ساتھ تھے ان کے علاوہ اور کوئی نہ آئے، ہم کافروں کے تعاقب میں جاتے ہیں، تاکہ کافروں کو پتہ چل جائے کہ مسلمانوں کی قوت وطاقت موجود ہے، وہ اب بھی لڑ سکتے ہیں۔ وہ شکست تو اللہ کی طرف سے ایک امتحان تھا جو ہمارے ساتھ ہو گیا۔ تو جتنے صحابہ تھے زخمی ہو گئے تھے، لیکن انہوں نے کہا: ہم حاضر ہیں۔ جب صحابہ آپ کے ساتھ چلے اور بدر صغریٰ تک کافروں کا تعاقب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ وہ واپس آنے کی جرأت نہ کر سکے اور وہ مکہ لوٹ گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے مدنی! تیرے وہ پروانے جنہوں نے زخم کھا لیے، لیکن پھر بھی تیرے حکم کی اطاعت کی، یہ لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم رکھا ہے۔

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت جابر کو اجازت دی اور کسی کو اجازت نہیں ملی کہ تم چل سکتے ہو، وہ زخموں کے ساتھ کہ خون بہہ رہا تھا، لیکن صحابہ پھر بھی تعاقب میں چل پڑے۔

شانِ نزول:

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب مشرکین احد کی لڑائی کے بعد واپس راستے میں اکٹھے ہو کر کہنے لگے: "لَا مُحَمَّدًا قَتَلْتُمُوهُ، وَلَا الْكَوَاعِبَ أَرْدَفْتُمْ، وَبِئْسَ مَا صَنَعْتُمْ ارْجِعُوا" [السنن الکبری للنسائی، رقم: ۱۱۰۱۷] کہ تم نے کیا کیا ہے!! اللہ کے نبی کو بھی قتل نہ کیا اور تم ان کی نوجوان لڑکیوں کو بھی اپنے ساتھ نہیں لائے، تم نے برا کیا ہے، تم واپس چلو۔ دوسری طرف حضور ﷺ صحابہ کو لے کر حمراء الاسد تک آئے اور ایک روایت میں ہے کہ بئر ابی عیینہ کے قریب آ گئے تھے۔ لیکن ابوسفیان نے کہا کہ ہم نہیں لڑتے، اب ہم اگلے سال جنگ لڑیں گے۔ اس طرح ابوسفیان مکہ واپس چلا گیا اور حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اس لیے اس کو بھی غزوہ کہتے ہیں؛ کیونکہ حضور پاک ﷺ تشریف لے گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾۔ [السنن الکبری للنسائی، رقم: ۱۱۰۱۷]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کا جسم محفوظ تھا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے ابا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب جنگ احد میں شہید ہو گئے تو میں نے دل میں سوچا کہ آج تو اتنے شہید ہیں کہ ایک ایک قبر میں دو دو، تین تین دفن ہو رہے ہیں۔ کاش! مجھے موقع ملتا تو میں اپنے ابا کو علیحدہ دفن کرتا۔ پھر کافی عرصہ گزر گیا، حالات بدل گئے اور احد میں پانی آ گیا تو مجھے موقع ملا کہ میں اپنے ابا کی قبر علیحدہ بنا دوں۔ جب میں نے اپنے ابا کو جا کر نکالا تو دیکھا کہ جیسے ان کو آج ہی دفن کیا گیا ہو، ان میں کوئی تغیر نہیں آیا تھا۔

اسی طرح بعض صحابہ کے بارے میں یہ باتیں بھی آئی ہیں کہ جب ان کی قبر مبارک کھولی گئی تو ان کا پاؤں ظاہر ہو گیا۔ اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ بعض صحابہ اور شہیدوں کے پاؤں کو کوئی کلہاڑی لگی تو خون جاری ہو گیا۔ تو ایسے واقعات اللہ تعالیٰ کبھی کبھی کھول دیتے ہیں۔ ورنہ عالم برزخ ہے، عالم مغیبات ہے، اس عالم کو ہم سمجھ نہیں سکتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے تو ہمارا ایمان ہے کہ شہداء زندہ ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور پاک ﷺ کو معراج والی رات وہ لوگ دکھائے جو چغل خور تھے اور ان کو عذاب ہو رہا تھا۔ وہ لوگ دکھائے جو زانی تھے، ان کو عذاب ہو رہا تھا۔ اور وہ لوگ دکھائے جو سود کھانے والے تھے اور ان کو عذاب ہو رہا تھا۔ جتنا قران اور احادیث رسول میں ہے آدمی اس پر قائم رہے۔ نہ اپنی طرف سے ایک لفظ کا

اضافہ کرے اور نہ اپنی طرف سے کوئی کمی کرے۔ ورنہ آدمی پٹڑی سے ہٹ جائے گا، بھٹک جائے گا۔

جنگ احد کے بعد حضور ﷺ کا تعاقب کرنے کا مقصد:

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب احد کی لڑائی ہوئی، ہفتہ کا دن تھا، پندرہ شوال تھی اور جب اتوار کا دن آیا سولہ شوال کی رات تھی کہ حضور ﷺ کے منادی نے ندا دی کہ اے صحابہ! دشمن کے تعاقب کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اور یہ بھی اعلان کیا کہ کافروں کے تعاقب میں ہم جا رہے ہیں اور ہمارے ساتھ صرف وہ مجاہدین جائیں گے جو کل احد میں ہمارے ساتھ تھے۔ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری سات بہنیں ہیں، جب جنگ احد کی ندا آئی تو میرے ابا نے مجھے بلا کر کہا: میں بھی جا رہا ہوں، تم بھی چلے جاؤ گے تو لڑکیاں اور بچے کن کے حوالے کریں گے؟ اس لیے تم یہاں رہو اور میں جہاد میں جاتا ہوں۔ اور میں یہ بھی نہیں کر سکتا کہ تمہیں بھیجوں اور میں پیچھے رہ جاؤں، میں تو حضور ﷺ کے ساتھ جاؤں گا، ورنہ میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی تھی۔ حضور ﷺ نے ان کو اجازت دے دی کہ تم بھی ساتھ جا سکتے ہو، ورنہ اور کسی کو اجازت نہیں ملی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ حضور ﷺ کے دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے روانہ ہوئے تھے، تاکہ ان تک یہ بات پہنچ جائے کہ احد کی پسپائی نے مسلمانوں کو دشمن سے کمزور نہیں کیا، ابھی ان کو قوت حاصل ہے۔
[تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۶۶]

دو زخمی صحابہ کی عالی ہمتی:

حضرت ابو السائب مولی عائشہ بن عثمان روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے صحابہ میں سے بنو عبد الاشہل کے ایک صحابی تھے، وہ فرماتے ہیں: میں اور میرا بھائی جو جنگ احد میں شریک ہوئے، دونوں جنگ احد میں زخمی ہو گئے۔ جب حضور ﷺ کے موذن نے حکم دیا کہ دشمن کے مقابلہ پر چلو تو دونوں بھائی کہنے لگے کہ اب ہم کیا کریں؟ خدا کی قدرت ہے کہ ہمارے پاس سواری بھی نہیں ہے اور ہم دونوں زخمی بھی ہیں، لیکن ان دونوں نے کہا: چاہے ہمیں موت آ جائے، لیکن ہم پیچھے نہیں رہیں گے۔ صحابی کہتے ہیں کہ میرے زخم بھائی کے زخم سے تھوڑے تھے۔ جب بھائی چلتے چلتے تھک جاتے تھے تو میں ان کو کندھوں پر اٹھا لیتا تھا کہ جہاں حضور حکم دیں گے ہم نے جانا ضروری ہے۔ تو جہاں تک مسلمان پہنچے وہاں تک ہم بھی پہنچے۔ [السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: ۲/۱۰۱]

مسلمانوں کے اندر جذبہ کا یہ عالم تھا کہ اتنے زخموں کے باوجود اللہ کے رسول کا حکم ملا تو جان کی بازی لگا دی۔

امام بخاری ﷫ نے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ ﷞ نے یہ آیت پڑھی: ﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ......﴾ اور حضرت عروہ ﷜ کو فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷜ اور حضرت زبیر ﷜ ان میں سے ہیں! کیونکہ جب حضور اکرم ﷺ کو زخم پہنچے اور صحابہ کو زخم پہنچے اور مشرکین مکہ واپس لوٹ گئے تو حضور پاک ﷺ کو خیال آیا کہ دشمن کہیں پھر دوبارہ حملہ نہ کردیں تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ان کے پیچھے کون جاتا ہے؟ اس وقت جو ستر آدمی نکلے ان میں حضرت ابوبکر ﷜ اور حضرت زبیر ﷜ بھی تھے۔

[بخاری، رقم: ۴۰۷۷]

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ ﷞ حضرت عروہ بن زبیر ﷟ کو کتنی شان سے بیان کر رہی ہیں کہ اے بھانجے! جن کے بارے میں قرآن پاک کی آیت اتری تھی اور جن کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے مدنی کی اطاعت کرنے والے ہیں، ان لوگوں میں تیرا ابا بھی تھا اور میرا ابا بھی تھا۔

حضرت ابن عباس ﷜ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا تھا، اس لیے وہ مکہ واپس چلے گئے تو نبی کریم نے فرمایا: ابوسفیان تم سے ایک طرف پہنچ چکا تھا اور واپس چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا تھا۔ اور احد کا واقعہ شوال میں پیش آیا تھا۔ تاجروں کے قافلے ذی القعدہ میں مدینہ منورہ میں آتے تھے اور بدر صغریٰ میں وہ اترا کرتے تھے۔ سال کے اندر ایک دفعہ۔ غزوہ احد میں مومنین کو بڑے زخم پہنچے تھے، انہوں نے حضور پاک ﷺ سے بھی یہ بات کہی کہ یا رسول اللہ! ہمیں بڑی تکلیف ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کو بلایا کہ تیار ہو جائیں، لیکن لوگوں کے دل میں خوف پیدا ہوا، شیطان نے انہیں ڈرایا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ پھر تمہیں تکلیف پہنچے اور مشرکین تمہارے مقابلہ کے لیے جمع ہو گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے تو جانا ہے، چاہے کوئی ایک بھی نہ جائے، میں کافروں کا مقابلہ کروں گا۔ اس وقت سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت طلحہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح وغیرہ ﷡ ستر آدمیوں کا قافلہ چلا اور ابوسفیان کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے مقام صفراء پر پہنچے اور دوسری جگہ حمراء الاسد آتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ آیت اتاری:

﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ......﴾۔ [تفسیر طبری: ۷/ ۴۰۲]

ابن اسحاق ﷫ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مدینہ سے روانہ ہو کر حمراء الاسد تک تشریف لے گئے اور حمراء



الاسد مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر تھی۔

ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ باہر گئے تو آپ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا گورنر بنا گئے تھے۔ حضور پاک ﷺ اتوار کو نکلے تھے تو سوموار، منگل، بدھ آپ باہر رہے تھے اور پھر آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔

یادرکھیں! حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مصلی پر کھڑا کیا۔ اب فقہاء نے اسی سے مسئلہ نکالا ہے کہ اگر کوئی شخص نابینا ہے، لیکن صاف ستھرا ہے، پاکی پلیدی کا خیال رکھتا ہے، عالم بھی ہے، حافظ اور قاری بھی ہے وہ امام بن سکتا ہے؛ کیونکہ حضور پاک ﷺ نے نابینا کو امام بنایا تھا۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ کا یہی کام ہوتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے، مگر فرمان رسول پاک ﷺ سے جو موتی نکلتے ہیں وہ امت کے سامنے کھول کر بیان کر دیتے ہیں، تاکہ ان کو بات سمجھ آجائے۔

خزاعی نے حدیث بیان کی ہے۔ بنوخزاعہ جو مسلمان بھی تھے اور کچھ کافر بھی تھے، لیکن سارے حضور اکرم ﷺ کے خیر خواہ تھے۔ حضور اکرم ﷺ ہجرت کی رات ام معبد کے خیمہ میں گزرے تھے اور بکری کے دودھ کا واقعہ پیش آیا تھا، وہ بھی خزاعیہ تھیں۔ حضور پاک ﷺ کو جب جنگ احد میں شکست ہوئی تو بنوخزاعہ کے لوگ حضور پاک ﷺ کی خدمت میں آئے، ان میں معبد بن ابومعبد الخزاعی بھی تھا، یہ اس وقت مشرک تھا، مسلمان نہیں تھا، اس نے کہا: ''يَا مُحَمَّدُ! أَمَا وَاللهِ لَقَدْ عَزَّ عَلَيْنَا مَا أَصَابَكَ فِي أَصْحَابِكَ، وَلَوَدِدْنَا أَنَّ اللهَ عَافَاكَ فِيهِمْ'' [تفسیر ابن کثیر] خدا کی قسم ہے! آپ کو جو تکلیف پہنچی اور آپ کے جو صحابہ شہید ہوئے ہمیں بڑا دکھ ہے اور خدا کی قسم ہے! ہم چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو پھر کامیابی دے، آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرے اور ہمیں بھی خوشی ہو۔ اس نے حضور اکرم ﷺ سے یہ باتیں کیں۔ اس کے بعد وہ چل پڑا۔ اس کے بعد ابوسفیان کو روحا کے مقام پر ملا تو ابوسفیان نے وہاں اپنی طاقت کو جمع کر رکھا تھا اور ان سب نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام پر دوبارہ حملہ کرنے کا اتفاق کرلیا تھا اور آپس میں کہہ رہے تھے کہ ہم ان (محمد ﷺ) کے ساتھیوں اور قائدین کو ختم کر چکے تھے، پھر ہم ان کی بیخ کنی کیے بغیر ہی واپس آگئے، ہم ان کے باقی لوگوں پر حملہ کر کے ان سے بھی فارغ ہو لیتے ہیں۔ ابھی ابوسفیان تیاری کر رہا تھا کہ معبد وہاں پہنچ گیا اور ابوسفیان سے پوچھا: تم یہ کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا: ہم پھر محمد مصطفیٰ (ﷺ) پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ معبد نے کہا: میرا کہنا مانو، میں بھی مدینہ سے آ رہا ہوں۔ حضور پاک ﷺ

ایسا لشکر لے کر آ رہے ہیں خدا کی قسم ہے! میں نے ایسا لشکر پوری زندگی میں نہیں دیکھا اور ان کے لشکر کے صحابہ جلے بھنے ہوئے ہیں کہ ہم سے جو کوتاہی ہوگئی، جو چھوٹے بڑے رہ گئے تھے وہ سب تم پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ میری بات مانو تو مکہ کی طرف بھاگ جاؤ اور میں نے حضور کا لشکر دیکھ کر یہ اشعار بھی کہے ہیں:

كَادَتْ تُهَدُّ مِنَ الْأَصْوَاتِ رَاحِلَتِيْ
إِذْ سَالَتِ الْأَرْضُ بِالْجُرْدِ الْأَبَابِيلِ
تَرْدَى بِأُسْدٍ كِرَامٍ لَا تَنَابِلَةٍ
عِنْدَ اللِّقَاءِ وَلَا مِيلٍ مَعَازِيلِ
فَظَلْتُ عَدْوًا أَظُنُّ الْأَرْضَ مَائِلَةً
لَمَّا سَمَوْا بِرَئِيسٍ غَيْرِ مَخْذُولِ
فَقُلْتُ وَيْلُ ابْنِ حَرْبٍ مِنْ لِقَائِكُمْ
إِذَا تَغَطْمَطَتِ الْبَطْحَاءُ بِالْجِيلِ
إِنِّي نَذِيرٌ لِأَهْلِ الْبَسْلِ ضَاحِيَةً
لِكُلِّ ذِي إِرْبَةٍ مِنْهُمْ وَمَعْقُولِ
مِنْ جَيْشِ أَحْمَدَ لَا وَخْشٍ تَنَابِلَةٍ
وَلَيْسَ يُوصَفُ مَا أَنْذَرْتُ بِالْقِيلِ

حالانکہ مشرک تھا، لیکن حضور پاک ﷺ سے ہمدردی تھی۔ تو کافروں کے دلوں میں ایسا نقشہ کھینچا کہ وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے کہ اگر ایسا حال ہے تو پھر ہم نہیں لڑ سکتے۔

اس نے اشعار میں کہا تھا کہ مجھے ڈر تھا کہ ان کے چلنے کی جو آواز ہے اس کو سن کر میری اونٹنی مجھے گرا نہ دے۔ یعنی وہ اتنے زور سے آ رہے تھے اور معلوم یہ ہوتا تھا کہ زمین سیلاب کی طرح بھر گئی ہے۔ وہ جو تم پر حملہ کے لیے آ رہے ہیں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جیسے لڑائی کے لیے جنگل سے نکلے ہوئے شیر آ رہے ہوں۔

ابوسفیان جب مکہ کے لیے واپس چلا تو اس کو راستے میں عبد القیس کا ایک قافلہ ملا تو ابوسفیان نے ان سے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم مدینہ منورہ جا رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: کس لیے جا رہے ہو؟ انہوں

نے کہا: تاکہ ہم وہاں جا کر اپنے گھر کی ضروریات خریدیں۔ تو ابوسفیان نے ان سے کہا: میں اگر تمہیں پیغام دوں تو میرا پیغام حضور پاک تک پہنچادو گے؟ انہوں نے کہا: پہنچادیں گے۔ ابوسفیان نے کہا: اگر تم نے میرا پیغام پہنچادیا تو پھر جب سوق عکاظ کا میلہ ہوگا اور تم آؤ گے تو میں تمہیں ایک اونٹ کے برابر کشمش ہدیہ دوں گا۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ ابوسفیان نے کہا: حضور پاک کو خبر دے دو کہ ہم نے بالکل سفر تیار کرلیا ہے دوبارہ مدینہ کے اوپر حملہ کرنے کے لیے اور ہم نے اپنی قوت مزید جمع کرلی ہے، تاکہ ہم حملہ کر کے جو مسلمان باقی رہ گئے ہیں ان کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیں۔

حضور اکرم ﷺ حمراء الاسد کے مقام پر پہنچ چکے تھے اور عبدالقیس کا قافلہ گزرا تو انہوں نے آکر حضور اکرم ﷺ کو خبر دی جو ابوسفیان نے کہا تھا۔ تو جتنے آدمی وہاں حضور ﷺ کی خدمت میں موجود تھے سب کی زبان پر آیا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ اللہ ہمیں کافی ہے اور اللہ ہمارا بہترین کارساز ہے۔

[السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: ۲/۱۰۲]

ابن ہشام نے روایت نقل کی ہے کہ جب حضور پاک ﷺ کو خبر پہنچی کہ وہ واپس لوٹ کر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے اپنے صحابہ سے کہا کہ کوئی فکر نہ کریں۔ مجھے اپنے رب قدیر جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مجھے اس کی قسم ہے کہ ان کافروں کے لیے پتھر نشان لگ کر تیار ہو چکے ہیں۔ اگر انہوں نے حملہ کیا تو ایسے مٹا دیئے جائیں گے جیسے کل مٹ گئی اور واپس نہیں آئے گی اس طرح کافر و مشرک ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے۔

[السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: ۲/۱۰۲]

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابوسفیان اور اس کے دوستوں نے جو مسلمانوں کو تکلیف پہنچائی۔ سو پہنچائی اس کے بعد واپس ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ قَدْ رَجَعَ وَقَدْ قَذَفَ اللّٰهُ فِي قَلْبِهِ الرُّعْبَ، فَمَنْ يَنْتَدِبُ فِي طَلَبِهِ؟)) [تفسیر ابن کثیر] ابوسفیان واپس گیا، لیکن وہ ایسے واپس نہیں گیا، اللہ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا ہے؛ کیونکہ واضح بات ہے کہ جب دشمن نے جنگ جیت لی تو مدینہ پر حملہ کرنا کون سی مشکل بات تھی؟ مدینہ منورہ میں کوئی فوج نہیں تھی اور وہ واپس چلے گئے۔ اور کون اس کی تلاش میں میرے ساتھ تیار ہے؟ حضور پاک ﷺ تیار ہوئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ اور باقی صحابہ تیار ہوئے اور اس کے پیچھے چلے۔ ابوسفیان کو بھی اطلاع پہنچ گئی کہ حضور

لشکر لے کر آرہے ہیں۔ ان کو تاجروں کا ایک قافلہ ملا تو ابوسفیان نے ان سے کہا: اگر تم کوئی ایسی بات بتاؤ کہ اللہ کے نبی جو میرے مقابلے میں آرہے ہیں وہ واپس مدینہ چلے جائیں تو میں تمھیں انعام دوں گا اور مسلمانوں کو یہ بھی بتاؤ کہ تمہارے مقابلہ میں ان کے پاس بہت بڑا لشکر ہے، ان کی بہت بڑی تیاری ہے۔ ان تاجروں نے آکر ابوسفیان کے کہنے کے مطابق حضور پاک ﷺ کو خبر دی، لیکن آپ نے فرمایا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ مجھے اللہ کی ذات کافی ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا﴾ اس آیت کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں: حضرت عکرمہ حضرت قتادہ اور بہت سے مفسرین فرماتے ہیں: یہ غزوہ حمراء الاسد کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ بدر کے بارے میں نازل ہوئی، یعنی اگلے سال لڑنے کے لیے بدر کا وعدہ کیا گیا تھا تو حضور اکرم ﷺ بدر میں آگئے، لیکن ابوسفیان نہ آیا۔ [تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۶۹]

قرآنی اور نبوی دعاؤں کی اہمیت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ نے بھی یہی کلمہ فرمایا تھا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ اور میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کے صحابہ کو جب دشمنوں سے ڈرایا گیا تو ان کی زبان مبارک پر بھی آیا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾۔ [بخاری، رقم: ۴۵۶۳]

اس لیے یاد رکھیں کہ اللہ کے قرآن میں جتنے کلمات ہیں اور وظیفے ہیں اور جتنی ادعیہ ماثورہ ہیں حضور اکرم ﷺ سے تو یاد رکھیں! اس سے بڑی برکت کسی چیز میں نہیں ہے، لیکن آج ہماری بدقسمتی ہے کہ اگر ہمیں جاہل قسم کا کوئی پیر مل جائے، کوئی سادھو ٹکر جائے، کوئی جوگی ٹکر جائے اور کوئی جنگلوں میں پھرتا ہوا عیار مل جائے وہ ہمیں جتنا غلط وظیفہ بتادے۔ آدمی اس کو بڑے شوق سے کرتا ہے، لیکن جو قرآن میں ہے اور حدیث رسول پاک میں ہے، اس سے مسلمان غافل ہیں اور اس کے قریب بھی نہیں آتے۔

آپ اس سے اندازہ لگائیں کہ حضور پاک ﷺ نے وظیفہ بتایا ہے کہ ہر نماز کے بعد یہ پڑھو: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ'' ۳۳ بار، ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' ۳۳ بار، ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' ۳۴ بار اور ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ''۔

اور اسی طرح احادیث میں موجود ہے کہ ہر نماز کے بعد جو شخص آیت الکرسی پڑھے اس کو جنت میں جانے سے

کوئی چیز نہیں روک سکتی، مگر موت؛ کیونکہ موت کے بغیر آدمی جنت میں نہیں جا سکتا، لہٰذا اس کے مرنے کی دیر ہے، اللہ تعالیٰ اس پر جنت کی نعمتیں شروع کر دیں گے۔

حضور اکرم ﷺ صبح و شام معوذتین آیت الکرسی سورۃ الفاتحہ پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے سر سے لے کر سارے بدن پر پھیرتے تھے، لیکن آج اگر کسی پیر کا بتایا ہوا وظیفہ ہو اس کو پہلے پڑھیں گے اور نبی علیہ السلام کا بتایا ہوا وظیفہ بعد میں پڑھیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتابوں میں لکھا ہے کہ قرآن میں جو کلمات ہیں جو ان کو پڑھنے کے بعد یہ سمجھے کہ میری مشکل دور نہیں ہوگی، وہ توبہ کرے کہ وہ اسلام سے نکل جائے گا۔ کیونکہ جب صحابہ پر کوئی مشکل آئی تو انہوں نے پڑھا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ کامیاب ہو گئے۔ جب اللہ کہہ رہا ہے کہ یہ کلمات پڑھنے والے کامیاب ہو گئے تو آج مسلمان ان کو پڑھے تو وہ ناکام کیسے ہو سکتا ہے؟ لیکن شرط یہ ہے کہ پورے یقین کے ساتھ پڑھا جائے۔

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ کی فضیلت:

(حدیث) ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے، جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ حضور سرکارِ مدینہ ﷺ نے فرمایا: ((إِذَا وَقَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ الْعَظِيمِ فَقُولُوا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾)) [ال:] اگر خدا نہ کرے تم کسی بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ تو پھر بھی ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ پڑھا کرو۔ [الدر المنثور للسیوطی: ۲/۳۹۰]

(حدیث) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں: حضور سرکارِ مدینہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((كَيْفَ أَنْعَمُ وَصَاحِبُ الْقَرْنِ قَدِ الْتَقَمَ الْقَرْنَ، وَحَنَى جَبْهَتَهُ يَسْمَعُ مَتَى يُؤْمَرُ، فَيَنْفُخُ؟)) [مسند احمد، رقم: ۳۰۰۸] میں کیسے لذت اٹھاؤں؟ کیسے لباس پہنوں؟ کیسے دنیا کی لذت کی چیزوں کو استعمال کروں؟ وہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور منہ میں رکھ لیا ہے اور گردن جھکا کر اللہ کے اس حکم کے انتظار میں کھڑا ہے کہ کب حکم ملے؟ صور پھونکوں اور قیامت قائم ہو جائے۔ سب صحابہ گھبرا گئے اور عرض کیا: حضور! جب یہ عالم ہے تو ہم کیا کہیں؟ فرمایا: تم کہو ((حَسْبُنَا اللّٰهُ، وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا)) [مسند احمد، رقم: ۳۰۰۸] اے اللہ! تو ہی ہمیں کافی ہے، تو ہی بہتر کارساز ہے اور تجھ پر



ہی ہمارا اعتماد ہے۔

حشر کی مصیبت سے بھی اگر کوئی بچا سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بچا سکتے ہیں۔ عذابِ قبر سے کوئی بچا سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بچا سکتے ہیں۔ سکرات الموت کی شدت سے کوئی بچا سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بچا سکتے ہیں۔ کسی کلمہ کو پڑھنے کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اس کلمہ پر غور و عمل کرو، یہ نہیں کہ صرف لفظ پڑھتے رہو۔

(حدیث) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی آپس میں بات چھڑ گئی۔ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں۔ بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے فخر کرتے ہوئے فرمایا: عائشہ! جتنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں سب کی شان ہے، لیکن اللہ نے جو مجھے شان دی ہے وہ کسی کو نہیں ملی ہے۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا تو انہوں نے کہا: ہر بیوی کو ان کے گھر والوں نے نکاح میں دیا ہے، لیکن میں ایک ایسی بیوی ہوں جس کا نکاح اللہ نے عرش سے پڑھایا ہے۔
بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بالکل ٹھیک ہے، لیکن اللہ نے مجھے ایسی شان دی ہے کہ سارے قرآن میں اللہ نے کسی کی صفائی نازل نہیں کی، صرف میری شان میں قرآن اتارا ہے، اللہ نے میری پاکی کی گواہی عرش سے دی ہے۔ بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: واقعی میں جانتی ہوں کہ یہ شان واقعی بہت بڑی ہے کہ اللہ جس کا خود گواہ بنے اور قرآن قیامت تک پڑھا جائے۔ بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے یہ شان تمہیں دی ہے، آپ صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے اونٹ پر سوار ہوئی تھیں تو اس مصیبت کے وقت میں تم نے کیا پڑھا تھا؟ تو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے ((حَسْبِيَ اللّٰهُ، وَنِعْمَ الْوَكِيلُ)) پڑھا تھا۔ بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: عائشہ! واقعی تم نے وہ کلمہ پڑھا ہے جو ایمان والوں نے اور صحابہ نے پڑھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی کامیاب کیا تھا اور اس کلمہ کی برکت سے اللہ نے تمہیں بھی کامیاب کیا ہے۔ [تفسیر طبری: ۱۰/۸۸]

﴿فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ﴾

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نعمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا، ابوسفیان ناکام ہو کر مکہ واپس لوٹ گیا۔ صحابہ کو جنگ بھی نہ کرنا پڑی اور کافروں پر ڈر بھی طاری ہو گیا۔ مدینہ کی طرف نہ آسکے اور مکہ کی طرف بھاگ گئے۔ یہ مسلمانوں کو نعمت ملی اور ان کو فضل یہ ملا کہ اس موسم میں تجارتی قافلہ گزر رہا تھا، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجارتی قافلہ کا سارا سامان خرید لیا اور پھر مدینہ منورہ میں بیچا۔ جب نفع ہوا تو سارے صحابہ میں تقسیم کر دیا۔ یہ اللہ پر توکل اور اعتماد کرنے کی برکت تھی۔



﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَھُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَھُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِھِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَھُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ھُوَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝﴾ [آل عمران:۱۷۶تا۱۸۰]

''اور (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دکھا رہے ہیں، وہ تمہیں صدمے میں نہ ڈالیں، یقین رکھو وہ اللہ کا ذرا بھی نقصان نہیں کر سکتے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے زبردست عذاب (تیار) ہے۔ جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو مول لے لیا ہے وہ اللہ کو ہرگز ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان کے لیے ایک دکھ دینے والا عذاب تیار ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ ہم انہیں جو ڈھیل دے رہے ہیں تا کہ وہ گناہ میں اور آگے بڑھ جائیں اور (آخر کار) ان کے لیے ایسا عذاب ہوگا جو انہیں ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ اللہ ایسا نہیں کر سکتا کہ مومنوں کو اس حالت پر چھوڑ رکھے جس پر تم لوگ اس وقت ہو، جب تک وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے، اور (دوسری طرف) وہ ایسا بھی نہیں کر سکتا کہ تم کو (براہ راست) غیب کی باتیں بتا دے۔ ہاں وہ (جتنا بتانا مناسب سمجھتا ہے اس کے لیے) اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ لہٰذا تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو۔ اور اگر ایمان رکھو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو زبردست ثواب کے مستحق ہو گے۔ اور جو لوگ اس (مال) میں بخل سے کام لیتے ہیں جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے، وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لیے کوئی اچھی بات ہے، اس کے برعکس یہ ان کے حق میں بہت بری بات ہے، جس مال میں انہوں نے بخل سے کام لیا ہوگا، قیامت کے دن وہ ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔ اور سارے آسمان اور زمین کی میراث صرف اللہ ہی کے لیے ہے، اور جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔''

کفار کو مال و دولت اور جنگ میں فتح کیوں ملتی ہے؟

(سوال) جب کافروں نے بظاہر احد کی جنگ جیت لی اور مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا ستر صحابہ شہید ہو گئے، حضور اکرم ﷺ خود زخمی ہوئے، آپ کے دندان مبارک شہید ہو گئے تو ذہن میں ایک خیال جاتا ہے کہ جب کافر اللہ کے دشمن ہیں تو ان کو فتح کیوں ہوئی؟ دوسری بات یہ ہے کہ جب کفار و مشرکین اللہ کے بھی دشمن ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کے بھی دشمن ہیں، اسلام کے بھی دشمن ہیں تو پھر انہیں دنیا میں مال و دولت، اہل و عیال، عزت اور شان و شوکت یہ سب ان کو کیوں ملتا ہے؟ مسلمانوں پر آخر مصائب کے پہاڑ کیوں ٹوٹتے ہیں؟

(جواب) اس بات کو اللہ تعالیٰ نے سمجھاتے ہوئے قرآن مقدس کی ان آیات مبارکہ میں ارشاد فرمایا کہ میرے جو فیصلے ہیں وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتے، اس میں کروڑہا حکمتیں ہوتی ہیں، جو ہمیں سمجھ نہیں آتیں۔ اور پھر نا سمجھی کی بنا پر ہم اعتراض کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ نے دیکھا کہ ایک انسان باغ لگاتا ہے، پھلواریاں لگاتا ہے، کتنی محنت کرتا ہے، سردی اور گرمی سے اس کی حفاظت کرتا ہے اور وقت پر پانی لگاتا ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ جب ایک دیکھنے والا وہاں سے گزرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ جو مالی یہاں محنت کر رہا تھا وہ ہاتھ میں ایک بڑا سا مقراض لے کر کھڑا ہے اور کہیں پتے کاٹ دیتا ہے اور کہیں ٹہنیاں کاٹ دیتا ہے۔ دیکھنے والا آدمی کہتا ہے: عجیب بے وقوف آدمی ہے! دو سال تک محنت کرتا رہا اور جب یہ درخت نکل آئے تو خود اپنے ہاتھ میں قینچی لے کر کھڑا ہو گیا ہے اور ان کو کاٹ رہا ہے۔ تو یہ نہ جاننے والا اعتراض کرے گا، لیکن جو آدمی جاننے والا ہے، وہ کہے گا: اعتراض کرنے والے! تجھے کیا پتہ؟ تم تو بے وقوف ہو! کیونکہ اگر یہ ان درختوں کو نہیں کاٹے گا تو حسن کیسے آئے گا؟ یہ برابر کیسے ہوں گے؟ اگر یہ ان سے خشک ٹہنیاں نہیں کاٹے گا تو دوسری ٹہنیوں کو بھی خشک کر دیں گی، ان ٹہنیوں کو نہیں کاٹے گا تو سارا درخت بیمار ہو جائے گا، اس لیے جو کچھ کر رہا ہے بالکل ٹھیک کر رہا ہے۔ وہ حالات کے مطابق سب کچھ کر رہا ہے۔

جو لوگ سمجھدار اور ذی علم ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمیں شکست آتی ہے تو وہ بہتر ہے، اسی میں ہماری خیر مضمر ہے۔ اور جو کم فہم لوگ ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں: عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے اور کافر جیت جائیں۔ خونِ مسلم اتنا ارزاں ہو چکا ہے کہ کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے اور کافروں کا کوئی ایک بندہ بھی مر جائے تو ہمارے لیے

مصیبت کھڑی کر دیتے ہیں۔

تکوینی اور تشریعی علوم:

اصل بات یہ ہے کہ ہم اللہ کے فیصلوں کو صحیح معنی میں سمجھ نہیں سکتے۔ یاد رکھیں! امور دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک کو تشریعی کہا جاتا ہے اور ایک امور تکوینی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول تھے، اپنے وقت میں شریعت کے بادشاہ تھے، لیکن امورِ شریعت جانتے تھے، تکوینیات کو نہیں جانتے تھے۔ اور حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تکوینیات کا علم دیا تھا، شریعت کے اندر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے؛ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ نبی ہیں یا ولی ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ بھی اللہ کے نبی تھے۔ کیونکہ قرآن میں آتا ہے کہ انہوں نے کہا: ﴿وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۚ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا﴾ [الکھف: ۸۲] اے موسیٰ! جو کچھ میں نے کیا ہے اپنی طرف سے نہیں کیا، بلکہ اللہ کے حکم سے کیا ہے۔ اس لیے علماء نے فرمایا: اللہ کا حکم تو نبیوں کے پاس آتا ہے۔ لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ وہ اللہ کے ولیوں میں سے ولی تھے، نبی نہیں تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ جا رہے تھے تو حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی توڑ دی تو موسیٰ علیہ السلام ناراض ہو گئے کہ یہ اچھی بات ہے کہ انہوں نے ہمیں کشتی پر بٹھایا، دریا عبور کرایا، کرایہ بھی نہیں لیا، احترام کیا اور تم نے ان کو بدلہ دیا کہ ان کی کشتی کو توڑ دیا۔ چونکہ یہ خلافِ شریعت امر تھا تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: صبر کرو، اسی لیے میں نے آپ کو کہا تھا کہ آپ کا اور ہمارا گزارا نہیں ہوگا۔

آگے چلے ایک بچہ کھیل رہا تھا، حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو قتل کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام صبر نہ کر سکے اور فرمایا: عجیب بات ہے کہ ایک معصوم بچے کو بلا وجہ قتل کر دیا ہے!! انہوں نے کہا: آپ صبر کریں، میں نے عرض کیا تھا کہ تمہارا علم تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے جو علوم دیئے ہیں وہ میرے ساتھ ہیں۔ میرے علوم کا آپ کو علم نہیں اور آپ کے علوم کا مجھے علم نہیں تو گزارا کیسے ہوگا؟

آخر میں حضرت خضر علیہ السلام نے بات کھولی کہ میں تو کشتی نہیں توڑنا چاہتا تھا، میں نے ان پر ظلم نہیں کیا ہے، بلکہ میں نے ان پر احسان کیا ہے، انہوں نے ہمیں دریا عبور کرایا۔ اور پیچھے حکم ہے کہ آج بگار میں کشتیاں پکڑی جا رہی ہیں،

سرکاری لوگ ان کو پکڑ کر لے جاتے تو ان غریبوں کی روزی ختم ہو جاتی۔ اس لیے میں نے ان کی کشتی کی پھٹی توڑ دی کہ جب سرکاری لوگ اس کو ٹوٹا ہوا دیکھیں گے تو چھوڑ دیں گے۔ اس لیے یہ بعد میں پھٹی لگا کر اپنی روزی کماتے رہیں گے۔ تو اب موسیٰ علیہ السلام کو سمجھ آئی۔

اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو میرا دشمن ہے کافر و مشرک ہے، میں اس کو دنیا دیتا ہوں؛ کیونکہ دنیا مجھے محبوب نہیں ہے۔

کفار کو دنیا دینے کی حکمت:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ کے ہاں اس دنیا کی عزت ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو نہ دیتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو میرا نافرمان اور باغی بن جاتا ہے میں اس کو اور زیادہ دنیا دیتا ہوں اور آرام دیتا ہوں، تاکہ یہ اور سرکشی کی انتہاء تک پہنچ جائے، پھر عذاب میں کوئی کمی باقی نہ رہے۔ میں اس کو پورا پورا عذاب دوں گا۔ جیسا کہ آج بھی لوگ مثال دیتے ہیں کہ طاقت ور آدمی اپنے دشمن کو چھوڑ دیتا ہے، تاکہ اور دشمنی کرے۔ تو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر طاقت والا اور کوئی نہیں ہے۔ اللہ اپنے دشمنوں کو ڈھیل دیتے ہیں، تاکہ اور زیادہ دشمنی میں بڑھیں، یہ اپنی دشمنی کی انتہاء تک جائیں، تاکہ پھر جب ہم عذاب دیں گے تو ہم بھی اپنے عذاب کی انتہاء کر دیں گے۔ فرمایا: ﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾ [البروج: ۱۲] میری پکڑ ایسی ہوگی کہ فرعون جیسے لوگ کہ سینکڑوں سال تک جس کے سر میں بھی درد نہیں ہونے دیا، جو چھ لاکھ کا لشکر موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے دوڑا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے اس کو پکڑ کر موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کو دریاؤں سے نکال دیا اور اسی دریا میں فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا۔

فرعون کا انجام:

علماء نے لکھا ہے کہ اس کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کی ایک حکمت تھی کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے آکر توحید کی دعوت دی تو فرعون نے اپنے درباریوں سے بڑے تکبر کے ساتھ کہا: دیکھو! ہاتھ میں ایک لکڑی پکڑی ہوئی ہے، رہنے کا ٹھکانہ نہیں ہے، کھانے کو پیسہ نہیں ہے اور یہ دیکھو! میرے محلات جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، میں بہتر ہوں یا یہ فقیر بہتر ہے؟ اللہ نے فرمایا: جن نہروں پہ تم فخر کرتے ہو انہی نہروں میں تجھے غرق کر دوں گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے

اس کو پانی میں غرق کیا، ورنہ اگر اللہ چاہتے تو اس کو کسی اور عذاب میں بھی مار سکتے تھے۔

اور فرعون نے کہا تھا: یہ صحیح طرح بول بھی نہیں سکتا ہے۔ اگر چہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پھر حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم میرے نبی پر اعتراض کر رہے ہو کہ وہ یوں نہیں بول سکتے، تو ہم تجھے ایسے ماریں گے کہ تم اپنا حشر دیکھ لو گے۔ مفسرین رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ جب وہ پانی میں آیا اور اس کو غوطہ لگا تو بڑبڑ کرنے لگا اس وقت اس کی بات سمجھ بھی نہیں آرہی تھی۔

بہر حال! دیکھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر تھے بات سمجھ نہیں آرہی تھی، لیکن جب حضرت خضر علیہ السلام نے بتایا تو سمجھ گئے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان فرمایا تو ارشاد فرمایا: اے کاش! میرا بھائی موسیٰ تھوڑا اور صبر لیتے تو اور بھی اللہ کی کئی حکمتیں کھل جاتیں اور کئی باتیں سامنے آجاتیں، لیکن موسیٰ علیہ السلام صبر نہ کر سکے۔

مسلمانوں پر تکالیف کیوں آتی ہیں؟

اس لیے ان آیات کے اندر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر ہم کافروں کو ترقی دیتے ہیں تو وہ ترقی نہیں ہوتی، بلکہ استدراج ہوتا ہے کہ ہم ان کی رسی کو ڈھیلا کر دیتے ہیں کہ جب کھینچیں گے تو ان کو اپنے دردناک عذاب تک پہنچا کر چھوڑیں گے اور اگر ہم مسلمان پر کوئی مصیبت ڈالتے ہیں تو وہ عذاب نہیں ہوتا، بلکہ وہ ایسے ہے جیسے دھوبی کپڑے کو مارتا ہے، تاکہ اچھی طرح سے دھل کر صاف ہو جائے، اس کے اندر کوئی بدبو نہ رہ جائے۔ اور کپڑا جتنا گندا ہوتا ہے دھوبی اس کو اتنا زیادہ مارتا ہے۔ اور اگر زیادہ داغ ہوں تو اس کو آگ میں ڈالتا ہے کہ میں نے یہ داغ اتارنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو درجات عالیہ تک پہنچانے کے لیے دنیا میں کبھی کبھی تکلیفیں دے دیتے ہیں۔ لہٰذا کسی کی تکلیف کو دیکھ کر اعتراض نہ کیا کرو اور کسی کی دولت کو دیکھ کر پریشان نہ ہوا کرو۔ خدا جانے اس کے اندر کیا حکمتیں ہیں!؟ یہ اللہ تعالیٰ کے امتحان ہیں جو بندے کو سمجھ نہیں آسکتے۔

مسلمانوں کو گناہ کے بعد دولت وغیرہ ملنے سے ڈرنا چاہیے:

ایک بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ علماء کرام، محدثین عظام، سلف صالحین نے لکھا ہے کہ اگر کبھی انسان سے گناہ ہو جائے اور اس کے بعد بھی اگر کوئی اللہ کی نعمت مل جائے تو ڈرو کہ کہیں انجام کفر والا نہ ہو جائے؛ کیونکہ یہ کافروں کا

انجام ہوتا ہے کہ برائی کرتے جائیں اور دولت بڑھتی جائے۔ تو خطرہ محسوس کرنا اور گناہوں کو چھوڑ کر توبہ کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تمہیں کافر کر کے ماردیں۔

جیسا کہ مجھے خود ایک آدمی نے کہا کہ آپ بڑی تقریریں کرتے ہیں، آپ کی نصیحت اور تقریر کا کیا فائدہ ہے؟ میں نے کہا: ہمیں تو اللہ کا حکم ہے کہ کرتے رہیں۔ اس نے کہا: میرا ایک عورت کے ساتھ عشق ہے، میں جب بھی اس کے ساتھ جا کر ملتا ہوں تو مجھے بڑا پیسہ ملتا ہے اور جب تمہاری تقریریں سنتا ہوں تو پہلا پیسہ بھی چلا جاتا ہے تو میں وہ کام کیوں چھوڑ دوں؟

یہ وہ مقام ہے کہ انسان اسلام سے بھی نکل جاتا ہے؛ کیونکہ جیسے شیطان نے سب سے بڑی بغاوت کی، لیکن اس کو مہلت لمبی ملی یا نہیں ملی؟ اللہ تعالیٰ کا باغی تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو قیامت تک کے لیے زندہ رکھا ہے، اتنی عمر تو کسی اللہ والے کو بھی نہیں ملی۔ یہ اللہ کا نظام ہے کہ جو دشمنی پر آئے اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ ڈھیل دیتے ہیں کہ دشمنی کی انتہاء کر کے بھی دیکھ لو۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی طبیعت مبارکہ بنائی تھی کہ آپ رحمت ہی رحمت تھے۔

حضور اکرم ﷺ کی تمنا تھی کہ سب لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں، ایمان میں داخل ہو جائیں اور جہنم کے عذاب سے بچ جائیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾﴾ [التوبۃ: ۱۲۸] اس لیے حضور پاک ﷺ نے اللہ کے دین میں کتنی تکلیفیں اٹھائیں، دن ہے رات ہے، سفر ہے حضر ہے، مکہ ہے طائف ہے، بازار میں سب میں، اللہ کے نبی ﷺ پہنچے اور دعوت پہنچائی، تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ اسلام میں داخل ہو جائیں، لیکن جب حضور پاک ﷺ یہ دیکھتے کہ یہ اسلام بھی نہیں لاتے اور ہر وقت اللہ کے نبی سے جھگڑتے ہیں، اختلاف کرتے ہیں، لیکن پھر بھی ان کو نعمتیں مل رہی ہیں، اولاد مل رہی ہے، مال مل رہا ہے۔ اگر اللہ پاک روک دیتے تو جب سختی کی جھلک دیکھتے تو شاید مسلمان ہو جاتے، لیکن نافرمانی کے باوجود ان کو ہر چیز مل رہی ہے۔ جب آپ کی طبیعت میں یہ خیال آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے نبی! آپ اس بات پر حریص ہیں کہ لوگ ایمان میں آجائیں، آپ دیکھتے ہیں کہ یہ اسلام سے بغض رکھتے ہیں، لیکن پھر بھی ان کو مال مل رہا ہے۔ یہ میری حکمت ہے، یہ میرا کوئی نقصان نہیں کر سکتے۔

ساری دنیا کی قوتیں بھی جمع کرلیں اللہ کے دین کو نہیں مٹاسکتیں، ساری دنیا کی قوتیں بھی مل جائیں اللہ تعالیٰ کی عظمت کے خلاف کچھ نہیں کرسکتیں، عظمت رسول پاک کے خلاف کچھ نہیں کرسکتیں۔

ایمان کے بدلہ میں کفر کو خریدنے کا معنیٰ:

یہ میری حکمت ہے کہ ان کو دنیا میں دے دو، تاکہ آخرت میں ان کے لیے کوئی ذرہ کے برابر بھی حصہ باقی نہ رہے اوران کے لیے ہم نے سب سے بڑا عذاب تیار کررکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اپنے پاک پیغمبر ﷺ کو ان کے بارے میں تسلی دی اور فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا﴾ ان لوگوں نے کفر کیا اور ایمان قبول نہیں کیا تو انہوں نے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا، انہوں نے اپنے نفسوں کو خود نقصان پہنچایا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے اور میرے آقا ﷺ نے فرمایا: اگر ساری دنیا متقی اور مومن بن جائے، مسلمان بن جائے، اللہ کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور اگر اللہ نہ کرے ساری دنیا کافر ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں ہے۔ کوئی اگر کافر ہوتا ہے تو اس کا اپنا نقصان ہے اور اگر کوئی ایمان میں آتا ہے تو اس کا اپنا فائدہ ہے۔ لیکن یہاں سمجھیں کہ یہاں آیا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ﴾ تو اشتراء کا لفظ خریدنے کے لیے بھی آتا ہے اور بیچنے کے لیے بھی آتا ہے۔ یعنی انہوں نے کفر کو خریدا ایمان کے بدلہ میں یا جیسا کہ خرید وفروخت میں تبادلہ ہوتا ہے کہ میں نے پیسے دیئے اور آپ نے مجھے چیز دے دی تو یہ استبدال ہوگیا۔ یہاں انہوں نے ایمان کے بدلہ میں کفر لے لیا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آدمی وہ چیز بیچتا ہے جو اس کے پاس ہو، مثلاً میرے پاس عینک ہے، میں کہتا ہوں کہ اس کو بیچتا ہوں۔ اور اگر میرے پاس عینک ہے ہی نہیں تو میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ عینک بیچتا ہوں؟ تو وہ لوگ جو ہیں ہی کافر تو انہوں نے ایمان دے کر کفر کیسے لے لیا؟ جبکہ ایمان ان کے پاس تھا ہی نہیں۔

علماء نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ نے عالم ارواح میں تمام ارواح کو پیدا کیا تھا تو تمام ارواح سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا تھا: ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ﴾ [الاعراف:۱۷۲] سب نے اقرار کیا کہ ہمارا رب تو ہے۔

اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ)) [بخاری، رقم:۱۳۸۵] ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ یعنی اگر ایک بچہ پیدا ہوا اور آپ اس کو پہاڑ کی چوٹی پر چھوڑ دیں تو وہیں اللہ پاک اس کو کھلائے

چاہئے، کوئی آدمی اس کو نہ ملے، اس کے اندر دین فطرت موجود ہوتا ہے، وہ فوراً آسمانوں اور زمینوں پر نظر ڈال کر، سورج کے نظم ونسق کو دیکھ کر سمجھتا ہے کہ کوئی خدا ہے۔ اگر والدین یہودی ہیں تو بچہ یہودی بن گیا اور اگر والدین نصرانی ہیں تو بچہ نصرانی بن گیا، والدین مسلمان ہیں تو بچہ مسلمانوں میں داخل گیا۔ یہ ماحول اسے اس طرف لے جاتا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ نے اسے فطرت اسلام پر پیدا کیا ہے، ورنہ کافروں سے اقرار بھی لیا جا چکا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دین فطرت پر پیدا کیا، لیکن اس کے باوجود بھی انہوں نے کفر کیا تو اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے ایمان چھوڑ کر کفر کیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ علماء نے فرمایا: اللہ کی توحید کے دلائل اتنے واضح ہیں کہ آدمی ذرا بھی غور کرے تو اس کو توحید سمجھ آسکتی ہے۔

ایک بڑھیا کا ایمان:

امام رازی رحمہ اللہ یا کوئی دوسرے عالم ہیں، وہ فرماتے ہیں: ایک دن بیٹھ کر میں نے غور کیا کہ عام جودیہات کے اندر رہنے والے لوگ ہیں، جنہوں نے کچھ نہیں پڑھا، ان کو توحید کا مسئلہ کیسے سمجھ آئے گا؟ تو اتفاق سے میرا گزر ایک بوڑھی عورت پر ہوا جو چرخہ کات رہی تھی۔ میں نے جا کر اس کو سلام کیا اور اس کے پاس بیٹھ کر پوچھا: اماں جان! آپ کا دین کیا ہے؟ انہوں کہا: اللہ کا شکر ہے! میں مسلمان ہوں۔ میں نے کہا: تم خدا کو مانتی ہو؟ اس نے کہا: بالکل مانتی ہوں۔ میں نے کہا: تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ خدا ایک ہے؟ اس نے کہا: اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ میں نے کہا: اماں جان! آپ کو یہ کہاں سے پتہ چلا کہ خدا ایک ہے؟ اس کی کوئی دلیل یا حجت ہے؟ اس نے مجھے غور سے دیکھا اور کہا: میں یہ جو چرخہ چلا رہی ہوں، اس سے میں نے توحید کو سمجھا ہے۔ میں نے کہا: اماں! چرخہ سے توحید کیسے سمجھ آگئی؟ اس نے کہا: بیٹا! دیکھو! یہ ایک چھوٹا سا چرخہ میرے چلانے کے بغیر نہیں چل سکتا تو اتنا بڑا چرخہ (عالم دنیا) بغیر چلانے والے کے کیسے چل رہا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ذات ایسی ہے جو متصرف الامور ہے، کوئی ذات ایسی ہے جو "مُدَبِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" ہے، کوئی ذات ایسی ہے جس کی قدرت میں یہ نظام عالم ہے، ورنہ بغیر حسن ترتیب کے، بغیر چلانے والے کے یہ نہیں چل سکتا۔ میں نے کہا: اماں جان! یہ بات تو ٹھیک ہے کہ آپ کو چرخہ سے سمجھ آگئی، لیکن پتہ نہیں دو خدا چلا رہے ہوں؟ اس نے کہا: بیٹا! یہ مسئلہ بھی مجھے چرخے سے سمجھ آگیا ہے کہ

اگر ہم دو عورتیں بیٹھیں، ساری زندگی اس کو چلاتی رہیں۔ اگر ہم دونوں کا اتفاق رہے کہ ہم نے اس کو ایسے چلانا ہے تو پھر دوسری کی ضرورت ہی کیا ہے، پھر تو ایک کافی ہے۔ اور اگر ہمارا اختلاف ہو جائے، ایک کہے کہ اس کو یوں پھیر دا اور دوسری کہے کہ یوں پھیروں تو چرخہ ٹوٹ جائے گا۔ اور جب دو میں سے ایک کمزور ہو جائے گی تو جو طاقت ور ہے اس کا حکم چلے گا۔ اگر اس نظام کو چلانے کے لیے دو خدا ہوتے اور دونوں ایک طرح نظام چلاتے تو دوسرے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر دو مخالف ہیں تو پھر ایک کہے کہ سورج نکلے اور دوسرا کہے کہ آج سورج نہ نکلے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ تو معلوم ہوا کہ خدا ایک ہے، دو نہیں ہیں...... ایک چھوٹے سے گھر کے اندر دو آدمیوں کو بڑا بنا دو تو چھوٹے سے گھر کا نظام بھی نہیں چل سکتا، جب تک کہ کسی ایک کو بڑا نہ بنائیں اور اس کے حکم پر چلیں تب نظام ترتیب پر آتا ہے...... فرماتے ہیں: مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ بڑھیا ہے، ان پڑھ ہے، دیہاتوں میں رہنے والی ہے، لیکن اللہ نے اس کو مسئلہ سمجھایا ہے تو اس کو چرخے سے مسئلہ سمجھ آ گیا۔

ایک بدو کے دلائل توحید:

امام رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک دن میں نے توحید کے مسئلہ پر دلائل جمع کرنے شروع کیے اور دشمنوں کے اعتراضات و جوابات جمع کرنا شروع کیے تو میں نے تقریباً تین سو ساٹھ دلائل جمع کیے اور جتنے دشمنوں کے اعتراضات تھے ان کا رد کیا۔ میں جب اس کام سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلا، میرے دل میں خیال آیا کہ میں نے اتنا عرصہ علم پڑھا ہے، اتنے دلائل بھی اکٹھے کر لیے ہیں، کفار کے اعتراضات کا میں نے توڑ بھی کر لیا ہے، لیکن جو بے چارے جنگل میں رہنے والے ہیں وہ توحید کیسے سمجھیں گے؟ خدا کی شان ہے کہ اونٹوں کی ایک قطار جا رہی تھی اور ایک آدمی نے مہار کندھے پر ڈالی ہوئی تھی اور ان اونٹوں کے آگے جا رہا تھا۔ میں نے اس کو روک کر سلام کیا اور اس سے پوچھا کہ تم نے کسی مدرسہ میں پڑھا ہے؟ اس نے کہا: میں نے کسی مدرسے میں نہیں پڑھا۔ میں نے پوچھا: کسی مولوی کی صحبت میں رہتے ہو؟ اس سے مسائل سمجھتے ہو؟ اس نے کہا: مجھے مولوی ملتے نہیں، میں تو سارا دن اونٹ چراتا ہوں، اونٹوں پر مال برداری کرتا ہوں۔ تو میں نے کہا: تمہارا کیا مذہب ہے؟ اس نے کہا: میں مسلمان ہوں۔ میں نے کہا: خدا کو مانتے ہو؟ اس نے کہا: میں خدا کو مانتا ہوں، وہ وحدہ لاشریک ہے، وہ الحی القیوم ہے، دائم ہے۔ میں نے اس سے پوچھا: یہ کیسے سمجھا ہے؟ اس نے مجھے غصے سے دیکھا اور کہا: اتنی بڑی تیری داڑھی ہے



اور تمہیں عقل ہی نہیں ہے۔ اگر ایک مینگنی پڑی ہو تو ہم بدو لوگ اس کو دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ یہ اونٹ کی مینگنی ہے اور اگر اس سے چھوٹی پڑی ہو تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ یہ بکری کی مینگنی ہے، یہ گائے کا گوبر ہے، گٹھلی کے دانے کو دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں تو کیا یہ ساری دنیا کو دیکھ کر خدا سمجھ نہیں آتا؟ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: اللہ تیرا شکر ہے تو توحید سمجھاتا ہے تو خود دماغ کھول دیتا ہے اور خود دلوں میں ڈال دیتا ہے۔

پھر میں نے اس کو کہا کہ یہ تو میں نے مان لیا کہ خدا ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ ایک ہے یا دو ہیں؟ اس نے کہا: ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ'' مولوی صاحب! کیا تمہارا دماغ خراب ہے!؟ خدا تو ایک ہے، وحدہ لاشریک ہے۔ میں نے کہا: اس کے وحدہ لاشریک ہونے پر کوئی دلیل دو۔ تو اس نے ڈنڈا اٹھالیا، میں بھاگ پڑا۔ اس نے کہا: خدا کے بندے ہو کر خدا کے بارے میں دلیلیں مانگتے ہو؟ لہٰذا اس کا علاج یہ ہے کہ تمہارا سر پھاڑ دوں۔ میں نے کہا: جو اس کے پاس دلیل ہے وہ میرے پاس بھی نہیں ہے۔

مدینہ میں پہنچ کر ایمان کی تازگی:

اللہ تعالیٰ نے ایک نظام بنایا ہے، سمجھنا چاہو تو سمجھ آجاتی ہے، لیکن مصیبت یہ ہے کہ ضد ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ضد سے بچائے اور اللہ تعالیٰ کتاب وسنت کی روشنی میں بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آج چودہ سو سال گزر گئے، ہم گناہ گار اور بدکار ہیں، زندگی گناہوں میں گزر گئی، لیکن مدینہ منورہ میں جاؤ تو آدمی کا دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اگر ہمیں چودہ سو سال بعد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر دیکھ کر مسجد دیکھ کر اور وہ مقامات دیکھ کر جہاں آمنہ کے لعل بیٹھے تھے، ہمیں اگر اتنا اثر ہوتا ہے تو جنہوں نے اپنی آنکھوں سے میرے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا، کیا وہ بالکل اندھے اور پاگل تھے؟

صحیح روایت کے اندر موجود ہے کہ ابوجہل اس کعبہ کا طواف کر رہا تھا اور اس کے ساتھ ایک سردار بھی طواف کر رہا تھا۔ اس نے ابوجہل سے کہا: ایک بات بتاؤ گے؟ اس نے کہا: تم تو میرے دوست اور ساتھی ہو، پوچھو۔ اس نے کہا: میں نے سنا ہے کہ یہاں ایک اللہ کے نبی پیدا ہوئے ہیں جن کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، کیا تم ان کو جانتے ہو؟ ابوجہل نے کہا: تم عجیب بات کر رہے ہو! وہ قریشی ہاشمی ہیں، ہمارے قبیلے سے ہیں۔ اگر ہم ان کو نہیں جانتے ہوں گے تو کون جانتا ہوگا؟ اس سردار نے کہا: تم اللہ کے کعبے میں طواف کر رہے ہو اور تیری میری دوستی ہے، مجھے یہ بتاؤ

کہ اس نے جو دعویٰ کیا ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں، اللہ کا رسول ہوں، کیا وہ اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے؟ ابوجہل نے دائیں بائیں دیکھ کر تسلی کی کہ کوئی سن تو نہیں رہا، پھر اس کو کہا کہ واقعۃً وہ سچا نبی ہے۔ اس سردار نے کہا: میں ایسے نہیں مانتا، تم پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں کیسے پتہ ہے کہ وہ سچا ہے؟ ابوجہل نے کہا: ''وُلِدَ فِيْنَا وَعَاشَ فِيْنَا'' ہمارے گھروں میں پیدا ہوا اور ہمارے سامنے اس کی زندگی گزری۔ اس نبی پاک کی زبان پر کبھی کسی بندے کے بارے میں جھوٹ نہیں نکلا۔ تو جو انسان کبھی کسی بندے پر جھوٹ نہ بولے تو وہ خدا پر کیسے جھوٹ بولے گا؟ اس سردار نے کہا: جب وہ سچا نبی ہے تو تم اس کا کلمہ کیوں نہیں پڑھتے؟ ابوجہل نے کہا: ہمارا اور ان کے خاندان کا جھگڑا ہے۔ کبھی ہم امیر بنتے تھے اور کبھی وہ امیر بنتے تھے۔ کبھی کعبہ کے سردار ہم بنتے تھے اور کبھی وہ بنتے تھے۔ اب ان کے گھر میں نبوت آگئی، اب ہم مقابلہ نہیں کر سکتے، لہٰذا ہم ان کو نہیں مانیں گے، لیکن وہ اللہ کا سچا نبی ہے۔

اب دیکھیں! جانتا ہے، لیکن مانتا نہیں ہے۔ اس کی وجہ ضد ہے کہ ہمارا خاندانی مقابلہ ہے، لہٰذا ہم نہیں مانتے۔

دنیا کا نظامِ الٰہی:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾

یاد رکھیں! یہ اللہ کا نظامِ عالم ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ سورج نکلے، تمہیں روشنی پہنچے اور کافروں کو روشنی نہ پہنچے، لیکن قیامت میں بدلہ ہم سب کو عمل کے مطابق ملے گا۔ دوسری بات یہ بھی دیکھیں کہ اولاد تمہیں بھی ملتی ہے اور کافر کو بھی ملتی ہے، موت تجھے بھی آتی ہے اور کافر کو بھی آتی ہے، لیکن کافر اسباب میں اٹک جاتا ہے اور مومن مسبب حقیقی کی طرف نظر دوڑاتا ہے۔ یعنی مسلمان کو اولاد ملتی ہے تو وہ فوراً کہے گا: الحمد للہ اللہ کا شکر ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے بچہ دیا ہے۔ اور اگر کافر کے ہاں بچہ پیدا ہوگا تو وہ کہے گا: ہم نے شادی کی تھی، بچہ ہوا ہے، نوجوان بیوی تھی، میں بھی جوان تھا۔ یہ اسباب ہیں اس میں۔ بھگوان کوئی بچے دینے تھوڑی آتا ہے؟ ایک آدمی ہارٹ اٹیک سے مر گیا تو مومن کہے گا: اللہ کی تقدیر کا فیصلہ تھا؛ کیونکہ دل اگر فیل ہو جائے تو اس کا بنانے والا بھی اللہ ہے۔ ملک کے اندر کافر بھی رہتے ہیں اور مسلمان بھی رہتے ہیں سب کو حقوق ملتے ہیں۔ اللہ تو بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، وہ بھی اپنے عالم میں سب کو حقوق دیتے ہیں، اپنے ماننے والوں کو بھی اور نہ ماننے والوں کو بھی، لیکن قیامت والے دن جزاء سب کے عمل عقیدے اور نیت کے مطابق ہوگی۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ [التوبۃ:۵۵] اے میرے مدنی! آپ ان کے مال اور اولاد پر تعجب نہ کریں کہ ہم نے دشمنوں کو کیوں دیا!؟ اس کے اندر بھی ہماری حکمت وقدرت ہے کہ وہ اسی میں مشغول رہتے ہیں اور اسی حالت میں ان کی روح نکلے گی، لہٰذا جب وہ کافر ہو کر مریں گے تو ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کھرے کھوٹے کو الگ کرنا چاہتے ہیں:

﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰي يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر ہم کبھی مسلمانوں پر مصیبت نازل کرتے ہیں یا کوئی امتحان آتا ہے، جیسا کہ احد کے میدان میں صحابہ پر امتحان آیا اور مصیبتیں آئیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم خبیث اور طیب کو علیحدہ کرنا چاہتے ہیں، تاکہ پاکیزہ علیحدہ ہو جائیں اور گندے علیحدہ ہو جائیں۔ مومن علیحدہ ہو جائیں اور منافق علیحدہ ہو جائیں۔ صادق علیحدہ ہو جائیں اور کاذب علیحدہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے تو علم میں ہے، لیکن میں ساری دنیا پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن جب میں عذاب دوں تو میرے عدل پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔

﴿حَتّٰي يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾

حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں: میرا مدنی! ہم جو مسلمانوں پر امتحان ڈالتے ہیں، تاکہ کھوٹے اور کھرے میں تمیز ہو جائے؛ کیونکہ کافروں کے گھر میں مومن ہیں اور بعض مومنوں کے گھر میں کافر ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نبی ہیں، لیکن بیٹا کافر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نبی ہیں، لیکن بیوی کافرہ ہے۔ فرعون کافر ہے، لیکن بی بی آسیہ رحمہا اللہ جنت کی سردار ہے۔ ابوجہل کافر ہے، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بطل من ابطال الاسلام ہیں۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: امتحان کے اندر میری حکمتیں ہیں، تاکہ میں ان کو علیحدہ علیحدہ کر دوں۔

اللہ تعالیٰ بعض علم غیب انبیاء اور اولیاء پر ظاہر کر دیتے ہیں:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠﴾ تم کوئی عالم الغیب تو نہیں کہ تمہیں پتہ چل جائے یہ مؤمن ہے یا منافق ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو کھول دیتے ہیں، تاکہ سب کو پتہ چل جائے کہ مخلص کون ہے اور منافق کون ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو اپنے انبیاء پر غیب کھولتے ہیں، ان کو غیب کی اطلاع



دے دیتے ہیں۔ یعنی جتنا چاہتے ہیں اتنی خبر دے دیتے ہیں اور نہ چاہیں تو نہیں کھولتے۔ انبیاء پر اگر ایسی (غیب والی) بات کھولی جائے تو وہ معجزہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء پر اگر کھولی جائے تو وہ کرامت ہوگی۔ معجزہ بھی برحق ہے اور کرامت بھی برحق ہے۔ لیکن یہ اللہ کے حکم اور ارادہ سے ہوتا ہے، اپنے بس میں نہیں ہوتا کہ ولی جب چاہے کرامت دکھائے۔ اس لیے فرمایا: ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝﴾ [الجن:۲۶،۲۷] عالم الغیب اللہ کی صفت ہے، کسی پر غیب ظاہر نہیں کرتے۔ ہاں اگر چاہیں اپنے کسی رسول پر تو جس قدر چاہیں اتنی ظاہر کریں گے۔ کیونکہ علم غیب خاصۂ خدا ہے، اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہوسکتا۔ انبیاء کو اطلاع علی الغیب، اظہار علی الغیب، انباء الغیب حاصل ہوتا ہے کہ اللہ ان کو غیب کی خبر دے دے، اللہ غیب ظاہر کردے، غیب پر مطلع کردے۔ ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ﴾ [الانعام:۵۹] خزانۂ غیب کی کنجیاں ہی اللہ کے ہاتھ میں ہیں، کوئی اس کو از خود کھول بھی نہیں سکتا۔ جب اللہ اپنے رسول کو غیب کی خبر دیتے ہیں تو فرشتہ بھیجتے ہیں، اس کے دائیں بائیں اتنا سخت پہرہ ہوتا ہے کہ کوئی اس پہرے کو توڑ نہیں سکتا۔

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ تمہاری نجات اس میں ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ، اللہ کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ یہ تو قاعدہ ہے جو آدمی ایک نبی پر ایمان لائے گا اس کو سب انبیاء پر ایمان لانا ہوگا۔

﴿وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم صحیح ایمان لے آئے اور اللہ سے ڈر گئے شرک سے، نافرمانی سے بچ گئے تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہوگا۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا فائدہ، نہ کرنے کا وبال:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ھُوَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ۭ﴾

جو بخیل لوگ ہیں اللہ کے حقوق ادا نہیں کرتے زکوۃ وصدقات نہیں دیتے اور اپنے مال کو اکٹھا کر کے سمجھ رہے ہیں کہ ہمارے پاس بڑا مال ہے وہ اس کو بہتر سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ یہ ان کے لیے بہتر نہیں ہے، بلکہ ان کے لیے بہت برا ہے؛ کیونکہ مال جب جمع ہوجائے اور اللہ کا حق ادا نہ کیا جائے اس کا دنیا میں بھی نقصان ہے اور آخرت میں بھی نقصان ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جتنے بخیل ہوتے ہیں وہ ساری زندگی ایک ایک پیسہ جمع کرتے ہیں، ان کو نہ کھانا

نصیب ہوتا ہے، نہ پہننا نصیب ہوتا ہے، نہ اچھی جگہ پر رہنا نصیب ہوتا ہے، بچے پریشان، بیوی پریشان، سب تنگ ہیں، لیکن وہ پیسے جوڑ رہا ہے۔ اس کا انجام یہ نکلتا ہے کہ خود اسی ذلت میں مرجاتا ہے اور اولاد میں کوئی ایسا پیدا ہوتا ہے جو سارا مال اڑا کر رکھ دیتا ہے۔ کیونکہ اولاد کو حسرت ہوتی ہے باپ کی زندگی میں پیسہ نہیں ملتا۔ اور آخرت تو برباد ہوگئی۔ لیکن جو لوگ اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں اللہ اس کو بدلہ عطا فرماتے ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ کیونکہ اللہ کے قرآن میں فیصلہ ہے کہ جو شخص میرے راستے میں خرچ کرتا ہے میں اس کو بدلہ دیتا ہوں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: صدقہ کرنے والے کا مال کبھی کم نہیں ہوتا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جود وسخا:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ بہت فیاض طبع تھے۔ ان کے دسترخوان پر طرح طرح کے بہت سے کھانے ہوتے تھے۔ کسی نے دیکھ کر کہا: ''لَا خَيْرَ فِي الْإِسْرَافِ'' فضول خرچی میں کوئی خیر نہیں ہے۔ آپ نے اس کے جملہ کو بدل کر فرمایا: ''لَا إِسْرَافَ فِي الْخَيْرِ'' خیر کے کاموں میں خرچ کرنے میں کوئی فضول خرچی نہیں ہے۔ کتنا بہترین جواب ہے اور عقل کا کمال دیکھیں کہ اس جملہ کو الٹ دیا جو اس نے کہا اور کلام میں بہترین حسن پیدا کر دیا۔

ہم نے ایسے کئی لوگوں کو دیکھا ہے کہ جو اربوں پتی ہیں، لیکن میں نے جب سے دیکھا ہے وہ شلوار قمیص پہنی ہوئی ہے، جوان کو باپ دادا دے گیا تھا۔ اور کپڑا بھی ایسا ہے جو پھٹتا نہیں ہے، تیس سال سے میں دیکھ رہا ہوں۔ تو یہ انسان کی کیا زندگی ہے کہ بچے ذلیل وخوار، کمرے میں جاؤ تو بدبو اٹھ رہی ہے، حمام میں داخل ہو تو معلوم ہو کہ جہنم میں جانا پڑ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان بخیلوں کا انجام یہ ہوگا کہ ﴿سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾۔

یہ مال سانپ بن کر ڈسے گا:

(حدیث) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا، فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [بخاری، رقم: ۱۴۰۳]

اللہ نے جس شخص کو مال دیا ہے، لیکن وہ اس مال میں زکوۃ ادا نہیں کرتا، قیامت والے دن اس پر ایک ایسا سانپ مسلط کریں گے جس کی دو شاخیں ہوں گی اور وہ سانپ طوق بن کر اس کے گلے میں بیٹھ کر اس کے دونوں

جبڑوں کو پکڑ کر کہے گا: میں تیرا مال ہوں، جو تم اکٹھا کر کے رکھتے رہے اور تم نے اللہ کا حق ادا نہیں کیا تھا۔

ویسے بھی دنیا میں سنتے ہیں کہ جہاں خزانہ ہو وہاں سانپ بیٹھ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی بخیل کو قیامت میں ایسا عذاب دیں گے کہ مال سانپ کا ہار بن کر اس کو پکڑے گا۔

زکوۃ اور عشر کا مسئلہ:

زکوۃ فرض ہے، جیسا کہ نماز فرض ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں نماز کا حکم دیا ہے وہاں زکوۃ کا حکم بھی دیا ہے۔

اسی طرح یاد رکھیں کہ اگر اللہ نے تمہیں زمین دی ہے، اس زمین کی جو پیداوار ہے اس کا عشر یا نصف عشر تمہارے ذمہ ہے۔ یعنی اگر تم پانی خرید کر لگاتے ہو تو وہاں نصف عشر آئے گا۔ مثلاً ہمارے ہاں نہری پانی کا آبیانہ ادا کیا جاتا ہے۔ اور جو فصل بارشوں پر تیار ہوتی ہے اس میں دسواں حصہ دینا پڑے گا۔

یقین فرمائیں! اگر تمام دنیا کے اسلامی ملک ٹیکس ختم کر دیں، صرف زکوۃ وعشر کا صحیح نظام بنا دیں تو ملک میں کوئی غریب نہ رہے اور کسی کو کسی کی ضرورت نہ رہے اور نہ کوئی کسی کا محتاج رہے گا۔ لیکن وہ جو زکوۃ نہیں دیتے؛ کیونکہ وہ ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے زکوۃ دے دی تو زکوۃ صحیح خرچ نہیں ہوگی۔ جو صحیح معنی میں اللہ سے ڈرنے والا ہے وہ زکوۃ دیتا ہے، لوگوں سے چھپاتا ہے۔ ہمارے ہاں جو سیونگ اکاؤنٹ میں ایک خاص مہینہ کے اندر زکوۃ کاٹی جاتی ہے اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔ کیونکہ زکوۃ اس مال سے دی جاتی ہے جو ہمارے پاس ہو اور جس پر پورا سال گزر جائے۔ اب میرے پاس مثلاً پیسے جون میں آئے تھے میں نے بینک میں ڈالے۔ انہوں نے جولائی کے اندر زکوۃ کاٹ لی، حالانکہ اس پر سال نہیں گزرا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے کسی دوسرے کے اکاؤنٹ میں بطور امانت پیسے رکھوائے اور زکوۃ اس سے کٹ گئی۔

تیسری بات یہ ہے کہ زکوۃ کٹنے کے بعد اگر صحیح مستحق میں خرچ نہ کی جائے تب بھی دینے والے کی زکوۃ ادا نہیں ہوئی؛ کیونکہ پیسہ صحیح مصرف پر خرچ نہیں ہوا۔

اگر آج یقین ہو جائے کہ زکوۃ کا مصرف صحیح ہوگا تو ان شاء اللہ کوئی مسلمان زکوۃ نہیں کھائے گا، کوئی عشر نہیں کھائے گا۔

اب ایک آدمی موت کا بھی ٹیکس ادا کرے، پیدائش کا بھی ٹیکس ادا کرے، پھر زکوۃ کہاں سے دے؟ اس لیے

دعا کریں اللہ تعالیٰ اسلامی ملکوں میں قرآن وسنت کا قانون نافذ کردے۔

زکوۃ ادا کرنے کی برکت:

یاد رکھیں! ہزاروں واقعات ایسے ہیں کہ صحیح زکوۃ دینے والے مال کو اللہ نے بچالیا۔ اگر کبھی چوری ہوگئی تو زکوۃ والے کا مال واپس آ گیا۔ میرے اپنے دوست ہیں جنہوں نے قسم کھائی ہے کہ سود نہیں لیں گے اور زکوۃ دو لاکھ بنتی ہے تو اڑھائی لاکھ دیں گے۔ الحمد للہ جب سے انہوں نے میری بات مانی ہے وہ خود آ کر مجھے اللہ کے کعبہ میں کہتے ہیں: مولوی صاحب! ہم آپ کے لیے ہمیشہ دعا کرتے ہیں کہ آپ نے بینک کے قرضوں سے بھی بچالیا، سود سے بھی بچالیا، حرام سے بھی بچالیا۔ اب ہمارے رزق میں اتنی برکت ہے کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ کہاں سے پیسے آرہے ہیں!؟ ہم مٹی بھی خریدتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سونا بنا دیتے ہیں۔ جس چیز کا ہم سودا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دیتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے مدنی ﷺ کا فرمان ہے کہ صدقہ خیرات کرنے سے مال کبھی کم نہیں ہوتا۔ اور فرمایا: آسمانوں سے دو فرشتے آتے ہیں جو صبح سے لے کر رات تک صرف یہی دعا کرتے رہتے ہیں: ((فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اللَّهُمَّ! أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُولُ الْآخَرُ: اللَّهُمَّ! أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا)) [بخاری، رقم: ۱۴۴۲] ایک فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اور عطا فرما اور دوسرا فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ! بخل کرنے والے کا مال برباد فرما۔

مال کو خزانہ بنا کر جمع کرنے کا عذاب:

(حدیث) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ تَرَكَ بَعْدَهُ كَنْزًا مُثِّلَ لَهُ شُجَاعًا أَقْرَعَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهُ زَبِيبَتَانِ يَتْبَعُهُ، فَيَقُولُ: مَنْ أَنْتَ؟، فَيَقُولُ: أَنَا كَنْزُكَ الَّذِي خَلَّفْتَ بَعْدَكَ، فَلَا يَزَالُ يَتْبَعُهُ حَتَّى يُلْقِمَهُ يَدَهُ فَيَقْضِمُهَا، ثُمَّ يَتْبَعُهُ سَائِرَ جَسَدِهِ))

[صحیح ابن حبان، رقم: ۳۲۵۷]

جو شخص اپنے پیچھے بغیر زکوۃ ادا کیے مال چھوڑ جاتا ہے، اس پر ایک گنجا سانپ مسلط کر دیا جاتا ہے، جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نکتے ہوتے ہیں اور وہ اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔ وہ اس سے پوچھتا ہے کہ تو کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں تیرا وہ مال ہوں جس کو تو نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ پھر وہ اس کے پیچھے لگا رہتا ہے، حتیٰ کہ اس کے ہاتھ کو

لقمہ بنالیتا ہے، پھر اس کے سارے جسم کو چبا کر کھا جاتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَأْتِي رَجُلٌ مَوْلَاهُ يَسْأَلُهُ مِنْ فَضْلٍ عِنْدَهُ، فَيَمْنَعُهُ إِيَّاهُ، إِلَّا دُعِيَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعٌ أَقْرَعُ يَتَلَمَّظُ فَضْلَهُ الَّذِي مَنَعَ)) [سنن النسائی، رقم:۲۵۶۶]

کوئی بندہ زمیندار ہے، اس کے علاقے کا کوئی غریب، نوکر محتاج بن کر اس کے پاس آیا ہے کہ مہربانی کریں مجھے کچھ دے دیں، تاکہ میرے بچے کھانا کھالیں۔ اس زمیندار کے پاس مول موجود بھی ہوتا ہے، لیکن وہ نہیں دیتا تو اللہ تعالیٰ قیامت میں اس آدمی پر ایک سانپ مسلط کریں گے تو وہ مال جسے تم نے بچایا تھا اس کی سزا بھگتو۔

صحابہ کا کمال دیکھیں! روایات میں موجود ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار درہم بھیجے تو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے خیرات شروع کردی۔ جب شام ہوگئی اور افطار کا وقت ہوا تو شہد اور روٹی کے ٹکڑوں کے ساتھ بی بی نے افطار کیا۔ گھر میں جو کام کرنے والی عورت تھی اس نے کہا: اماں جان! اگر دو چار درہم اپنے لیے رکھ لیتیں تو ہم بھی کھانے کا سامان لے لیتے اور آج اچھی روٹی کھالیتے۔ آپ نے فرمایا: تم نے یاد ہی نہیں کرایا اور مجھے یاد نہیں رہا۔ تم کہہ دیتی میں تمہیں دے دیتی۔ یعنی اپنی ذات کی فکر ہی نہیں تھی۔ اس لیے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرے مدنی سرکار ﷺ کی سخاوت رمضان کے مہینے میں ایسے ہوتی تھی جیسا کہ ٹھنڈی ہوا چلے، بلکہ جو بھی آیا آپ نے سب کو دیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیں کہ گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے، سارا دن کنویں میں ڈول کھینچ رہے ہیں۔ ایک یہودی کے باغ کو پانی دے کر ایک ڈول پر دو کھجوروں پر مزدوری کی۔

مجبور رشتہ دار کے سوال کو پورا نہ کرنے پر عذاب:

(حدیث) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ ذِي رَحِمٍ يَأْتِي ذَا رَحِمَهُ فَيَسْأَلُهُ مِنْ فَضْلٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِنْدَهُ، فَيَبْخَلُ بِهِ عَلَيْهِ، إِلَّا أُخْرِجَ لَهُ مِنْ جَهَنَّمَ شُجَاعٌ يَتَلَمَّظُ حَتَّى يُطَوِّقَهُ)) [تفسیر طبری:۷/۴۳۴]

اگر کوئی غریب رشتہ دار کسی ایسے رشتہ دار سے مانگنے آئے اور وہ رشتے دار پیسے ہونے کے باوجود غریب کی مدد



کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اس پر سانپ مسلط کریں گے اور وہ اس کی گردن میں طوق ڈالے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیات خاص طور پر اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئیں کہ اللہ نے ان کو تورات کا علم دیا تھا، لیکن انہوں نے بخل کیا، حق بیان نہ کیا۔ تو اللہ اس عالم کو بھی سزا دیتے ہیں کہ علم ہو، لیکن بیان نہ کرے۔ علم ہو، لیکن حقیقت نہ بتائے۔ علم اور سچی بات نہ بتائے۔[1]

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگرچہ مال میں بخل کرے یا علم میں بخل کرے سب اس کے تحت داخل ہیں، لیکن آیت کا صحیح شانِ نزول پہلا ہی ہے۔

﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾

جو کچھ تم جمع کر کے چھوڑ جاؤ گے سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ تو جب سب اسی کا ہے، ملک اسی کا ہے، مال اسی کا ہے تو تم صرف عارضی نگران ہو، پھر اللہ کے دیئے ہوئے مال میں کیوں بخل کر رہے ہو؟ اللہ کے راستے میں اپنے مالوں کو خرچ کرو، تاکہ قیامت کے دن تمہیں فائدہ ہو۔

جو کچھ تمہارے دلوں کے اندر ہے اللہ اس کو جانتے ہیں اللہ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اللہ تمہیں پورا پورا بدلہ دیں گے۔

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝﴾

[آل عمران: ۱۸۱ تا ۱۸۴]

[1] [تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۷۵]

''اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔ ہم ان کی یہ بات بھی (ان کے اعمال نامے میں) لکھ لیتے ہیں۔ اور انہوں نے انبیاء کو جو ناحق قتل کیا ہے، اس کو بھی، اور (پھر) کہیں گے کہ دہکتی آگ کا مزہ چکھو۔ یہ سب تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کا نتیجہ ہے جو تم نے آگے بھیج رکھا تھا، ورنہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے یہ وعدہ لیا ہے کہ کسی پیغمبر پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر نہ آئے جسے آگ کھا جائے۔ تم کہو کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس بہت سے پیغمبر کھلی نشانیاں بھی لے کر آئے اور وہ چیز بھی جس کے بارے میں تم نے (مجھ سے) کہا ہے۔ پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا اگر تم واقعی سچے ہو؟ (اے پیغمبر!) اگر پھر بھی یہ لوگ تمہیں جھٹلائیں تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) تم سے پہلے بھی بہت سے ان رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے جو کھلی کھلی نشانیاں بھی لائے تھے، لکھے ہوئے صحیفے بھی اور ایسی کتاب بھی جو (حق کو) روشن کر دینے والی تھی۔''

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی پھر مذمت فرمائی ہے کہ تحقیق سن لیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا یہ کہنا کہ اللہ غریب ہیں اور ہم غنی ہیں۔ ہم لکھ رہے ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں۔ ان کا انبیاء کو قتل کرنا بغیر حق کے ہے۔ اور ان کو حکم دیا جائے گا کہ اب چکھو عذاب جلنے والا۔

لام ابتدائیہ اور قد تحقیق کے لیے ہے کہ جو کچھ ان کی زبانوں سے نکلا وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے۔

شانِ نزول:

سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے قرآن میں آیت اتاری: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ [البقرة: ۲۴۵] کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ تو یہودی کہنے لگے کہ اے محمد! آپ کا رب فقیر ہو گیا ہے، اپنے بندوں سے قرض مانگتا ہے؟ تو اللہ نے یہی آیت مبارکہ نازل فرمائی: ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ﴾ [آل عمران: ۱۸۱] اس کو ابن مردویہ رحمہ اللہ اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے فقیر ہیں: حضرت بلال، حضرت صہیب، بی بی سمیہ، حضرت خباب رضی اللہ عنہم ان سب پر نظر ڈالو بالکل غریب ہیں، جن کے گھر میں ایک وقت کا کھانا بھی نہیں ہے، پیٹ بھرنے کے لیے کھجوریں بھی



نہیں ہیں۔ یہودیوں نے کہا: (نعوذ باللہ) جب اللہ کے نبی خود اپنی زبان سے کہہ رہے ہیں ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ قرضہ تو وہ مانگتا ہے جو غریب ہو جائے۔

یہودیوں کا اللہ پر الزام:

اس سے معلوم ہوا کہ رب محمد (نعوذ باللہ) فقیر ہو گیا ہے، اب ہم سے قرض مانگتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ آیات نازل فرمائیں کہ اے میرے مدنی! آپ کوئی فکر نہ کریں، ان کہنے والوں کا قول ہم نے سن لیا ہے اور ہم نے لکھ لیا ہے۔ ان کو اس بات کا پورا بدلہ (سزا) دیں گے۔ یہ تو ایسے جاہل ہیں، ان کو اتنی سمجھ بھی نہیں ہے کہ یہ تو مالک کا احسان ہے، ورنہ تیرے بدن کا مالک بھی اللہ ہے، آسمان و زمین کا مالک بھی اللہ ہے، تمام مخلوق کا پیدا کرنے والا اللہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جاہلو! مجھے قرض مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن تم جاہل ہو، بات کو سمجھتے نہیں ہو۔ دنیا میں قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شریف انسان قرض لے تو وہ ضرور ادا کرے گا؛ کیونکہ ایک ہدیہ ہوتا ہے، اس میں ضروری نہیں ہوتا کہ آپ مجھے اس کا جواب بھی دیں گے۔ اگر دیں تو بڑی اچھی بات ہے، لیکن قرض ایک ایسی چیز ہے جو ہر شکل واپس کرنا ضروری ہوتا ہے۔ کوئی شریف انسان کبھی کسی کا قرض نہیں کھاتا۔ اور قرض ایک ایسی چیز ہے کہ آدمی اگر اللہ کے راستے میں شہید بھی ہو جائے تب بھی معاف نہیں ہوتا۔ حج کرنے سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، لیکن قرض معاف نہیں ہوتا۔ اللہ کی عبادت کرنے سے تمام گناہ گر جاتے ہیں، لیکن قرض معاف نہیں ہوتا۔ توبہ کرنے سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، لیکن قرض معاف نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اولاد و مال، عقل تمہیں میں نے دی ہے، تم سے قرض مانگتا ہوں۔ جب قرض لینے والا خدا ہو تو پھر تمہیں کیسے واپس نہیں ملے گا؟ مقصد یہ تھا کہ تم میرے راستے میں جو خرچہ اور صدقہ کر رہے ہو، میرے راستے میں جو خرچ کر رہے ہو گویا یہ مجھ پر قرض ہے۔ جب قرض لینے والا خدا ہو تو بندے کو کیوں نہ لوٹائے۔ تو اصل قرض بھی نہیں لوٹا سکتا اور میں تمہیں دس گنا لوٹاؤں گا اور میری مرضی آئے گی تو سات سو گنا بھی لوٹاؤں گا اور اگر میرے حرم میں دوگے تو ایک لاکھ گنا لوٹاؤں گا۔ اللہ کے کہنے کا مقصد یہ تھا، یہ نہیں کہ (نعوذ باللہ) خدا غریب ہو گیا ہے۔

جب حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں مدینہ پر بے انتہاء غربت کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو حکم دیا کہ میرے مدنی سے جا کر کہہ دو: میرے نبی! اگر چاہتے ہیں تو دو پہاڑ سونے کے بنا کر تمہارے ساتھ چلا دیتے

ہیں کہ آپ جہاں جائیں وہ پہاڑ آپ کے ساتھ چلیں گے اور جتنا مرضی آئے آپ خرچ کریں، لیکن حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے میرے اللہ! مجھے تو بس اتنا چاہیے کہ تیرا شکر ادا کرتا رہوں اور اگر نہ ملے تو صبر کرلوں۔ مجھے فقر زیادہ پسند ہے۔

اب دیکھ لیں کہ کافر مدینہ میں بول رہے ہیں، مکہ میں بول رہے ہیں اور عرش پر اللہ سن رہا ہے۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ دنیا میں کوئی کہیں اللہ کو پکارے اللہ تعالیٰ سنتا ہے۔

فنحاص یہودی اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مکالمہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک دفعہ بیت المدارس میں تشریف لے گئے وہاں دیکھا یہود کا بڑا عالم فنحاص بیٹھا تقریر کر رہا تھا اور اس کے ساتھ ایک اور عالم اشیع بھی موجود تھا۔ کافی سارے یہود جمع تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہنچے اور اس سے مخاطب ہو کر کہا: فنحاص! تیرا ناس ہو! تو اللہ سے ڈر اور مسلمان ہو جا۔ اللہ کی قسم! تو جانتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، وہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے حق لے کر آئے ہیں، تم ان کی صفات تورات اور انجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہو۔ تو فنحاص کہنے لگا: اے ابوبکر! اللہ کی قسم! ہمیں اللہ کے فقر کی وجہ سے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے اور وہ ہمارا محتاج ہے، ہم اس کی طرف ایسے آہ وزاری نہیں کرتے، جیسے وہ ہماری طرف آہ وزاری کرتا ہے اور ہم اس سے غنی ہیں۔ اگر وہ ہم سے غنی و بے نیاز ہوتا تو ہم سے قرض نہ مانگتا، جیسا کہ تمہارے ساتھی کو دعویٰ ہے وہ تمہیں سود سے روکتا ہے اور ہمیں وہی سود دیتا ہے۔ اگر وہ غنی ہوتا ہمیں سود نہ دیتا۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور فنحاص کے منہ پر زوردار تھپڑ مارا اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر ہمارے اور تیرے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا، اے اللہ کے دشمن! اگر تم سچے ہو تو جتنی تمہاری طاقت ہے ہماری تکذیب کرو۔ تو فنحاص رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور کہا: آپ دیکھیں! آپ کے ساتھی نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ تو رسول اللہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ایسا کرنے پر آپ کو کس چیز نے ابھارا ہے؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس نے بہت بڑی بات کہہ دی تھی۔ اس کا خیال ہے کہ اللہ فقیر ہیں اور یہ لوگ مالدار ہیں۔ جب اس نے یہ کہا تو مجھے غصہ آ گیا اور میں نے تھپڑ مارا۔ فنحاص نے اس بات کا انکار کر دیا تو اللہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سچائی ثابت کرنے اور فنحاص کی تردید میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ﴾ اس کو ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

اور یہ شان صدیق ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر تہمت لگے تو قرآن اترتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگے تو خدا خود گواہی دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے خود سنا ہے یہودی بدبخت نے یہ بات کہی ہے، ہم ان کو قیامت میں سزا دیں گے۔ جب ان کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو ساتھ یہ بھی کہا جائے گا: یہ جو جہنم کی سزا ہے، یہ تمہارا اپنا کیا دھرا ہے، تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتے کہ اپنے بندوں کو پیدا کر کے آگ میں ڈالیں۔ جو تمہیں سزا ملی تمہاری گستاخیاں ہیں تمہاری بداعمالیاں ہیں۔

کیا اللہ تعالیٰ چھوٹا ظلم کرتے ہیں؟

ظلام کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، اس سے شبہ ہوتا ہے کہ اللہ بڑا ظلم تو نہیں کرتے چھوٹا ظلم کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ہر ظلم سے پاک ہیں۔

یہ مبالغہ عن النفی نہیں، بلکہ فی النفی ہے۔ دوسرا علماء نے فرمایا: یہ ذی ظلم کے معنی میں ہے کہ اللہ کی شان تو ظلم نہیں کرسکتی، وہ تو ظلم سے پاک ہے صفت نقصان سے پاک ہے۔

آپ ایک چھوٹا سا گلاس بناتے ہیں، آپ اس کو توڑنا نہیں چاہتے تو اللہ نے جس بندے کو خود پیدا کیا ہے، وہ کیوں جہنم میں ڈال دے؟ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کو آگ میں نہیں ڈالنا چاہتے، لیکن تم اگر خود زبردستی کفر کرو اور اللہ کے باغی بنو تو وہ سزا دیتے ہیں۔

شانِ نزول:

جب لوگوں نے یہودیوں سے، کافروں سے کہا کہ اب تو قرآن سچا ہو گیا، اللہ کے نبی آ گئے اور ہجرت کی جگہ مدینہ تم سب جانتے ہو، تمہیں یہ پورا پتہ ہے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، ان کا نام محمد بن عبد اللہ ہے، ان کا مولد مکہ اور ہجرت کی جگہ مدینہ ہے، تم سب جانتے ہو، اس لیے ایمان لے آؤ۔ تو وہ کہنے لگے کہ ہم ان پر ایمان نہیں لے آتے؛ کیونکہ ہماری کتابوں کے اندر ہمیں حکم ملا ہے کہ جب تک اللہ کا نبی کوئی خیرات وصدقات کا مال لے کر پہاڑوں پر رکھے، آگ اترے اور اس کو آ کر کھا جائے (کیونکہ پہلے زمانے میں جس کی خیرات وصدقات کو قبول فرماتے تو

آگ آکر اس کو کھا جاتی تھی، لیکن اللہ نے اس امت پر پردہ ڈال دیا کہ تم خیرات کرتے رہو، ہم تیری امت کو رسوا نہیں کرنا چاہتے۔) تو یہودی کہنے لگے کہ اب بھی آگ اتر کر خیرات کا مال کھا جائے تو ہم سمجھیں گے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ تو جب تک وہ یہ معجزات نہ دکھائیں ہم ایمان کیسے لے آئیں؟ اللہ نے فرمایا: میرے مدنی! ہم نے آپ کو سینکڑوں معجزات دیئے اور تمام نبیوں سے زیادہ معجزات دیئے، یہ ظالم جھوٹ بول رہے ہیں۔ اگر یہ سچے ہوتے تو جن نبیوں کے زمانے میں آگ والا معجزہ باقی تھا، ان کو کیوں قتل کر دیا؟ اور ان پر ایمان کیوں نہیں لے آئے؟ اس لیے ان کا مقصد صرف اعتراض ہے، صرف فتنہ اور اعراض ہے، یہ ایمان نہیں لانا چاہتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے مدنی! یہ تو چھوٹا معجزہ ہے، ہم نے تو آپ کو اس سے بڑے بڑے معجزات دیئے ہیں، لیکن یہ ایمان نہیں لانا چاہتے۔ ان کا مقصد صرف اللہ کے نبیوں پر اعتراض ہے۔

تسلی رسول ﷺ:

﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے میرے مدنی سرکار ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ کیوں اداس ہوتے ہیں؟ اگر آپ پر یہ بدبخت ایمان نہیں لے آتے تو آپ کوئی غم نہ کریں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جتنے نبی پہلے گزرے ان کو بھی قوموں نے جھٹلایا۔ یہ تو تاریخ عالم ہے کہ حق والوں کو ہمیشہ جھٹلایا گیا ہے، حق والوں کا ہمیشہ مقابلہ کیا گیا ہے، حق والوں کے خلاف ہمیشہ محاذ بنے، وہ رسول اللہ سے کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے، بڑے بڑے معجزے لے کر آئے۔

"وَالزُّبُرِ" بمعنی جھڑ کنے والی چیز، لیکن اس کا اطلاق کتاب زبور پر ہوتا ہے، یعنی ایسی کتاب جس میں مواعظ نصائح ہوں، ایسی کتاب جس میں جھنجھوڑا جائے، جس میں نصیحتیں کی جائیں۔

﴿وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ﴾

اور روشن چمکتی ہوئی کتاب تورات و انجیل بھی آئیں، لیکن یہ پھر بھی ایمان نہ لائے۔ اس لیے یہ اگر آپ سے اعراض کرتے ہیں تو آپ غم نہ کریں۔ آپ بھی وہ کریں جیسے پہلے نبیوں نے کیا۔

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾ [الاحقاف: ۳۵]

آپ بھی صبر فرمائیں، جیسا کہ پہلے شان والے رسولوں نے صبر کیا۔ حضور اکرم ﷺ تو صبر والے تھے، لیکن یہ

امت کو سبق ہے کہ جب حق والوں کو ٹھکرا دیا جائے، جب حق والوں کی بات نہ سنی جائے، جب حق کی دعوت دینے والے کا مقابلہ کیا جائے تو اس کا کام یہ ہے کہ وہ انبیاء کی سنت پر قائم رہے، وہ نبیوں کے طریقے پر قائم رہے، وہ اللہ والوں کے راستے پر قائم رہے اور کسی کی تکذیب کو خاطر میں نہ لائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حق کی جیت ہوگی اور باطل کی شکست ہوگی۔

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝ لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝﴾

[آل عمران: ۱۸۵، ۱۸۶]

''ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تم سب کو (تمہارے اعمال کے) پورے پورے بدلے قیامت ہی کے دن ملیں گے۔ پھر جس کسی کو دوزخ سے دور ہٹا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ صحیح معنی میں کامیاب ہوگیا۔ اور یہ دنیوی زندگی تو (جنت کے مقابلے میں) دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں۔ (مسلمانو) تمہیں اپنے مال و دولت اور جانوں کے معاملے میں (اور) آزمایا جائے گا، اور تم اہل کتاب اور مشرکین دونوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ اور اگر تم نے صبر اور تقویٰ سے کام لیا تو یقیناً یہی کام بڑی ہمت کے ہیں (جو تمہیں اختیار کرنے ہیں)۔''

نبی کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو تسلی:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ﴾

میرا مدنی! آج آپ کو جھٹلانے والے، غرور کرنے والے، بلال کو انگاروں پر لٹانے والے، محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاؤں زخمی کرنے والے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مارنے والے، بی بی سمیہ کی ٹانگیں چیرنے والے سن لیں کہ موت آئے گی، یہ نہیں کہ تم دنیا میں ہمیشہ اسی طرح رہو گے۔ فرمایا: کوئی جاندار، کوئی متنفس اور کوئی مخلوق ایسی نہیں جس کو موت نہ آئے۔ صرف ایک اللہ کی ذات ہے جس پر موت نہیں آئے گی۔ جو زندہ تھا، زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ③﴾ [الحدید: ۳] سب سے پہلے بھی اس کی ذات تھی، جب کچھ بھی نہیں تھا صرف میرا اللہ تھا، سب سے آخر میں بھی جب سب فنا ہو جائیں گے صرف اللہ ہوگا۔ سب سے اوپر بھی، سب سے ظاہر بھی اللہ کی ذات ہے۔ جس کی صفت ﴿اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ②﴾ [آلِ عمران: ۲] ہے، وہ زندہ ہے، سب کو تھامنے والا ہے، اس پر موت نہیں آئے گی۔

یاد رکھیں! جس پر موت آئے وہ خدا نہیں ہو سکتا اور جس پر موت نہ آئے وہ خدا کی ذات ہے، اس پر کبھی فنا نہیں آسکتی۔ اگر خدا پر بھی موت آجائے تو ہم کس کو پکاریں گے؟ اگر خدا بھی سو جائے تو ہم کس سے مانگیں گے؟ پھر ٹائمنگ کا فرق ہو کہ وہ سو رہا ہو اور ہم جاگ رہے ہوں تو ساری دنیا جو ہر وقت مانگ رہی ہے وہ کس سے مانگے گی؟

دنیا میں ہر وقت اذانیں ہو رہی ہیں:

ایک آدمی نے کمپیوٹر پر حساب کر کے بتایا کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور صرف ایک اللہ کی ذات ہے کہ پورے عالم میں ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گزرتا کہ اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جا رہا ہو۔ دنیا کے کسی مذہب کو یہ شرف نہیں ملا، صرف اسلام کو ملا ہے کہ ایک سیکنڈ ایسا نہیں جس میں اللہ اکبر، اللہ اکبر کی آواز نہ آرہی ہو۔ ہر وقت اذان ہو رہی ہے؛ کیونکہ کہیں ایک گھنٹہ کا فرق ہے اور کہیں دو گھنٹے کا فرق ہے اور کہیں چار گھنٹے کا فرق ہے اور کہیں نو گھنٹے کا فرق ہے اور کہیں بارہ بارہ گھنٹے کا فرق ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ سو جائے تو کس کو پکارا جائے؟ اگر اللہ تعالیٰ پر بھی موت آجائے تو مخلوق کو کون سنبھالے گا؟ اس لیے صرف اسی کی ذات ہے کہ اس پر موت نہیں باقی سب پر موت آنی ہے۔

قرآن میں دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ㉖ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ㉗﴾ [الرحمٰن: ۲۶] ہر چیز قابلِ فنا ہے سوائے رب کی ذات کے۔ اور فرمایا: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ﴾ [القصص: ۸۸] صرف اسی کی ذات باقی ہے، دائم ہے۔

﴿وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ﴾

موت کے بعد یہ نہ سمجھو کہ موت آگئی تو بچ گئے، جیسا کہ دنیا میں کوئی درد اور تکلیف میں لوگ ہوتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ اچھا ہے اس پر موت آجائے، تاکہ دردوں سے بے چارا چھوٹ جائے۔ کیونکہ بعض بیمار ایسے ہوتے ہیں جو سالہا سال سے بیمار ہوتے ہیں، جب اس کو موت آتی ہے تو لوگ کہتے ہیں: اللہ کا شکر ادا کرو، موت تو آنی تھی

چلو شکر ہے بے چارا عذاب سے تو چھوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم یہ نہ سمجھنا کہ مر گئے تو عذاب سے چھوٹ گئے، بلکہ ﴿وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾

ے
اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی اگر چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

موت کے بعد تمہاری زندگی کا ایک اگلا دور شروع ہوا جس میں قیامت والے دن تمہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ ایک ذرہ ادھر ادھر نہیں ہوگا۔ تم نے اچھا عمل کیا ہے تو اجر ملے گا اور اگر برا عمل کیا ہے تو سزا ملے گی۔

دوبارہ زندہ ہونے کی عقلی دلیل:

کافروں کا عقیدہ تھا: ﴿إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ﴾ [المومنون: ۳۷] یعنی یہی دنیا کی زندگی ہے کہ کوئی پیدا ہو گیا اور کوئی مر گیا۔ اس کے بعد ہم قبروں سے نہیں اٹھائے جائیں گے۔

یاد رکھیں! کافروں کا یہ شبہ ہے کہ ہم کیسے اٹھیں گے؟ جبکہ مر کر مٹی ہو جائیں گے۔ ایک چیز قابل ہوتی ہے اور دوسری فاعل ہوتی ہے۔ اگر یہ دونوں چیزیں ہوں تو کچھ مشکل نہیں ہے۔ مثلاً پلاسٹک کا ایک گلاس بنایا اور پھر اس کو توڑ پھوڑ دیا، لیکن مادہ تو باقی ہے، وہ مٹی میں مل گیا، اس کو چھان کر پھر بھٹی میں ڈالا تو دوبارہ گلاس تیار ہو گیا، یعنی اس مادہ کے اندر قابلیت ہے کہ ہم اس کو جوڑ لیں۔ اور دوسرا فاعل ہوتا ہے۔ اگر بنانے والا نہ ہو تو پھر گلاس کو کون جوڑے گا؟ جب فاعل بھی ہو اور قابل بھی ہو پھر گلاس کیوں نہ بنے؟ اگر بنانے والا ہو، لیکن وہ خام مال جس سے گلاس بنایا تھا وہ نہیں ہے تو گلاس نہیں بن سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بدبختو! مرنے کے بعد آخر تمہارا بدن، حیات روح اسی ڈھانچہ میں تھی، وہ ڈھانچہ تو مٹی میں پڑا ہے اور میں بنانے والا بھی موجود ہوں تو پھر تیرے بننے میں کیا مشکل ہے؟ میں تو پہلے تمہیں خود بنایا، اب تمہارا میٹیریل تیار ہو گیا، اب تمہارا مادہ تیار ہو گیا، اب تم مر گئے، روح کا تعلق علیین سے جڑ گیا یا سجین سے جڑ گیا، تیرے مادہ کا ذرہ ذرہ مٹی سے مل گیا، کوئی پانی میں بہہ گیا، کوئی آگ میں جل گیا، لیکن کہیں پڑا ہوا مادہ تو ہے اور تمہیں نظر نہ آئے میری نظر سے تو چھپا ہوا نہیں ہے۔

دوبارہ زندہ ہونے کا ایک واقعہ:

اس لیے حدیث مبارک میں آتا ہے کہ پہلے زمانہ میں ایک آدمی نے کہا: جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو

جلا دینا۔ جب راکھ جمع ہو جائے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دینا: ایک حصہ جب زبردست ہوا چلے اس ہوا میں اڑا دینا اور دوسرا حصہ جب دریاؤں میں طغیانی ہو اس میں ڈال دینا؛ کیونکہ اگر خدا نے مجھے دوبارہ بنا لیا اور دوبارہ زندہ کر دیا تو میرے اتنے گناہ ہیں کہ پھر میں نہیں بچ سکتا۔...... اس کی عقل کے اندر یہ آیا تھا کہ جب مادہ نہیں رہے گا تو اب اللہ میاں کس سے بنائیں گے؟ آج ہندو بھی اسی فلسفے کو لیے ہوئے ہیں، ورنہ نرگ (جہنم) کے وہ بھی قائل ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جب جلنے کے بعد ریزہ ریزہ ہو گئے تو عذاب سے بچ جائیں گے...... بہرحال جب وہ آدمی مر گیا، اولاد نے وصیت پر عمل کر کے اس آدمی کی راکھ کو دریا میں ڈال دیا اور آدھی راکھ ہوا میں اڑا دی۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا اور دریاؤں کو حکم دیا۔ اس کا مادہ جمع ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کیا۔ وہ کھڑا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا: میرے بندے! تو نے یہ کیا کیا کہ مجھے جلا کر میرے راکھ بنا کر اڑا دینا اور بہا دینا؟ اس نے کہا: اللہ میاں! تیرے ڈر سے کیا تھا کہ اگر میں زندہ ہو گیا تو مجھے چھٹکارا نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جاؤ میں نے تیرے گناہ معاف کر دیئے۔

جو مجھ سے ڈر گیا اس پر میری رحمتیں آ گئیں۔ میں تو اسی کو پکڑتا ہوں جو گناہ بھی کرے اور نہ ڈرے، بے حیائی بھی کرے اور اکڑ کر میرا باغی بنے، قبروں پر سجدے کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں، پھر میں نہیں چھوڑتا؛ کیونکہ یہ میری بغاوت ہے کہ میں نے تمہیں اپنے لیے پیدا کیا ہے، ساری کائنات کو تیرا غلام بنا دیا کہ ہوائیں تیرے لیے ہیں، یہ شمس و قمر تیرے لیے ہیں، یہ چاند سورج تیرے لیے ہیں، یہ زمین کی نعمتیں تیرے لیے ہیں، یہ تمام دنیا کے جاندار تیرے لیے ہیں، صرف تو میرے لیے ہے۔ فرمایا: شیر ہے، ہاتھی ہے اور بڑے درندے ہیں، ان کو گردن جھکا کر پانی پینا پڑتا ہے، لیکن میں نے تجھے ایسی اونچی شان والا بنایا ہے کہ ہاتھوں میں پانی لے پانی تیری طرف آئے پانی تیرے آگے جھکے، لیکن تو صرف میرے آگے جھکے۔ اس لیے اقبال نے کہا تھا:

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من
اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

شرک کی مذمت کی عجیب ترین مثال!!

جب تو اللہ کے سوا کسی غیر کے آگے جھک گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیری بیوی انسان ہے، برابر کی مخلوق ہے، اس کے بھی ماں باپ ہے، وہ بھی کسی کی بیٹی ہے، جیسے تو کسی کا بیٹا، جیسے تیرے اندر عقل ہے اس کے اندر بھی عقل ہے، تیرے دو ہاتھ ہیں اس کے بھی دو ہاتھ ہیں، تیری آنکھیں ہیں اس کی بھی آنکھیں، تجھ میں علم ہے اس میں بھی علم ہے، صرف تیری بیوی بن گئی تو اس کی ہر غلطی برداشت کر لیتا ہے، لیکن اگر وہ کسی غیر کے بستر پر سو جائے تو اس کی یہ بغاوت برداشت نہیں کرتا۔ اگر گھر میں اس سے برتن ٹوٹ جائے تو کہتا ہے: کوئی بات نہیں، برتن تھا۔ گھر میں اس سے کوئی کپڑا جل جائے تو کہے گا: جل گیا تو جل گیا، گھر میں کھانا نہ ملے، وقت پر نہ جگائے ہر بات قابل برداشت ہو سکتی ہے، لیکن محبوب ترین بیوی ہے۔ اگر وہ غیر کے بستر پر سو جائے تو غیرت مند برداشت نہیں کرتا۔ کہتا ہے: اب تو نے میری امانت میں خیانت کی ہے، تو نے میری بغاوت کی ہے، تو نے خاوند مجھے سمجھا اور پھر میرے فراش پر کسی دوسرے کو بٹھایا ہے، اب میں جرم برداشت نہیں کر سکتا، تم طلاق لے لو، میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔

توبہ کے بغیر شرک معاف نہیں ہوگا:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں بھی تیرا گناہ برداشت کروں گا، لیکن جب تو میرے غیر کے آگے جھکا تو میں تیرا گناہ معاف نہیں کروں گا۔ تیرا ہر گناہ قابل معافی ہے کہ تو توبہ کرے گا میں بخش دوں گا تو اگر بغیر توبہ کے بھی مر گیا تو پھر بھی میں اپنی رحمت سے بخش دوں گا۔ فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا﴾

[النساء:۴۸]

جس نے میرا شریک بنایا اسے ہرگز میں نہیں بخشوں گا۔ شریک بنانے کا مطلب ہے کہ ایک تو اللہ ہے، تم دوسرا خدا بنا کر کیا آسمانوں پر بٹھاؤ گے؟ شریک بنانے کا معنی یہ ہے کہ رازق میں ہوں اور تو غیروں سے رزق مانگ رہا ہے، معنی یہ ہے کہ اب تو میرا شریک بنا رہا ہے۔ دعا پکار مجھ سے کی جاتی ہے تو غیروں کو پکار رہا ہے، تو میرا شریک بنا رہا ہے۔ رکوع سجدہ میرے لیے ہے تو غیروں کے آگے جھک رہا ہے، میرا شریک بنا رہا ہے۔ طواف صرف میرے گھر کا ہے تو قبروں پر پھیرے لگا رہا ہے، میرا شریک بنا رہا ہے۔ جب تو میرا شریک بنائے گا تو میں نہیں بخشوں گا،

یہ بغاوت ہے اور باغی کو دنیا میں بادشاہ نہیں بخشتے ، میں کیسے بخش دوں گا ؟ ہاں اگر شرک سے توبہ کر کے پھر شرک نہ کیا تو معاف کر دوں گا۔

اصل کامیابی کیا ہے؟

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾

قیامت والے دن جب نامۂ اعمال آئیں گے، تمہاری پیشی لگے گی، حساب کتاب ہوگا، اس دن جو جہنم سے دور ہوگیا اور جنت میں داخل ہوگیا وہ کامیاب ہے۔ یہ نہ ہو کہ جہنم سے تو نکل جائے اور جنت میں داخل نہ ہو، بلکہ اعراف میں پڑا رہے، جنت و دوزخ کے درمیان رہے۔ کامیابی یہ نہیں، بلکہ اصل کامیابی دخول جنت ہے۔ فرمایا: ﴿زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ﴾ اور پھر فرمایا: ﴿وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ﴾ یعنی جس کو جہنم سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا۔ معنی یہ ہے نہ تو خود جہنم سے بچ سکتا ہے اور نہ ہی جنت میں خود جا سکتا ہے۔ دعا کرو اللہ تعالیٰ جہنم سے دور کر دے اور جنت میں داخل کر دے۔ کیونکہ جب تک اللہ نہ کرے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ آگے فرمایا: ﴿فَقَدْ فَازَ﴾ وہی آدمی جو جہنم سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب ہے؛ کیونکہ خیر محض کہ جہاں شر کوئی نہیں وہ جنت ہے اور شر محض جہاں خیر کوئی نہیں وہ جہنم ہے۔ اور دنیا میں خیر بھی ہے اور شر بھی ہے۔ اس لیے جو جنت میں میں پہنچ گیا اصل کامیابی اس کو مل گئی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾۔

جس دنیا پر تو ناز کر رہا ہے، جس دولت کے سامنے تو کھڑے ہو کر کہتا ہے: خدا غریب ہوگیا ہے، سن لے! نہیں ہے یہ دنیا کی زندگانی، مگر دھوکہ کا سامان ہے۔ تو اسی دنیا کے فریب میں پھنسا ہوا ہے، جو کبھی تیرے دادا کے پاس تھی، پھر تیرے باپ کے پاس آئی، پھر تیرے پاس آئی، تجھ سے تیری اولاد کے پاس جائے گی۔ یہ کسی کے پاس نہیں رہی، سب سے بے وفائی کرتی آ رہی ہے۔ اور تم اس سے دل لگا کر کھڑے ہو، کسی وفادار سے تم دل لگاتے۔

سونے کو عربی میں "ذہب" اس لیے کہتے ہیں کہ وہ کسی ایک کے پاس ٹھہرتا نہیں ہے۔ تو دوڑنے والی چیز کے پاس دوڑو گے تو کتنی کامیابی حاصل کرو گے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحمت کا فیصلہ فرما کر جنت الفردوس نصیب فرمائیں۔

انبیاء واولیاء پر بھی موت آتی ہے:

جب قرآن سے ثابت ہے کہ ہر نفس پر موت آنی ہے۔ اب اگر کوئی انکار کر کے کہے: مثلاً انبیاء پر موت نہیں



آئی، یا اللہ کے اولیاء پر موت نہیں آتی، یہ قرآن کا کھلا انکار ہے۔ کیونکہ قرآن نے کلی فیصلہ دیا کہ سب پر موت آنی ہے۔ اور ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے سرکار مدینہ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا: ﴿اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ﴾ [الزمر: ۳۰] میرے مدنی! آپ پر بھی موت آنی ہے اور ان پر بھی موت آنی ہے۔ آپ احد کے مسئلے میں بھی پڑھ چکے ہیں: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ﴾ [الزمر: ۳۰] کہ محمد مصطفیٰ (ﷺ) بھی اللہ کے رسول ہیں اور آپ سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ تو کیا اگر آپ پر موت آجائے یا آپ اللہ کے راستے میں شہید ہو جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں واپس ہو جاؤ گے؟ دین چھوڑ دو گے؟ مگر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ تمام انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور شہداء بھی زندہ ہیں، بلکہ سب مسلمان اور کافر زندہ ہیں، نیکوں کو راحت پہنچتی ہے اور بروں کو عذاب۔

جنت، جہنم اور کون سی چیزیں فنا نہ ہوں گی:

اس لیے سمجھیں کہ انسان اور جاندار پر موت اور فنا نے آنا ہے۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن پر فنا نہیں آئے گی، لیکن وہ قابل فنا ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ چاہیں تو ان کو بھی فنا کر دیں اور اللہ نہ کرے تو اس کی مرضی ہے۔ جیسا کہ جنت پیدا ہو چکی ہے، لیکن اب اللہ تعالیٰ جنت کو فنا نہیں کریں گے، اسی طرح جہنم بن چکی ہے صرف قیامت میں اسے ظاہر کیا جائے گا۔ ﴿اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ﴾ [البقرۃ: ۲۴] کتابوں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ختم نہیں کریں گے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ اس کو بھی ختم کرنا چاہیں تو وہ بھی قابل فنا اور قابل ہلاک ہے۔ اسی طرح کتابوں میں آتا ہے عرش و کرسی باقی ہوں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی منشا سے باقی ہوں گے۔ صرف اللہ کی ذات ہے جس پر فنا نہیں آ سکتی۔

موت کا معنیٰ:

موت کیا ہے......؟ بظاہر موت کی تعریف یہ ہے: "اِخْرَاجُ الرُّوْحِ عَنِ الْجَسَدِ" کہ روح کا جسد سے علیحدہ کر دینا موت ہے۔ روح کیا ہے......؟ اس کی حقیقت کوئی نہیں جانتا ماسوائے اللہ تعالیٰ کے۔ جو چیز سمجھ نہ آئے اس پر بھی ایمان رکھو۔ اور اسی طرح یہ باتیں دماغ میں رکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں ایسے نکات بھی رکھے ہیں جہاں عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہماری عقل کا میزان بڑا محدود ہے۔ اگر میزان چھوٹا ہو تو اس پر بھاری چیز کا وزن نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ آپ پرائمری پاس سے ایم اے کا سوال پوچھیں۔ جب وہ سوال ہی نہیں سمجھے گا تو اس کا

جواب کیا دے گا؟ اسی طرح یہ اللہ کا نظام ہے کہ اس نے ہر چیز میں ایسا خفا، ایسا پردہ، ایسی دقیق چیز رکھی ہے کہ بندہ بس اپنے دل سے ایمان لائے۔ سمجھ آ جائے تو الحمد للہ، اور اگر سمجھ نہ آئے تو یہ اپنا قصور ہے کہ ہم ابھی اس منزل پر نہیں پہنچے کہ ان چیزوں کو سمجھ سکیں۔ مثلاً لوگ انکار کرتے ہیں کہ موت کے بعد سوال و جواب کیسے ہوں گے؟ عذاب کیسے ہوگا؟ کوئی سلام کرے تو اس کو کیسے سن سکتے ہیں؟ یہ ساری بحثیں اس لیے ہیں کہ یہ چیزیں ہماری عقل سے ماورائی ہیں۔ اس کو یوں سمجھ لو کہ ہمارے سامنے تو حیات کے بھی پورے گوشے نہیں ہیں۔ ایک بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، اللہ کی قدرت سے نطفہ قرار پکڑتا ہے، چار مہینے کے بعد اس میں نفخ روح ہوتی ہے، پھر بچہ پیٹ میں حرکت کرنا شروع کر دیتا ہے۔ کیا اس میں روح کو پھونکتے ہوئے کسی نے دیکھا ہے کہ اس بچے کے جسم میں روح کیسے ڈالی گئی؟ پھر دیکھیں جب دو پانی مل گئے تو صرف جم جاتے، لیکن ان سے ہاتھ بنے ان سے آنکھیں بنیں، ان سے کان بنے، ان سے دماغ بنا، ان سے پاؤں بنے، یہ ساری مشینری اندر تیار ہوتی ہے۔ اور جو ماں پیٹ میں اٹھا کر پھر رہی ہے اس کو بھی پتہ نہیں ہے۔ تو حیات کے مسائل بھی ہمارے سامنے چھپے ہوئے ہیں کہ کوئی ہم سے پوچھے کہ روح کیسے پھونکی گئی؟ تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟ کیا دنیا میں ایسی مشینیں ایجاد ہوئی ہیں جو یہ بتا سکیں کہ دیکھو یہ روح جا رہی ہے؟ حمل ٹھہرنے کے بعد تو کچھ علامات بتائی جاتی ہیں کہ کبھی پیشاب دیکھ کر بتایا جاتا ہے کہ حمل ٹھہر گیا ہے یا الٹراساؤنڈ کر کے بتایا جاتا ہے کہ حمل ٹھہر گیا ہے، لیکن روح کب پھونکی گئی اور وہ کس انداز میں بنایا گیا؟ قرآن نے جو مراحل ذکر کیے: ﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۙ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴾[المومنون: ۱۴] یہ کس نے دیکھے ہیں؟ اور پھر جب پیٹ میں بچہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتے سے فرماتے ہیں: لکھ دو کہ یہ اچھا ہوگا یا برا، شقی ہوگا یا سعید ہوگا، اس کی عمر کتنی ہے اس کا رزق کتنا ہے۔ اب اس کو لکھتے ہوئے کسی نے دیکھا ہے؟

تو جب ہمیں اپنی زندگی کی باتیں سمجھ نہیں آ رہیں تو موت کے بعد والی باتیں ہمیں سمجھ نہ آئیں تو اس کا آدمی انکار کیوں کرے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے دو عزت والے فرشتے رکھے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو وہ لکھ رہے ہیں۔ یہ کسی عام کتاب کی بات نہیں ہے، کسی تاریخ کا قصہ نہیں ہے، بلکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾﴾[الانفطار: ۱۱، ۱۲] عزت والے لکھنے والے وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ اور جو یمین (داہنے کندھے) پر ہے وہ حسنات لکھتا ہے اور جو یسار (بائیں کندھے) پر ہے وہ گناہ لکھتا ہے دونوں لکھ

رہے ہیں، لیکن آپ کی کبھی ان دونوں سے ملاقات ہوئی ہے؟

اس لیے جب دین کے مراحل میں ایسے مسئلے آجائیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر کام یہ ہے ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ [البقرۃ: ۳] وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں کہ جو اللہ نے کہہ دیا ہے وہ ٹھیک ہے۔ جو اللہ کے رسول، سرکار مدینہ ﷺ نے فرمادیا ہے وہ ٹھیک ہے۔ اب ہمیں زیادہ پیچیدگیوں میں، گہرائیوں میں جانے کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ وہاں ہماری عقل رسائی حاصل نہیں کرسکتی۔

مثلاً موت آتی ہے حق ہے۔ روح نکالی جاتی ہے حق ہے۔ فرشتے روح نکالنے والے آجاتے ہیں رحمت والے بھی، عذاب والے بھی، یہ حق ہے۔ سب باہر بیٹھے ہوئے ہیں، ڈاکٹر کھڑے ہیں، آکسیجن لگی ہوئی ہے، لیکن جب موت کا وقت آیا روح نکل گئی، کوئی کچھ نہیں کرسکا۔

حضور اکرم ﷺ سے روح کے بارے میں سوال کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک جواب دیا کہ میرے مدنی! آپ ان کو اتنا کہہ دیں کہ روح امر ربی ہے، یہ ایسی باریک چیز ہے۔ جن کو قرآن سمجھ نہیں آرہا، جن لوگوں کے سامنے چاند دو ٹکڑے ہوگیا، جن کے سامنے آپ کی انگلیوں سے پانی کی ندیاں جاری ہوگئیں، ان کو یہ سمجھ نہیں آرہا تو وہ روح کو کیا سمجھیں گے؟ اس لیے ان کو روح کے بارے میں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں کیا پیاری بات فرمائی ہے کہ اگر اس کو سونے کے پانی سے بھی لکھا جائے تو کم ہے۔ آپ نے ایک دفعہ فرمایا کہ یہ جتنی چیزیں ہم سے غائب ہیں، اگر اللہ میرے سامنے سب کھول دے تب بھی میرے ایمان میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میرا ایمان پہلے ہی مضبوط ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہادری اور ایمان کی پختگی:

ایک دفعہ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کو اللہ نے واقعی بڑا بہادر بنایا ہے، لیکن یہ معقول بات نہیں ہے کہ آدمی اکیلا دشمن کی صفوں میں گھس جائے، ایک انسان ایک سے، دو سے، تین سے یا پانچ سے کتنے سے لڑے گا؟ اس لیے آپ احتیاط کیا کریں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کیوں ڈروں؟ مجھ سے تو موت ڈرتی ہے۔ تو ساتھیوں نے کہا: موت کیسے ڈرتی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا وقت سے پہلے آسکتی ہے؟ انہوں نے کہا: وقت سے پہلے نہیں آسکتی۔ تو حضرت علی نے فرمایا: میں جتنا زور لگاؤں کہ وہ آجائے وہ کیسے آسکتی ہے؟ وہ تو بھاگتی ہے کہ میں

ابھی نہیں آتی، مجھے ابھی دیر ہے۔ اور جب موت نے آنا ہے تو اس نے مؤخر نہیں ہونا۔

موت سب پر آئے گی:

اسی لیے یاد رکھیں کہ موت سب پر آئے گی، لیکن جس طرح اللہ نے زندگی میں شان بخشی ہے، اسی طرح موت، موت کے بعد عالم برزخ، عالم آخرت ان میں بھی اللہ نے شان والوں کو شان دیا ہے۔ یہ نہیں کہ تم انکار کردو کہ ان کو موت نہیں آئی۔

موت کا لفظ بے ادبی نہیں:

جیسا کہ ہمارے بعض لوگوں کے عقیدے بڑے ڈھیلے ہیں۔ اللہ ہمیں بھی اور انہیں بھی ہدایت دے۔ اگر کوئی بڑا بزرگ فوت ہوجائے تو اس کے بارے میں کبھی نہیں کہیں گے کہ ان پر موت آئی ہے، بلکہ کہیں گے کہ وصال فرما گئے ہیں۔ وصال کا معنی ہوتا ہے ملنا، فصل کا معنی ہوتا ہے علیحدہ ہونا۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ وہ بزرگ اللہ سے مل گئے ہیں۔ اچھا جب تک زندہ تھے اللہ سے دور تھے؟ کیونکہ اب جو ملے ہیں اگر پہلے ملے ہوئے تھے تو اب کیوں مل گئے؟ اور اگر پہلے جدا تھے تو اب کیسے مل گئے ہیں؟ ملنے کی کیا وجہ ہوگئی؟ سمجھیں ایک ہے ادب سے کہنا۔ اگر موت کا لفظ بے ادبی ہوتا تو کیا اللہ اپنے نبیوں کو کہتا؟ جس خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ میرے مدنی ﷺ کی آواز سے تمہاری آواز اونچی ہوگئی تو تمہارے عمل برباد کردوں گا۔ جو اللہ یہ ادب سکھا رہا ہے تو اگر موت کے لفظ میں توہین ہوتی تو اپنے نبیوں پر کیسے کہتا کہ موت آئے گی؟ معلوم ہوا کہ موت کا لفظ کوئی توہین نہیں ہے اور حیات کا لفظ کوئی شان نہیں ہے۔ حیات وہ شان والی ہے جو اللہ کے تابع ہے اور موت بھی وہ شان والی ہے جو اللہ کے تابع ہے، جو اللہ والوں کے لیے ہے، ورنہ ایسی زندگی بے بندگی شرمندگی ہے۔ اسی طرح موت اگر کفر پر ہے گناہوں پر ہے تو اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ لیکن موت اگر اللہ کے راستے میں ہے تو وہ موت نہیں، بلکہ دائمی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرے راستے میں شہید ہوجائیں گے گو تیرے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں خبردار! ان کو مردہ نہ کہنا، بلکہ وہ زندہ ہیں۔

موت آنے کے بعد جو مرحلے ہیں ان پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ آدمی کا جنازہ ہوگا، دفن ہوگا، سوال ہوگا، منکر نکیر آئیں گے۔ پھر اگر اعمال صالحہ ہیں تو قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جائے گی اور اگر اعمال برے ہیں تو

جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بن جائے گی۔

مخلصین کا بھی امتحان ہوتا ہے:

﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣوَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾

جنگ میں شکست آگئی، پریشانی آگئی تو صحابہ گھبرا گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے اندر فرمایا: میرے مدنی! آپ ان کو بتا دیں کہ ہم تمہیں آزمائیں گے تمہارے مالوں اور تمہاری جانوں میں، تم کیا سمجھتے ہو کہ دنیا میں تمہارا امتحان نہیں ہوگا؟ حالانکہ دنیا ہے ہی دارالامتحان۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝﴾ [العنکبوت:۱،۲] کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائیں گے اور ہمیں آزمایا نہیں جائے گا؟

حالانکہ تم اگر دو آنے کا گلاس خریدتے ہو تو اس کو ہاتھ مارتے ہو کہ کچا ہے یا پکا ہے، ٹوٹا ہوا یا سوراخ تو نہیں ہے؟ پانی ڈال کر اوپر نیچے دیکھتے ہو۔ اگر سونا خریدتے ہو تو اس کو آگ میں ڈال کر دیکھتے ہو کہ کتنا گند ہے اور کتنا کھرا ہے۔ تو جتنی چیز قیمتی ہوتی ہے اتنا امتحان بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے جو تمہیں اشرف المخلوقات بنایا ہے ہم بھی تمہارا امتحان لیں گے، کبھی تمہارے مال کا امتحان ہوگا کہ مال برباد ہوگیا، باغات لٹ گئے، زمینیں تباہ ہوگئیں۔ اور کبھی ہم تمہاری جانوں میں امتحان لیتے ہیں کہ کبھی بیماری آگئی، اللہ معاف کرے فالج ہوگیا، گر گیا زخمی ہوگیا، حادثہ ہوگیا اعضا کٹ گئے، اچھا خاصا خوبصورت چلنے والا جوان بے کار ہوگیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سب تمہارے لیے امتحان ہیں۔ اور فرمایا: کبھی ہم جنگ مسلط کر کے امتحان لیتے ہیں کہ باپ سامنے کھڑے ہو کر دیکھ رہا ہے کہ بیٹے شہید ہو رہے ہیں۔ یہ سب امتحان ہے۔ فرمایا: میرے مدنی! جو اس امتحان میں پورا اتریں جو اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے اس پر راضی ہوں آپ ان کو خوشخبری دے دیں۔

کفار کا مسلمانوں سے بغض:

اور میرے مدنی! آپ کے ساتھیوں کو اہل کتاب میں سے اور مشرکین میں سے ایسی ایسی باتیں سننا پڑیں گی جن سے ان کو ایذاء پہنچے گی۔ مشرک ہوں یا یہودی ہوں یہ گالیاں بھی دیں گے، یہ طعن بھی کریں گے اور اعتراض بھی

کریں گے کہ کبھی خدا پر اعتراض، کبھی محمد مصطفیٰ پر اعتراض کریں گے۔ کیونکہ ان کے دلوں کے اندر بغض بھرا ہوا ہے۔ اس لیے یہ باتیں کریں گے جیسا کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دیں۔ تو وہ کفار جو قید ہو گئے تھے ان میں سے ایک کہنے لگا: شکر ہے کہ آج میرا باپ مر گیا ہے، اس نے یہ داغ تو نہیں دیکھا کہ بلال کعبہ پر چڑھا ہوا ہے۔ دوسرا کہنے لگا: پتہ نہیں حضور کو کیا یہی کالا کوا ملا تھا اور دوسرا کوئی نہیں ملا؟ اس سے اندازہ لگالیں کہ صحابہ سے بغض کن کو تھا؟

پھر کفار ابوسفیان کو کہنے لگے کہ تم بھی تو کچھ کہو۔ انہوں نے کہا: میں کچھ نہیں کہتا، میں ڈرتا ہوں کہ آسمانوں اور زمینوں کا رب اپنے نبی کو بتا دے گا کہ ابوسفیان نے کیا کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیج کر یہ باتیں بتائیں تو آپ نے ان کافروں کو بلا کر پوچھا کہ کیا تم نے یہ کہا تھا؟ انہوں نے اقرار کر لیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: سن لو اسلام میں کوئی گورا کالا نہیں ہے، اسلام میں کوئی عربی عجمی نہیں ہے، اسلام میں کوئی بڑا چھوٹا نہیں ہے، اسلام میں تو تقویٰ کا مقام ہے۔ عزت اس کی ہے جو متقی ہے۔

﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اہل کتاب اور مشرکین کی اتنی باتیں سننے کے بعد اگر تم صبر کرو، برداشت کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو یہ بڑا شان والا کام ہے۔ یہ ہر آدمی نہیں کر سکتا کہ کوئی گالی دے اور وہ دعائیں دے۔

حضور ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھانے والی عورت:

ایک عورت حضور ﷺ کے راستے میں روزانہ کانٹے بچھا دیتی تھی کہ جب اندھیرا ہو گا تو آپ کو کانٹا لگ جائے گا۔ ایک دن آپ آئے تو کانٹے نہیں تھے۔ آپ نے پوچھا: اس عورت کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: وہ بیمار ہے۔ آپ نے فرمایا: مجھے اس کا گھر بتاؤ، میں اس کے لیے دعا کرنے جاؤں گا۔

یہ سنت نبوی ہے۔ کیا تم لوگوں نے بھی کبھی یہ کیا ہے؟ دوستوں کے گھر میں ہر کوئی جاتا ہے، تم نے مجھے حاجی کہا اور میں نے آپ کو حاجی کہا۔ یہ تو رو دشمن ہے۔ کمال تب ہے کہ وہ گالیاں دیں تم دعائیں دو۔

فرشتوں پر بھی موت آئے گی:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انسان ہیں یا جن ہیں، اللہ تعالیٰ کی جتنی مخلوق ہے سب پر موت آنی ہے۔ اللہ کے فرشتوں پر بھی موت آنی ہے، حملۃ العرش پر بھی موت آنی ہے اور ملائکۃ المقربین پر بھی موت آنی ہے۔ موت سے کسی کو مفر نہیں ہے۔

جیسا کہ صحیح حدیث مبارک میں آتا ہے کہ جب سب چیزوں پر موت آجائے گی تو باقی اللہ تعالیٰ کے چار فرشتے بچیں گے جو سب سے زیادہ عزت والے، شہرت والے فرشتے ہیں: حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام۔ اللہ تعالیٰ حضرت عزرائیل علیہ السلام سے فرمائیں گے: اب کون باقی ہے؟ تو عزرائیل علیہ السلام عرض کریں گے: یا اللہ! آپ تو جانتے ہیں آپ کے آگے تو کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے، لیکن آپ کے حکم کی تعمیل میں عرض ہے کہ اب ہم چار فرشتے باقی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو حکم دیں گے کہ ان تین کی روح کو قبض کرو۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام ان تینوں کی روح کو قبض کریں گے۔ باقی حضرت عزرائیل علیہ السلام بچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: عزرائیل! کون بچ گیا ہے؟ وہ عرض کریں گے: یا اللہ! سب سے کمزور تیرا بندہ عزرائیل ہے، باقی سب ختم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تم بھی مر جاؤ۔ عزرائیل علیہ السلام بھی مر جائیں گے۔

اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ کا نظام ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذمہ کر رکھا ہے کہ وہ اللہ کی وحی لے کر پیغمبروں کے پاس جائیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام جن کا نام ملک الموت بھی ہے ان کے ذمہ ارواح کو قبض کرنا ہے۔ ان کی نگرانی میں اللہ تعالیٰ کے اتنے فرشتے ہیں جن کا عدد اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ جب سب کچھ فنا ہو جائے گا تو ملک الموت پر بھی موت آجائے گی، تاکہ پورے عالم پر ایک تو یہ واضح ہو جائے کہ جو موت دینے والا ہے اس پر بھی موت آئے گی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت:

اصل کام تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کے ذمہ ڈیوٹی لگا دیں اس نے کرنا ہے، فرشتوں کا کام یہی ہے کہ جو اللہ کا حکم ملے اسے پورا کریں۔ وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ سورج کو حکم دیں گے کہ وہ مشرق کی بجائے مغرب سے نکلے، تاکہ ایک تو یہ معلوم ہو جائے کہ اب توبہ قبول نہیں ہوگی اور دوسرا عالم کو یہ سبق بھی مل جائے کہ نظام یوں نہیں چل رہا، الٹ چل رہا ہے، یعنی یہ دنیا

فنا ہو جائے گی۔

اور تیسرا اس دنیا کو یہ سبق دیا گیا کہ کہیں کوئی جاہل یہ اعتراض نہ کر دے کہ اللہ پاک بھی سورج کو مشرق سے نکالنے کی طاقت رکھتے ہیں، لیکن مغرب سے نکالنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ تو اللہ تعالیٰ سورج کو مغرب سے نکالیں گے کہ یہ تو میرے حکم کے تابع ہے۔ جب میں اس کو حکم دیتا ہوں وہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور جب اس کو حکم دوں گا وہ مغرب سے طلوع ہوگا۔

قول ہے کہ دنیا میں اتنی محنت کرو جتنا تم نے دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے لیے اتنی محنت کرو جتنا وہاں رہنا ہے۔ اب خود اندازہ لگا لو کہ ہم نے وہاں کتنا رہنا ہے اور یہاں کتنا رہنا ہے، لیکن ہمارا عالم یہ ہے کہ ہم ساری محنت اس دنیا کے لیے کر رہے ہیں، آخرت کی کوئی فکر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے اور ہم سب کو فکر آخرت نصیب فرمائے۔

حضور ﷺ کی وفات پر حضرت خضر علیہ السلام کی تعزیت:

ابن ابی حاتم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ واقعہ روایت فرمایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب ہمارے آقا سرکارِ مدینہ ﷺ کی وفات ہوئی، اس کے بعد جو تعزیت آئی اس میں یہ تھا کہ کوئی آنے والا آیا ہے، اس کے آنے کی، چلنے کی آواز تو محسوس ہوئی تھی، لیکن وہ آدمی نظر نہیں آیا تھا کہ وہ کون ہے؟ اس نے آنے کے بعد کہا: ﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ [ھود: ۷۳] اس نے سلام کیا اور اس کے بعد یہ آیت پڑھی: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ﴾ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اللہ کے نبی پر بھی موت آئی ہے اور تم پورا پورا بدلہ دیئے جاؤ گے۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر مصیبت کی تسلی ہے۔ اگر کوئی چیز ہلاک ہو جائے تو اس کا بدلہ بھی اللہ تعالیٰ دیتے ہیں اور کوئی چیز فوت ہو جائے تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو، اللہ کی طرف رجوع کرو؛ کیونکہ اصل میں مصیبت والا شخص وہ ہے جو ثواب سے محروم ہو جائے۔ اس شخص نے یہ کلمات کہے اور اس کے بعد "والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ" کہا اور چلا گیا۔ امام جعفر بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے خبر دی کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو یہ کون ہیں؟ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔

[اس روایت کو علامہ سیوطی نے در منثور ۲/۳۹۹ پر نقل کیا ہے اسنادہ ضعیف ومتنہ منکر]

جنت کی فضیلت:

(حدیث) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿١٨٥﴾﴾)) [سنن الترمذی، رقم: ۳۲۹۲] ایک بید کے برابر جنت کے اندر ایک ٹکڑا دنیا اور جو کچھ اس دنیا کے اندر ہے اس سب سے بہتر ہے۔ اس بات کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اللہ تعالیٰ کے قرآن کی یہ آیت بھی پڑھ لو کہ جو جہنم سے ہٹا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تحقیق وہ کامیاب ہو گیا۔

(حدیث) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میرے آقا سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ اس کو جہنم سے دور کر دیں اور جنت میں داخل کر دیں تو وہ یہ کوشش کرے کہ اس کی موت اس حال پر آئے کہ وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ اور لوگوں کے ساتھ ایسا اچھا برتاؤ کرو کہ جو تمہارا دل کرتا ہے کہ لوگ آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں۔ [مسند احمد: ۲/۱۹۱]

کیونکہ موت اگر ایمان پر نہ آئے تو جنت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا! کیونکہ یہ قاعدہ ہے: جس شخص کی موت ایمان پر آئے گی وہ اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوگا اور جس شخص کی موت شرک پر آئے گی وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

دنیا دھوکہ کا سامان ہے:

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ دنیا تو دھوکہ کا سامان ہے۔ چاہے کروڑوں ہوں، اربوں ہوں۔ آج دولت ہے کل چھن جائے گی، آج آپ کے پاس عزت ہے کل نہ رہے۔ یہ تو فانی چیز ہے۔ جو دولت میں آکر اندھے ہو جاتے ہیں وہ برباد ہو جاتے ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس دنیا کی مثال ایسے ہے جیسا کہ کوئی مردار جانور ہو تو اس کے اندر بڑی بدبو ہوتی ہے تو اس کو کتے ڈھونڈتے ہیں۔ لیکن جو دین کے حقوق کو مقدم رکھے اور دنیا کو بھی بقدر اجازت طلب کریں تو کوئی منع نہیں ہے۔ یہاں اس دنیا کی مذمت ہے کہ دین کو بھول کر دنیا کو ترجیح دے کر اس میں لگا رہے۔ [ترتیب الامالی]

(حدیث) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَاللّٰہِ مَا الدُّنْیَا فِی الْآخِرَۃِ إِلَّا کَمَا یَغْمِسُ أَحَدُکُمْ إِصْبَعَہُ فِی الْیَمِّ، فَلْیَنْظُرْ بِمَ تَرْجِعُ إِلَیْہِ))
[مسلم، رقم:۲۸۵۸]

آپ نے دنیا کی مثال دی کہ تم اپنی انگلی کو سمندر کے پانی میں ڈالو پھر کھینچ لو اور دیکھو اس کے ساتھ کتنا پانی آیا ہے۔ فرمایا: آخرت کے مقابلہ میں دنیا بس یہ کچھ ہے۔ آخرت کی نعمتیں ایسی ہیں جیسے رحمتوں کے دریا ہوں اور دنیا اتنی ہے جیسے انگلی کو پانی لگتا ہے؛ کیونکہ دنیا تو فنا ہونے والی چیز ہے۔ جو چیز فنا ہونے والی ہو اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر: آج آپ کو کوئی آدمی محل بنا دے اور کہے کہ یہ محل آپ کا ہے، لیکن دو سال کے بعد اس کو آپ سے واپس لے لیں گے اور آپ کو اس سے نکال دیں گے۔ تو آپ اس کو پہلے دن سے ہی گننا شروع کر دیں گے کہ کتنے دن گزر گئے ہیں؟ تو ایسی عزت کا کیا فائدہ جو کل چھن جائے؟ اور وہ لذت جو چھن جائے وہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا عذاب ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگا کرو کہ اللہ تعالیٰ عزت دے کر ذلت نہ دے، آرام دے کر دکھ نہ دے، صحت دے کر بیماری نہ دے، اچھے دن دے کر برے دن نہ دکھائے؛ کیونکہ یہ اتنا بڑا امتحان ہوتا ہے کہ آدمی دو دن کے اندر سیدھا ہو جاتا ہے۔ فرعون کے ایک اشارے پر لوگ قتل ہو جاتے تھے، لیکن جب اس کو پانی میں ایک غوطہ آیا تو کہنے لگا: ﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝﴾ [یونس:۹۰،۹۱] آج مجھے سمجھ آگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بد بخت! اب کلمہ پڑھ رہا ہے جب مرنے کا وقت آیا ہے؟ اس لیے اب اسی حال میں مرو۔

عبداللہ بن اُبی کی حضور ﷺ سے بدتمیزی:

(حدیث) حضور اکرم ﷺ نے گدھے پر سواری کی، آپ کے جسم اطہر پر فدک کی ایک چادر تھی اور آپ کے پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ بنو الحارث میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیمار تھے، ان کی عیادت کرنے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ یہ غزوہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ آپ ایک مجلس سے گزرے جس میں یہ بد بخت منافق عبداللہ بن ابی بن سلول بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ابھی اسلام بھی ظاہر نہیں کیا تھا اور مجلس کے اندر مختلف لوگ بیٹھے تھے: مشرک بھی تھے، یہودی بھی تھے اور مسلمان بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب حضور ﷺ کی سواری وہاں سے گزری اور اس سے غبار اٹھا تو عبداللہ بن ابی نے اپنے ناک پر چادر رکھ لی اور کہنے لگا: اپنی سواری دور لے جائیں، آپ کی سواری کی وجہ سے مجھ پر غبار آ رہا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے وہاں پہنچ کر سلام کیا۔

آپ اترے اور وہیں کھڑے ہوکر دعوت دی، اللہ کا قرآن پڑھا اور ان کو اللہ کی توحید کی طرف بلایا۔ عبداللہ بن ابی کہنے لگا: اے انسان! ہمیں تقریریں نہ کرو۔ اگر یہ حق ہے جو کہتے ہو، ہمیں تکلیف نہ پہنچاؤ اور جاکر اپنے گھر میں بیٹھ جاؤ۔ اگر کوئی تمہارے پاس آئے تو اس کو دعوت دو، تم کیوں ہمارے پاس آتے ہو اور ہماری مجلس میں آکر ہمیں کیوں تکلیف پہنچاتے ہو؟ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ بالکل آئیں اور ہمیں قرآن سنائیں اور ہمیں دعوت دیں۔ ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ تو مسلمانوں اور مشرکین و یہود کی آپس میں لڑائی اور گالم گلوچ شروع ہوگئی اور نوبت لڑائی تک جا پہنچی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روکتے رہے کہ نہ لڑو، حتیٰ کہ وہ سارے خاموش ہوگئے۔ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔

آپ نے حضرت سعد سے فرمایا: اے سعد! آپ نے ابوحبان کی بات نہیں سنی؟...... مراد عبداللہ بن ابی تھا...... اس نے ایسا ایسا کہا ہے۔ تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ سے ایک درخواست کرتا ہوں کہ اللہ کے لیے اس کو معاف کردیں۔ خدا کی قسم! اللہ نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، آپ سچے نبی ہیں اور آپ کی دعوت بھی سچی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگ اس بدبخت کو مدینہ کا سردار بنا رہے تھے۔ جب سے آپ تشریف لے آئے تو اس کی سرداری ختم ہوگئی۔ اس وجہ سے وہ بگڑا ہوا اور بہکا ہوا ہے کہ آپ کے آنے کی وجہ سے میری سرداری گئی، آپ اس کو معاف فرمادیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اس کو معاف کردیا ہے۔ تو جتنی بھی مسلمانوں کو تکلیفیں آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی معاف فرمادیتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی معاف فرمادیتے تھے، حتیٰ کہ جب بدر کا واقعہ پیش آیا اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح دی اور بدر میں کفار قریش کے سردار مارے گئے تو عبداللہ بن ابی نے اعتراض کیا تھا اپنی جماعت کو اکٹھا کرکے۔ کہنے لگا کہ اب مسلمان ہوجاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی کو طاقت مل گئی ہے، ورنہ ہم برباد ہوجائیں گے۔ تو وہ آکر مسلمانوں میں شامل ہوگئے۔

[بخاری، رقم: ۴۵۶۶]

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کوئی حق والا جب حق پر کھڑا ہوگا، بھلائی کا امر کرے گا، برائی سے روکے گا اور لوگوں کو حق کی دعوت دے گا تو لازمی بات ہے کہ لوگ اس کو تکلیفیں دیں گے، ستائیں گے، پتھر برسائیں گے اور گالیاں دیں گے۔ اس کے پاس علاج یہ ہے کہ وہ اپنے اللہ پر توکل کرے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے اور اپنی بات پر



جمار ہے۔

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا وَّيُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُم بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝﴾ [آل عمران:۱۸۷تا۱۸۹]

''اور (ان لوگوں کو وہ وقت نہ بھولنا چاہئے) جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا تھا کہ تم اس کتاب کو لوگوں کو سامنے ضرور کھول کھول کر بیان کرو گے اور اس کو چھپاؤ گے نہیں۔ پھر انہوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سے قیمت حاصل کر لی۔ اس طرح کتنی بری ہے وہ چیز جو یہ مول لے رہے ہیں۔ یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو لوگ اپنے کیے پر بڑے خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ان کاموں پر بھی کی جائے جو انہوں نے کیے ہی نہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ وہ عذاب سے بچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان کے لیے دردناک سزا (تیار) ہے۔ اور آسمانوں اور زمین کی سلطنت صرف اللہ کی ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔''

یہودیوں کی عہد شکنی:

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مزید عہد شکنی کا بیان فرمایا ہے۔ یہود و نصاریٰ اہل کتاب کہلاتے ہیں؛ کیونکہ ان کا کتاب پر ایمان تھا، گو تورات و انجیل بدڈالی گئی، لیکن بہر حال وہ اہل کتاب تو کہلائیں گے؛ کیونکہ ان کے آباء و اجداد ایک کتاب کے متعلق تھے۔ اور اسی طرح مشرکین مکہ مشرک تھے، ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی۔ قرآن نے انہیں ہمیشہ مشرکین قرار دیا ہے۔

یہودی ملک شام سے مدینہ میں کیوں آکر بسے تھے؟

یہود سب کے سب شام اور اس کے آس پاس حوالی میں آباد تھے۔ وہ وہاں سے مدینہ منورہ صرف اس انتظار میں آئے تھے کہ ہماری کتابوں میں جس نبی کا ذکر ہے جب وہ نبی پیدا ہوں گے ہم اس کے ہاتھ پر اسلام لائیں

گے، مسلمان ہوں گے اور پھر ان کی طاقت کے ساتھ ہم دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔ اور وہ یہ باتیں کافروں پر برملا کہتے تھے۔ یہ سب اس انتظار میں وہاں آئے تھے جیسا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی آئے تھے۔

جب میرے مدنی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو آپ کا سلسلہ نسب حضرت اسماعیل سے جڑا۔ یہ ایسی حقیقت ہے کہ جس کا دنیا میں کوئی بھی منکر پیدا نہیں ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ولد اسماعیل میں پیدا فرمایا۔ اللہ نے ساری دنیا سے بنو کنانہ کو، بنو کنانہ کے بعد قریش کو اور قریش کے بعد بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے عبداللہ کے گھرانے کو چن لیا۔ مجھے اسی گھرانہ سے پیدا کیا۔

یہودیوں نے عہد شکنی کیوں کی؟

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا تھا کہ جو ہم آپ کو کتابیں بھیجیں گے وہ تم لوگوں کو کھول کر بیان کرو گے اور تم ہرگز اس بات کو نہیں چھپاؤ گے جو اللہ نے اتاری ہے۔ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس کو پورا پورا پہنچاؤ۔ لیکن اہل کتاب نے اس عہد کو پشت کے پیچھے پھینک دیا۔ جیسا کہ ہمارے ہاں بھی محاورہ ہے کہ اس نے تو خط پڑھ کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا، اس نے پشت پر ڈال دیا۔ یعنی اس بات پر عمل کرنا تو بڑی بات ہے، لیکن انہوں نے تو بات کو ہی پھینک دیا۔ اور انہوں نے ایسا اس لیے کیا: ﴿وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ﴾ کہ انہوں نے اس کے بدلہ میں تھوڑا سا فائدہ لیا ہے۔ اور کیا ہی اس کی بری خریداری ہے۔

یہودیوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تورات کے احکام کو چھپانا:

اس واقعہ کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ یہودیوں سے کسی بات کے بارے میں پوچھا کہ تمہاری کتاب میں یہ مسئلہ کیسے ہے؟ تو ان بدبختوں نے جھوٹ بولا اور اصل بات چھپالی۔ اللہ نے قرآن کی آیات نازل فرما کر اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبردار کیا کہ یہ ایسے جھوٹے لوگ ہیں کہ ان سے عہد لیا گیا کہ جو اللہ کا حکم ہے اس کو پورا پورا بیان کرو، لیکن یہ ایسے جھوٹے ہیں کہ چھپا دیتے ہیں۔

اسی طرح آیت رجم کے بارے میں بھی آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک زنا کا مقدمہ پیش ہوا اور عورت بھی یہودیہ تھی اور معاملہ بھی یہودیوں کا تھا اور وہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا مقدمہ لے آئے۔ ابن صوریا بھی کہتا تھا کہ آپ ہی ہمارا مقدمہ سنیں۔ اصل میں ان کے دماغ میں یہ بات تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں فیصلہ جائے گا اور ہم چونکہ یہودی ہیں تو لازماً آپ ہمارے مسئلہ پر رعایت کریں گے، تاکہ ان کے دل ہماری طرف مائل ہو جائیں اور وہ کوئی نرم فیصلہ دے دیں۔ اس ضمن میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم یہ بتاؤ کہ تمہاری کتاب میں یعنی تورات میں رجم کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟ اگر شادی شدہ عورت زنا کرے تو اس کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے کہا: ہماری کتابوں میں بس اتنی سی سزا ہے کہ اگر ثابت ہو جائے کہ واقعی زنا ہوا ہے تو اس آدمی کو دو چار جوتے مار کر گدھے پر بٹھا دیں اور اس کو منہ کالا کر کے بازار میں پھروا دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تمہاری کتاب میں دیکھتے ہیں کہ رجم کا مسئلہ ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا: رجم کا مسئلہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ جب وہ کتاب لے آئے اور حضور اکرم ﷺ کے سامنے رکھ دی اور یہودیوں کو پتہ تھا کہ ہماری کتاب سریانی زبان میں ہے اور حضور اکرم ﷺ سریانی زبان نہیں پڑھ سکتے، لہٰذا اگر ان کے سامنے ہم کتاب کھول کر بھی رکھ دیں تو پھر بھی ہم نے پڑھنا ہے۔ انہوں نے کتاب کھول کر سامنے رکھ دی اور کہا: یہ زنا کا مسئلہ لکھا ہوا ہے اور یہاں کوئی آیت رجم نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے اور حافظ تورات سمجھے جاتے تھے، اسلام لا چکے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: حضور! ان کا جو عالم کتاب کھول کر بیٹھا ہوا ہے اس کو کہیں ہاتھ اٹھائے۔ اس کے نیچے تو آیت رجم موجود ہے۔ جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو آیت رجم تو موجود تھی تو حضور اکرم ﷺ نے ان یہودیوں سے فرمایا کہ یہ تم نے کیا کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم چاہتے تھے کہ عورت کو سزا سخت نہ ملے، اس لیے ہم نے یہ بہانہ بنایا اور اصل مسئلہ چھپا گئے۔

اسی طرح حضور اکرم ﷺ کے بارے میں جتنی شان اور صفات تورات میں تھیں وہ سب چھپا گئے۔ جب ان سے کوئی پوچھتا کہ یہ محمد مصطفیٰ ﷺ وہی نبی ہیں جن کا تم ذکر کرتے تھے تو وہ کہتے تھے: وہ اور تھے اور یہ اور ہیں۔ یہودی یہ احکام مالی منفعت کے لیے بدلتے تھے، مثلاً: بڑے آدمی نے جرم کیا تو مسئلہ بدل دیا اور اگر کسی غریب نے جرم کیا تو اس کے لیے مسئلہ اور سخت بیان کر دیا۔ تو ان آیات مبارکہ میں ایک تو ان کا رد آیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان ظالموں نے اس عہد کو بھی پھینک دیا اور حق بات چھپا لی اور انہوں نے بڑا گھٹیا سودا کیا کہ چند پیسے لے کر اللہ تعالیٰ کے قرآن کا مسئلہ چھپا دیا۔ یہ کتنی نقصان والی بات ہے کہ آدمی دنیا کا فائدہ حاصل کرے اور حق بات چھپا جائے۔

جہاد میں نہ جانے کے لیے منافقین کی بہانہ سازی:

دوسرے یہودیوں میں جو منافقین کی شکل میں موجود تھے، ان میں یہ بات بھی تھی کہ جب ان کو کہا جاتا کہ جہاد

پر جاتا ہے تو وہ بہانہ بنا لیتے تھے کہ حضور! میرے گھر میں بیٹی بیمار ہے، میری بیوی کو بڑی سخت تکلیف ہے اور میری والدہ کی طبیعت بہت خراب ہے، کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں، میں بڑا مجبور ہوں، ورنہ میرا تو جہاد پر جانے کا بڑا دل کرتا ہے۔ اس طرح وہ بہانے بنا کر رہ جاتے۔ جب حضور پاک ﷺ جہاد پر چلے جاتے تو آپس میں بڑے خوش ہوتے کہ کیسے ہم بہانہ بنا کر بچ گئے!! اب آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں۔ جب مسلمان واپس آجاتے تو آکر جھوٹی قسمیں کھاتے تھے کہ ہمیں بڑا افسوس رہا، ہم بڑا تڑپتے رہے، لیکن ہم مجبور تھے۔ یعنی وہ اس بات پر بھی خوش ہوتے تھے کہ ہم کام بھی نہ کریں اور لوگ ہماری تعریف کریں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ کیا چاہتے ہیں کہ ان کی ثنا کی جائے اس کام پر جو وہ کرتے ہی نہیں۔ حالانکہ کام کرنے کے بعد بھی آدمی تعریفوں کی تمنا نہ کرے۔ اللہ پاک اپنی مرضی سے دے دیں تو اس کی مرضی ہے۔ اور ایک یہ کہ تم کام بھی نہ کرو اور لوگ تمہاری تعریف کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا مدنی! آپ یہ گمان نہ کریں کہ ان کو عذاب سے چھٹکارا ملے گا، ان کو عذاب سے کوئی راستہ ملے گا۔ ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور آخر میں فرما دیا کہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک اللہ ہے۔ جب یہ سب اللہ کے لیے ہے تو بدبختو! تم اللہ کا دین چھپا کر پیسے لے رہے ہو؟ حالانکہ تم سچی بات بیان کرو؛ کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک تو اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ میں سے تمہیں دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے۔ تمہیں کیا ضرورت ہے کہ تم جھوٹ بولو!؟

حق مسئلہ چھپانے والے کی سزا:

ان آیات مبارکہ سے ہمیں یہ سبق ملا کہ عالم کی شان یہ ہے کہ اگر کوئی دین کا مسئلہ ہے اور حق کا مسئلہ ہے تو اس کو نہ چھپائے۔ اگر وہ جان کر حق مسئلہ چھپائے گا تو حدیث پاک میں آتا ہے: ((مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ)) [ترمذی، رقم: ۲۶۴۹] جو آدمی عالم ہے، اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے اور وہ جانتا ہو، لیکن وہ چھپالے اور حق بات بیان نہ کرے تو ایسے شخص کو قیامت والے دن آگ کی لگام میں چڑھائی جائیں گی۔

دورخے مولویوں کا طریقہ:

آج کل دنیا میں ایک مزاج بن گیا ہے کہ ماحول کے مطابق بات کرلی، یعنی اگر دیکھا کہ کہیں اہل توحید کا زور ہے تو

وہاں توحید کا مسئلہ بیان کر دیا، کہیں دیکھا کہ اہل بدعت کا زور ہے تو وہاں ڈھیلی ڈھیلی باتیں شروع کر دیں، کہیں دیکھا کہ روافض کا زور ہے تو وہاں شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ بیان کر دی اور کہیں دیکھا کہ خوارج کا زور ہے وہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں...... نعوذ باللہ...... دشمنی آمیز کلمات کہہ دیئے۔ جیسا ماحول دیکھتے گئے اسی میں ڈھلتے گئے۔ اور لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا کامیاب مقرر ہے کہ جہاں گئے اور جس مجلس میں گئے ساری دنیا واہ واہ کر رہی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے حق بات بیان نہیں کی، ورنہ کوئی ایک ناراض ہوتا؛ کیونکہ حق تو کڑوا ہوتا ہے، کسی کو تو کڑوا لگنا چاہیے تھا۔ اللہ کے انبیاء نے دعوت دین دی، سب لوگوں نے تو واہ واہ نہیں کی تھی، بلکہ اکثر لوگوں نے مخالفت کی اور تھوڑے لوگوں نے حق کو قبول کیا۔ اس لیے حکم ہے کہ اگر عالم مسئلہ جانتا ہو اور اس سے پوچھا جائے تو وہ صحیح مسئلہ بتائے اور اللہ کے دین کو کبھی نہ چھپائے۔

مسئلہ بیان کرنے میں احتیاط:

ایک بات یاد رکھیں کہ بعض اوقات حالات ایسے ہوتے ہیں کہ ایک مسئلے کو بیان کرنے میں فتنے کا اندیشہ ہے، یعنی اگر وہ مسئلہ بیان کیا جائے تو وہاں لڑائی ہو جائے گی، فساد و خون ریزی ہو جائے گی، وہاں اگر عالم دین مصلحتاً اس مسئلے کو بیان نہ کرے تو اجازت ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جانتے ہیں وہ یہ مسئلے چھپا رہا پیسے لینے کے لیے یا اپنی ذاتی لالچ کے لیے، اپنی ذاتی عزت کے لیے کتمانِ علم کر رہا ہے، "خَوْفًا مِنَ الْفِتْنَةِ" سے ایسے کر رہا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں موجود ہے کہ میرے آقا سرکار مدینہ ﷺ نے بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ اگر تیری قوم اسلام میں نئی نئی داخل نہ ہوتی تو میرا ارادہ تھا کہ میں کعبہ کو بڑھا دیتا، کعبہ کے دو دروازے بناتا: ایک اندر آنے کے لیے اور ایک باہر نکلنے کے لیے، لیکن میں نہیں چاہتا کہ لوگ کہیں: اللہ کے نبی نے کعبہ گرا دیا ہے۔ اب ان کو کون سمجھائے کہ کعبہ دیواروں کا نام نہیں ہوتا؟ وہ تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ میرا گھر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے، ورنہ آسمانوں سے لے زمینوں تک کعبہ، بیت المعمور تک کعبہ ہے۔ ہم نے صرف دیواروں کو تو مسجد نہیں کرنا ہے، لیکن یہ بات کس کو سمجھائیں گے؟ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نہیں توڑتا۔ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے مستقل باب باندھا ہے کہ اگر کوئی ایسی جگہ ہے کہ وہاں ایک بات کہنے سے فتنہ پھیلنے کا اندیشہ ہے تو عالم کو چاہیے کہ ایسی باتوں سے احتراز کرے، تاکہ ایک بات بیان کرنے سے لوگ ناحق قتل نہ ہو جائیں، فساد و لڑائیاں نہ ہو جائیں۔

یہودیوں کا علم گدھوں پر کتابیں لادنے کی طرح ہے:

دوسری بات علماء نے کہی ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے جیسا علماء یہود نے کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عالم بنایا، لیکن انہوں نے حق کو چھپالیا۔

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ [الجمعة:٥]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایسے لوگ جن کو ہم نے علم دیا، لیکن انہوں نے اس پر عمل نہ کیا، اس کو ظاہر نہ کیا ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گدھے پر کوئی کتابیں لاد دی جائیں، یعنی اس علم کا کیا فائدہ ہوا؟ جیسے گدھے پر کتابیں لاد دو تو اس سے وہ پڑھی نہیں جاتیں تو اس کے علم پڑھنے کا کیا فائدہ ہوا کہ علم پڑھنے کے بعد بھی یہ حق بات لوگوں کو نہیں بتاتا، اللہ تعالیٰ کے دین کو چھپاتا ہے۔ یہ انسان نہیں ہے، بلکہ یہ انسانیت سے نکل کر جانوروں کی لسٹ میں آگیا ہے۔

نیکی کا کام نہ کر کے تعریف کی طلب کرنا:

دوسری بات ان آیات کے اندر یہ بیان کی گئی ہے کہ آدمی نیکی کا کام بھی نہ کرے اور کہے کہ لوگ میری تعریف کریں، یہ بھی ناجائز ہے۔ یا نیکی کا کام کرے اور کہے کہ لوگ مجھے بڑا عالم، زاہد سمجھیں۔ اگر یہ تمنا بھی آجائے تو ریا کی وجہ سے یہ عمل بھی برباد ہو جاتے ہیں۔ ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ آدمی کے دل میں تو تمنا نہیں ہے، لیکن لوگ اچھی بات کی تعریف کرتے ہیں تو وہ کہتے رہیں۔ اس پر اس کا کوئی جرم نہیں ہے؛ کیونکہ قاعدہ ہے کہ خوشبو بھی پھیلے گی، بدبو ہے تو وہ بھی پھیلے گی۔ اگر کوئی آدمی اچھے عمل کرے گا تو لازمی بات ہے کہ محلے والوں کی رائے ہوگی کہ یہ اچھا آدمی ہے، اس کو ہم مسجد میں دیکھتے ہیں، ماشاء اللہ دین سے جڑا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں لگا ہوا ہے۔ اور اگر برا ہے تو لوگ کہیں گے کہ شرابی ہے، فاسق و فاجر ہے۔ بات چھپی نہیں رہتی وہ لوگوں کی زبان پر آجاتی ہے، لیکن عمل کرنے والے کی نیت اللہ کی رضا ہو، یہ نہ ہو کہ میں اس لیے کر رہا ہوں کہ لوگ میری تعریف کریں۔ تو یہ ریا ہو جاتا ہے اور عمل کو برباد کرنے کا سبب ہوتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ریا بھی شرک اصغر ہے؛ کیونکہ شرک کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا۔ یہ جو عبادت کر رہا ہے اس نیت سے کہ لوگ مجھے عابد سمجھیں تو یہ اللہ کے سوا غیر کو راضی کر رہا ہے اور اللہ کا شریک بنا رہا ہے۔



جھوٹے دعویٰ سے مال کی کثرت حاصل کرنے کا وبال:

(حدیث) بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

((وَمَنْ ادَّعَى دَعْوَى كَاذِبَةً لِيَتَكَثَّرَ بِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللهُ إِلَّا قِلَّةً)) [مسلم، رقم: ۱۱۰]

جو شخص جھوٹا دعویٰ کرے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ مجھے زیادہ مال مل جائے یا مجھے زیادہ وقار اور عزت مل جائے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو بڑھائیں گے نہیں، بلکہ اس کو گھٹائیں گے۔

تم سمجھتے ہو جھوٹ سے مجھے فائدہ ہوگا، یاد رکھیں! وقتی طور پر بعض لوگوں کو فائدہ نظر آتا ہے، لیکن اس کا انجام نقصان ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے جوا کھیلا اور ایک رات میں دو لاکھ کما لیے ہیں، لیکن جواریوں کا انجام نقصان ہی ہوتا ہے۔ بیویاں بیچ دیں، اولادیں بیچ ڈالیں، کروڑوں پتی تھے بھکاری ہو کر سڑکوں پر آ گئے۔

اسی طرح جھوٹ کا انجام بھی ذلت وخواری ہے۔ سچ سچ ہے حق حق ہے۔ اس لیے کبھی آدمی جھوٹ نہ بولے۔ بعض لوگ اپنی جھوٹی کرامات دکھاتے ہیں کہ میں نے ایسا خواب دیکھا ہے، میں نے فلاں مقام پر ایسے کیا تو ایسے ہو گیا۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ میرے زیادہ سے زیادہ معتقد ہو جائیں، لیکن یاد رکھیں! ایک وقت آئے گا کہ اللہ اس کو ذلیل کر دیں گے حق پر چلنے سے عزت ملتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھ سے کوئی کرامت ظاہر کر دی ہے تو اللہ تعالیٰ کی منشا ہے؛ کیونکہ کرامت اپنا کمال تو نہیں ہے، وہ تو عطاءِ رب ہے۔

جھوٹ کا لباس:

حدیث مبارک میں آیا: ((اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ)) [بخاری، رقم: ۵۲۱۹] جو چیز کسی کے پاس نہیں ہے پھر بھی وہ اپنے آپ کو ایسے جتلائے کہ وہ اس کے پاس ہے تو وہ ایسے ہے جیسے اس نے جھوٹ کا لباس پہن لیا ہے۔

بعض آدمی ایسے جھوٹ کے لباس پہن لیتے ہیں کہ بڑے علماء کا لباس پہن لیا، حالانکہ جاہل ہوتا ہے۔ یہ بھی جھوٹ کا لباس ہے۔ اور بعض لوگ ایسے لباس پہن لیتے ہیں کہ لوگوں کو بڑا آدمی نظر آئیں، حالانکہ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

یہ آیت یہودیوں کے متعلق ہے:

حمید بن عبد الرحمن بن عوف رحمہ اللہ نے خبر دی ہے کہ مروان نے اپنے بوّاب (دربان) کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا کہ ان سے جا کر کہیں: اگر کوئی آدمی کام کر کے تعریف ہونے پر خوش ہوتا ہے اور اس بات کو بھی محبوب

رکھتا ہے کہ جو میں نے نہیں کیا اس پر بھی لوگ میری تعریف کریں، اگر اس بات پر عذاب دیا گیا پھر تو کوئی بندہ نہیں بچ سکے گا؛ کیونکہ ہر بندہ چاہتا ہے کہ میری تعریف ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے سمجھا نہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں اتاری تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا، انہوں نے چھپا لیا اور انہوں نے ایسا مسئلہ بتایا جو کتاب میں نہیں تھا، بلکہ جھوٹ بول کر مسئلہ بتایا۔ اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے تو یہ باور کرانے لگے کہ ہم نے ٹھیک بات بتائی ہے اور اس پر تعریف کے طلبگار ہوئے اور ساتھ ہی مسئلہ چھپانے پر خوش بھی تھے۔ اس پر اللہ نے یہ آیات نازل کی تھیں اور حقیقت کو اپنے نبی پر کھول دیا۔ [بخاری، رقم: ۴۵۶۸]

مسلمانوں کی حالت اور آیت قرآنی:

(حدیث) حضرت ثابت بن قیس الانصاری رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ اللہ کی قسم! مجھے ڈر ہے کہ میں ہلاک ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: کیوں؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع کیا کہ آدمی ایسے کام پر تعریف کو پسند کرے جو اس نے نہیں کیا، حالانکہ میرے دل میں بھی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ میری تعریف کریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ آدمی تکبر کے ساتھ نہ چلے، لیکن اے اللہ کے نبی! مجھے بھی تو جمال پسند ہے، اچھے لباس پسند ہیں، پتہ نہیں اس میں بھی تو خیلاء (تکبر) آجائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع کیا ہے کہ ہماری آواز اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی ہو جائے اور حضور! میری آواز بڑی اونچی ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ بات کرنے میں اگر غلطی سے بھی میری آواز اونچی ہو جائے تو اللہ میرے عمل برباد کر دیں گے؟ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہیں خوشخبری دوں کہ تم ساری زندگی عزت والی گزارو گے اور موت بھی شہادت کی نصیب ہو گی اور جنت میں داخل ہو گے۔ اس نے کہا: حضور! میں بالکل راضی ہوں، اس سے بڑی اور کیا بات ہو گی!! تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے قابل رشک زندگی گزاری اور مسیلمہ کذاب کے خلاف معرکہ میں شہید ہوئے۔ [مستدرک حاکم: ۱/ ۲۳۴]

تو بعض روایات میں موجود ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ کوئی شخص اگر جنتی کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس کو دیکھ لے؛ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں خوشخبری دی ہے۔ یہ وہی حضرت ثابت بن



قیس رضی اللہ عنہ ہیں جو مسیلمۃ الکذاب (جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا اس) کے ساتھ جنگ میں شہید ہوئے تھے۔

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ ۖ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْإِيْمَانِ أَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾﴾ [آلِ عمران: ۱۹۰ تا ۱۹۴]

"بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے باری باری آنے جانے میں ان عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں، (اور انہیں دیکھ کر بول اٹھتے ہیں:) اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ آپ (ایسے فضول کام سے) پاک ہیں، پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجیے۔ اے ہمارے رب! آپ جس کسی کو دوزخ میں داخل کر دیں، اسے آپ نے یقیناً رسوا ہی کر دیا، اور ظالموں کو کسی قسم کے مددگار نصیب نہ ہوں گے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک منادی کو سنا جو ایمان کی طرف پکار رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ، چنانچہ ہم ایمان لے آئے۔ لہٰذا اے ہمارے پروردگار! ہماری خاطر ہمارے گناہ بخش دیجیے، ہماری برائیوں کو ہم سے مٹا دیجیے اور ہمیں نیک لوگوں میں شامل کر کے اپنے پاس بلائیے۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ کچھ بھی عطا فرمائیے جس کا وعدہ آپ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے ہم سے کیا ہے، اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کیجیے۔ یقیناً آپ وعدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں کیا کرتے۔"

تخلیقِ کائنات میں کمالِ قدرتِ خداوندی:

ان آیات کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنی کمالِ قدرت، کمالِ علم اور قدرتِ کاملہ پر دلائل کا ذکر فرمایا ہے کہ آسمان وزمین کے بنانے میں اتنا بڑا کمال ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی زمین بنائی ہے۔ اور کہیں ارشاد فرمایا: اے مسلمانو! غور کرو اور نظر و تدبر سے دیکھو کہ میں نے کیسے تمہارے اوپر آسمان بنایا!؟ اور کہیں فرمایا:

﴿أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾﴾ [الغاشیہ: ۱۷ تا ۲۰]

غور کرو! دیکھو کہ آسمانوں اور زمینوں کو کیسے پیدا فرمایا کہ جب ان کا کوئی نمونہ نہیں تھا، ان کی کوئی مثال نہیں تھی، وجود بھی کوئی نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے اور ان کے درمیان میں اتنا بڑا فاصلہ ہے کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال تک کا سفر ہے۔ اور صرف آسمان پیدا نہیں فرمائے، بلکہ آسمانوں پر اپنی مخلوق پیدا فرمائی۔ اور کیسے تارے جڑے ہیں! اور اتنے کواکب ہیں کہ ان کے عدد کو بھی آج تک کوئی نہیں جان سکا اور کتنے ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی ابھی تک زمین پر بھی نہیں پہنچی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو کیسے نظام سے منسلک کر دیا ہے!!؟ فرمایا: تم کسی جگہ ایک چھوٹے سے گھر کی چھت بناتے ہو، اس کے لیے تمہیں ستونوں کی ضرورت پڑتی ہے اور اس پر کتنے لوہے اور سیمنٹ خرچ کرتے ہو، دیکھو! میں نے کیسے دنیا پر چھت بنادی ہے؟ کوئی ستون بھی نہیں ہے، لیکن چھت قائم ہے۔ اور اس کے بعد فرمایا: ﴿وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٍ ﴿٦﴾﴾ [ق: ٦] پھر اس میں کسی قسم کا کوئی شگاف، کوئی سوراخ اور کوئی نقص نہیں ہے اور پھر میرا کمالِ قدرت دیکھو کہ میں نے اس میں دروازے بھی رکھے ہیں۔ میرے حکم سے آسمانوں کے دروازے کھلتے ہیں اور میرے حکم سے آسمانوں کے دروازے بند ہوتے ہیں۔

صحیح حدیث مبارک میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب معراج پر تشریف لے گئے۔ جب آسمان کے قریب پہنچے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آواز دی۔ اندر فرشتوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: میں جبرائیل ہوں۔ انہوں نے کہا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا: میرے ساتھ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ انہوں نے کہا: کیا آپ کو اللہ نے آسمانوں پر بلایا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا: ہاں بلایا ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں: اس کے بعد دروازہ کھولا گیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب میں آسمان سے پانی برساتا ہوں پھر بھی میں دروازے کھول دیتا ہوں۔ یاد رکھیں! ایک پانی وہ ہوتا ہے جو بادلوں سے برستا ہے اور ایک پانی وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ براہِ راست آسمان سے برساتے ہیں۔ ﴿فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ﴿٢٢﴾﴾ [الحجر: ۲۲] اور اسی طرح جب نوح علیہ السلام کی

قوم پر عذاب آیا وہاں بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ﴾ [القمر: ۱۱] کہ ہم نے حکم دیا آسمان کے دروازے کھولو اور پانی برسنے دو اور زمین کو حکم دیا کہ زمینیں بھی اپنے پانی کے چشمے باہر نکالیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں کواکب وسیارات رکھے ہیں۔ بعض آسمانوں سے نیچے ہیں، جیسا کہ چاند بہت نیچے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ چاند اور اس طرح کے ثوابت وسیارات ایسے ہیں جیسے کسی قندیل میں اللہ تعالیٰ نے لٹکا دیئے ہوں، یعنی جیسے تم اپنے گھروں میں فانوس اور قندیلیں لٹکاتے ہو اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے انہیں لٹکا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم نے آسمان وزمین کی پیدائش پر غور کیا ہے کہ میں نے ان کو کیسے پیدا کیا ہے، ہم نے ان کو کیسے بنایا!؟ اور فرمایا: زمین پر غور کرو جس پر تم رہتے ہو۔ اس زمین کو ہم نے کیسے پیدا کیا اور پانی کے اوپر ہم نے زمین کو کیسے بچھایا؟

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آسمانوں پر نظر ڈالو۔ بعض علماء نے فرمایا: صرف آسمان نہیں، بلکہ تمام بلندیوں کو پیدا کرنے والا بھی خدا ہے اور تمام پستیوں کو پیدا کرنے والا بھی خدا ہے۔

اور میرے بندے رات اور دن کے اختلاف پر غور کرو۔ اختلاف کے دو معنی ہوتے ہیں: ایک تو ہمارے ہاں ہے کہ اس میں جھگڑا ہو گیا، یا ایک مسئلے میں ایک عالم کی رائے اور ہے اور دوسرے عالم کی رائے اور ہے، یہ بھی اختلاف ہے۔ اور یہ بھی اختلاف ہوتا ہے کہ فلاں فلاں کے بعد آیا، جیسا کہ رات چلی گئی اور دن آ گیا، دن چلا گیا اور اس کے بعد رات آ گئی۔ تو یہ ایک دوسرے کے پیچھے جو آتا ہے اس کو بھی اختلاف کہا جاتا ہے۔ اس لیے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾ [الفرقان: ۶۲] رات اور دن میں غور کرو دن کو ہم نے رات کا خلیفہ بنایا ہے، یعنی رات جاتی ہے اور دن آ جاتا ہے اور رات کو دن کا خلیفہ بنایا ہے۔

جیسا کہ دنیا میں پہلے جنات کی آبادی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ میں انسانوں کو بساؤں گا، اس لیے آدم علیہ السلام کو خلیفہ کا لقب ملا کہ ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ [البقرۃ: ۳۰] میں جنات کے بعد آنے والے آدم کو خلیفہ کے لقب کے ساتھ بھیجنے والا ہوں۔ اس لیے "خلیفہ" اس کو کہتے ہیں جو کسی کے بعد ہو۔ فرمایا: غور کرو کہ رات ابھی ہے، لیکن دن کا کام شروع ہو گیا۔ تو خلیفہ وہ ہوتا ہے جو اس کی موجودگی میں آ جائے۔ تو یہ

شان صرف سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ملی ہے کہ ابھی میرے مدنی سرکار ﷺ اپنے گھر میں موجود ہیں، یعنی آپ کی زندگی میں آپ کے مصلے پر آنے والا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے، لہٰذا اس لفظ ''خلیفہ'' کا جتنا اطلاق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر ہے اتنا کسی اور پر نہیں ہوتا۔

بعض علماء نے فرمایا: اختلاف کا معنی کمی اور زیادتی بھی ہے کہ کہیں کم ہو گیا اور کہیں زیادہ ہو گیا کہ کبھی رات بڑی ہے اور دن چھوٹا ہے اور کبھی دن بڑا ہے اور رات چھوٹی ہے۔ قطب شمالی کے قرب و بعد کو دیکھا جائے گا۔ قطب شمالی کے جتنا قریب ہوں یا بعید ہوں اسی طرح دن پر اثرات مرتب ہوں گے۔ اسی طرح صیف (گرمی) اور شتا (سردی) میں دیکھا جائے گا کہ دن بڑا ہو رہا ہے اور رات چھوٹی ہو رہی ہے یا رات بڑی ہوتی جا رہی ہے اور دن چھوٹا ہوتا جا رہا ہے۔ یہ بھی اختلاف ہے۔

علماء نے فرمایا ہے: یہ بھی اختلاف ہے کہ ایک آ جائے تو اندھیرا چھا جاتا ہے اور ایک آ جائے تو روشنی چھا جاتی ہے۔ اور اس میں یہ بھی اختلاف ہے کہ ایک آ جائے تو ہمارے آرام کا ذریعہ بنتا ہے اور ایک آئے تو ہمارے کام کا ذریعہ بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات ہمارے آرام کے لیے بنا دی اور دن ہمارے کام کے لیے بنایا ہے۔ یہ رات کی ظلمت کو ہمارے سکون کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا نظام بنایا ہے کہ جب سورج ڈوبنے کا وقت قریب آئے گا، جانور بھی اپنے گھروں کی طرف چل پڑیں گے، پرندے بھی اپنے گھونسلے کی طرف اڑیں گے، ہر آدمی اپنے گھر کی طرف لوٹے گا، ورنہ اگر آپ نیند کے نظام الاوقات کو خود مقرر کریں تو نظام درہم برہم ہو جائے گا کہ ایک آدمی سو رہا ہوگا اور دوسرا آدمی اٹھ رہا ہوگا۔ ایک کھڑا ہوگا اور ایک غسل خانے سے نکل رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام بنا دیا کہ پرندے سو رہے ہیں، جانور سو رہے ہیں، حتیٰ کہ بڑے سے بڑا سخت مریض کیوں نہ ہو، رات کا ایک حصہ ایسا بھی آ جاتا ہے کہ اسے بھی سکون مل جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رات دن کے اختلاف میں غور کرو! جب اندھیرا ہوتا ہے تو تمہیں کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا اور میں پھر صبح صادق بھیج کر دنیا کو منور کر دیتا ہوں۔ تم ایک گھر میں بجلی چلاتے ہو اس کا خرچہ گنو کہ کتنا کرتے ہو اور میں سارے عالم میں روشنی پھیلا دیتا ہوں، کبھی تم نے اس پر بھی غور کیا ہے؟

آیات کا معنی:

اس آیت کے اندر ''آیات'' کا لفظ آیا ہے، اس کا معنی معجزات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے نبیوں کو معجزات دیئے ہیں وہ

آیات ہیں۔﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ﴾[الاسراء:۱۰۱] ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو کھلی نشانیاں دی تھیں۔آیاتِ قرآن پر بھی آیات کا اطلاق ہے۔اور آیت کا معنیٰ دلیل اور نشانی بھی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان چیزوں میں جب غور کرو تو ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل والے ہیں۔

اسی طرح یہ سمجھ لیں کہ آدمی انجینئر بن جائے، سائنسدان بن جائے اور ایٹم بم کا موجد بن جائے عقل والا نہیں ہے جب تک اپنے خدا کو نہیں پہچانتا۔عقل کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے خالق اور مالک کو پہچانے۔

عقل والوں پر خدا کی معرفت حاصل کرنا واجب ہے:

"اَلْبَاب" "لُبّ" کی جمع ہے بمعنی کسی چیز کا خلاصہ،یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں بڑی نعمتیں دی ہیں۔بعض چیزیں ہیں جو نظر سے پہچانی جاتی ہیں،بعض علم سننے سے حاصل ہوا،بعض علم چکھنے سے حاصل ہوا اور بعض علم سونگھنے سے حاصل ہوا کہ ان کو حواسِ خمسہ کہتے ہیں۔ان سب کا حاکم عقل ہے۔پھر عقل فیصلہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس طرح عقل والے لوگ ہیں جو سب سے پہلے اپنے اللہ کو پہچانیں،اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھیں۔اگر آدمی مالک کو بھی نہ پہچانے تو اس سے بڑا بے عقل،اس سے بڑا پلید اور اس سے بڑا غلط انسان دنیا میں کوئی نہیں ہوسکتا۔اس لیے عقل والے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔اللہ کے اسماء،اللہ کی ذات وصفات کی معرفت رکھتے ہیں۔اللہ والے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانتے ہیں،اللہ تعالیٰ کی آیات بینات،احکام،رسل،کتب اور ملائکہ کو مانتے ہیں۔اگر آدمی بڑی سے بڑی ڈگری لے لے،لیکن خدا کو نہ مانے تو وہ عقل والا نہیں ہوتا۔

ایک عجیب مثال!

علماء نے مثال دی ہے کہ ایک ٹرین جارہی ہے۔ایک آدمی بیٹھ کر دیکھ رہا ہے کہ ایک آدمی سرخ جھنڈی دکھاتا ہے اور گاڑی چل پڑتی ہے تو وہ دیکھنے والا آدمی کہتا ہے کہ اس جھنڈی کا کمال ہے کہ سرخ جھنڈی آئے تو گاڑی کھڑی ہوجائے اور سبز جھنڈی آئے تو گاڑی چل پڑے۔تو دوسرا آدمی اس کو کہے کہ بے وقوف آدمی! اس میں جھنڈی کا کیا کمال ہے؟ کپڑے کے اندر کیا رکھا ہوا ہے!؟ اصل بات اس کی ہے جو گاڑی کو چلا رہا ہے۔اس کو جب اشارہ دیا جاتا ہے تو وہ گاڑی کو روک دیتا ہے اور جب اس کو اشارہ دیا جاتا ہے کہ گاڑی کو چلادو تو وہ چلا دیتا ہے۔اس سے زیادہ عقل والا کہتا ہے کہ ٹھیک ہے چلانے والے کا کمال تو ہے،لیکن اصل کمال تو ان پرزوں کا ہے۔اگر وہ

پرزے نہ ہوں یا ان میں سے ایک پرزہ کھول کر باہر رکھ دو تو یہ ڈرائیور کیا کر سکتا ہے؟ اور اس سے زیادہ عقل والا کہے گا: مشینری کا کیا کمال ہے، اصل کمال تو اس گرمی کا ہے جو اس گاڑی کو چلا رہی ہے۔ اور جو صحیح عاقل ہے وہ کہے گا: بھائی! نہ پرزے کا کمال ہے، نہ اسٹیم کا کمال ہے، نہ بھاپ کا کمال ہے اور نہ ڈرائیور کا کمال ہے، اصل کمال تو اس خالق کا ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے۔

اس لیے اصل عقل والے وہ ہیں جو راستے میں نہیں بھٹک جاتے، جو اسباب میں نہیں کھو جاتے، بلکہ ان کی نظر سیدھی مسبب حقیقی تک پہنچتی ہے کہ مولا! یہ سب تیرا کمال ہے کہ تو نے ایسے انسان پیدا کیے اور ان میں ایسی عقل رکھی ہے کہ ایک ہی ماں باپ کے بیٹے ہیں، ایک عقل کی انتہاء کو چھو رہا ہے ایک بیوقوفی کی انتہاء پر پہنچا ہوا ہے۔ ایک عالم ہے اور ایک جاہل ہے۔ ایک عابد وزاہد ہے اور ایک فاسق وفاجر ہے۔ ایک وہ ہے جس کو دیکھ کر والدین کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور ایک وہ ہے جس کو دیکھ کر والدین جل جائیں۔

﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾﴾

اب ہم عقل والوں کو کیسے ڈھونڈیں؟ کیونکہ یوں تو ساری دنیا کہتی ہے کہ ہم عقل والے ہیں، ہر آدمی کہتا ہے کہ میں عقل والا ہوں۔ ہر مذہب والے کہتے ہیں کہ ہم عقل والے ہیں۔ میرے مولا! ہم عقل والوں کو کیسے پہچانیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم تمہیں نشانی بتا دیتے ہیں کہ جو عقل والے ہیں وہ کھڑے ہوں گے تو اللہ کا ذکر ہوگا، بیٹھے ہوں گے تو اللہ کا ذکر ہوگا اور لیٹے ہوں گے تو اللہ کا ذکر ہوگا۔ جو ہر وقت میرے ذکر میں مشغول ہے، نماز میں مشغول ہے، طواف میں مشغول ہے، تلاوتِ قرآن میں مشغول ہے، دعوت وارشاد میں مشغول ہے، لوگوں کو دین پہنچانے میں مشغول ہے اور دین کے لیے محنت کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ عقل والا ہے۔ اپنی عقل کو صحیح جگہ استعمال کر رہا ہے، ورنہ ایک آدمی ایسی چیز بناتا ہے جو تباہی کا باعث ہو، جو گھروں کو جلا ڈالے۔ اور ایک آدمی ایسی چیز بناتا ہے جو کروڑوں کی آبادی کو بھسم کر ڈالے۔ عقل تو اس کے پاس بھی ہے، لیکن ایسی عقل کا کیا فائدہ جو دنیا کی ہلاکت کا ذریعہ بنے۔ اصل عقل تو وہ ہے جو لوگوں کی آبادی کا ذریعہ بنے، جو تعمیر کا ذریعہ بنے اور بندوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے۔

ذکر کے لیے کسی حالت کی تخصیص نہیں:

بعض علماء نے فرمایا: اگر آدمی کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا، مریض ہے تو اس آیت سے استدلال کیا کہ بیٹھ کر

بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مطلق ذکر مراد ہے۔ ہر چیز کی کچھ شرائط ہیں، لیکن اللہ کا ذکر ایسا ہے کہ کھڑے ہو یا بیٹھے ہو، وضو ہے یا وضو نہیں ہے، مسجد ہے یا مسجد نہیں ہے، گھر میں بیٹھے ہو یا دکان پر بیٹھے ہو جہاں بھی بیٹھے ہو اللہ کا ذکر کرو۔ اس لیے حکم آیا: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾ [الاحزاب: ۴۱] اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کرو جتنا زیادہ ذکر کر سکتے ہو۔ اس لیے حکم آیا کہ اللہ کی ذات میں غور نہ کرو، بلکہ اللہ کی صفات میں غور کرو۔ اگر ایک گھڑی غور کرو تو ساری رات کی نفلی عبادت سے زیادہ بہتر ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے غور و فکر کا طریقہ:

اس لیے احادیث میں آتا ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے باہر چلے جاتے، کبھی قبرستان پر نظر ڈالتے، کبھی ویرانوں پر نظر ڈالتے اور پھر کہتے: اے قبر والو! اب کہاں ہیں تمہارے اہل وعیال؟ کہاں ہیں تمہارے دنیا کے نشے؟ کہاں ہیں وہ تمہارے دنیا کے آرام؟

((جَاءَ عَنْ عُمَرَ إِنَّهُ مَرَّ عَلَى بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ، فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ! أَخْبَارُ مَا عِنْدَنَا أَنَّ نِسَائَكُمْ قَدْ تَزَوَّجْنَ، وَدُوْرَكُمْ قَدْ سَكَنَتْ، وَأَمْوَالَكُمْ قَدْ قُسِمَتْ، أَجَابَهُ هَاتِفٌ يَا عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ! أَخْبَارُ مَاعِنْدَنَا أَنَّ مَا قَدَّمْنَا وَجَدْنَا، وَمَا أَنْفَقْنَا فَقَدْ رَبِحْنَا، وَمَا خَلَفْنَا فَقَدْ خَسِرْنَاهُ))

[باب جامع الوضوء: ۱/۱۸۵]

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ قبرستان میں سے گزرے تو رسول اللہ کی سنت کے مطابق فرمانے لگے: اے قبروں والو! تمہارے اوپر سلامتی ہو۔ ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہاری بیویاں شادی کر چکیں، تمہارے گھروں میں اب اور آباد ہو گئے اور تمہارے مال تقسیم ہو چکے ہیں۔ تو غیب سے ایک آواز آئی: اے عمر بن خطاب! ہماری خبر یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ آگے بھیجا تھا وہ پالیا ہے، جو ہم نے راہِ خدا میں خرچ کیا تھا تو وہ ہم نے نفع پایا اور جو پیچھے چھوڑ گئے وہ ہم نے خسارہ کیا۔''

معجم کبیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعا کے یہ الفاظ منقول ہیں:

((السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ أَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ فَارِطٌ، وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ عَمَّا قَلِيلٍ لَاحِقٌ، اللَّهُمَّ! اغْفِرْ لَنَا وَلَهُمْ، وَتَجَاوَزْ بِعَفْوِكَ عَنَّا وَعَنْهُمْ، طُوبَى لِمَنْ ذَكَرَ الْمَعَادَ وَعَمِلَ لِلْحِسَابِ وَقَنَعَ بِالْكَفَافِ وَرَضِيَ عَنِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ))

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ [القصص:۸۸]

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ [الرحمٰن:۲۶،۲۷]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری قدرت میں غور کرو کبھی رات ہے اور کبھی دن ہے، ظلمت ہے اور کبھی روشنی ہے، کبھی سکھ ہے اور کبھی دکھ ہے، کبھی عزت ہے اور کبھی ذلت ہے، کسی کو اونچا کر رہا ہوں اور کسی کو نیچا کر رہا ہوں، کسی کو دے رہا ہوں اور کسی سے چھین رہا ہوں، کسی کو میں نے چاہا تو بلندیوں پر پہنچا دیا اور کسی کو چاہا تو بلندیوں سے پستیوں میں گرا دیا، تاکہ میری قدرت پر غور کرو اور جو کر کے مان گئے کامیاب ہو گئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میری قدرتوں پر غور کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا﴾ اے رب! ہم نے تیری صفات پر غور کیا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ تو نے یہ کارخانہ ایسے تو نہیں بنایا۔ یہ ایک نظام ہے کہ دنیا دار الامتحان ہے اور آخرت دار الجزاء ہے۔

تم ایک دکان بناتے ہو اس کا مقصد ہے، ایک گھر بناتے ہو اس کا ایک مقصد ہے، ایک مکان بناتے ہو اس کا ایک مقصد ہے اور ایک کارخانہ لگاتے ہو اس کا مقصد ہے تو کیا اللہ تعالیٰ نے یہ سارا کارخانہ کائنات بس ایسے بنا دیا ہے کہ کھاؤ پیو اور جو مرضی آئے کرو، کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا۔ نہیں، بلکہ یہ دار الامتحان ہے اور آگے دار الجزاء ہے۔

آخرت کی رسوائی:

﴿رَبَّنَا إِنَّكَ مَن تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ﴾

اے اللہ! جس کو تو نے جہنم میں داخل کیا اس کو تو نے ذلیل کر دیا۔ اور کافروں و مشرکوں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ اس لیے اے اللہ! ہمیں جہنم سے بچا؛ کیونکہ اس سے بڑی رسوائی کوئی نہیں ہے۔

﴿رَّبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۚ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ﴾

اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ ساری دنیا کو دعوت دے رہے ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ۔ اے اللہ!! ہم نے تیرے بھیجے ہوئے پیغمبر علیہ السلام کی بات مان لی، میرے مولا! ہم تجھ پر بھی ایمان لے آئے، تیری کتابوں پر بھی ایمان لے آئے اور ہم نے سب کچھ قبول کیا۔ جو تیرے پیغمبر نے فرمایا ہے تو اے اللہ! اب ہماری درخواست بھی سن لے، اب ہمارے گناہ معاف فرما دے، ہماری خطائیں معاف فرما دے



اور ہم نے جو برائیاں کی ہیں ان کو مٹا دے اور اے اللہ! ہمیں نیکوکاروں کے ساتھ موت دینا، یعنی نیکی پر موت دینا۔ کیونکہ جب نیکی پر موت آئے گی تو نیکوں کے ساتھ ملیں گے۔ اگر برائی پر مریں گے تو برے لوگوں کے ساتھ اٹھیں گے۔

﴿رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ﴾

اے ہمارے رب! ہمیں وہ دے جو تو نے اپنے رسولوں کی زبان مبارک کے ذریعے ہم سے وعدہ کیا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ تو دے گا۔ یہ آدمی اپنی درخواست دہرا رہا ہے؛ کیونکہ جب اس کی قدرت سامنے آئی، جب اس کا کمال سامنے آیا تو درخواست ہی درخواست ہے کہ اے اللہ! قیامت والے دن ہمیں رسوا نہ کرنا۔ قیامت والے دن کی رسوائی اتنی شدید ہے کہ بعض لوگ جب رسوا ہوں گے تو وہ کہیں گے کہ اے اللہ! جہنم میں ڈال دے، لیکن رسوا نہ کر۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور حضور ﷺ سے معجزات کا مطالبہ:

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قریش یہودیوں کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ آپ ہمیں یہ بتائیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائے تھے تو ان کے کیا کیا معجزات تھے؟ تو یہودیوں نے بتایا کہ عصا اور ید بیضا تھا (یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بڑی نشانیوں میں سے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کئی معجزات عطا فرمائے تھے، حتیٰ کہ قرآن مجید میں نو نشانیوں کا باقاعدہ ذکر ہے، لیکن زیادہ معروف یہ دو ہیں کہ جب آپ اللہ کے حکم سے اس لاٹھی کو پھینکتے تو وہ اژدہا بن جاتا تھا اور جب اس کو اٹھا لیتے تو وہ اسی طرح لکڑی کی حالت میں آ جاتی تھی)۔

اس کے بعد وہ مشرکین عیسائیوں کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کیا معجزات تھے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ مادرزاد اندھے کو ٹھیک کر دیتے تھے، کوڑھ کی بیماری والے کو ٹھیک کر دیتے تھے اور مردے کو زندہ کر دیتے تھے (اور اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزات عطا فرمائے تھے۔) جب قریش نے یہ باتیں سمجھ لیں اور اپنے دل و دماغ میں بٹھا لیں تو حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے: ہم آپ سے ایک درخواست کرتے ہیں: ((اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ أَنْ يَجْعَلَ لَنَا الصَّفَا ذَهَبًا، وَنُؤْمِنُ بِكَ)) [مسند



احمد، رقم: ۲۱۶۶] اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ صفا کا پہاڑ سونے کا بن جائے، پھر ہم آپ کا کلمہ پڑھیں گے اور آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اس روایت میں آتا ہے کہ حضور پاک ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ! اس پہاڑ کو سونے کا بنا دیں، تاکہ یہ لوگ اسلام میں آجائیں تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ [المعجم الکبیر: ۱۲۳۳۲، اور علامہ ہیثمی فرماتے ہیں اس روایت کی سند میں یحییٰ حمانی ضعیف راوی ہے۔]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے ایمان لانا ہے تو میری قدرت کی نشانیاں کھلی ہوئی ہیں۔ جب یہ زمین و آسمان کو دیکھ کر اسلام نہیں لے آئے، رات اور دن کے اختلاف کو دیکھ کر اسلام نہیں لے آئے، سورج اور کواکب کے نظام کو دیکھ کر ایمان نہیں لے آئے تو ایک پہاڑ کے سونا بننے سے یہ کس طرح ایمان لے آئیں گے؟ جس نے ایمان لانا ہو اس کے لیے کھلی نشانیاں موجود ہیں اور جس نے اسلام نہ لانا ہو اس کے لیے جتنے بھی دلائل اور آیات آپ پیش کریں وہ کبھی اسلام نہیں لائیں گے۔

مطالبہ کے مطابق معجزہ دکھانے کے بعد ایمان نہ لانے پر عذاب:

قرآن پاک میں ایک دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اہل مکہ حضور پاک ﷺ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے آکر مطالبہ کیا کہ اے اللہ کے نبی! ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، مگر ایک شرط ہے کہ مکہ میں چشمے پھوٹ پڑیں، وادیاں ہوجائیں، نہریں بہنے لگیں، سبزہ ہوجائے اور یہاں باغ لہلہانے لگیں پھر ہم ایمان لائیں گے۔ تو حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ یا اللہ! اگر یہ اس طرح ایمان لاتے ہیں تو آپ کے لیے تو کوئی مشکل نہیں ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا: میرے نبی! میری تقدیر کے بھی فیصلے ہیں۔ اگر قومیں معجزہ خود مانگیں کہ ہمیں نبی یہ معجزہ دکھادیں پھر ایمان لائیں گے۔ تو ہم وہ معجزہ دے دیتے ہیں، لیکن قومیں اگر ایمان نہ لائیں تو ہم اس قوم کو ہمیشہ کے لیے برباد کر دیتے ہیں۔

قوم صالح کی تباہی:

جیسا کہ قوم صالح نے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ مانگا تھا کہ ہم ایمان تب لائیں گے جب ہمارے سامنے اس چٹان سے ایک اونٹنی نکل آئے اور اونٹنی گابھن ہو، ولادت کے لیے بالکل تیار ہو اور اس کا اتنا دودھ ہو کہ ساری قوم پی لے۔ اگر آپ ہمیں یہ معجزہ دکھادیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا



مانگی تو اللہ نے فرمایا: میرے نبی! یہ معجزہ ظاہر کردینا ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں ہے، لیکن آپ ان کو یہ بتادیں کہ اگر اس کے بعد بھی تم ایمان نہیں لاؤ گے تو تم میں سے ایک بھی دنیا میں نہیں بچے گا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے کہا: چھوڑو! ضد نہ کرو، معجزات خود نہ مانگو، ورنہ مانگے ہوئے مطالبے کے بعد ایمان نہیں لے آؤ گے تو بربادی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ انہوں نے کہا: بالکل پکی بات ہے، ہم ایمان لائیں گے، لیکن یہ سب کچھ ہمارے سامنے ہوجائے تو حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ ساری قوم کو اکٹھا کیا، اللہ کے حکم سے پتھر سے اونٹنی نکل آئی۔ آپ نے فرمایا: ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [الاعراف: ۷۳] یہ دیکھو کہ اللہ کی قدرت سے پیدا ہوئی اونٹنی ہے، لیکن خبردار! اس اونٹنی کو کبھی نہ چھیڑنا، اس کو کبھی نقصان نہ پہنچانا۔ اور اس کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے ایک فیصلہ کردیا کہ ایک دن تم ساری قوم اونٹنی کا دودھ پیو اور پانی نہ پیو، اس دن کنویں کا پانی اونٹنی پیے گی اور ایک دن تمہارے لیے پانی کی باری آئے گی۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ قوم دودھ پینا شروع ہوگئی۔

جب کافی دن گزر گئے تو کہنے لگے: یہ ہمارے لیے بڑا مسئلہ ہوگیا ہے کہ ایک دن ہمیں پانی ملتا ہی نہیں ہے، سارا پانی اونٹنی ہی پی جاتی ہے، یعنی دودھ کی نعمت ان کو مل گئی، لیکن پھر دماغ خراب ہوگیا۔ بہرحال انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو عذاب میں پکڑ لیا۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے نبی! اگر مکہ والے معجزات مانگتے ہیں ہم دکھا دیتے ہیں، لیکن اگر یہ ایمان نہ لے آئے تو ان میں سے ایک بندہ بھی نہیں بچے گا۔ حضور ﷺ نے عرض کیا کہ ان کو اسی حال میں رہنے دیں۔ جس کے مقدر میں ہوگا وہ ایمان لے آئے گا اور جس کے مقدر میں نہیں ہوگا وہ ایمان نہیں لائے گا، لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ پوری کی پوری قوم عذاب میں برباد ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آسمان وزمین کی پیدائش، اس میں رات دن کے نظام کو چلانا اس میں عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ اگر کوئی غور کرے تو اتنا کافی ہے، کسی اور چیز کے مانگنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے اس روایت پر اشکال ہے؛ کیونکہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور قریش کا مطالبہ کہ صفا پہاڑ کو اللہ تعالیٰ سونے کا بنا دیں وہ مکی زندگی کا مطالبہ ہے۔ اس واقعہ کو اس کا سبب نزول کہنا زیادہ صحیح بات نہیں ہے۔

زمین میں خدا کی عجیب وغریب تخلیقات!

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَآ أَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِن مَّآءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ [البقرة: ۱۶۴]

مفسر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آسمانوں پر نظر ڈالو، آسمانوں کی بلندی، آسمانوں کی وسعت، زمین کا نیچے ہونا، زمین کی کثافت اور زمین کا اتنا زیادہ وسیع ہونا، پھر اللہ تعالیٰ نے جو اس میں بڑی بڑی نشانیاں رکھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس میں کواکب بھی رکھے ہیں، نباتات بھی رکھے ہیں، سیارات بھی رکھے ہیں، دریا بھی رکھے ہیں، جنگل بھی رکھے ہیں، درخت بھی رکھے ہیں، کھیتیاں بھی رکھی ہیں، پھل بھی رکھے ہیں، حیوان بھی رکھے ہیں، سونے چاندی، پیتل کی کانیں بھی رکھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے مختلف کھیتیاں پیدا کی ہیں، کہیں کھجور، کہیں آم، کہیں مالٹا، ہر کسی کا رنگ بھی علیحدہ، ذائقہ بھی علیحدہ، منافع اور فوائد بھی علیحدہ، اسی طرح ایک زمین کا ٹکڑا ہے، ایک ہی چشمے کا پانی اس کو لگایا جاتا ہے، اس میں مختلف قسم کی کھیتیاں اگا دیتے ہیں، کہیں آلو پیدا ہو رہا ہے، کہیں کچھ پیدا ہو رہا ہے اور ہر کسی کی شکل علیحدہ ہے، ہر کسی کا رنگ علیحدہ ہے، ہر کسی کا ذائقہ علیحدہ ہے اور بعض درخت بڑے بڑے ہیں اور پھل چھوٹے چھوٹے ہیں اور بعض بیلیں بڑی کمزور ہیں، لیکن پھل بڑے بڑے لگے ہوئے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کمالِ قدرت ہے۔ اور پھر اتنے رنگ ہیں کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا مصور رنگ بھرنے والا ایک گلاب کی پتی کا رنگ کبھی نہیں بنا سکتا، لاکھ وہ نقل بنائے، لیکن اصل اور نقل علیحدہ علیحدہ بات کر رہی ہوتی ہے۔

آپ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے چھوٹے چھوٹے کیڑے پیدا کر دیئے، کوئی اڑنے والے پروانے پیدا کر دیئے، کوئی اڑنے والی چیزیں پیدا کر دیں۔ ان کے رنگ دیکھیں تو آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ ان کے چھوٹے چھوٹے پروں میں اللہ تعالیٰ نے کتنے رنگ ڈال دیئے ہیں!! یہ کون ہے جو رنگ بھرنے والا ہے؟ یہ کون ہے جو مختلف شکلیں پیدا کرنے والا ہے؟ یہ کون ذات ہے جو ایک زمین سے ایسی مختلف نعمتیں اگانے والی ہے؟

منکرین خدا کے لیے عبرت انگیز واقعہ!

ایک مسلمان آدمی کمیونسٹ ملک میں گیا تو جب وہ ان سے کہے کہ یہ مکان کس نے بنایا تو وہ کہے کہ ہم نے بنایا



اس کو ایک پارک میں سیر کرانے کے لیے لے گئے تو اس مسلمان نے پوچھا کہ یہ پارک بڑا خوبصورت ہے، یہ کس نے بنایا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم نے بنایا ہے۔ اس نے کہا: یہ پھول کس نے پیدا کیے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم نے خود پیدا کیے ہیں، ہم نے بیج ڈالا، کھاد دی اور ہم نے ان کی حفاظت کی تھی۔ اس نے پھول لے کر کہا: اس میں خوشبو کس نے پیدا کی ہے؟ تو اب وہ خاموش ہو گئے کہ خوشبو ہم نے نہیں ڈالی تھی، ہم نے تو زمین میں صرف بیج ڈالا تھا۔ مسلمان نے کہا: اس ایک بیج سے ٹہنی پھوٹی اور باہر آئی اور اس پر آ کر پھول لگا، پھر وہ پھول اپنے وقت پر کھلا اور پھر تمہارا بیج ایک رنگ کا ہے، لیکن پھول سو رنگ ہے، یہ رنگ کس نے ڈالا ہے؟ انہوں نے کہا: پتہ نہیں تو مسلمان نے کہا: جس کا تمہیں پتہ نہیں وہی خدا ہے، اسی کی قدرت نے یہ سب کچھ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم زیادہ غور نہیں کر سکتے ہو تو جن حیوانوں کا دودھ پیتے ہو ان پر غور کرو کہ مثلاً گائے ہے، بھینس ہے، ان کو سبز رنگ کا چارا ڈال رہا ہے اور بھینس کا اپنا رنگ سیاہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر ایسی مشینری لگا دی ہے کہ اسی چارے سے خون پیدا ہو رہا ہے، اس سے جو بچ رہا ہے وہ فضلہ بن کے نکل رہا ہے، جو پانی بچ رہا ہے وہ پیشاب کے ذریعے جا رہا ہے، جو اصل مادہ ہے وہ اندر دودھ پیدا کر رہا ہے اور ایک لائن ہے کہ اس میں گوبر جا رہا ہے، اس لائن میں پیشاب جا رہا ہے اور درمیان کی لائن میں دودھ آ رہا ہے۔ اللہ نے حکم دے رکھا ہے کہ خبردار! یہ اگر لیک ہو جائے تو دودھ میں ہوا پیدا ہو جائے گی، دودھ کا رنگ تبدیل ہو جائے گا، تم گلاسوں کے گلاس پی لیتے ہو، لیکن خدا تمہیں سمجھ نہیں آتا اور تمہیں اللہ کی توحید سمجھ نہیں آتی؟ آخر وہ کون ذات ہے جس نے اس سیاہ جانور سے سفید دودھ نکالا ہے!!؟

پھر خدا کی شان ہے کہ بھینس کے دودھ کے اپنے فائدے ہیں، گائے کے دودھ کے اپنے فائدے ہیں اور اونٹنی کے دودھ کے اپنے فائدے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تیرے لیے دودھ میں مکھن رکھے ہیں، گھی بنائے ہیں اور اس میں تیرے لیے لسی کے راستے پیدا کیے ہیں۔ فرمایا: جب ایک نعمت کھاتے ہو تو کم از کم اس پر غور کرو کہ اس کو بنانے والا کون ہے؟

اسی لیے بڑے بڑے محققین نے، بڑے بڑے علماء کرام نے لکھا ہے کہ غافل آدمی کھانے پر بیٹھے گا دس روٹیاں کھا جائے گا، لیکن غور نہیں کرے گا۔ اگر وہ ایک لقمہ پر بھی غور کرتا کہ یہ ایک روٹی کا نوالہ ہم تک پہنچنے میں اللہ کے کتنے آدمی لگے ہیں کہ کسی نے ہل چلایا، کسی نے پانی لگایا، کسی نے کھاد ڈالی، کسی نے بیج ڈالا، کسی نے فصل کو کاٹا، پھر مشینوں سے دانے اور بھوسہ کو علیحدہ کیا گیا، پھر وہ چکیوں میں پسی اور پھر پانی میں آ کر اور پکنے کے بعد

کھانے والے کے منہ میں آرہی ہے تو غور کرو کہ میں نے ایک بندے کے لیے کتنی مشینری لگائی ہے!؟ تا کہ میرے بندے کو غذا پہنچتی رہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا کبھی تم نے اس پر غور کیا ہے؟ یہ علیحدہ بات ہے کہ آدمی جانور بن جائے، ورنہ جانور بھی اپنے مالک کو پہچانتا ہے۔ ایک کتا اگر پاگل ہو جائے اپنے مالک کو نہیں کاٹتا۔ جس کتے کو آپ روٹی کا چھوٹا سا ٹکڑا ڈال دیتے ہیں وہ آپ کے دروازے پر پڑا ہے، رات کو پہرا دے رہا ہے، حتیٰ کہ کتنے کتے ایسے ہوتے ہیں جو مالک کو بچاتے بچاتے مر جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم کتے کو چھوٹا سا ٹکڑا ڈالتے ہو وہ کتا بھی تمہارا وفادار ہے، لیکن تم میری ساری نعمتیں کھا کر بھی غدار ہو، سجدے قبروں پر کرتے ہو تو اس کتے سے بھی گئے گزرے ہو گئے ہو، اس کتے کو مالک مارے وہ پاؤں چاٹتا ہے، مالک کی آواز سن کر دوڑتا ہوا چلا آئے گا۔

دس دن بلی کو گھر میں روٹی کھلاتے رہو، پھر صندوق میں بند کر کے دور چھوڑ آؤ، آٹھویں دن پھر گھر پہنچ جائے گی۔ تم گھوڑے کو جنگل میں لے جاؤ، راستہ بھول جاؤ، اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دو، اللہ پر توکل کر لو، وہ گھوڑا ڈھونڈتا ڈھونڈتا اپنے مالک کے گھر پہنچ جائے گا۔ ایک جانور بھی اپنے مالک کا گھر پہچانتا ہے، لیکن اے انسان! تو ایک ایسا ہے جو نہیں پہچانتا کہ تیرا پیدا کرنے والا کون ہے؟

اس لیے قرآن میں آتا ہے:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ [محمد: ۲۴]

کیا یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے؟ کیا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں کہ ان کو حق بات سمجھ نہیں آتی؟ ورنہ کون ایسا آدمی ہے کہ اس کو حق بات سمجھ نہیں آتی؟

ہر مخلوق کے پیدا کرنے میں اللہ کی حکمت ہے:

تاریخ کے اندر ایک بادشاہ کا قصہ آتا ہے۔ انہوں نے دریا کے کنارے پر دیکھا کہ ایک کیڑا گندگی اٹھائے ہوئے جا رہا ہے۔ یہ کیڑا عام طور پر وہاں ہوتا ہے جہاں زمین میں نمی ہو، دریا کا کنارہ ہو، سمندر کا کنارہ ہو۔ تو بادشاہ نے جب اس کو دیکھا تو حیرت سے کہا: کتنا گندا کیڑا ہے! ایک تو خود گندا ہے اور پھر گندگی بھی اٹھا کر پھر رہا

ہے۔ فوراً اس بادشاہ کے منہ سے نکل گیا: اے اللہ! اگر تو اس کو پیدا نہ کرتا تو کونسا تیری شان میں کمی آ جاتی؟ اس طرح اس نے نفرت کا اظہار کر دیا۔ چند دن گزرے بادشاہ کے پاؤں میں ایک پھوڑا نکلا اور زخم ہو گیا۔ ساری دنیا کے طبیب اور جراح علاج کر کر کے تھک گئے۔ اتفاق سے بادشاہ سلامت شکار پر نکلے تو راستے میں ایک اللہ والے مل گئے۔ انہوں نے بادشاہ کے پاؤں پر زخم دیکھا تو اس سے پوچھا۔ بادشاہ نے کہا: پھوڑا نکلا ہے اور اتنا عرصہ ہو گیا ہے، ٹھیک نہیں ہو رہا۔ فقیر نے وہ زخم دیکھا اور کہا: بادشاہ سلامت! ایک کیڑا گندگی اٹھا کر پھرتا ہے اگر وہ مل جائے تو اس زخم کا علاج ہو سکتا ہے۔ بادشاہ نے ملازمین کو حکم دیا: سارے سمندر کے کنارے چھان مارو۔ تو ملازم کئی کیڑے پکڑ کر لے آئے۔ فقیر نے اس کیڑے کو مارا اور اس سے مرہم تیار کر کے بادشاہ کو دی۔ بادشاہ نے دو، تین دفعہ لگائی اور ٹھیک ہو گیا۔ بادشاہ کہنے لگا: یا اللہ! میری توبہ ہے کہ میں نے تیری مخلوق پر اعتراض کیا۔ آج مجھے پتہ چلا کہ تو نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے اس کے اندر تیری حکمت ہے۔

اللہ کی حکمت کے کارنامے:

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اللہ علم والے بھی ہیں اور حکمت والے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو غریب بنایا ہے تو حکمت ہے، کسی کو گورا بنایا ہے تو حکمت ہے، کسی کو کالا بنایا ہے تو حکمت ہے، طاقت ور بنایا ہے تو حکمت ہے، کسی کو صحت دی ہے تو حکمت ہے اور کسی کو بیمار کیا ہے تو اس میں بھی حکمت ہے۔ بندے کا کام یہ ہے کہ وہ کہے: یا اللہ! ہمارا ایمان ہے، ہم تیری تقدیر کے قائل ہیں، ہم تیری قضا کے ماننے والے ہیں اور ہم تیری رضا پر راضی ہیں۔

''رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا''۔

بادلوں کے رنگ میں بھی عذاب آ سکتا ہے:

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بادل آتے تھے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر غم چھا جاتا تھا۔ آپ کبھی گھر کے اندر آتے اور کبھی باہر جاتے تھے۔ آپ کے چہرے مبارک کا رنگ اڑ جاتا تھا۔ تو میں کہتی: یا رسول اللہ! کیا بات ہے؟ بادل آتے ہیں تو لوگ خوش ہوتے ہیں، آپ گھبرا جاتے ہیں؟ فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں پہلی امتوں پر بادلوں کے رنگ میں عذاب آئے تھے، کہیں بادلوں کے رنگ میں میری امت پر اللہ تعالیٰ عذاب نہ بھیج دیں۔ اور جب بارش برستی تو کہتے الحمد للہ! آپ خوش ہو جاتے اور کہتے: اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے عذاب نہیں، بلکہ اپنی رحمت کا مینہ برسا دیا ہے۔

اور حضور پاک ﷺ اپنا کپڑا اتار کر بارش کے پانی کو اپنے بدن پر پھیرتے اور کہتے الحمد للہ یہ پانی ابھی میرے اللہ سے آرہا ہے۔ اللہ کی طرف سے آنے والی نعمت ہے۔ اور اس کے بعد دعائیں کرتے کہ یا اللہ! ہمیں رحمت کی بارش دینا، عذاب والی بارش نہ دینا۔ یا اللہ! ہمیں ایسی بارش دینا جس سے تو اپنے بندوں کو پانی پلائے، اپنے شہروں کی مردگی کو زندہ کرے، میرا اللہ! اپنے جانوروں پر رحم فرما، اپنی مخلوق پر رحم فرما اور ہمارے لیے اس کو باعث خیر بنا اور باعث نفع بنا۔ اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ یہ ساری نشانیاں عقل والوں کے لیے ہیں۔

شیخ ابوسلیمان الدرانی رحمہ اللہ بڑے اللہ کے ولی گزرے ہیں، وہ فرماتے تھے: جب اپنے گھر سے باہر جاتا ہوں تو جس جس چیز پر میری نظر پڑتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کے اندر میرے لیے نعمتیں ہیں یا اس کے اندر میرے لیے عبرتیں ہیں۔ اس قول کو ابن ابی الدنیا نے کتاب التفکر والاعتبار میں نقل کیا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ایک گھڑی اللہ قدرتوں میں تفکر کرنا ساری رات کے نفل پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے۔

کیونکہ جب اللہ کی قدرت پر یقین آئے گا تو پھر نفل اثر کریں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عظمت کو نہیں پہچانے گا اور جب اللہ کی وحدانیت اور ربوبیت کو نہیں پہچانے گا تو نماز کا کیا فائدہ ہوگا؟ اس لیے قرآن میں بار بار آرہا ہے: ﴿وَفِيٓ أَنفُسِكُمۡۚ أَفَلَا تُبۡصِرُونَ﴾ [الذاریات:۲۱] میرے بندے! کیا تو نے کبھی اپنے اندر بھی غور کیا ہے کہ میرے مالک نے یہ کارخانہ کائنات کیسے بنایا ہے؟ اور کبھی قرآن کہتا ہے: ﴿أَفَلَمۡ يَنظُرُوٓاْ إِلَى ٱلسَّمَآءِ فَوۡقَهُمۡ كَيۡفَ بَنَيۡنَٰهَا وَزَيَّنَّٰهَا وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٖ﴾ [ق:٦] اور کبھی کہتا ہے: ﴿فَلۡيَنظُرِ ٱلۡإِنسَٰنُ مِمَّ خُلِقَ﴾ [الطارق:۵] کبھی انسان اپنی حقیقت کے اندر غور کرے کہ اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا ہے؟ اور کبھی فرمایا: ﴿أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى ٱلۡإِبِلِ كَيۡفَ خُلِقَتۡ﴾ [الغاشیۃ:۱۷] کبھی اونٹ پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حیوان کیسے پیدا کیا ہے؟ اس کی طاقت اور سرکشی کو دیکھو اور پھر اس کی اطاعت کو دیکھو کہ ایک چھوٹا بچہ بھی نکیل پکڑ کر لے جائے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: غور کرو! کتنے سرکش جانور میں نے تیرے تابع کر دیے، تو بندہ ہو کر میرے تابع نہیں ہوتا۔ انسان جب اونٹ پر سفر کرتا ہے نظر اٹھائے تو آسمانوں پر پڑتی ہے، نیچے گرے تو پہاڑوں پر پڑتی ہے، اس سے نیچے گرے تو اپنی سواری پر پڑتی ہے اور اس سے نیچے گرے تو زمین پر پڑتی ہے۔ اللہ نے فرمایا: ان چیزوں پر غور کرو کہ اللہ نے یہ سب کچھ کیسے پیدا کیا ہے؟ آخر ہر چیز میں حکمت ہے۔ یہ تو نہیں کہ بچوں کا کھیل ہے کہ گھر کے باہر بیٹھ کر مٹی کے گھروندے بنالیے کہ یہ تیرا گھر ہے اور یہ میرا گھر ہے۔ کھیلنے کے بعد جی بھر گیا تو اٹھتے ہوئے پاؤں

مارااور توڑ کر چلے گئے۔تو کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نظام ایسے بنایا ہے کہ یہاں کھاؤ، پیو اور جو مرضی آئے کرو؟ کیا کچھ نہیں ہوگا؟ نہ حساب، نہ کتاب، نہ جزا، نہ سزا، نہ موت اور نہ حشر، کیا اللہ تعالیٰ نے دنیا بے فائدہ بنائی ہے؟

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا ملفوظ:

اس لیے حکم ہے کہ غور کریں کہ اللہ نے یہ کارخانہ کیوں پیدا کیا ہے؟

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ فکر کا معنی یہ ہے کہ فکر شیشہ ہے، جو تجھے تیری اچھائیاں اور برائیاں دکھادے گا۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا ملفوظ:

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فکر ایسا نور ہے جو تیرے دل میں داخل ہوجاتا ہے۔ اور کبھی بطور مثال یہ شعر پیش کرتے:

؎ إِذَا الْمَرْءُ كَانَتْ لَهُ فِكْرَةٌ
فَفِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَهُ عِبْرَةٌ

''اگر کسی مرد کو اللہ تعالیٰ نے فکر دی ہے تو پھر ہر شے میں اس کے لیے عبرت ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''طُوبٰى لِمَنْ كَانَ قِيلُهُ تَذَكُّرًا وَصَمْتُهُ تَفَكُّرًا، وَنَظَرُهُ عِبَرًا'' [تفسیر ابن کثیر] خوشخبری ہے اس بندے کے لیے جو بات کرے تو اللہ کو یاد کرانے والی بات کرے، اگر چپ بیٹھا ہو تو اللہ کی قدرتوں میں فکر کرے اور اگر کسی چیز کو دیکھے تو عبرت پکڑے۔

واقعہ: ہمارے استاذ نے توحید سنانے پر پتھر کھائے:

ہم چھوٹے تھے، ایک جلسہ میں تقریر کرنے کے لیے ہمارے استاذ صاحب تشریف لے گئے۔ وہاں آگے ایسے ماحول تھا کہ وہاں توحید کا نام لینا بہت مشکل تھا۔ جب تقریر ہوئی تو لوگوں نے پتھر مارے۔ استاذ سارا واقعہ بھی کہتے رہے کہ اللہ کا شکر ادا کرو، اے اللہ! آج تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پوری ہوگئی، تیرا شکر ہے۔ آج ہم نے لوگوں کو توحید سنائی۔ اور اللہ کی شان ہے کہ جنہوں نے ہمیں پتھر مارے، چار دن کے بعد وہ دوبارہ لے گئے کہ

تقریر کریں، اسی طرح تیسری دفعہ لے گئے، چوتھی دفعہ لے گئے۔ اب اللہ کا شکر ہے کہ وہ سارا علاقہ ہی توحید والوں کا ہے، ایک بھی مشرک نہیں رہا۔ لوگ توحید کے کام میں اتنے لگ گئے کہ ہم ان کے پیچھے رہ گئے۔

اصل بات یہ ہے کہ تم اگر اللہ کے نبی کے راستے پر چلو گے تو حلوے نہیں ملیں گے۔ اگر ملا ہو تو کبھی کبھی پتھر بھی ملے گا۔ اگر ہر وقت حلوہ ملے تو سمجھو کہ ہم غلط راستے پر ہیں، نبی کے راستے پر نہیں ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی کی سوچ بڑھتی ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ فہم عطا فرماتے ہیں، جب فہم ملتی ہے تو اللہ اس کو علم عطا فرماتے ہیں اور جب آدمی کو علم ملتا ہے تو عمل کرنے کی بھی توفیق ہوتی ہے۔

اصل علم وہ ہے جس پر عمل بھی ہو:

یاد رکھیں! اصل علم بھی وہی ہے جس پر عمل ہو، لیکن اگر عمل نہ ہو تو پھر اس علم جیسا وبال دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ لوگوں کو نماز کہو اور خود نماز نہ پڑھو، لوگوں سے کہو کہ روزہ رکھو اور خود روزہ نہ رکھو، لوگوں سے کہو کہ تہجد پڑھو اور خود سو جاؤ اور لوگوں سے کہو کہ قرآن کی تلاوت کرو اور خود محروم رہو۔ تو اس کی مثال ایسے ہے: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ [الجمعۃ:۵] جیسے گدھے پر کتابیں لاد دو تو گدھا گدھا رہتا ہے، مولوی نہیں بن جاتا۔

مواعظ عبرت:

حضرت عمر ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر آدمی کلام کرے تو اللہ کا ذکر کرے؛ کیونکہ اس سے احسن کلام کوئی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کرنے سے افضل عبادت کوئی نہیں ہے۔

حضرت مغیث الاسود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لوگو! روزانہ قبروں کی زیارت کیا کرو اور غور کیا کرو اور موقف (اللہ کے سامنے حاضری) کا اپنے دلوں سے مشاہدہ کیا کرو۔ اور سوچو کہ دونوں فریق جنت یا جہنم کی طرف جا رہے ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت مغیث رحمۃ اللہ علیہ جب قبر پر آتے تھے تو روتے روتے بے ہوش ہو جاتے تھے، لوگ ان کو اٹھا کر لے جاتے تھے؛ کیونکہ جب قبروں پر غور کرتے ان کی زندگی سامنے آتی کہ کیسی نعمتوں میں پلنے والے لوگ؟ جنہوں نے زندگی میں اپنے بدن پر مٹی کا ذرہ بھی برداشت نہیں کیا تھا اور آج منوں مٹی کے نیچے پڑے ہوئے ہیں، وہ لوگ جو قالینوں کے بغیر نہیں چلتے تھے اور آج ان کے بدن سڑ گئے ہیں۔ دیکھو! کس حال میں پڑے ہوئے ہیں؟



قبروں کی زیارت کا یہی معنی ہوتا ہے کہ آدمی قبروں سے عبرت پکڑے کہ دیکھو! شان والے کہاں آ گئے؟ اور ہماری آخری منزل بھی یہی ہونی ہے۔ سب ساتھی چلے جائیں گے۔ اگر اعمال صالحہ ہیں تو اللہ تعالیٰ اس گڑھے کو بھی جنت بنا دیتے ہیں اور اگر اعمال صالحہ نہ ہوں تو وہ گڑھا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بن جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ ایک آدمی راہب کے قریب سے گزرا تو وہ راہب ایک ایسی جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک طرف تو قبرستان ہے اور دوسری طرف کوڑا کرکٹ کا ڈھیر تھا۔ اس بندے نے راہب سے کہا: تم تو دنیا کے دو خزانوں کے درمیان بیٹھے ہوئے ہو، جن میں تیرے لیے عبرت ہے۔ ادھر بندوں کا خزانہ ہے اور دوسری طرف مال کا خزانہ ہے۔ بندوں کے خزانے کا یہ نتیجہ ہے کہ آج قبروں میں سو رہے ہیں اور مال کا نتیجہ یہ ہے کہ کھایا پیا گندگی بن گیا اور گندگی کے ڈھیر میں آ گیا۔ اس کے اندر تیرے لیے بہت بڑی عبرت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب اپنے دل کو نصیحت کا ارادہ کرتے تو آپ باہر ویرانوں، جنگلوں اور قبرستانوں میں نکل جاتے تھے اور وہاں کھڑے ہو کر کہتے کہ اے قبر والو! کہاں ہیں آج تمہارے گھر والے؟ پھر خود جواب دیتے: اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ دو رکعت نماز اعتدال کے ساتھ آدمی پڑھے، لیکن تفکر کے ساتھ کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں، تو وہ ساری رات ایسے جاگنے سے بہتر ہے جس میں دل غافل ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اے آدم کے بیٹے! جب کھانے کے لیے بیٹھے تو تیسرا حصہ کم از کم کھانے سے بھر لے۔ یعنی ایک حصہ کھانے کے لیے، ایک حصہ پینے کے لیے اور ایک حصہ خالی چھوڑ دے، تاکہ سانس آ جا سکے اور تو اللہ کی رحمت پر غور بھی کر سکے۔ یہ نہیں کہ بس کھانے کی ہی فکر رہے کہ کبھی ڈکاریں آ رہی ہیں، کبھی حضرت بوتل پی رہے ہیں، کبھی حضرت دوائیں کھا رہے ہیں اور حضرت الٹے پڑے ہیں۔

بعض حکماء کہتے ہیں: جو شخص عبرت کے بغیر دنیا کی نظر کرے تو اس غفلت کے بقدر اس کے دل کی بصارت ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت بشر بن الحارث الحافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر بندے کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال ہوتا تو وہ کبھی گناہ نہ کرتا۔

اس کی ایک آسان مثال سمجھیں کہ اگر پانچ سال کا بچہ کمرے میں موجود ہو تو کیا آپ اپنی عورت کے ساتھ لیٹیں گے، بلکہ کہیں گے: بچے کو ادھر سے نکالیں۔ میاں بیوی کا ملنا گناہ کوئی نہیں، لیکن اپنا چھوٹا بچہ جاگ رہا ہو تب بھی

کہتے ہیں: ذرا ٹھہرو بچوں کو تو نیند آ جائے۔ اس سے بندہ چھپتا ہے اور جب تم گناہ کرتے ہو تو کیا خیال ہے یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ اگر یہ یقین ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے تو پھر گناہ کیسے کر سکتے ہو؟

ایک چوکیدار کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کہ جاگ رہا ہے، پھر بھی تم جرم نہیں کرتے ہو، لیکن تم اللہ سے چوکیدار کے برابر بھی نہیں ڈرتے ہو تو پھر اللہ کی عظمت کا کیا معنی ہوا؟

حضرت عامر بن قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے ایک دو نہیں، بلکہ کئی صحابہ سے سنا ہے کہ ایمان کی روشنی یا فرمایا: ایمان کا نور اللہ کی تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کرنا ہے۔ ایمان پیدا ہوتا ہے تو ہر چیز کھل جاتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ﴾ [الانعام:۱۲۵]

جب ہم راضی ہو جائیں کسی کو ہدایت دینے کے لیے، ہم اس کے سینے کو کھول دیتے ہیں، وہ نور میں آ جاتا ہے۔ جب آدمی تفکر کرتا ہے تو اس کے نورِ ایمان کی روشنی بڑھ جاتی ہے تو ہر چیز نورِ ایمان میں نظر آتی ہے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور اس سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔ یہ کام کرنا ہے اور یہ کام نہیں کرنا۔ اس راستے پر چلنا ہے اور اس راستے پر نہیں چلنا۔ کیونکہ نور پر آ گیا ہے۔ اور جب روشنی ہٹ جائے تو کبھی اس غار میں پڑے گا، کبھی کانٹے پر پاؤں پڑے گا اور کبھی سانپ پر پاؤں پڑے گا اور یہ نورِ ایمان فکر سے پیدا ہوگا کہ اللہ کی نعمتوں میں فکر کرو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کہ اے کمزور ابن آدم! جہاں بھی ہے اپنے اللہ سے ڈرتا رہ۔ چاہے مکہ میں ہے، چاہے مدینے میں ہے، اپنے ملک میں ہے یا کسی جگہ ہے جہاں بھی رہے، اللہ تعالیٰ سے ڈر اور دنیا میں مہمانوں کی طرح رہ اور اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو اپنا گھر بنا اور اپنی آنکھوں کو ذرا رونا بھی سکھا کہ کیسے رونا آتا ہے؟ اور اپنے بدن کو صبر کرنے کی مشقتیں برداشت کرنے کی عادت ڈال دے اور اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کرنا سکھا دے اور کل کی روٹی کی فکر نہ کر۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ایک دن اپنے ساتھیوں میں بیٹھے تھے تو رونے لگ گئے۔ ساتھیوں نے پوچھا: کیا

بات ہے؟ فرمایا: میں نے دنیا اور دنیا کی لذتوں اور شہوتوں میں غور کیا کہ ان کا کیا نتیجہ ہے؟ ان دنیا کی لذتوں کا ما سوائے برائی کے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ اس کے اندر عبرت ہے، مگر اس کے لیے جو عبرت حاصل کرے۔ اس کے اندر وعظ ہے، لیکن اس کے لیے جو نصیحت پکڑے۔ جیسا کہ حضرت حسین بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ نے فرمایا: ہے۔

نُزْهَةُ الْمُؤْمِنِ الْفِكَرْ ...... لَذَّةُ الْمُؤْمِنِ الْعِبَرْ
نَحْمَدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ ...... نَحْنُ كُلٌّ عَلٰى خَطَرْ
رُبَّ لَاهٍ وَعُمْرُهُ ...... قَدْ تَقَضّٰى وَمَا شَعَرْ
رُبَّ عَيْشٍ قَدْ كَانَ فَوْقَ ...... الْمَنِيِّ مُوْنِقِ الزَّهَرْ
فِيْ خَرِيْرٍ مِّنَ الْعُيُوْنِ ...... وَظِلٍّ مِّنَ الشَّجَرْ
وَسُرُوْرٍ مِّنَ النَّبَاتِ ...... وَطِيْبٍ مِنَ الثَّمَرْ
غَيَّرَتْهُ وَأَهْلَهُ ...... سُرْعَةُ الدَّهْرِ بِالْغِيَرْ
نَحْمَدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ ...... إِنَّ فِيْ ذَا لَمُعْتَبَرْ
إِنَّ فِيْ ذَا لَعِبْرَةً ...... لِلَبِيْبٍ إِنِ اعْتَبَرْ

''مومن کی تر و تازگی غور فکر ہے...... مومن کی لذت عبرت حاصل کرنا ہے...... ہم صرف ایک اللہ کی تعریف کرتے ہیں ...... ہم سب خطرے میں ہیں ...... بہت سے لوگ غفلت میں مبتلا ہیں، حالانکہ ان کی عمر...... گھٹ رہی ہے اور ان کو شعور ہی نہیں ...... بہت سے عیش بالاتر ...... امید سے، سرسبز و شادابی سے...... بہتے چشموں میں ...... درختوں کے سائے میں...... اور نباتات کی خوشی میں ...... اور عمدہ پھلوں میں تھے...... زمانے کی رفتار نے ان کو اس عیش والے کے علاوہ سے بدل دیا...... ہم صرف ایک اللہ کی حمد کرتے ہیں ...... بلاشبہ اس میں عبرت ہے...... اس میں عبرت حاصل کرنے والے عقلمند کے لیے عبرت ہے۔''

مومن کی نزہت یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں میں فکر کرے اور مومن کی لذت یہ ہے کہ ہر چیز سے عبرت پکڑے، اللہ کا شکر ادا کرے، ہم سب خطرے میں ہیں، کتنے عیش ہیں جو ہم کھا رہے ہیں! کتنی لذتیں ہیں جو ہم کھا رہے ہیں! لیکن نتیجہ یہ ہے کہ دنیا گزر رہی ہے، زمانہ گزر رہا ہے اور ہر چیز فنا ہو رہی ہے۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ عسقلان جگہ سے اللہ تعالیٰ

قیامت والے دن ایسے لوگ کھڑے کریں گے جو ستر ہزار ہوں گے، جن سے حساب نہیں ہوگا اور ان میں سے پچاس ہزار ایسے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف آنے والے، شہید ہونے والے، گویا کہ ان کی گردنیں کٹی ہوئی ہیں، ان کی رگوں سے خون بہہ رہا ہے۔ اور وہ کہیں گے: ﴿رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ اللہ تعالیٰ حکم دیں گے کہ یہ میرے بندے سچ کہہ رہے ہیں، ان کو نہر بیضا میں غسل دو۔ جب نہر میں غسل دیں گے تو وہ صاف ستھرے ہو کر نکلیں گے۔ اللہ تعالیٰ حکم دیں گے: جنت میں جائیں اور جہاں چاہیں رہیں اور کھائیں۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث مسند کی غرائب میں شمار ہوتی ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ [مسند احمد: ۳/۲۲۵]

﴿وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ بندے کہیں گے: اے اللہ! قیامت والے دن ہمیں مخلوق کے سامنے رسوا نہ کر دینا، جب ساری مخلوق کھڑی ہو تو ہمیں رسوائی سے بچا لینا۔ اور اے میرے مولا! تو کبھی اپنے وعدے میں خلاف ورزی نہیں کرتا۔ تیرا وعدہ سچا ہے، تیرا ہر قول سچا ہے اور تیرا ہر فرمان سچا ہے۔ اور جب تو نے کہہ دیا کہ قیامت آئے گی تو اس کو کوئی نہیں ٹال سکتا؛ کیونکہ تیرے فرمان میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

ذلت کا عذاب:

(حدیث) حافظ ابو یعلیٰ رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((الْعَارُ وَالتَّخْزِيَةُ تَبْلُغُ مِنِ ابْنِ آدَمَ فِي الْقِيَامَةِ فِي الْمَقَامِ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ مَا يَتَمَنَّى الْعَبْدُ أَنْ يُؤْمَرَ بِهِ فِي النَّارِ)) [مسند ابو یعلیٰ: ۳/۲۱۱] قیامت کے دن جب آدمی اللہ کے دربار میں پیش ہوگا تو اس کی رسوائی، اس کی شرمندگی کا یہ عالم ہوگا، یعنی جو گناہگار ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ رسوا کریں گے وہ رسوائی کی ذلت میں اس حد تک پہنچ جائے گا کہ وہ کہے گا: مجھے جہنم میں بھیج دیا جائے،، لیکن رسوا نہ کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذلت بہت بڑا عذاب ہے۔

جب ہم پڑھتے تھے تو ہمارے استاذ اس کی مثال یوں سناتے تھے کہ ایک آدمی بڑا چور تھا، وہ سخت جان آدمی تھا۔ اگر اس کو کسی جرم میں پولیس پکڑ لیتی اور اس کو مارتے، تشدد کرتے تو وہ مانتا نہیں تھا، بلکہ وہ اتنا پکا ہوتا تھا۔ ایک تھانیدار آیا اور اس نے جب اس کو پکڑا تو ریکارڈ سب کا موجود ہوتا ہے۔ اس تھانیدار نے اس کو سڑک پر کھڑا



کر دیا۔ لوگوں کو کہا کہ اس کے منہ پر تھوکتے جاؤ اور چلے جاؤ۔ جب سارا دن گزر گیا تو اس نے کہا: تھانیدار صاحب! یہ چوری کا مال لے لو، لیکن مجھے ذلیل نہ کرو۔

اس لیے کسی شاعر نے بھی کہا ہے:

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ
وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

جب آدمی کو تلواروں کے زخم لگتے ہیں تو وہ مندمل ہو جاتے ہیں، لیکن زبان کا زخم مندمل نہیں ہوتا۔

کسی کو جب زبان سے طعنہ دیا جائے اور زبان سے تہمت لگا دی جائے...... اللہ معاف کرے......تو وہ زخم مرہم سے ٹھیک نہیں ہوتا اور نہ انجکشن سے ٹھیک ہوتا ہے۔ اس لیے ہر آدمی ہر وقت اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرے: ﴿وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ اللہ! ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔

اسی لیے حضور اکرم ﷺ کی ایک اور دعا مبارک بھی ہے، کہا: ((اللّٰهُمَّ! أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا، وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا، وَعَذَابِ الْآخِرَةِ)) [مسند احمد، رقم: ۱۷۶۲۸] اے اللہ!! ہمارے تمام امور کا انجام بہتر بنا اور اے اللہ! ہمیں دنیا اور آخرت کی رسوائی سے محفوظ فرما۔

اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی ایک اور دعا بھی ہے: ((اللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ، وَدَرَكِ الشَّقَاءِ، وَسُوءِ الْقَضَاءِ، وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ)) [بخاری، رقم: ۶۳۴۷] اللہ! ہمیں ایسے حال سے بچانا کہ دشمن ہنس رہا ہو۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرے عابدین صالحین ہیں ان کو مستقبل کا بھی ڈر نہیں ہے اور جو چھوڑ کر گئے ہیں ان کو اس کا بھی غم نہیں ہوگا۔

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ نے اپنے انبیاء اور رسولوں سے وعدہ کیا ہے کہ اے میرے پیغمبر! آپ کو بھی اور آپ پر ایمان لانے والوں کو بھی قیامت والے دن رسوا نہیں کروں گا۔

صحیح حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب قیامت والے دن میدانِ حشر میں کھڑے ہوں گے تو دیکھیں گے کہ ان کے ابا آزر کو فرشتے پکڑ کر لے جا رہے ہوں گے۔ وہ وہیں اللہ سے دعا مانگیں گے کہ یا اللہ! تیرا وعدہ ہے کہ تو اپنے نبیوں کو رسوا نہیں کرے گا۔ یا اللہ! اس سے بڑی میری رسوائی کیا ہوگی کہ میرا باپ ہو اور جہنم میں ڈالا جائے!! یا اللہ!...... یا اللہ! مجھے رسوائی سے بچا لے۔ اللہ تعالیٰ حکم دیں گے: اے ابراہیم! ذرا نیچے دیکھو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نیچے دیکھیں گے پھر حکم ہوگا کہ اب پہچانو تو ان کے والد آزر کو بجو کی شکل میں بدل دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میرے خلیل! میں تمہیں رسوائی سے تو بچالیتا ہوں، لیکن کسی کافر، مشرک کا جہنم کے بغیر کوئی ٹھکانہ نہیں ہے؛ کیونکہ میرے فیصلے ہیں اور میرے فیصلے بدلا نہیں کرتے، میں نے جو حکم دیا ہے اس کے اندر کبھی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اور یہ میرا فیصلہ ہے کہ جس آدمی کی موت شرک پر آئے گی اس پر جنت حرام ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ہم تمہیں رسوائی سے تو بچا لیتے ہیں کہ کوئی آدمی آزر کو پہچان نہیں سکے گا، لیکن اس پر عذاب قائم رہے گا؛ کیونکہ اس کی موت کفر و شرک پر آئی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی کا ذلیل ہونا، کسی کا رسوا ہونا اتنا سخت ہے کہ قیامت والے دن بندہ یہ تمنا کرے گا کہ یا اللہ! مجھے ذلت سے بچا اور اس سے بہتر ہے کہ تو مجھے سیدھا جہنم میں بھیج دے۔

حدیث پاک میں یہ بات ثابت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کی نماز کے لیے بیدار ہوتے تو سورت آلِ عمران کی یہ دس آیات تلاوت فرماتے تھے: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ......... يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

[آل عمران: ۱۹۰ تا ۲۰۰]

اور ایک حدیث مبارک میں آتا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لیے اٹھتے تو آسمان کی طرف نظر فرماتے اور اس کے بعد یہ دس آیات مبارک تلاوت کرتے۔ اس کے بعد آپ یہ دعا فرماتے: ((اللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ لَكَ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ، وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ، وَقَوْلُكَ حَقٌّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ، وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ)) [بخاری، رقم: ۱۱۲۰] اے اللہ! تو آسمانوں اور زمینوں کو تھامنے والا ہے، یا اللہ! تو حق ہے، تیرا وعدہ سچا ہے، تیرا فرمان حق ہے، قیامت میں تیرے سامنے پیش ہونا حق ہے، اسی طرح قیامت حق ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، تمام انبیاء حق ہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں۔

ہر مسلمان کو چاہیے کہ کم از کم کوشش کرے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس کام کے لیے ہمیں پیدا کیا ہے تھوڑا سا وقت اس پر بھی لگائے۔ اللہ تعالیٰ علماء اور اہل خیر کو جزائے خیر عطا فرمائے! ہر زبان میں دعائیں چھاپ دی ہیں۔

کوشش کریں کم از کم وہ دعائیں ساری نہ سہی، کچھ دعائیں یاد کرلیں کہ میرے مدنی سرکار ﷺ جب سوتے تھے تو کیا پڑھتے تھے؟ جب آپ نیند سے بیدار ہوتے تھے تو کیا پڑھتے تھے؟ جب سرکارِ مدینہ ﷺ اپنے گھر سے باہر نکلتے تھے تو کیا پڑھتے تھے؟ جب آسمانوں پر نظر پڑتی تو کیا پڑھتے تھے؟ اور جب کوئی مشکل پیش آتی تو کیا پڑھتے؟ حضور اکرم ﷺ کی دعائیں یاد کرلیں۔ اس میں اتنا بڑا خزانہ ہے کہ تم لوگوں نے کبھی سوچا بھی نہیں ہے۔

حضور ﷺ کا رات کا معمول:

(حدیث) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اپنی خالہ بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہا (اس وقت میری عمر بڑی نہیں تھی)، تاکہ میں یہ دیکھوں کہ حضور ﷺ رات کو کیا کرتے ہیں؟ حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور کچھ دیر تک آپ اپنی گھر والی سے بات فرماتے رہے، پھر حضور پاک ﷺ لیٹ گئے۔ جب رات کا تیسرا حصہ باقی تھا آپ بیٹھ گئے اور آسمان کی طرف دیکھ کر یہ آیات مبارکہ تلاوت کیں: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ......﴾ آخر تک۔ پانی رکھا ہوا تھا، آپ نے مسواک فرمایا، وضو فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے گیارہ رکعت نماز پڑھی۔ [بخاری، رقم:۴۵۶۹]

بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے دس رکعت تہجد کی پڑھیں اور ایک رکعت وتر کی تھی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آٹھ رکعات تہجد کی ہوگئیں اور تین رکعت وتر کی ہوگئیں۔

امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ جو رات کو تہجد پڑھتے تھے اس کے بارے میں صحیح حدیث مبارک میں ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ رات کو کتنی رکعت پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: حضور آٹھ رکعت پڑھتے تھے، چاہے وہ رمضان ہو یا غیر رمضان ہو۔

اسی وجہ سے بعض علماء اور بعض حضرات رمضان میں تراویح بھی آٹھ رکعت پڑھتے ہیں۔ حالانکہ اصلی بات یہ نہیں ہے؛ کیونکہ تراویح مسجد میں پڑھی جاتی ہے، گھر میں نہیں پڑھی جاتی، تہجد گھر میں پڑھی جاتی ہے۔ اور بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم ﷺ کی تہجد کے بارے میں پوچھا جارہا ہے کہ رمضان میں بھی تہجد کے اندر کوئی فرق ہے یا وہی بات ہے جو ہر سال ہے؟ ورنہ تو بی بی عائشہ سے مسئلہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے؛ کیونکہ باہر تو صحابہ نے دیکھ لیا تھا کہ آپ نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ ان سے اس لیے پوچھا کہ آپ کی رات کی نماز کیسی تھی؟ تو

بی بی عائشہ نے کہا کہ رمضان ہو یا نہ ہو، آپ آٹھ رکعتیں ضرور پڑھتے تھے۔

اور اس کے بعد بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا کیا پوچھتے ہو وہ کتنی لمبی ہوتی تھی! کیسی خوبصورت ہوتی تھی! وہ کیسی پیاری پیاری قرأت ہوتی تھی!!

امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے پردہ اور علمی مسائل کا سوال:

(حدیث) حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سب اکٹھے ہو کر بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر گئے (یہ اس دور کا قصہ ہے کہ جب آیت حجاب نازل ہو چکی تھی) ہمارے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان حجاب تھا۔ تو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبید بن عمیر سے پوچھا کہ آپ کو ہماری زیارت سے کس چیز نے روکا ہے؟ تو عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: شاعر کے اس قول نے ''زُرْ غِبًّا، تَزْدَدْ حُبًّا'' کبھی کبھی زیارت کیا کرو، اس سے محبت بڑھتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی عبادت:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا: چھوڑیں ان باتوں کو، ہمیں تو مہربانی کر کے حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی عجیب بات سنائیں۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا پوچھتے ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو ہر بات عجیب تھی، ہر عمل عجیب تھا۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ آقائے نامدار سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حتیٰ کہ میرے بالکل قریب ہوئے، آپ کا بدن مبارک میرے بدن سے ٹکرایا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: عائشہ! اب چھوڑیں۔ اب میں اٹھ کر اپنے اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: مجھے بھی تو آپ کا قرب محبوب ہے، میں یہ تو نہیں چاہتی کہ حضور مجھ سے دور ہو جائیں اور میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ آپ اپنے اللہ کی عبادت نہ کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، مشکیزہ لٹکا ہوا تھا، اس سے آپ نے کوئی زیادہ پانی استعمال نہیں کیا، بلکہ بڑی احتیاط کے ساتھ وضو کیا۔ اس کے بعد آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ اور نماز پڑھنے میں یہ عالم تھا کہ آپ اتنا روئے کہ آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس کے بعد جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے تو آپ اتنا روئے کہ زمین تر ہو گئی۔ پھر اپنے داہنے ہاتھ پر لیٹ گئے اور لیٹے ہوئے بھی آپ اتنا روئے کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت بلال آئے اور آ کر خبر دی کہ اذان ہو گئی اور نماز کی تیاری ہے۔ بی بی

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اتنے کیوں رو رہے ہیں؟ حالانکہ اللہ نے آپ کو خبر دی ہے کہ میرے نبی! اگر آپ سے کوئی غلطی پہلے ہوئی یا بعد میں ہم سب معاف کر چکے۔ آپ نے فرمایا: ((وَيْحَكَ يَا بِلَالُ!)) کیا کہہ رہے ہو؟ میں کیوں نہ رؤں؟ حالانکہ آج رات اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قرآن کی یہ آیات اتاری ہیں: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ اور آپ نے فرمایا: ہلاکت ہو اس بندے کے لیے جو ان آیات کو پڑھے اور ان میں غور وفکر نہ کرے۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آج رات مجھ پر یہ آیات نازل ہوئیں اور یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے تو لہٰذا مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ کا اس حدیث کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ آیات مدنیہ ہیں اور ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہیں۔

سورت آلِ عمران کی یہی وہ آیات ہیں جو ہمیشہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت آسمان پر نظر فرما کر تلاوت فرماتے تھے۔ اور انہی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد مومنین کا ذکر کیا ہے کہ جو میرے بندے ہیں، مجھ سے ڈرنے والے ہیں، جو اصحابِ عقل ہیں، ان کو ہر وقت میری یاد ہے۔ کھڑے ہیں تو میرا ذکر ہے، بیٹھے ہیں تو میرا ذکر ہے اور لیٹے ہیں تو میرا ذکر ہے، ہر وقت میرے ذکر میں ہیں یا میری فکر میں ہیں، کسی اور چیز کی طرف ان کا دھیان بھی نہیں ہوتا۔ اگر وہ دنیا کے امور سرانجام دیتے ہیں، لیکن دل اللہ تعالیٰ کی طرف اٹکا ہوا ہوتا ہے۔

حدیث مبارک میں آیا ہے کہ مومن کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ چاہے وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہے ((وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ)) [السنن الكبرىٰ للنسائی، رقم: ١١٧٩٨] اس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہوتا ہے کہ ابھی نماز کا وقت ہوگا، ابھی وضو کریں گے، مسجد جائیں گے۔ اس لیے جو بڑے اللہ والے بزرگ گزرے ہیں، انہوں نے اپنے اوپر بھی اور اپنے دوستوں پر بھی ایسے طریقے سے محنتیں کی ہیں کہ انسان کی زبان پر ہر وقت اللہ کا ذکر ہو۔ دل میں بھی ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو، سانس میں بھی ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو؛ کیونکہ اللہ کے ذکر کے بارے میں حکم ہے: کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو۔ اور ایک روایت میں آیا کہ اللہ تعالیٰ کا اتنا ذکر کرو کہ لوگ کہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عبادت:

اس لیے قرآن پاک نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ [الفتح: ٢٩] کہ میرے مدنی کی جماعت کو دیکھو کہ کبھی

رکوع میں کھڑے ہیں، کبھی سجدے میں پڑے ہیں، ہر وقت اپنے اللہ کی رضا کے طالب ہیں، سجدوں کی کثرت کی وجہ سے ان کے چہروں پر علامات ہیں۔ پیشانی پر جو نشان ہوتا ہے اس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ یہ بسا اوقات بغض کی علامت ہوتا ہے، نفرت کی علامت ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو بڑا عابد و زاہد ظاہر کرتا ہے، ریا کرتا ہے، یعنی لوگوں کو یہ دکھانا چاہتا ہے کہ میں اتنا بڑا نمازی ہوں، میری پیشانیوں پر داغ پڑ گئے ہیں۔ نہیں، بلکہ ﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾ [الفتح:۲۹] اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی کثرتِ عبادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے چہرے پر رونق لے آتے ہیں اور ایسا نور لے آتے ہیں کہ آدمی دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ حبشہ کے لوگ ہوتے ہیں، بالکل سیاہ رنگ ہے، لیکن کثرتِ عبادت کی وجہ سے ان کے چہرے پر جاذبیت ہے، آدمی کا دل کرتا ہے کہ ان سے بات کرے۔ ان کے مقابلے میں بعض بڑے گورے لوگ ہیں، لیکن گناہوں کی وجہ سے چہرے پر لعنت برس رہی ہوتی ہے، آدمی کا دل بھی نہیں کرتا کہ ان کے چہرے پر نظر ڈالے۔

ایک نیک عورت کے حسن و جمال کی وجہ:

(واقعہ) عرب کے واقعات میں ایک تاریخی واقعہ آتا ہے کہ گزرے ہوئے دور کی بات ہے کہ ایک عرب عورت تھی، اس کی کافی عمر تھی، یعنی تقریباً ساٹھ سال سے بھی زیادہ عمر والی عورت تھی، لیکن خدا کی شان ہے کہ اس کے چہرے پر ایسا جمال تھا کہ نوجوان لڑکیاں اس کو دیکھ کر حیران ہو جاتی تھیں کہ پتہ نہیں یہ کونسا میک اپ کرتی ہے!! یہ کونسی کریمیں استعمال کرتی ہے کہ اس کے چہرے پر جمال ہی جمال ہے!! ایک دن انہوں نے اس سے آکر پوچھا کہ اماں جان! وہ کونسی دوائیں ہیں جو آپ استعمال کرتی ہیں کہ آپ کے چہرے پر اتنی رونق ہے؟ اس نے کہا: میں جو دوائیں استعمال کرتی ہوں میں نہیں بتاتی۔ اگر میں بتا دوں تو تم استعمال نہیں کرو گی۔ انہوں نے کہا: ہم وعدہ کرتی ہیں کہ ہم استعمال کریں گی۔ اس نے کہا: سنو! جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہوش دیا ہے، میری نظر کسی غیر محرم پر نہیں پڑی، میرے بدن میں حرام کا لقمہ نہیں گیا، مجھے اللہ تعالیٰ نے جب سے ہوش دیا ہے میری رات مصلے پر کٹتی ہے اور دن اللہ کے قرآن کی تلاوت میں گزرتا ہے۔ اگر تم بھی حسن و جمال حاصل کرنا چاہتی ہو تو یہ بیوٹی پارلر سے نہیں ملے گا، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے قرآن اور حدیث مصطفیٰ ﷺ میں ملے گا، یہ تمہیں اکلِ حلال اور صدقِ مقال میں ملے گا۔



﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ﴾ [آل عمران:۱۹۵]

''چنانچہ ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کی (اور کہا:) میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب آپس میں ایک جیسے ہو۔ لہٰذا جن لوگوں نے ہجرت کی اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا گیا اور میرے راستے میں تکلیفیں دی گئیں اور جنہوں نے (دین کی خاطر) لڑائی لڑی اور قتل ہوئے، میں ان سب کی برائیوں کا ضرور کفارہ کردوں گا، اور انہیں ضرور بالضرور ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے انعام ہوگا۔ اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بہترین انعام ہے۔''

اللہ کی آیات میں غور وفکر:

سابقہ آیات میں پڑھا کہ عقل والے لوگ وہ ہیں جو ہر وقت اپنے اللہ کے ذکر میں کھڑے ہیں، بیٹھے ہیں یا لیٹے ہیں، ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے یا فکر ہے۔ ذکر کے اندر نماز، روزہ، طواف، تلاوت اور قرآن وغیرہ ذکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شاکر ہونا یہ بھی ذکر ہے۔

فکر کے بارے میں امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی ادنیٰ قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرآن کی آیات میں غور کرے۔ اس کے ترجمے کو سمجھے کہ قرآن کیا کہتا ہے؟ اور دوسرا اللہ کی اس کائنات میں فکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آسمان وزمین اور یہ نظام بنایا، یہ سب بے فائدہ نہیں بنائے، اس کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اندر فکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کیسے پیدا کیا؟ اور ایک انسان میں اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی مشینری لگا رکھی ہے کہ گویا ایک چھوٹا جہاں ہے۔ انسان کے اندر تمام قوات کا اجتماع ہے، اللہ تعالیٰ نے حواس خمسہ عطا فرمائے ہیں۔ اگر انسان اپنے اعضاء پر غور کرے تو پھر انسان اعتراف کرے گا کہ میرے مولا! واقعی آپ بہترین پیدا فرمانے والے ہیں۔

فرمایا: عقل والے جب اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ ساری کائنات کا خالق ومالک اللہ ہے، متصرف فی الامور

اللہ ہے اور وہ دعا بھی اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی دعائیں سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ہر انسان کی پکار کو سنتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ تو ہر داعی کی دعا کو سنتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مجھ سے مانگو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میرا بندہ جب چاہے، جس وقت چاہے اور جس حال میں چاہے مجھے پکارے، میں اس کی پکار سنتا ہوں اور اس کو جواب دیتا ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا کرم ہے!! اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا کہ جب اللہ کے بندوں نے اپنے رب کو پکارا تو اللہ نے بھی ان کی پکار کو سن لیا۔

دعا کی قبولیت کی تین حالتیں:

یاد رکھیں! دعا کبھی خالی نہیں جاتی۔ دعا تین حالتوں سے خالی نہیں ہوتی:

1 ...... یا جو ہم نے مانگا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دے دیا ہے۔

2 ...... دوسرا یہ ہوتا ہے کہ ہم نے نعمت مانگی وہ تو ہمیں نہیں ملی، لیکن کوئی بڑی مصیبت ہم پر آ رہی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے ٹال دیا۔ اس کا ہمیں پتہ نہیں چلتا، لیکن ہماری وہ دعا خالی نہیں گئی۔

3 ...... تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے کی دعا کو ذخیرہ کرلو۔ اس کا بدلہ اس کو قیامت والے دن دوں گا۔

اور یہ بھی حدیث میں موجود ہے کہ دنیا میں کی ہوئی دعاؤں کا بدلہ جب قیامت میں اللہ تعالیٰ دیں گے تو مومن اس وقت تمنا کرے گا کہ کاش! دنیا میں میری ایک دعا بھی قبول نہ ہوتی، سارے بدلے اللہ تعالیٰ مجھے آج دیتا۔

دعا کے آداب وشرائط:

یاد رکھیں! جب بھی دعا مانگیں تو قلب حاضر سے مانگیں، غافل دل سے دعا نہ مانگیں۔ دعا کے اندر یہ بھی شرط ہے کہ اپنے رب کے آگے دعا بڑی عاجزی سے، بڑی آہستگی سے مانگو، چیخ چیخ کر دعا مانگنے کی ضرورت نہیں ہے! کیونکہ تم ایسے رب کو پکار رہے ہو کہ تیری زبان ہلے تو سن لے۔ چیونٹی اگر رات کو پتھر پر چلے تو اس کے چلنے کی آواز بھی سن لے۔ پھر اس رب کے آگے چیخنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے دعا کے اندر عاجزی وتذلل ہو۔ اگر رونا نصیب ہو جائے تو سبحان اللہ!! اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بنالو۔ دعا کے اندر یہ بھی شرط ہے کہ کوئی حرام

چیز نہ مانگو، مثلاً: فلاں بندہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور میں شادی کرلوں۔ اللہ تعالیٰ اس سے مکان چھین لے اور مجھے دے دے۔ کسی کی اچھی گاڑی دیکھیں تو کہا: اللہ میاں! اس سے لے لے اور مجھے دے دے۔ یہ سب حرام ہے اور گناہ ہے۔ اسی طرح دعا مانگنے میں یہ بھی نہ کہا کرو کہ اتنی مدت ہوگئی مانگتے مانگتے، ہماری تو اللہ سنتا ہی نہیں ہے۔ یہ کفر کے کلمات ہیں۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ آپ ایک دنیا کے بادشاہ کو ملنے کے لیے کتنی محنت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو بادشاہوں کا بادشاہ ہے، ساری کائنات کا خالق ہے، اس کی مرضی ہے جب وہ چاہے سنے۔ اللہ کے نبی بھی اٹھارہ اٹھارہ سال دعائیں مانگتے رہے اور بعد میں دعا منظور ہوئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعا مانگتے مانگتے آنکھیں سفید ہوگئیں، پھر جا کر دعا منظور ہوئی۔ (یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نابینا نہیں ہوئے تھے۔)

شانِ نزول:

(حدیث) بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں مردوں کا ذکر تو بہت سنتے ہیں، مردوں کے بارے میں تو بہت ساری آیات آئی ہیں، جن لوگوں نے مردوں میں ہجرت کی ان کے بارے میں فضیلت آئی ہے، لیکن عورتوں کا ذکر نہیں آیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ہم تو کسی کے عمل کو بھی ضائع نہیں کرتے، چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو، جو بھی ذرے کے برابر بھی بھلائی کا عمل کرے اس کو بدلہ ملے گا اور جو برائی کا عمل کرے وہ بھی اپنی آنکھوں سے اس کی جزا دیکھے گا۔

[مستدرک حاکم: ۲/ ۳۰۰]

قرآن میں عورتوں کا مستقل ذکر:

یاد رکھیں! قرآن میں جتنے احکامات ہیں مخاطب مردوں کو کیا جاتا ہے، لیکن عورتیں ان کے تابع ہیں، ان کو علیحدہ حکم دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی جگہ اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ عورتوں کا ذکر فرما دیا ہے۔ ہجرت کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ [الممتحنہ: ۱۲] میرے نبی! جب مومن عورتیں آپ کے پاس بیعت کے

لیے آئیں تو آپ ان سے اس شرط پر بیعت لیں کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں، چوری نہ کریں، زنا نہ کریں، اپنی اولادوں کو قتل نہ کریں، یعنی اسقاط نہ کریں یا گولیاں کھا کر قتل نہ کریں یا پیدائش کے وقت قتل نہ کریں، اور نہ کسی پر افتراء کریں اور نہ بہتان لگائیں اور نہ آپ کی نافرمانی کریں، نیکی کے احکام میں اگر وہ عورتیں یہ بات قبول کریں تو آپ ان کی بیعت لیں اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے بخشش طلب کریں۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝﴾ [الاحزاب: ۳۵] یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا اور مردوں کا برابر ذکر فرمایا ہے۔

اسلام میں عورت کی عزت:

اس لیے یاد رکھیں! اسلام نے عورت کو بڑی عزت وعظمت دی ہے۔ تاریخ عالم کا مطالعہ کریں، تہذیب یونان دیکھیں، تہذیب فارس دیکھیں، تہذیب مصر دیکھیں اور تہذیب روما دیکھیں، ہر دور میں عورت ذلیل تھی، عورت ایک لونڈی تھی، عورت ایک زر خرید مال تھا، عورت مردوں کے بہلانے کے لیے ایک کھلونا تھی، عورت کے لیے ورثہ تھا، نہ جائیداد میں حصہ تھا، عورت نفاس میں ہے تو علیحدہ کردی جاتی تھی، اگر عورت حالت حیض میں ہے تو کسی بیمار کے پاس اس کو نہیں آنے دیتے تھے کہ بیماری میں اضافہ ہو جائے گا۔ عورت کو یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس سے منحوس ترین دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر عورت کسی کے آگے سے گزر جاتی تو لوگ واپس آجاتے کہ میرا کام نہیں ہوگا، عورت نے راستہ کاٹ لیا ہے، اگر عورت پیچھے سے آواز دیتی تو لوگ بیٹھ جاتے تھے کہ آج میرا کام نہیں ہوگا، پیچھے سے مجھے عورت نے آواز دی ہے۔ آپ ساری دنیا کی تہذیبوں کا مقابلہ کریں، صرف اسلام ہے جس نے عورت کو اس کے بلند مقام پر پہنچایا کہ اللہ کے نبی ﷺ عورت کے لیے کھڑے ہو جائیں، اس سے بڑا رتبہ کوئی ہو سکتا ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آتی تھیں آپ ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔



صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: جنگ حنین کے موقع پر ہم بیٹھے تھے۔ایک عورت حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئی تو حضور اکرم ﷺ نے اپنی چادر بچھائی اور اس کو بٹھایا۔اور فرمایا کہ بتائیں! کیا کہتی ہیں؟ صحابہ کہتے ہیں: ہم حیران ہو گئے کہ وہ عورت جو کہتی گئی حضور اکرم ﷺ تعمیل کرنے لگے۔ہم حیران ہو گئے کہ یہ کون خوش نصیب عورت ہے جو مانگتی ہے اللہ کے نبی ﷺ دیتے جاتے ہیں!! جب وہ فارغ ہو گئی تو ہم نے پوچھا۔آپ نے فرمایا: اس نے مجھے دودھ پلایا تھا۔اللہ تعالیٰ نے عورت کو کتنی عظمت دی ہے کہ دودھ پلانے والی کا مقام اتنا اونچا کر دیا کہ اللہ کے نبی ﷺ اس کے لیے اپنی چادر بچھا رہے ہیں۔

بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت بھی ہے کہ آخری آیت جو نازل ہوئی تھی وہ یہ آیت ہے: ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ......﴾۔

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت کا معنی یہ کہ عقل والے مومنوں نے اپنے پروردگار سے دعائیں مانگیں تو اس کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی منظوری عطا فرما دی۔

مرد ہوں یا عورت سب کو ثواب ملے گا:

﴿بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ﴾

عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت ہو، اللہ تعالیٰ اس کو ثواب عطا فرماتے ہیں۔تم مرد ہو یا عورت ہو سب ثواب میں برابر ہیں۔یہ نہیں آپ نے نماز پڑھی ہے آپ کو زیادہ ثواب ملے گا اور عورت کو کم ملے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ سب کو برابر ثواب عطا فرماتے ہیں۔سب اللہ کی مخلوق ہیں، باقی اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ کچھ چیزیں اللہ نے مردوں کے ذمہ لگائی ہیں، عورتوں کے ذمہ نہیں اور کچھ چیزیں اللہ نے عورتوں کے ذمہ لگائی ہیں جو مردوں کے ذمہ نہیں ہیں۔

اسی طرح اللہ نے نظامِ عالم کو چلانے کے لیے اسباب رکھے ہیں کہ کسی کو غنی بنا دیا، کسی کو فقیر بنا دیا، کسی کو قوی بنا دیا اور کسی کو کمزور بنا دیا؛ کیونکہ دولت والا بھی غریب کا محتاج ہے اور غریب دولت والے کا محتاج ہے، قوی ضعیف کا محتاج ہے اور ضعیف قوی کا محتاج ہے، مرد عورت کا محتاج ہے اور عورت مرد کی محتاج ہے۔اگر اللہ تعالیٰ سب کو برابر کر دیں تو کون کسی کو پوچھے گا؟ آپ کے گھر میں اگر ہر نعمت آ جائے، لیکن بیوی نہیں تو کچھ بھی نہیں، آپ ایک دن بھی اپنے کام کا انتظام نہیں کر سکتے۔اور جو بے چارے بغیر خواتین کے رہتے ہیں، دیکھیں! ان غریبوں کا کیا حال ہوتا

ہے؟ ایک خانگی یعنی داخلی نظام ہے اور ایک خارجی نظام ہے۔ اللہ نے سب کے وظیفے تقسیم کر دیئے ہیں۔ باقی اللہ تعالیٰ کی رحمت میں سب اس کے بندے ہیں۔ جو بھی اعمال صالحہ کریں گے ان کو ثواب ملے گا، چاہے مرد ہوں یا عورتیں ہوں۔ ﴿فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا﴾ وہ لوگ جنہوں نے دارِشرک سے ہجرت کی، جنہوں نے مکہ مکرمہ چھوڑا، اپنے گھر چھوڑے، دوست، رشتے دار اور بھائی چھوڑے، صرف اللہ کے لیے تمام نعمتوں کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔

ہجرت کب فرض ہے؟

حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں ہجرت فرض تھی، لیکن جب بعد میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دیا تو پھر ہجرت فرض نہیں رہی، لیکن اب بھی یاد رکھیں کہ علماء اور فقہاء کے نزدیک اب بھی مسئلہ یہ ہے کہ اگر آپ کسی کافر ملک میں رہتے ہیں، وہاں پر آپ کو آپ کے عقیدے کے مطابق زندگی گزارنا مشکل ہے، آپ اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور اکرم ﷺ کی رسالت پر قائم نہیں رہ سکتے، آپ اللہ کے فرائض ادا نہیں کر سکتے، نماز نہیں پڑھ سکتے، روزہ نہیں رکھ سکتے، شعائرِ دین پر قائم نہیں رہ سکتے تو اب بھی ہجرت فرض ہے۔ وہ اس جگہ کو چھوڑ دے اور اس جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرلے۔ اگر آپ کسی ایسے کافر ملک میں ہیں کہ آپ کو دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں، مثلاً: یورپ میں رہتے ہیں، وہاں مساجد ہیں، مدارس ہیں، اللہ کا فضل ہے! درس ہے، تبلیغ ہے، اجتماعات ہیں، جلسے ہیں، خطابات ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہاں کے مسلمان ہم سے بھی زیادہ پکے ہیں کہ وہ دیارِ کفر میں رہنے کے باوجود بھی اسلام پر پکے ہیں۔ جو بھٹک گیا تو وہ بھٹک گیا، لیکن جن لوگوں نے دین بچایا ہوا ہے ماشاء اللہ ان کی مسجدیں آباد ہیں، مدارس آباد ہیں، بچے صبح کو سرکاری سکولوں میں پڑھتے ہیں، وہاں سے چھٹی کرنے کے بعد پرائیویٹ مدرسوں میں دین پڑھتے ہیں۔ ایک ایک مدرسہ میں سات سو، ہزار، دو ہزار طالب علم ہوتے ہیں۔ وہ اپنے دین پر پکے ہیں۔ ان کے اخبارات، جرائد ہیں۔ اب جہاں دس مسجدیں نہیں ہوتی تھیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وہاں ہزاروں مساجد ہیں۔ تو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ولازم نہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ انسان کوشش کرے کہ اپنے آپ کو مسلمان ملکوں میں رکھے! کیونکہ کافر ملکوں میں مشکلات بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح ہجرت کا معنی ہے: چھوڑنا۔ اصل ہجرت یہ ہے کہ گناہوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جائے۔ یہ ہر حال، ہر دور میں اور ہر زمانے میں باقی ہے۔ ﴿وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا﴾ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں انہوں نے جہاد بھی کیا

اور اس قتال میں خود بھی شہید ہو گئے۔ یہ سب سے آخری حد تک ہے کہ انسان اپنی جان کی بازی لگا دے تو اس کی قربانی کی انتہاء ہو گئی۔

مفسر ﷫ فرماتے ہیں کہ آدمی اپنے گھوڑے پر سوار ہے، گھوڑے کو بھی زخمی کر دیا ہے، خود بھی زخمی ہو رہا ہے، اللہ کے راستے میں مٹی میں لوٹ پوٹ رہا ہے، اس کا خون مٹی میں گر رہا ہے، یہ سب سے بڑی قربانی ہے جو آدمی اللہ کے راستے میں قربانی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں مرتبہ شہادت حاصل کرتا ہے۔

(حدیث) صحیحین کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ مجھے بتائیں کہ میں اگر اللہ کے راستے میں جہاد کروں، جم کر لڑنے والا، اللہ سے اجر لینے والا، آگے بڑھنے والا۔ پیٹھ دکھانے والا نہ ہوں اور میں شہید بھی ہو جاؤں، کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف کر دیں گے؟ اللہ تعالیٰ میری غلطیاں معاف کر دیں گے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بالکل اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے۔ اس نے کہا: حضور ایک دفعہ پھر کہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تیری غلطیاں معاف کر دیں گے۔ پھر آپ نے پوچھا: آپ نے کیا کہا تھا؟ ان صحابی نے بات دہرائی تو آپ نے فرمایا: اللہ تیرے سارے گناہ معاف کر دیں گے سوائے قرض کے۔ ابھی ابھی جبرائیل مجھے کہہ کر جا رہا ہے۔

﴿لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ﴾ کہ میرے مدنی! ان لوگوں کو خبر دے دیں کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت کی، اللہ تعالیٰ کے راستے میں گھروں سے نکالے گئے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایذاء دیے گئے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو شہید ہو گئے میرا وعدہ ہے کہ میں ان کے سب گناہوں کو مٹا دوں گا اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا کہ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اور یہ داخلہ عارضی نہیں ہوگا، بلکہ اس میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ اور اس سے بڑی بات کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوگوں کو یہ بھی بتاؤ کہ جو میرے راستے میں شہید ہو جائے اس کو مردہ بھی نہ کہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایسی جنات، ایسے باغات دوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ نہریں مختلف قسم کی نہریں ہوں گی: دودھ کی نہریں، شہد کی نہریں، شراب کی نہریں بہہ رہی ہوں گی اور ایسے پانی کی نہریں جس میں کبھی کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں آئے گی۔

یاد رکھیں! وہاں کا لبن بھی نرالا، وہاں کا عسل بھی نرالا اور وہاں کا خمر بھی نرالا ہوگا۔ دنیا کے شراب کا تو سب سے

بڑا فائدہ یہ ہے کہ پیٹ کے لیے درد، دماغ کو ضائع کرنے والی ہے، لیکن جنت کے اندر جو شراب ہوگی اس میں کسی قسم کا نہ ایسا کوئی درد ہے، نہ ذہاب عقل ہے، وہ تو شراب طہورا ہوگا۔ اور اس کے علاوہ ایسی ایسی نعمتیں عطا فرمائیں گے کہ جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی حوریں عطا فرمائیں گے کہ جس نے اپنے بدن پر ستر حجاب پہنا ہوگا، لیکن پھر بھی پنڈلی کے اندر جو ہڈی ہے اس کا گودا بھی نظر آئے گا، لیکن نظر خاوند کو آئے گا، کسی دوسرے کو نظر نہیں آئے گا۔ وہاں پر ہر کوئی اپنی اپنی حوروں کو دیکھے گا۔ یہ تو دنیا کے اندر ہماری حوریں ہیں کہ لوگ دیکھتے ہیں، یہ میک اپ سنگھار کرتی ہیں، تاکہ لوگ دیکھیں۔ جب خاوند آئے تو ان کو ایک سو چار کا بخار ہوتا ہے۔ ایسے معلوم ہوگا جیسے ابھی اس کے چہرے پر لعنت برس رہی ہے۔ یہ تو عورتیں نہیں، بلکہ زندہ چلتی پھرتی غلاظت کی بوریاں ہیں، جو ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمارے گلے میں پڑ گئی ہیں۔ ان کو عورت کہنا بھی شریعت کے اندر ناجائز ہے؛ کیونکہ عربی کے اندر عورت کا معنی ہے وہ چیز جو چھپائی جائے۔ یعنی ننگ کو عورت کہتے ہیں۔

﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝﴾ [آل عمران: ۱۹۶ تا ۱۹۸]

''جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے ان کا شہروں میں (خوشحالی کے ساتھ) چلنا پھرنا تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے۔ یہ تو تھوڑا سا مزہ ہے (جو یہ اڑا رہے ہیں) پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بدترین بچھونا ہے، لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہوئے عمل کرتے ہیں، ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اللہ کی طرف سے میزبانی کے طور پر وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے کہیں بہتر ہے۔''

بڑے بڑے کافروں پر خدا کی اتنی فراوانی کیوں؟

مومنین اور اولوا الالباب کی صفتیں ذکر کرنے کے بعد اب ان آیات کے اندر ایک اشکال کا جواب ہے کہ میرے مولا! ہمارا ایمان ہے کہ تیرے ماننے والے، عقل والے، ذکر والے اور فکر والے ان کے بڑے مرتبے ہیں، لیکن

مولا! ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ ابوجہل میرے محمد مدنی ﷺ کا دشمن ہے، لیکن مکہ کا سردار تھا۔ ابولہب میرے مدنی پاک ﷺ کا دشمن ہے، لیکن مکہ کا بڑا سردار ہے، قارون نبیوں کا دشمن ہے، اتنے خزانوں کا ملک ہے کہ تین سو ساٹھ خچر صرف اس کے خزانے کی چابیاں لے کر چلتے ہیں۔ فرعون نبی علیہ السلام کا دشمن ہے، بلکہ میرے مولا! تیری خدائی کا بھی منکر ہے، بلکہ خود خدائی کا دعوے دار ہے کہ میں خدا ہوں۔ یہ عجیب بات ہے! ہم تو تیرے ماننے والے ہیں، یہ کافر ہیں، تجھے نہیں مانتے۔ آج دیکھو! تیرے ماننے والے ہر جگہ پریشان ہیں اور کافر ہر جگہ مزے کر رہے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

(جواب) اللہ تعالیٰ نے دو عالم بنائے ہیں:...... ویسے تو بہت سارے عالم ہیں، اس میں نہ جائیں...... ایک عالم دنیا ہے اور ایک عالم آخرت ہے۔ عالم دنیا یہ دار الابتلاء ہے، دار الامتحان ہے، دار العمل ہے، یہ امتحان کی جگہ ہے، اس کا بدلہ اور اس کا پھل آخرت میں ملے گا۔ اب اگر دنیا میں جزاء ملے یا نہ ملے اصل جزاء کا مقام آخرت ہے۔ اس لیے مومن کو کبھی یہ بات سمجھنی مشکل نہیں ہوتی اس کو تو پتہ ہے کہ یہ دنیا عارضی چیز ہے۔

اور دوسری بات یاد رکھیں کہ دنیا کی جتنی لذتیں ہیں: دولت ہے، پیسہ ہے، ان کی قدر و منزلت اللہ کی نظر میں کچھ نہیں ہے: ((لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ)) [ترمذی، رقم: ۲۳۲۰] اگر اس دنیا کی اہمیت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ ملتا۔ کیونکہ یہ دنیا اگر اچھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو نہ دیتا۔ فرمایا: ((الدُّنْيَا جِيفَةٌ وَطُلَّابُهَا كِلَابٌ)) [ترتیب الامالی] دنیا کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی جانور مر جائے اور اس کو کتے کھا رہے ہوں۔ ہمیں اس لیے حیرت ہوتی ہے کہ فلاں کافر کے پاس اتنی بلڈنگیں ہیں، فلاں کافر کے پاس اتنی کاریں ہیں، فلاں کافر کے پاس ہوائی جہازوں کے بیڑے ہیں؛ کیونکہ ہم نے دنیا کو کچھ سمجھ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو دنیا کچھ نہیں ہے، یہ ذلیل چیز ہے۔ خدا اپنے محبوبوں کو دنیا کبھی کبھی نمونے کے طور پر دیتا ہے، تاکہ کوئی جاہل اعتراض نہ کر سکے کہ خدا نہیں دے سکتا۔ اس لیے دیکھیں کہ کتنے نبی ہیں جن کو اللہ نے بادشاہ بنایا ہے، ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی گزرے ہیں، لیکن تخت و تاج حضرت موسیٰ، حضرت یوشع، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یوسف علیہم السلام اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کو دیا۔ یعنی چند انبیاء ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اقتدار بھی دیا، ظاہری طور پر دنیا کے سامنے رفعت دی؛ اس لیے کہ لوگ سمجھ لیں کہ میں چاہوں تو دے سکتا ہوں، لیکن یہ چیزیں مجھے پسند نہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں صحابہ نے آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! ہماری ایک درخواست ہے، اس کو منظور فرمالیں۔ آپ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہم تو غلام ہیں، کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن باہر سے بڑے سفیر آتے ہیں، بادشاہوں کے نمائندے اور یہود و نصاریٰ کے بڑے بڑے علماء آتے ہیں اور آپ کے پرانے کپڑے ہوتے ہیں، آپ کی یہ پھٹی ہوئی چادر ہوتی ہے، ہمیں دل میں بڑی بات گزرتی ہے کہ یہ کیا سمجھیں گے کہ اللہ کے نبی کے پاس کوئی لباس نہیں ہے، اس لیے آپ مہربانی فرما کر اجازت دے دیں، آپ کے لیے دو چار جوڑے اعلیٰ قسم کے شاہی لباس کے بنائے جائیں۔ آپ ہمیشہ نہ پہنیں، لیکن جب کوئی باہر سے آ رہا ہو تو زیب تن کر لیا کریں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: صحابہ! کیا کہہ رہے ہو؟ جس دن سے اللہ نے مجھے پیدا کیا ہے اسرافیل نے صور اپنے منہ میں رکھ لیا ہے اور آسمان کی طرف نظریں لگائی ہوئی ہیں کہ کب حکم ملے؟ اور پھونک مار دوں اور قیامت آ جائے۔ تو جب قیامت اتنی قریب ہے تو ہمیں لباس پہننے کی فرصت ہی کہاں ہے؟ ہم اپنے اللہ کو راضی کرنے کے لیے وقت کیوں نہ لگا لیں؟

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل بعد رسول اللہ ہیں، ساری مخلوق میں افضل ہیں، میرے مدنی ﷺ کا خلیفہ بلا فصل ہے، امیر المومنین ہے، جس کا لقب آسمانوں میں صدیق ہے، وزیر محمد ﷺ ہیں۔ آپ کو جب موت آئی تو آپ نے اپنے گھر والوں سے وصیت فرمائی کہ میری جو پرانی چادریں ہیں مجھے انہیں میں دفن کر دینا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اَب تو غریبی کا زمانہ نہیں ہے، اب تو اللہ کی نعمتیں ہیں۔ آپ نے فرمایا: نئی چادروں کی ضرورت زندوں کو ہوتی ہے، کسی زندہ انسان کو دے دینا، حضور ﷺ کی امت کے غریبوں کے کام آ جائے گی۔ موت کے بعد نئی چادریں ہوں یا پرانی چادریں ہوں، کیا فرق پڑتا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ راضی ہیں تو وہ قبر جنت کا باغ ہے اور اگر اللہ ناراض ہیں تو وہی قبر جہنم کا گڑھا ہے۔ وہاں کسی نے یہ تو نہیں دیکھنا کہ اوپر دس چادریں ڈالی گئی تھیں یا دو چادریں ڈالی گئی تھیں، کیا آپ کے اوپر ریشم اور پشمینے ڈالے گئے تھے؟ یا آپ کے اوپر کلمے کی لکھی ہوئی چادر ڈالی گئی تھی؟ وہاں تو یہ چیزیں فائدہ نہیں پہنچاتیں، بلکہ وہاں تو عمل فائدہ پہنچاتے ہیں کہ خاتمہ ایمان پر اور عمل صالح ہے تو قبر کو اللہ جنت کا باغ بنا دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو دولت، دنیا اور دنیا کی لذات مبغوض ہیں، محبوب نہیں ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ

کو خود اختیار دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو بھیجا کہ میری طرف سے میرے حبیب کو سلام کہیں اور ان سے کہہ دیں کہ اگر آپ چاہتے ہیں تو ہم سونے کے پہاڑ بنا کر آپ کے ساتھ چلا دیں گے کہ جہاں جائیں سونا ہی لٹاتے رہیں۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: میرے اللہ! مجھے فقر زیادہ پسند ہے۔ بس مل جائے تو تیرا شکرادا کروں اور اگر نہ ملے تو انتظار کروں اور تجھ سے طلب کروں؛ کیونکہ دنیا کھیل تماشہ ہے۔ اس دنیا کی نہ کوئی حیثیت ہے اور نہ یہ دنیا اللہ کو اور نہ اللہ والوں کو محبوب ہے۔

(واقعہ) ایک بہت بڑے اللہ والے تھے۔ ایک آدمی نے ان کا نام سنا تو ان کی زیارت کے لیے گیا۔ وہاں جب گیا تو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ باہر گلی میں جو پہرے کے لیے کتے رکھے ہوئے ہیں (کیونکہ پہرے کے لیے کتے رکھنا جائز ہے۔) ان کے گلے میں سونے کی زنجیر اور سونے کے کڑے ہیں۔ اس نے کہا: عجیب بات ہے! میں نے تو سنا تھا کہ یہ ولی اللہ ہیں، اللہ کے بڑے محبوبین میں ہیں، لیکن کتے جیسے نجس چیز کو بھی انہوں نے سونا ڈالا ہوا ہے۔ بہر حال ان کی خدمت میں گئے، ان سے ملاقات ہوئی اور آخر میں صبر نہ ہوسکا...... کیونکہ علماء کرام کا کام ہوتا ہے کہ اسبابِ ظاہر کے مطابق شریعت کا حکم لگاتے ہیں؛ کیونکہ باطن کا معاملہ تو اللہ کو پتہ ہوتا ہے...... انہوں نے کہا: حضرت! مجھے یہ بات سمجھ نہیں آئی، آپ نے ایسا کیوں کیا کہ کتے کو سونا ڈالا ہوا ہے؟ بزرگوں نے فرمایا: سونا انہی کے لائق تو ہے جن کے گلے میں ڈالا ہوا ہے، تاکہ عبرت پکڑنے والے عبرت پکڑیں کہ سونا کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کے لیے بندے مرجائیں، اس کے لیے آپ سرپھٹول کریں، یہ فضول چیز ہے۔ یہ اتنی فضول چیز ہے کہ اس کو کتے کے گلے میں ڈال دو تو زیادہ بہتر ہے۔ یہ تو کہیں رکتا ہی نہیں ہے۔

لیکن چونکہ یہ چیزیں ہمیں بڑی نظر آتی ہیں اس لیے ہم کہتے ہیں کہ یہ کافروں کو کیوں مل گئیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت اپنے بندے کے لیے بنائی تھی کہ اے بندے! زمینوں میں جو کچھ ہے سب تیرے لیے ہے، لیکن تو میرے لیے ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [الذاریات:۵۶] یہ سب نعمتیں تیرے لیے ہیں اور تو فقط میرے لیے ہے۔

جوابِ اشکال گزشتہ:

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کے اندر فرماتے ہیں کہ اے میرے نبی! آپ کافروں کی دولت کی طرف

توجہ نہ کریں۔ اس کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔ یہ ساری دولت ان سے ضائع ہونے والی ہے۔ یہ چند روزہ دنیا کی مہلت ہے اور پھر یہ اعمال سیئہ کی وجہ سے ہمیشہ عذاب میں آجائیں گے۔ اور یہ چیزیں ہم نے ان کو استدراجاً دی ہیں۔

جیسے اللہ نے جنات کو طاقت دے دی ہے کہ چاہیں تو شکل بدلیں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح دجال کو بھی طاقت دیں گے کہ دجال مشرق سے لے کر مغرب تک، شمال سے لے کے جنوب تک پوری دنیا کا سفر کرے گا، ساری دنیا میں پہنچے گا۔ زمین کو حکم دے گا کہ اپنے خزانے باہر نکالو، زمین اپنے خزانے نکال کر باہر پھینک دے گی۔ اور دریاؤں کو حکم دے گا کہ چلو، تو خشک دریا چل پڑیں گے۔ لوگ سمجھیں گے کہ...... نعوذ باللہ...... یہ تو خدا ہے، لیکن مومن سمجھے گا کہ یہ استدراج ہے، یہ دجال ہے، حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو مومن ہے وہ اپنے نور ایمان سے اس کے ماتھے پر لکھا ہوا پڑھے گا کہ کافر۔

اسی طرح آج بھی دنیا میں کوئی جادوگر ہے، کوئی نجومی ہے اور کوئی اعمالِ سفلی کا ماہر ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ولی ہے، حالانکہ یہ استدراجی قوتیں ہیں، ولایت کی نشانی اتباعِ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔

اگر اللہ کے ولی کو پہچاننا ہے تو دیکھو کہ اگر ہر قدم میں حضور اکرم ﷺ کی سنت پر چلنے والا ہے، اگر اس کے ہر قدم سے سنت مترشح ہوتی ہے، اگر چہ کوئی کرامت بھی نظر نہ آئے وہ اللہ کا ولی ہے۔ لیکن اگر اس کی شکل، اس کا عمل اور فعل اس کی داخلی زندگی اور خارجی زندگی سنت کے خلاف ہے تو سمجھ لو کہ یہ شیطان تو ہو سکتا ہے، دجال تو ہو سکتا ہے، اس کے پاس کوئی استدراجی قوت تو ہو سکتی ہے، لیکن یہ اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔

اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی انگاروں پر چلتا آئے، اگر دریا کا پانی بہہ رہا ہے کوئی اس کے اوپر تمہارے سامنے چل رہا ہے، فضا میں اڑ رہا ہے، لیکن شکل سنت کے مطابق نہیں تو سمجھو کہ یہ شیطان ہے، ولی نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ اللہ کا ولی وہ ہوتا ہے جو عین غلام ہو محمد مصطفیٰ ﷺ کا۔ ولایت اتباعِ محمد مصطفیٰ ﷺ سے ملتی ہے، مرتبہ ولایت مدنی پاک ﷺ کی غلامی سے ملے گا۔

اگر کسی اللہ کے ولی کو پہچاننا ہو یا یہ دیکھنا ہو کہ یہ جماعت صحیح ہے یا غلط ہے تو اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کی صحبت میں جانے کے بعد کیا تیرا حال بدلتا ہے؟ اگر وہ بے نمازی تھا اور اللہ کے اس ولی کی صحبت میں نمازی بن گیا، شکل سنت کے مطابق نہیں تھی اب سنت کے مطابق ہوگئی، گھر کے اندر سود تھا، زنا تھا اور شرابی تھا سب کچھ چھوٹ گیا، دل

دنیا سے ہٹ کر اللہ کی طرف لگ گیا تو سمجھ لو کہ یہ اللہ کا ولی ہے۔ اس طرح جس جماعت میں جانے کے بعد زندگی میں انقلاب آجائے تو سمجھ لو کہ یہ جماعت حق والی ہے، دین والی ہے۔ اور اگر اس جماعت میں جانے کے بعد تو اور بگڑ جائے تو سمجھ لو کہ یہ شیطانی جماعت ہے، رحمانی جماعت نہیں ہو سکتی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ آدمی تدبر کرلے غور کرلے تو سمجھ آجائے گی۔

اولاد کے حقوق:

(حدیث) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّمَا سُمُّوا الْأَبْرَارَ؛ لِأَنَّهُمْ بَرُّوا الْآبَاءَ وَالْأَبْنَاءَ، كَمَا أَنَّ لِوَالِدَيْكَ عَلَيْكَ حَقًّا كَذٰلِكَ لِوَلَدِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ)) [تفسیر ابن کثیر] ابرار کو ابرار اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے والدین سے بھی بھلائی کی اور اپنی اولادوں سے بھی بھلائی کی۔ جیسے بندے پر اس کے والدین کا حق ہے اولاد کا بھی حق ہے۔ والدین کی فرمانبرداری، والدین کی اطاعت، والدین کی خدمت، اولاد کی ہدایت، اولاد کی تعلیم، اولاد کو گناہ سے بچانا اور بری صحبت سے بچانا یہ بھی بندے پر فرض ہے کہ اپنی اولاد کا بھی حق ادا کرے۔

حضرت حسن فرماتے ہیں: ابرار اس کو کہتے ہیں جو ذرا کسی چیونٹی کو بھی تکلیف نہیں پہنچاتے۔ مسلمان کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے۔ اسلام سلامتی کا مذہب ہے، اسلام امن کا مذہب ہے۔ مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ کسی چیونٹی، کیڑے مکوڑے کو بھی نقصان نہ پہنچائے۔ ((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ)) [بخاری، رقم: ۱۰] مسلمان تو وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ بندہ نیک ہے یا برا ہے، موت اس کے لیے بہتر ہے؛ کیونکہ موت آگئی تو برائیاں ختم ہو گئیں اور اگر اچھا ہے تو اللہ کے مہمانوں میں پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں اس کے لیے جنت کی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔

﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾﴾ [آل عمران: ۱۹۹، ۲۰۰]

"اور بیشک اہل کتاب میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اللہ کے آگے عجز و نیاز کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اس کتاب پر بھی جو تم پر نازل کی گئی ہے اور اس پر بھی جو ان پر نازل کی گئی تھی۔ اور اللہ کی آیتوں کو تھوڑی سی قیمت لے کر بیچ نہیں ڈالتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے پاس اپنے اجر کے مستحق ہیں۔ بیشک اللہ حساب جلد چکانے والا ہے۔ اے ایمان والو! صبر اختیار کرو، مقابلے کے وقت ثابت قدمی دکھاؤ اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے جمے رہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔"

اہل کتاب میں کچھ بہترین لوگ:

آپ جانتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی مکی زندگی میں تقابل مشرکین سے تھا اور مدنی زندگی میں تقابل اہل کتاب سے ہے۔ نصاریٰ نجران میں تھے، یہود دراصل شام میں تھے، اس کے بعد وہ مدینہ میں آئے، اس کے بعد خیبر میں ان کا مرکز تھا۔ اہل کتاب سے حضور اکرم ﷺ کا تقابل ہوا اس کی مکمل تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اہل کتاب میں سے بھی ایسے لوگ ہیں جن کا صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اور جو تمہاری طرف اتارا گیا (قرآن اور اس کے احکام) اس پر بھی ان کا پورا ایمان ہے اور جو ان کے پیغمبر کی طرف کتاب اتاری گئی اس پر بھی ان کا ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں، وہ اللہ کی آیات کو بیچ کر تھوڑا نفع حاصل نہیں کرتے، یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات کا سودا نہیں کرتے۔ ان کا ثواب بھی ان کے رب کے پاس ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو بہت جلد حساب فرمانے والے ہیں۔

اس میں سمجھایا گیا کہ اللہ کے لیے تو ساری مخلوق مخلوق ہے، تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے، ساری کائنات اس کی مخلوق بھی ہے، مملوک بھی ہے اور عبد بھی ہے۔ اب جو آدمی غلامی میں رہا اس نے فرمانبرداری قبول کر لی، اللہ کی اطاعت، اللہ کے رسولوں کی اطاعت، اللہ کی کتابوں کی اطاعت، ملائکہ سب پر ایمان لے آیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے عالم آخرت میں بہت بڑی جزا رکھی ہے، چاہے وہ ایمان لانے والا کوئی ہو۔ اور اگر وہ ایمان نہیں لایا اور اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا، اللہ کے نبیوں کا انکار کیا، یومِ آخرت کا انکار کیا، وہ چاہے کوئی ہو اس کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی ذلت ہے۔

اہل کتاب کے لیے دوہرا اجر کیوں ہے؟

تو ان آیات کے اندر ارشاد ہے کہ اگر کوئی اہل کتاب میں سے ایمان لے آئے تو اس کے لیے بڑا اجر ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارک میں آتا ہے کہ ایسے لوگوں کو دہرا اجر ملتا ہے۔ ایک تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، اللہ تعالیٰ کی تورات پر ان کا ایمان تھا وہ بھی اجر ان کو ملا اور پھر جب حضور پاک ﷺ کا زمانہ مبارک آیا تو آپ پر بھی ایمان لے آئے تو اس کا اجر بھی ملا تو ان کا دوہرا اجر ہو گیا۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جیسے کوئی آدمی جنگ میں جاتا ہے اور بحیثیت ایک مجاہد کے جنگ کے بعد اس کے حصہ میں کنیز آتی ہے تو وہ اس کو پڑھاتا، سکھاتا اور ادب دیتا ہے، پھر اس کو آزاد کر دیتا ہے اور اس سے نکاح کر لیتا ہے، اس کو بھی اللہ تعالیٰ دہرا اجر دیں گے۔

نجاشی شاہ حبشہ کی فضیلت:

اس سے اندازہ فرمائیں کہ نجاشی جو حبشہ کا بادشاہ تھا، بڑا خوش نصیب بادشاہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سرکارِ دو جہاں ﷺ پر ایمان لانے کی سعادت نصیب فرمائی تھی۔ وہ حضور اکرم ﷺ پر ایمان لے آیا اور حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کی بھی بڑی خدمت کی تھی، آقائے نامدار ﷺ کی خدمت میں اس نے ہدایا بھی بھیجے اور حضور اکرم ﷺ کا جو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہے وہ بھی نجاشی نے سرانجام دیا، بلکہ میرے مدنی ﷺ کا جو حق المہر ہے وہ بھی نجاشی بادشاہ نے ادا کیا تھا۔ جب نجاشی ایمان لے آیا اور اس کے بعد جب اس پر موت آئی تو یہ کتنی بڑی شان ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کو اعلان فرمایا کہ تم لوگوں کا بھائی نجاشی بادشاہ فوت ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے آؤ ہم اس کا جنازہ پڑھیں۔ حضور پاک ﷺ نے مدینہ میں کھڑے ہو کر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی [بخاری، رقم: ۳۲۰] وہ کتنا بڑا خوش نصیب ہے جس کو سرکارِ دو جہاں ﷺ کی دعائیں مل جائیں اور جس کے لیے اللہ کے نبی ﷺ فرمائیں: ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا، وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا، وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا، وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا)) اور پیچھے دعا میں شریک ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ ایک حدیث میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ نجاشی کو جب دفن کیا گیا تو کافی عرصہ تک اس کی قبر پر روشنی نظر آتی رہی تھی۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی فضیلت:

اسی طرح اہل کتاب میں سے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے وہ حضور

اکرم ﷺ پر ایمان لے آئے تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری ایک درخواست ہے، آپ میرے بارے میں ان یہودیوں سے پتہ کریں کہ میں کون ہوں؟ لیکن یہ یہودی قوم اتنی حاسد ہے، اتنی بغض سے بھری ہوئی ہے کہ جوان کا نہیں وہ...... نعوذ باللہ...... ساری دنیا سے گر گیا۔ حضور پاک ﷺ نے یہودیوں کے کچھ سمجھدار لوگوں کو بلوایا اور ان سے فرمایا: ((أَيُّ رَجُلٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ فِيكُمْ؟)) تمہارے اندر کوئی شخص عبداللہ بن سلام ہے؟ انہوں نے کہا: کمال کرتے ہیں وہ تو ہمارا بہت بڑا عالم ہے! اس کا باپ بھی عالم تھا، وہ تو ہمارا سردار ہے، عزت والا، کرامت والا ہے اور اس کا باپ دادا بھی عزت وکرامت والے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم مانتے ہو کہ وہ اتنا بڑا عالم ہے اگر وہ میرا کلمہ پڑھ لے تو کیا تم مسلمان ہو جاؤ گے؟ انہوں نے کہا: ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کا کلمہ پڑھ لے؟ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اندر سے حاضر ہو گئے اور انہوں نے کہا: ''أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ'' [ ] یہودیو! سن لو میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ وہ کہنے لگے: اچھا آپ اس کے بارے میں پوچھ رہے تھے، یہ تو برا آدمی ہے اور اس کا باپ بھی برا آدمی تھا۔ [بخاری، رقم: ۳۹۳۸]

آج کل کے نظریات کی خرابی کا اندازہ:

آج ہم احادیث کے اندر یہ باتیں پڑھتے ہیں یا سنتے ہیں بڑا تعجب ہوتا ہے۔ حالانکہ آج بھی دیکھ لو کہ جو آدمی آپ کی جماعت میں آجائے سبحان اللہ وہ ولی بھی ہے، وہ بزرگ بھی ہے، وہ پہنچا ہوا بھی ہے، وہ سب سے بڑا عابد بھی ہے۔ اور اگر آپ کی جماعت سے ذرا باہر نکل جائے تو کہتے ہیں: وہ کافر ہے، خبیث ہے، جھوٹا ہے اور فریبی ہے۔ کیا آج کل ہمارا کردار کوئی یہودیوں سے مختلف ہے؟

آج دنیا میں جتنی جماعتیں بن گئی ہیں، دنیا میں جتنے فرقے بن گئے ہیں جو آدمی آپ کی جماعت میں ہے تو سبحان اللہ، اگر چہ وہ جتنے گناہ کرے، لیکن کہیں گے: بڑا اللہ والا آدمی ہے۔ اور اگر وہ صرف آپ کی جماعت چھوڑ دے تو کہیں گے: اچھا ہوا نکل گیا، وہ تو بہت بڑا افراڈ تھا، وہ بڑا خبیث تھا۔

یاد رکھیں! دنیا میں ہدایت محنت سے ملتی ہے، مقابلہ سے ہدایت نہیں ملتی ہے، کبھی مناظرہ سے نہیں ملتی، کبھی ضد سے نہیں ملتی۔ اللہ کے دین میں آپ محنت کریں اور اگر ایک بندے میں ایک ہزار برائی ہے، لیکن ایک نیکی ہے تو آپ اس کی ایک نیکی سے تعلق رکھیں، تاکہ وہ برائیوں سے خود بخود ہٹ جائے۔ اور اگر آپ نے تقابل،

مناظرے، مجادلے، مقابلے کیے تو ہدایت نہیں ملے گی۔ مناظروں سے کتنا فائدہ ہوا، کتنے آدمیوں نے مناظرے میں شکست قبول کر لی؟ دونوں پہلے ہی اشتہار چھپوا کر رکھتے ہیں کہ ہم جیت گئے، ہر ایک کے حامی اس کو کندھوں پر اٹھا کر لے جا رہے ہوتے ہیں۔ مناظرے کی بات تو تب ہوتی تھی کہ جب دلائل وغیرہ کی انتہاء ہو جائے کہ اگر اگلا آدمی کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں، پھر اس مناظرہ کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ دونوں اپنے دلائل کا ذکر کریں، جو حق پر ہے حق کی تلاش کی جائے کہ ہم حق پر پہنچ جائیں، لیکن آج کل مناظرہ کا مقصد دوسرے کو شکست دینا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے آج ہماری مسجدیں، مدارس تقسیم ہیں۔

یہودیوں کے بغض کا واقعہ:

یہودیوں کی عادت تھی کہ پیسے لے کر فتوے بدل دیتے تھے۔ اگر بڑے آدمی سے گناہ ہو جاتا تو وہ شام کو ہدیہ پہنچا دیتا تو فتویٰ بدل جاتا تھا اور اگر کوئی غریب آدمی فتویٰ مانگتا تو اس کو دوسرا فتویٰ دیتے تھے۔

یہ اتنے بڑے ظالم تھے کہ تاریخ کے اندر ایک واقعہ یہ بھی آیا ہے کہ ایک یہودی تورات پڑھ رہا تھا۔ تورات میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی صفت آ گئی۔ غصہ میں آ کر اس نے اس جگہ کو کاٹ لیا کہ حضور اکرم ﷺ کی صفت مجھے نہ پڑھنی پڑے، صبح کو اٹھا پھر تورات پڑھنے لگا تو وہ صفحہ پھر اسی طرح ٹھیک تھا، وہ پھر غصہ میں آیا اور پھر کاٹ دیا۔ تیسرے دن جب تورات کھولی تو دیکھا کہ پھر وہی لکھا ہوا ہے تو اس نے خواب دیکھا کہ اس کو کہا گیا کہ اے ظالم! تو اگر نبی ﷺ کی صفت کو چھپائے گا تو کیا اللہ تعالیٰ ان کی صفت کو مٹنے دیں گے؟ ساری دنیا اگر مخالف ہو جائے تو محمد مدنی ﷺ کی شان میں کوئی فرق نہیں آئے گا، کیا آپ کی شان کم ہو جائے گی؟ جس کی ثنا عرش سے مولیٰ بیان کرنے والے ہوں اس کی ثناء میں کون کمی کر سکتا ہے؟ اس کی صفت میں کون کمی کر سکتا ہے۔

کامیابی کے چار اصول:

تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے اندر فرمایا کہ بعض اہل کتاب ایسے نہیں ہیں کہ چھوٹے سے معاوضہ کے عوض میں اللہ تعالیٰ کی آیات کو بیچ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا﴾ اے ایمان والو! چار چیزیں پکڑ لو: پہلی چیز صبر، دوسری چیز مصابرہ، تیسری چیز مرابطہ اور چوتھی چیز تقویٰ ہے۔ ان چار چیزوں کو تم پکڑ لو تو تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

صبر کا معنی اور فضیلت:

صبر کا معنی ہے اللہ کی بندگی واطاعت پر جمے رہو، صبر کا معنی ہوتا ہے رکنا اپنے نفس کو روک کر رکھو، سردی ہے، گرمی ہے، سکھ ہے تکلیف ہے، راحت ہے، خوشی ہے، غم ہے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر جمے رہو۔ نافرمانیوں سے بچے رہو اور اپنے آپ کو گناہوں سے روکو، زنا سے، شراب سے، بے حیائی سے، سود سے، حرام کھانے سے، ہر برے کام سے اپنے آپ کو روکو۔ اور فرمایا: اگر میں کوئی دکھ بھیجوں تب بھی صبر کرو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے وہ ہیں جن پر مصیبت آتی ہے تو وہ ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ پڑھتے ہیں۔ اور فرمایا: ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ [الاحقاف:۳۵] میرے محمد مدنی! آپ سے پہلے جیسے بڑے بڑے شان والے رسول گزرے ہیں، انہوں نے بھی اپنی تکذیب پر صبر کیا، آپ بھی صبر کریں، جلدی نہ کریں، ہم آپ کے دشمنوں کو خود پکڑیں گے، لیکن آپ نہ گھبرائیں۔

صبر کرنا تو آسان کام نہیں ہے، بلکہ بڑا مشکل ہے۔ اس لیے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩﴾ [الزمر:۱۰] صبر کرنے والوں کو قیامت کے دن اتنا دوں گا کہ جس کا کوئی حساب نہیں، کوئی کنارہ نہیں۔

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میرے ملائکہ! صبر کرنے والے جو میرے بندے ہیں ان پر اتنا ثواب ڈالتے جاؤ گننے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن صبر کرنا بڑا مشکل ہے کہ آدمی تمہیں گالی دے اور تم صبر کرو۔ تم لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہو، لیکن لوگ پتھر مارتے ہیں۔ تم قرآن سناتے ہو، لوگ خون میں ڈبو دیتے ہیں۔ صبر کا کہنا بڑا آسان ہے، لیکن صبر بڑا مشکل ہے۔

مصابرہ کا معنی:

دوسری چیز مصابرہ ہے کہ اگر دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو صبر کرو، پھر تمہارا صبر اس پر غالب آجائے؛ کیونکہ مومن کی صفت یہ ہے کہ آپس میں تو ایسے ہو جیسے شکر ہے، لیکن دشمن کے مقابلے پر ایسے ہو جیسے پہاڑ کی چٹان ہے۔ دشمن ٹکڑے ٹکڑے، پاش پاش ہو جائے، لیکن مومن اپنی جگہ پر کھڑا ہے، اپنی جگہ سے ہلتا نہیں ہے۔



مرابطہ کا معنیٰ:

دوسری چیز مرابطہ ہے کہ دشمن کے وار سے بچنے کے لیے سرحد پر تیار ہو کر پہرہ دینا۔ اس لیے حدیث میں مرابط فی سبیل اللہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک بندہ سرحد پر کھڑا پہرہ دے رہا ہے کہ کوئی کافر کوئی دشمن مسلمانوں کے علاقے پر حملہ نہ کردے، اس کو رباط کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے آپ کو اور سواری کو روک کر کھڑا ہے، اللہ کے راستے پر پہرہ دے رہا ہے۔

مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں: رباط کا ایک ترجمہ یہ بھی ہے کہ ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کی انتظار میں بیٹھا ہے۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ رباط فی سبیل اللہ کا اجر دیتے ہیں۔ اسی طرح محدثین نے لکھا ہے کہ چاہے اپنے گھر میں بیٹھا ہے، لیکن اس کا دل مسجد کے ساتھ اٹکا ہوا ہے۔

تقویٰ کی اہمیت:

اور چوتھی چیز تقویٰ ہے کہ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا کرو۔ جب دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر آگیا تو سمجھو کہ سب کچھ آگیا، پھر کسی پہرے کی ضرورت نہیں ہوتی، پھر کسی سپاہی کی ضرورت نہیں ہوتی، پھر رات کے اندھیرے ہیں محلات ہیں، جوانی ہے، حسن ہے، بلا رہا ہے، لیکن آدمی کہتا ہے: ''معاذ اللہ'' (اللہ کی پناہ)، میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے، میں گناہ کیسے کروں؟ جب اللہ تعالیٰ کا ڈر دل میں آجائے تو سمجھو کہ تم نے سب کچھ کما لیا ہے۔

نمازوں کی حفاظت کی فضیلت:

(حدیث) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا، وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ، وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ، وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ)) کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ جس عمل سے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مٹا دیں گے اور اس کے ذریعہ تمہارے درجات بلند کردیں گے کہ وضو کو ٹھیک ٹھیک کیا کرو باوجود مجبوری کے اور زیادہ سے زیادہ دور چل چل کر مسجدوں میں آنا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھنے والا بھی مرابط ہے۔ [مسلم، رقم: ۲۵۱]

علماء نے فرمایا: چاہے اپنے کام میں بیٹھا ہے، دکان میں ہے، دفتر میں ہے یا گھر میں ہے، لیکن دل مسجد کی طرف

اٹکا ہوا ہے کہ میری نماز نہ چلی جائے۔

آیت کا شانِ نزول:

(حدیث) حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک دن میرے پاس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور مجھے فرمایا: میرے بھتیجے! کیا تجھے پتہ ہے کہ یہ آیت ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا﴾ کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ میں نے عرض کیا: مجھے تو شانِ نزول کا پتہ نہیں ہے۔ تو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے بھتیجے! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی ایسی جنگ نہیں تھی کہ سرحدوں پر جا کر پہرہ دینا پڑے، اصل میں یہ آیت نازل ہوئی تھی ایمان والوں کے لیے۔ جب لوگ اللہ کی مسجدوں کو آباد کرتے ہیں، اللہ کے گھروں کو آباد کرتے ہیں، وقت پر نمازیں ادا کرتے ہیں ان کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی ہیں۔

﴿اصْبِرُوا﴾ کا معنی ہے اپنی نمازوں پر پابند کرو۔ ﴿صَابِرُوا﴾ کا معنی ہے کہ جب تمہیں خواہشات ولذات اپنی طرف بلائیں تو تم رک جاؤ اور ان کا مقابلہ کرو۔ ﴿رَابِطُوا﴾ کا معنی ہے کہ مساجد کے اندر تم اپنے آپ کو پابند رکھو، اللہ کے ذکر میں مشغول رکھو اور تقویٰ اختیار کرو۔ جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان پر عمل کرو اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے رک جاؤ۔ اگر یہ چار قسم کے اعمال پیدا ہو گئے تو تم مفلحین میں ہو جاؤ گے۔

مرابطہ کی فضیلت:

مسلم شریف کے اندر ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے مدنی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ، وَإِنْ مَاتَ جَرَى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُهُ، وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ، وَأَمِنَ الْفَتَّانَ)) ایک رات اور دن کا جاگنا ایک مہینے کے روزے اور رات جاگنے سے بہتر ہے۔ یعنی اگر کوئی آدمی ایک ماہ روزے رکھے، رات کو جاگے اس سے وہ مجاہد زیادہ افضل ہے جو رات کو پہرہ دے رہا ہے۔ اگر وہ مجاہد مر گیا اس کا عمل لکھا جائے گا قیامت تک اور اس کے بعد اس کا رزق بھی دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو فتنے سے بھی محفوظ رکھے گا۔ قبر کے فتنے سے بھی محفوظ رکھے گا اور حشر کے فتنے سے بھی محفوظ رکھے گا۔ [مسلم، رقم: ۱۹۱۳]

(حدیث) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلَى

عَمَلِهِ إِلَا الَّذِي مَاتَ مُرَابِطًا فِي سَبِيلِ اللهِ فَإِنَّهُ يُنَمَّى لَهُ عَمَلُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَيَأْمَنُ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ)) جو شخص مرجاتا ہے اس کے عمل ختم ہو گئے، جو شخص اللہ کے راستے میں پہرہ دیتے ہوئے مرگیا تو اس کا ہر عمل مرجانے کے بعد بھی جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبر کے فتنوں سے بھی محفوظ رکھتے ہیں۔[ترمذی، رقم:۱۶۲۱]

(حدیث) حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ رَابَطَ فِي شَيْءٍ مِنْ سَوَاحِلِ الْمُسْلِمِينَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، أَجْزَأَتْ عَنْهُ رِبَاطَ سَنَةٍ)) [مسند احمد، رقم: ۲۷۰۴۰] جس شخص نے مسلمانوں کی بندرگاہوں کی تین دن تک حفاظت کی، تاکہ دشمن حملہ نہ کردے تو وہ شخص ایسے ہے جیسے اس نے خشکی میں ایک سال کا پہرہ دیا ہو؛ کیونکہ سمندر کا پہرہ شدید ہوتا ہے۔ ٹھنڈے پانی میں رہنا، پانی میں جاگنا، پانی کے اندر پہرہ دینا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ثواب دیتے ہیں جیسے ایک سال اس نے پہرہ دیا ہو۔

(حدیث) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((حَرَسُ لَيْلَةٍ فِي سَبِيلِ اللهِ تَعَالَى أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ لَيْلَةٍ يُقَامُ لَيْلُهَا وَيُصَامُ نَهَارُهَا)) [مسند احمد، رقم: ۴۳۳] ایک رات اللہ کے راستے میں پہرہ دینا ہزار رات جاگنے سے اور ہزار دن کے روزہ رکھنے سے بہتر ہے۔

اس لیے علامہ اقبال رحمہ اللہ نے کہا تھا:

ع ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

کہ ایک تو ملا کی اذان ہے کہ مسجد میں کھڑا ہے، لوگوں کی روٹیاں کھا رہا ہے اور مجاہد کی اذان اور ہوتی ہے۔ وہ تو مجاہدوں اور ان لوگوں کو پتہ ہوتا ہے جو سرحدوں پر کھڑے ہوتے ہیں۔ کفر سے ان کی لڑائی ہوتی ہے، دشمن کے گولوں کی برسات ہو رہی ہوتی ہے اور وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں۔

(حدیث) حضرت سہل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کے دن چلے۔ جب شام کا وقت ہوا، میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں حاضر ہوا۔ گھوڑے پر سوار ایک آدمی آیا، اس نے کہا: حضور! میں آپ کے ساتھ موجود تھا، لیکن مجھے خیال آیا میں فلاں پہاڑ چڑھ گیا اور فلاں پہاڑ پر گیا، تاکہ دشمنوں پر نظر رکھوں کہ کوئی مسلمانوں پر حملہ کرنے والا دشمن تو نہیں ہے۔ میں نے فلاں پہاڑ کے پیچھے سے دیکھا کہ ہوازن کا قبیلہ ہے، ان کی بڑی سواریاں، بڑی اونٹنیاں، ان کے پاس بڑی نعمتیں اور ان کے پاس بڑی بکریاں ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا: تم نے بڑی اچھی خبر دی ہے۔ اللہ نے چاہا تو کل یہ سارا مالِ غنیمت مسلمانوں کے

پاس ہوگا۔ اور پھر فرمایا: کون ہے جو آج رات پہرہ دے؟ حضرت انس بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کھڑے ہو کر کہا: میں دوں گا۔ آپ نے فرمایا: چلو گھوڑے پر سوار ہو کر پہرہ دو۔ اور آپ نے فرمایا: اس گھاٹی پر چلا جا اور وہاں جا کر پہرہ دے۔ خبردار! تیری طرف سے ہم پر حملہ نہیں ہونا چاہیے، تو جاگتا رہے۔ اگر دشمن حرکت کرے تو فوراً ہمیں خبر دے۔

جب صبح کا وقت آیا تو آپ نے دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد فرمایا: رات کو جو ہم نے گھڑ سوار بھیجا تھا اس کی کوئی خبر ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: کوئی پتہ نہیں، وہ تو واپس ہی نہیں آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تیار ہوئے، لیکن بہت پریشان تھے۔ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ آپ کی توجہ ادھر لگی ہوئی ہے کہ ہمارا آدمی واپس آیا کہ نہیں۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا: تمہیں مبارک ہو! تمہارا ساتھی آرہا ہے۔ صحابہ کہتے ہیں: ہم نے ادھر ادھر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا، لیکن ہم نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، تو لازمی بات ہے کہ وہ آرہا ہے۔ تھوڑی دیر گزری تو ایک سوار درختوں کے جھنڈ سے نکل کر آرہا ہے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپ نے فرمایا: تم نے کیا کیا؟ اس نے کہا: حضور! ساری رات پہرہ دیتا رہا ہوں، ہاں نماز کے لیے اترتا تھا یا قضائے حاجت کے لیے اترتا تھا، ورنہ میں گھوڑے کی پشت پر تھا اور ساری رات ان چٹانوں اور گھاٹیوں میں پھرتا رہا، دیکھتا رہا، اس کے علاوہ میں نے کچھ نہیں کیا اور کچھ نہیں دیکھا اور کوئی ایسی چیز محسوس نہیں کی تھی۔ آپ نے فرمایا: اللہ نے تیرے لیے جنت واجب کر دی ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی عمل نہ کرے تب بھی تیرے لیے جنت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ [ابوداؤد، رقم: ۲۵۰۱]

یہ خوشخبری ہوتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ تم نماز نہ پڑھو، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ آج کے بعد تو اگر کوئی نفلی عبادت نہ کرے، لیکن جو فرض ہے وہ تو فرض ہے، وہ تو اللہ کے نبی کو بھی معاف نہیں ہوتا، کسی اور کو کیسے معاف ہوگا؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو معاف فرما دے گا، وہ اللہ کی یاد کو کیسے چھوڑے؟ بلکہ وہ اور زیادہ عمل میں لگ جاتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ ورنہ فرائض اللہ کسی کو معاف نہیں ہوتے۔

الحمد للہ حضرت مولانا محمد مکی حجازی حفظہ اللہ کے سلسلہ دروس تفسیر سے متعلق تفسیر سورۃ آل عمران مکمل ہوئی، اس کے بعد آگے سورۃ النساء شروع کی جارہی ہے۔

سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ

یہ سورت مدنیہ ہے، جو مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں ایک سو چھہتر (۱۷۶) آیات ہیں۔ اس سورت میں زیادہ تر احکامات قرابت داری کے اور عورتوں کے بارے میں ہیں۔ اس نسبت سے اس کا نام "النساء" ہے۔

سورۃ النساء کی فضیلت:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ سورۃ النساء میں ایسی پانچ آیات ہیں کہ ان کے بدلہ میں اگر مجھے ساری دنیا بھی مل جائے تو مجھے اتنی خوشی نہیں ہوگی جتنی ان پانچ آیات کے ملنے سے خوشی ہے۔ وہ پانچ آیات یہ ہیں:

1 ...... ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾ [النساء: ۳۱] اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو تمہارے صغائر ہم مٹا ڈالیں گے۔

2 ...... دوسری آیت یہ ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيْمًا﴾ [النساء: ۴۰] کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں فرماتے۔ اور اگر ایک نیکی بھی ہو تو اس کو بڑھا کر اپنی طرف سے اجر عطا فرماتے ہیں۔

3 ...... اسی طرح فرمایا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾ [النساء: ۴۸] اللہ تعالیٰ نہیں بخشیں گے جس کی موت شرک پر آئی، لیکن اس کے ماسوا ہر گناہ جس کو چاہیں بخش دیں گے۔

4 ......اسی طرح فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ [النساء: ٦٤] کہ میرے مدنی! اگر تیری امت کے لوگوں سے کوئی گناہ ہوجائے اور وہ تیری خدمت میں حاضر ہوکر اللہ سے استغفار کریں اور آپ بھی ان کے لیے استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادیں گے۔ اس میں آپ ﷺ کی عظمتِ شان بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بیان بھی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ آٹھ آیات اس سورت مبارک میں ایسی ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی امت کے لیے ساری کائنات سے بہتر ہیں، شرط یہ ہے کہ ان آیات کو سمجھے اور ان پر عمل کرے۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیات پڑھیں:

1 ......﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [النساء: ٢٦]

2 ......دوسری آیت ﴿وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا﴾ [النساء: ٢٧]

3 ......تیسری آیت ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ [النساء: ٢٨]

اور پانچ آیات وہ ہیں جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پڑھی تھیں۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا﴾ [النساء: ١، ٢]

''اے لوگو! اپنے رب کے (عذاب) سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان (حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیئے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو۔ اور رشتہ داریوں (کی حق تلفی سے) ڈرو۔ یقین رکھو کہ اللہ تمہاری نگرانی کررہا ہے۔ اور (اے سرپرستو!) یتیموں کو ان کے مال دے دو اور برے مال کو اچھے مال سے تبدیل نہ کرو، اور ان (یتیموں) کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر مت کھاؤ، بیشک یہ بڑا گناہ ہے۔''

ربط بین السورتین:

سورۃ النساء کی پہلی آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا حکم دیا ہے اور اس کا اختتام بھی حکم تقویٰ پر ہے۔ اس طرح سورۃ النساء کے اوّل اور آخر کا ایک بڑا وسیع جوڑ پیدا ہوا۔ اوّل کے اندر بھی یہی حکم ملا کہ صبر کرو اور آخر میں بھی یہی حکم ملا کہ رباط فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے دین میں، مساجد میں، نماز میں، ایک نماز سے دوسری نماز کے انتظار میں جمے رہو اور سب سے اعلیٰ حکم تھا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر پیدا کرو اور اس سورت میں بھی یہی حکم ہے کہ جب تک تقویٰ نہ ہو ان احکام پر عمل کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تقویٰ کی اہمیت:

مثال کے طور پر: ایک میرا اور آپ کا معاملہ ہے۔ اگر ہمارا اختلاف ہو جائے تو دو آدمی درمیان میں آ سکتے ہیں، جو مجھے اور آپ کو سمجھا سکتے ہیں، لیکن جو صلہ رحمی کے معاملات ہیں، میاں بیوی کے تعلقات ہیں، باپ بیٹے کے تعلقات ہیں، ماں اور اولاد کے تعلقات ہیں، لوگوں کے تعلقات ماسوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ ایک آدمی بظاہر بہت اچھا ہوتا ہے، لیکن گھر میں اس کا معاملہ اچھا نہیں۔ ایک آدمی کو دیکھیں تو اس کے اندر بظاہر حسن خلق ہے، بڑی شرافت ہے، لیکن والدین کا نافرمان ہے۔ ایک آدمی کی زندگی آپ کے سامنے بظاہر بڑی پرسکون ہے، لیکن وہ اپنی بیوی کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔ گھریلو معاملات کی اصلاح ماسوائے تقویٰ کے نہیں ہو سکتی۔ دنیا کی کوئی عدالت اس کی اصلاح نہیں کر سکتی۔ اس لیے سب سے بڑی چیز تقویٰ ہے۔ جب یہ مقام بندے میں پیدا ہو جائے تو یہ اصلاح کی بنیاد ہے۔

حضور اکرم ﷺ اگر جمعہ کا خطبہ پڑھتے تو فرماتے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ﴾ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ اسی طرح جب خطبۂ نکاح پڑھا جاتا ہے اس میں اس آیت مبارکہ کو زیادہ تلاوت کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر بھی پہلا حکم ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ﴾ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ کہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ [آل عمران:۱۰۲] اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اس کی شان کے مطابق ڈرنا۔ کہیں حکم دیا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾ [الانفال:۲۹] اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو ہر بات اللہ تمہارے لیے کھول دیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے

گناہوں کو مٹا دیں گے۔ اور کہیں فرمایا: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ﴾ [الطلاق: ۲، ۳] اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمہارے لیے ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ پیدا فرما دیں گے اور تمہیں ایسے مقام سے رزق عطا فرمائیں گے جہاں سے تمہارا گمان بھی نہیں ہوگا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اصل دینِ اسلام کا فلسفہ یہی ہے کہ بندے میں اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا کر دو؛ کیونکہ دنیا کا کوئی قانون، دنیا کا کوئی حکمران، کوئی مشینری اور کوئی دنیا کی فوجی قوت بندے کی اصلاح نہیں کر سکتی جب تک اللہ تعالیٰ کا ڈر دل میں نہ آئے۔

آپ دیکھ لیں! دنیا میں بڑے بڑے قوانین بنتے ہیں، لیکن عقل اس کو توڑ دیتی ہے۔ یورپ میں اتنے قوانین بنا دیے کہ عورتیں صنف نازک ہیں، ان پر بڑی زیادتی ہوتی ہے تو انہوں نے مردوں سے طلاق کا حق لے لیا اور عورت کو دے دیا گیا کہ اب عورت پر ظلم نہیں ہوگا؛ کیونکہ اب عورت کے اپنے ہاتھ میں طلاق ہے، لیکن آپ نے وہاں حشر دیکھ لیا ہے کہ کتنی عائلی زندگی ناکام ہے!؟ سو میں سے ننانوے فیصد گھرانے برباد ہیں۔ کوئی میاں بیوی کا تصور نہیں، باپ بیٹے کا تصور نہیں اور ماں بیٹی کا تصور نہیں ہے۔ قوانین ان کا تحفظ نہ کر سکے۔ آپ کیا تصور کرتے ہیں کہ مرد استحصال کرتا ہے، جبکہ سب سے زیادہ استحصال عورت کرتی ہے۔

آپ دوسری شادی کر کے دیکھ لیں کہ پہلی بیوی کیا کرتی ہے؟ وہ دوسری عورت کو دیکھنا برداشت ہی نہیں کرتی۔ اس سے بڑا ظالم کوئی دنیا میں ہے؟ ورنہ وہ دوسری بیوی اس کی ہم جنس ہے۔ وہ کہتی کہ ہم بہنیں ہیں، کام تقسیم ہو جائے گا، بوجھ کم ہو جائے گا، لیکن اس چیز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اگر آپ نے بڑا حوصلہ کر کے دوسری شادی کر بھی لی تو اب دوسری بیوی کا کام یہ ہوگا کہ وہ پہلی بیوی کو گھر سے نکلوائے گی۔ آپ بتائیں کہ مرد ظالم ہے یا عورت ظالم ہے؟ مرد تو شریف ہے۔ وہ تو دو دو کو گھر میں لا رہا ہے، وہ دو گھروں کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے تیار ہے، چار گھروں کی ذمہ داریاں سنبھالنے کو تیار ہے۔ وہ تو عورتوں کو ایسے سڑکوں پر رلتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتا۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((فَاتَّقُوا فِتْنَةَ الدُّنْيَا، وَفِتْنَةَ النِّسَاءِ)) [شعب الایمان للبیہقی، رقم: ۵۰۲۹] دنیا اور عورتوں کے فتنے سے بچنا۔ جو بیٹے کو باپ سے جدا کر دے اس سے بڑا بھی کوئی رشتہ ہے؟ جس کے نطفے سے پیدا ہوا ہے، جس ماں نے اسے نو ماہ تک پیٹ میں رکھا ہے اس کے سامنے جوتا لے کر کھڑا ہے کہ میری بیوی کو کیوں سخت

کہا ہے؟ یعنی وہ عورت جو اولاد کو ماں باپ سے کاٹ سکتی ہے تو باقی دنیا کیا چیز ہے!؟ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ ڈر یہ ہے کہ عورتوں کے فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے۔

اس سورت کے اندر یہ سارے احکامات ہیں ان سب معاملات، مشکلات پر قابو پانے کا حل ایک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا کرو، مرد ہے یا عورت ہے، اللہ کا ڈر پیدا کرے تو سارے معاملات حل ہو جائیں گے۔ جیسا کہ ایک ماں نے بیٹی سے کہا کہ بیٹی! دودھ بیچنے جارہی ہو تھوڑا سا پانی ملا لو۔ اس نے کہا: اماں جان! یہ اچھی بات نہیں ہے۔ ماں نے کہا: کون دیکھ رہا ہے؟ اس نے کہا: اماں جان! اور کوئی نہ دیکھ رہا ہو اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ جب یہ بات پیدا ہو جائے تو اس دن سمجھو کہ میں کامیاب ہو گیا۔ اس لیے نماز کا مقام یہ ہے ((كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ)) [بخاری، رقم: ۵۰] کہ جیسے تم اپنے اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر اس مرتبہ کو نہ پہنچو تو کم از کم یہ تو یقین کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں کو حکم دیتے تھے کہ کسی کو نوکری دینی ہے، عہدے پر لگانا ہے تو سب سے پہلے اس کی نماز دیکھو۔ اگر بندہ اس میں بھی چوری کر رہا ہے تو جو اللہ کا چور ہے وہ بندوں کا امین کیسے ہو سکتا ہے؟ یا جو نماز پڑھتا ہی نہیں وہ دین کا دشمن ہے، خدا کا حق ادا نہیں کرتا، وہ تمہارا حق کہاں سے ادا کرے گا؟

ایک بگڑے ہوئے امیر زادے کی حکایت:

ایک بزرگ کی خدمت میں ایک بہت بڑے امیر زادے کو لایا گیا جو بڑا بگڑا ہوا تھا۔ لوگوں نے سوچا یہاں ایک اللہ والے ہیں، ان کے ساتھ اس کا تعلق بنائیں، تاکہ یہ درست ہو جائے۔ بزرگ کی خدمت میں لے آئے۔ انہوں نے فرمایا: کیسے آئے ہو؟ اس امیر زادے نے کہا: یہ لوگ مجھے پکڑ کر لے آئے ہیں، میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ یہ کہتے ہیں کہ میں آپ کو اپنا مرشد مان لوں، آپ کی بیعت کروں۔ ان بزرگوں نے فرمایا: اب کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا: میرا ارادہ نہیں ہے، میں سارے کام اپنی منشا سے کرتا ہوں، ان کے جبر کرنے سے چلو ایک بات ان کی مان لیتا ہوں۔ بزرگوں نے کہا: اس کا مطلب ہے کہ تم بیعت کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: بیعت کرنا چاہتا ہوں، لیکن میری ایک شرط ہے کہ مجھے عورت اور شراب کی اتنی لت ہے کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے انہی دو چیزوں میں زندگی گزار رہا ہوں، ان دو چیزوں کو میں نہیں چھوڑتا، باقی آپ جو فرمائیں گے اس پر میں عمل کروں گا۔ بزرگوں

نے فرمایا: جب تم مرید ہونے آئے ہو، ہم نے بھی تو تمہیں نہیں بلایا ہے، ہم نے تمہیں خط تو نہیں لکھا کہ تم ضرور تشریف لے آؤ کہ تمہارے بغیر ہمارا کام رکا ہوا ہے، اگر تم آ گئے اور ہم تمہاری شرط ماننے کے لیے بھی تیار ہیں تو ایک شرط تم بھی ہماری مان لو۔ اس نے کہا: جب آپ بزرگ ہو کر میری بات مان رہے ہیں تو میں بھی آپ کی بات مان لوں گا۔ بزرگوں نے کہا کہ صرف نماز نہیں چھوڑنی۔ تو اس نے بات مان لی۔

پھر جب واپس آیا تو نوکروں نے کہا: جناب! مجلس شراب و کباب تیار ہے۔ اس نے کہا: میں نے وعدہ کیا ہے کہ نماز نہیں چھوڑوں گا۔ ابھی تھوڑی دیر بعد مغرب کی نماز ہو جائے گی، ایسا کرتے ہیں کہ آج محفل عشا کے بعد ہوگی، ورنہ میری نماز چلی جائے گی۔ اس نے مغرب کی نماز پڑھی اور پھر عشا کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا۔ نوکر آگے کھڑے تھے، اس نے کہا: آج میری طبیعت کو ذرا تکلیف محسوس ہو رہی ہے، میں گھر جا رہا ہوں، کل دیکھا جائے گا۔ ایک دن گزر گیا، دو دن گزر گئے، چوتھے دن وہ حضرت کے پاس گیا۔ یہ آپ نے مجھے کیا نسخہ بتا دیا ہے کہ مجھ سے ہر چیز چھوٹ گئی ہے؟ انہوں نے کہا: بیٹا ہم نے تو آپ کو نہیں کہا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ﴾ [العنکبوت: ۴۵] کہ اگر نماز حقیقی نماز ہے تو بے حیائیوں سے، زنا سے، منکر سے، ہر برے کام سے روک دے گی۔ تمہاری نماز ٹھیک ہو گئی، اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔ اس نے کہا: اب تو میں یہاں پڑا ہوں۔ بزرگوں نے کہا: تمہاری مرضی ہے۔ یہاں رہنا ہے تو رہ جاؤ، لنگر میں سے دال روٹی ملے گی۔ اس نے کہا: بڑے قورمے کھا لیے، اب دالیں کھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ایسی اصلاح کر دی کہ اس نے پھر دنیا کے اندر بڑا مقام پیدا کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ کا ڈر دل میں آ گیا تو بات بن گئی۔

تخاطب قرآن کا انداز:

آپ تخاطب قرآن پر غور کریں کہ ایک آدمی، دو آدمی، قوم قبیلہ کو خطاب نہیں کیا، بلکہ فرمایا: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تقویٰ کا حکم دیا، پھر صفت ربوبیت کا ذکر کیا کہ اس مالک سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا، تمہاری تربیت کی، اس نے نطفہ سے لے کر انسان کامل بنایا۔ جیسا کہ ہم محاورات میں کہتے ہیں: یہ تمہارا باپ ہے، جس نے تمہاری پرورش کی۔ یہ تمہارا استاذ ہے، اس نے تمہیں پڑھایا ہے، تمہیں اس کا بھی ادب نہیں آتا؟ اللہ نے فرمایا: اگر تم مجھے اپنا رب مانتے ہو تو میری ربوبیت کا کچھ شرم کرو۔ صرف زبانوں سے اللہ اکبر کہتے ہو، صرف



زبانوں سے کہتے ہو: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [البقرۃ:۲۰۱] لیکن تم نے صحیح معنوں میں کبھی اس کی بڑائی کا اقرار نہیں کیا۔

اس لیے اللہ نے حضور اکرم ﷺ کو پہلا حکم دیا تھا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾ [المدثر:۱ تا ۳] ہم یہ کہتے ہیں کہ رب بڑا ہے اور پیر چھوٹے چھوٹے رب ہیں۔ وہ بڑا ہے، یہی معنی تم لوگوں نے سوچا ہوا ہے؟ بڑے کا معنی تو یہ ہے کہ جب کسی کی بڑائی کا اعتراف کیا جائے، جب کسی کی ربوبیت کا اقرار کیا جائے تو اس کی نافرمانی کا کیا مطلب ہے؟

یہ تو وہی بات ہے کہ پنجابی میں ایک مثال ہے: ''پنجاں دا مشورہ سر انکھاں تے، پر پرنالہ اتھے رہسی۔'' کہ کچھ لوگ سمجھانے کے لیے گئے کہ تمہارے پرنالے سے پانی گرتا ہے، لوگوں کے کپڑے گندے ہوتے ہیں۔ اس گھر والے نے کہا: آپ بڑے بڑے بزرگ تشریف لائے ہیں، تمہارا فرمان تو میری آنکھوں پر ہے، لیکن پرنالہ وہیں رہے گا۔

اسی طرح تم نے بھی اپنے رب کو بڑا بنایا ہوا ہے کہ نماز میں کہتے ہو ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' ہر اذان میں کہتے ہو ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ''، ہر رکوع سجود میں کہتے ہو ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ''، لیکن باہر جا کر کبھی اپنے نفس کو بڑا بناتے ہو، کبھی اپنی خواہشوں کو بڑا بناتے ہو، کبھی اپنے بیوی بچوں کو بڑا بناتے ہو، کبھی دولت کو بڑا بناتے ہو اور کبھی کرسی کو بڑا بناتے ہو اور خدا کے نافرمان بن جاتے ہو۔ تو خدا کو کیسے بڑا بنایا؟

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ﴾ کہ جب سارے ڈرنے والے بن جائیں تب کام بنے گا۔ گھر میں اگر ایک آدمی نمازی ہے دس نہ پڑھیں تو وہ ایک بھی چند دنوں کے بعد بے نمازی ہو جائے گا۔ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔

اس لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: سب سے بہتر بیوی وہ ہے جو اپنے خاوند کو رات کو تہجد کے لیے جگائے اور سب سے بہتر خاوند وہ ہے جو اپنے گھر والوں کو رات کو اٹھائے۔ فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ [التحریم:۶] جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے بچائے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے تھے: اے اہل بیت رسول! اٹھو اٹھو تہجد کا وقت تیار ہے۔ لیکن آج اچھی بیوی وہ ہے جو کلب میں جائے، جو بال بنا کر گھر کو سجائے، جس کے پاس کسی اچھے ڈانسنگ کالج کا سرٹیفکیٹ ہو۔ آج اچھی بیوی وہ ہے جس سے بہت سارے لوگ خوش ہوں کہ بڑی سوشل عورت ہے۔

﴿الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ فرمایا: اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا، جس نے تیری تربیت کی، اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک ذات سے پیدا کیا، یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا۔ فرمایا کہ رب میں ہوں، میری ربوبیت کا لحاظ کرو۔ دوسرا یہ بھی خیال کرو کہ اگر نقصان پہنچاؤ گے تو کس کو نقصان پہنچاؤ گے؟ ڈاکہ مارو گے تو کس کے گھر میں ڈاکہ مارو گے؟ چوری کرو گے تو کس کی چوری کرو گے؟ تم تو ایک باپ کی اولاد ہو، اس لیے بہتر ہے کہ مجھ سے ڈرو اور کوئی غیر قانونی حرکت نہ کرو، غیر اسلامی حرکت نہ کرو۔

حضرت حواء علیہا السلام کی پیدائش:

﴿وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد آدم علیہ السلام کی پسلی سے بی بی حواء علیہا السلام کو پیدا کیا، اس لیے ان کا نام حواء علیہا السلام پڑ گیا کہ آدم علیہ السلام زندہ ہیں، زندہ آدم علیہ السلام سے بی بی حواء علیہا السلام کو پیدا کر کے نکالا۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے۔ جب اٹھے اللہ تعالیٰ کی شان! دیکھتے ہیں کہ ساتھ ایک عورت بیٹھی ہے۔ اللہ میاں یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تیری بیوی ہے ﴿لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا﴾ [الروم:۲۱] تاکہ تمہیں سکون نصیب ہو سکے، تاکہ تمہاری زندگی وحشت میں نہ گزرے، بلکہ آرام سے گزرے۔

ٹیڑھی عورت کو سیدھا کرنا:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! اگر عورت کو پورا سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو یہ ٹوٹ جائے اور اگر اس کو بالکل ڈھیلی رسی دے دو گے تو یہ اور زیادہ ٹیڑھی ہو جائے گی۔ اس لیے اعتدال کے ساتھ زندگی گزارنا، عصا لٹکا بھی رہے، لیکن مارو بھی نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کی فطرت ہے: ((يَغْلِبْنَ الْكِرَامَ وَيَغْلِبُهُنَّ اللِّئَامُ)) [تفسیر روح البیان، تحت: سورۃ الحشر، آیت:۱۶] کہ شریف آدمی پر سوار ہو جاتی ہے اور کمینہ اس پر سوار ہو جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بائیں پسلی سے پیدا کیا۔

علمی نکات:

1 ...... خدا کی قدرت ہے کہ عورت کو بائیں پسلی سے پیدا کیا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس میں بھی حکمتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے، عورت میں بھی ٹیڑھا پن ضرور ہوتا ہے، چاہے کتنی اچھی ہو جائے، کچھ نہ کچھ ٹیڑھا پن رہتا

ہے؛ کیونکہ اس کا اصل ٹیڑھا ہے۔

2 ......دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بائیں پسلی سے پیدا کیا؛ کیونکہ دائیاں ہاتھ احترام والا ہوتا ہے۔ اس سے اشارہ فرمایا کہ اس کو اتنا نہ چڑھاؤ، یہ کوئی اتنی عظمت والی چیز نہیں ہے۔ اس کو ہم نے بائیں طرف سے پیدا کیا ہے، اس کو اس کی حدود میں رکھو، اس کو اس کے مقام پر رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے لیے ماں باپ اور گھر کو چھوڑ دو۔

3 ......تیسری بات علماء نے یہ لکھی ہے کہ اللہ کی شان ہے کہ انسان کا دل بائیں طرف ہوتا ہے اور یہ بائیں طرف سے پیدا ہوئی ہے۔ اس لیے آدمی کا عورت کے بغیر گزارا نہیں بڑے سے بڑا متقی، عابد و زاہد ہو عورت اس کی بھی ضرورت ہے۔

حضرت عوفی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ سورۃ النساء مدینہ میں نازل ہوئی۔ اور حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب سورۃ النساء نازل ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا حَبْسَ بَعْدَ سُوْرَةِ النِّسَاءِ)) [سنن الکبریٰ، رقم: ۱۱۹۰۶] سورت نساء کے بعد تم پر گھٹن ختم ہو گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی فضیلت:

حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے خود سنا ہے، وہ فرماتے تھے: لوگو! سورۃ نساء کے بارے میں جو پوچھنا ہو مجھ سے پوچھو؛ کیونکہ میں بہت چھوٹا تھا اور قرآن پڑھ لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر صحابہ میں چھوٹی تھی، لیکن علم بڑا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے لیے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ، وَفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ)) [مستدرک حاکم، رقم: ۶۲۸۷] میرے اللہ ابن عباس کو قرآن کی تفسیر کا علم اور دین کی سمجھ عطاء فرما۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ایسی منظور ہوئی کہ جب بڑے بڑے صحابہ کسی مشکل مسئلے میں الجھ جاتے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حل فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اصحاب بدر سے بھی زیادہ ترجیح دیتے تھے۔ تو بعض اوقات یہ بات صحابہ کو ناگوار گزری کہ ایک کم عمر لڑکا ہے، اس کو ہمارے آگے بٹھا دیتے ہیں، ہم بوڑھے ہو گئے ہیں، ہماری عمر زیادہ ہو گئی ہے، پھر ہم اصحاب بدر ہیں۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ ایک دن انہوں نے ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ①﴾ [النصر: ۱] کی تفسیر صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھی تو سب صحابہ نے بتا دی۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا آپ اس سورت مبارک سے کیا سمجھے ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سورت میں اشارہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات قریب آگئی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا جب اللہ کی مدد آگئی اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے تو اسلام کامیاب ہو گیا۔ اور جس مقصد کے لیے اللہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تھا وہ پورا ہو گیا اور جب کام پورا ہو جائے تو آدمی کو واپس جانا ہی ہوتا ہے۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے فرمایا: میں اس لیے ابن عباس کی عزت کرتا ہوں کہ اللہ نے اس کو علم عطا فرمایا ہے۔

(حدیث) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا، وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ)) اللہ تعالیٰ اس قرآن کی برکت سے قوموں کو اونچا کر دیں گے اور اس پر عمل نہ کرنے والوں کو ذلت کے غار میں ڈال دیں گے۔ [مسلم، رقم: ۸۱۷]

یہی وجہ ہے کہ جب تک مسلمانوں نے قرآن پر عمل کیا، اللہ نے ان کو ہمیشہ عزت و کامیابی دی اور کفر ہمیشہ جزیہ ادا کرتا رہا۔ اور جس دن سے مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑا اس دن سے مسلمان ذلیل ہو گئے۔ اس لیے کسی شاعر نے کہا:

؎ وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

تقویٰ کا مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ جو بھی عبادت ہے وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور یہی کلمہ پاک ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' اور قرآن پاک کی ساری آیت کا ترجمہ ہے۔ ورنہ خدا کو سب مانتے تھے مکہ والے بھی، یہودی بھی، نصرانی بھی، قریش مکہ بھی مانتے تھے، اللہ کے گھر کا طواف بھی کرتے تھے، باقاعدہ حج کے دن قربانیاں بھی کرتے تھے، عقیقے اور خیراتیں بھی کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود کافر تھے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے تھے۔ مثلاً: نماز عبادت ہے، نماز کا ایک ایک جز عبادت ہے، ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا نماز کا جز ہے، رکوع و سجود نماز کا جزء ہے، دعا عبادت ہے، یہ طواف عبادت ہے تو عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ)) [ترمذی، رقم: ۳۳۷۱] دعا صرف عبادت نہیں، بلکہ عبادتوں کا مغز ہے۔ اس لیے قرآن فرماتا ہے: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ

سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ [المومن: ٦٠] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے پکارو میں تمہاری پکار سنوں گا۔ جو میری ذات سے مانگنے سے اعراض کرتے ہیں ان کی سزا جہنم ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے مانگنا عبادت ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کی بجائے غیر اللہ سے مانگیں تو اسی کا نام شرک ہے۔

سورۃ النساء کی پہلی آیت کا مقصد:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھ سے ڈرو اور ساتھ یہ بھی غور کرو کہ میں کتنا بڑا قادر ہوں کہ ایک انسان سے ساری مخلوق انسانیت کو پیدا کر دیا ہے۔ اور اسی کے اندر اشارہ کر دیا کہ جب یہ ساری مخلوق ہے تو میری مخلوق کو میری عبادت میں کیسے شریک کر رہے ہو؟ اور ساتھ یہ بھی اشارہ کر دیا کہ تم ایک خاندان، ایک نسل سے ہو، تمہارا جد اعلیٰ آدم علیہ السلام ہیں اور اماں حضرت حواء علیہا السلام ہیں، اس لیے جب تم ایک خاندان سے ہو تو ایک دوسرے کا خیال رکھو۔ اللہ کے حقوق بھی ادا کرو اور بندوں کے حقوق بھی ادا کرو۔

حضرت حواء علیہا السلام کا حق مہر کیا تھا؟

﴿وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ ہم نے آدم علیہ السلام سے اس کی بیوی حضرت حواء علیہا السلام کو پیدا کیا۔ بعض لوگ ایسے فضول سوالات کرتے ہیں۔ مثلاً: حضرت آدم اور حضرت حواء کا نکاح کس نے پڑھایا تھا؟ اس میں اگر سچی بات پوچھیں تو اس میں لوگوں کا کوئی قصور نہیں، ہماری اپنی برادری کے لوگوں نے جھوٹے قصے بنائے کہ جب حضرت حواء پیدا ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ حق المہر ادا کرو۔ اب آدم علیہ السلام پریشان ہو گئے کہ پیسے تو نہیں ہیں، حق المہر کہاں سے دوں؟ بڑی سوچ بچار کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور ان پر درود پڑھ کر حضرت حواء کو حق المہر ادا کیا۔ اس طرح لوگوں کے دماغ میں قصہ بٹھا دیا گیا تو لازمی بات ہے کہ لوگ تو جاہل ہیں، وہ پوچھیں گے کہ نکاح کس نے پڑھایا تھا؟ گواہ کون کون تھے؟

یاد رکھیں! تمام قانون اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جب وہ خود کہہ دے کہ یہ تیری بیوی ہے تو کس نکاح کی ضرورت ہے؟ مسلمان کو چاہیے کہ تھوڑی سی عقل بھی استعمال کرے۔ یہ نہیں کہ جو مولوی کہہ دے اس پر سبحان اللہ ہی کہتا رہے۔

عورت کی تخلیق کا ایک مقصد:

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی آنکھ کھلی تو دیکھ کر حیران رہ گئے! اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: یہ کون ہے؟ فرمایا: تمہاری بیوی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں بھی انس پیدا ہوا اور اس بی بی کے دل میں بھی انس پیدا ہوا تو دونوں کو پرسکون زندگی گزارنے کے لیے ساتھی بنا دیا۔ بیوی اصل میں اس لیے ہی ہوتی ہے۔ قرآن کہتا ہے: ﴿وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا﴾ [الاعراف:۱۸۹] کہ اس بیوی سے شوہر سکون پکڑ سکے۔ میاں اور بیوی کے درمیان محبت بھی ہو، شفقت اور رحمت بھی ہو۔

بہترین عورت:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے اچھی عورت وہ ہے کہ جب خاوند کی اس پر نظر پڑے تو خوش ہو جائے اور جب خاوند غائب ہو جائے تو اس کی امانت میں خیانت نہ کرے، اپنی عزت کی بھی حفاظت کرے، اس کے مال کی بھی حفاظت کرے اور جب خاوند حکم کرے تو اس کے حکم کی اطاعت کرے۔

ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صالحہ عورت کی تعریف پوچھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں جلدی سے گھر گیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اچھی عورت کون سی ہوتی ہے؟ انہوں نے فرمایا: اچھی عورت وہ ہوتی ہے جس پر کبھی کسی غیر کی نظر نہ پڑے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے عورت کو مرد سے پیدا کیا ہے، لہٰذا اس کی تمنا، آرزو مرد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو مٹی سے پیدا کیا ہے، لہٰذا انسان کی تمنا زمین کی طرف زیادہ ہوتی ہے۔ فرمایا: اپنی عورتوں کو پردہ میں رکھا کرو (ورنہ کسی مرد کے ساتھ چلی جائے گی۔)

(حدیث) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيهَا عِوَجٌ)) [تفسیر ابن کثیر] اللہ تعالیٰ نے عورت کو پسلی سے پیدا کیا ہے اور پسلیوں کی میں زیادہ ٹیڑھا حصہ اوپر کی پسلی میں ہوتا ہے۔ اس لیے عورت کے اندر بھی کجی ہوتی ہے۔ یاد رکھو! اگر اس کو پورا سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو یہ ٹوٹ جائے گی، لیکن تم گزارا کرو بعد اس کے کہ اس میں کچھ نہ کچھ ٹیڑھا پن تو رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ عورت کو بائیں پسلی سے پیدا کیا اور دل بھی ادھر ہے، لہٰذا اس سے شفقت و محبت کا تقاضا بھی ہے۔

﴿وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ اور آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام سے ہم نے مرد اور عورتیں پیدا کیں اور پھر ان سب کو دنیا کی جگہوں میں پھیلا دیا۔ ان کی زبانیں مختلف ہیں، ان کی صفتیں بھی مختلف ہیں، ان کے اذہان بھی مختلف ہیں اور ان کی صورتیں بھی مختلف ہیں، لیکن سب کا باپ ایک ہے۔ یہ تو ہم نے ان کو پیدا کیا۔ اور ان کا انجام یہ ہوگا کہ ہم ان سب کو فنا کر دیں گے۔ اس کے بعد ان کو دوبارہ عالم آخرت میں کھڑا کریں گے۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ﴾

اللہ سے ڈرو اور اس کی اطاعت کرو اور صلہ رحمی کا خیال رکھو۔

حضرت ابراہیم، حضرت مجاہد، حضرت حسن رحمہم اللہ فرماتے ہیں: پہلے زمانے میں لوگ کہتے تھے کہ میں تم سے اللہ کے لیے اور رشتہ داروں کے واسطے سے مانگتا ہوں۔

حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اگر کسی سے معاہدہ کرو، اگر کسی سے لین دین کرو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کو پورا کرو اور جتنے رشتے دار ہیں، ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرو، ان سے جوڑنے کی کوشش کرو، توڑنے کی کوشش نہ کرنا۔ سب سے اعلیٰ رشتہ والدین سے ہے، پھر جیسے جیسے ان کے قریب ہیں، ان کے ساتھ بھلائی کرو، ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ کیونکہ جو قطع رحمی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے توڑ دیتے ہیں اور جو لوگ صلہ رحمی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے جوڑ دیتے ہیں۔

(حدیث) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ یہ چاہتا ہو کہ میری عمر دراز ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور صلہ رحمی کرے۔

رشتہ داروں سے صلہ رحمی:

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ①﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: چونکہ رشتہ داری کے معاملات اتنے مخفی ہوتے ہیں کہ کوئی نہیں جانتا۔ اللہ نے فرمایا: میرے بندے! لوگ نہ جانیں، لیکن میں تو تمہارے جمیع احوال، تمہارے جمیع حرکات وسکنات کو جانتا ہوں۔ لہٰذا اپنے رشتے داروں کے ساتھ بھلائی کرو۔ اس لیے فرمایا کہ جب تم صدقات، زکوۃ خیرات دینا چاہو تو سب سے زیادہ مستحق تمہارے رشتہ دار ہیں۔

حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ جب آدمی اپنے رشتہ داروں پر صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دو ثواب دیتے ہیں:
ایک صدقہ کا ثواب دیتے ہیں اور ایک صلہ رحمی کا ثواب دیتے ہیں۔

گھر اور گھر والی کے حقوق:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو آدمی اپنی بیوی کے منہ میں ایک لقمہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر بھی ثواب دیتے ہیں۔ تو ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! بیوی کا خرچہ دینا تو ہمارے ذمہ واجب ہے پھر ثواب ملنے کا کیا معنیٰ؟
حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر یہی لقمہ غیر عورت کو دیتے تو گناہ ہوتا یا نہیں؟ اس صحابی نے عرض کیا: گناہ ہوتا۔
حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: پھر یہاں اللہ تعالیٰ تمہیں ثواب کیوں نہ دیں؟

بعض علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ ہم جس دور میں گزر رہے ہیں، اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کے ساتھ ہنس رہا ہے، کھیل رہا ہے تو نفلی نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب ہے؛ کیونکہ نفلی نماز پڑھنے سے تو اعمال میں ترقی ہوگی، لیکن اپنی بیوی سے پیار و محبت کرنے سے زنا سے بچیں گے۔ دونوں محرمات سے بچیں گے۔

آج ہمارے ہاں سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہمارے گھریلو معاملات ٹھیک نہیں ہیں۔ ہم نے بیوی کو بہترین نوکر سمجھا ہوا ہے کہ ہمارا کھانا پکائے، کپڑے دھوئے، بچوں کو تیار کرے، گھر میں جھاڑو لگائے اور سارا دن صفائی کرے۔ اگر یہی ڈیوٹی کوئی نوکر کرے تو شام کو بے ہوش پڑا ہوگا۔ تو ایسی عورت کیا خاوند کے حقوق ادا کرے؟ اور خاوند کی ذمہ داری ہمارے ہاں یہ ہے کہ جب گھر میں داخل ہو تو یوں معلوم ہو کہ وردی میں ڈی آئی جی داخل ہو رہا ہے اور اپنی بیوی کو ایسے کاٹنے کا جیسے جنگل سے کوئی بلا نکل کر آ گئی ہو۔ مولوی بھی گھر میں جا کر ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ'' نہیں کہتے۔ حالانکہ شریعت کا حکم ہے کہ گھر میں کوئی بھی نہ ہو تب بھی ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ'' کہو۔ تو صحابہ نے عرض کیا: اگر گھر میں کوئی نہ ہو تب بھی سلام کریں؟ فرمایا: فرشتے تو ہیں۔

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَلَّا تَعُولُوا ۝ وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا ۝﴾ [النساء: ۳، ۴]



"اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے سکو گے تو (ان سے نکاح کرنے کے بجائے) دوسری عورتوں میں سے کسی سے نکاح کرلو جو تمہیں پسند آئیں دو دو سے، تین تین سے، اور چار چار سے، ہاں! اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ان بیویوں) کے درمیان (خرچہ اور باری میں) انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو، یا ان کنیزوں پر جو تمہاری ملکیت میں ہیں۔ اس طریقے میں اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ تم بے انصافی میں مبتلا نہیں ہو گے۔ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔ ہاں! اگر وہ خود اس کا کچھ حصہ خوش دلی سے چھوڑ دیں تو اسے خوشگواری اور مزے سے کھالو۔"

بیویوں کے حقوق پر دشمنانِ اسلام کا پروپیگنڈہ:

ان آیات مبارکہ میں تعدد ازواج اور حقوقِ یتامیٰ کا بیان ہے۔ یہ مسئلہ بڑا اہم ہے۔ اس پر مستشرقین یعنی یہود ونصاریٰ کے بڑے بڑے رائٹر، صاحب قلم لوگ اور جتنے اعدائے اسلام اور اعدائے دین لوگ ہیں وہ لوگوں کو اسلام سے بدظن کرنے کے لیے اس مسئلہ کو بطور خاص اچھالتے ہیں۔ کیونکہ دشمنوں کے پاس پروپیگنڈہ کے اتنے وسائل ہیں، ذرائع ہیں کہ اگر وہ بات کو پھیلانا چاہیں تو یقین کریں کہ وہ ایک گھنٹہ سے پہلے بات کو پہنچا سکتے ہیں۔

شانِ نزول:

زمانہ جاہلیت کے اندر رواج تھا کہ اگر کسی کے پاس یتیم لڑکی گھر میں ہے، یتیم کا ولی الامر خود اس سے شادی کر لیتا تھا یا اپنے بیٹے کی یا کسی عزیز کی اس لڑکی سے شادی کر دیتے تھے۔

اور اس کے دو بڑے فائدے سوچے جاتے تھے کہ اس کی جائیداد ہے۔ اگر ہم نے اس کی دوسری جگہ شادی کر دی تو جائیداد کا حصہ دینا پڑے گا۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہوجاتا تھا کہ اگر ہم باہر کسی لڑکی سے شادی کریں گے تو لازمی بات ہے کہ وہ حق المہر کا مطالبہ کرے گی اور یہ یتیم لڑکی ہے، اس کو تھوڑا سا مہر دے دیں گے، اس لیے ہمیں حق المہر بھی نہیں دینا پڑے گا اور اس کی جائیداد بھی ہمارے قبضے میں رہے گی؛ کیونکہ وہ پہلے یتیم ہونے کی وجہ سے ہمارے پاس تھی، اب ہماری اولاد کے ساتھ نکاح ہوجائے گا تو وہ جا کر کس سے فریاد کرے گی؟ تیسری بات یہ ہے کہ اس کے حقوق کی بھی ہمیں کوئی فکر نہیں ہے؛ کیونکہ اس کے ماں باپ تو نہیں ہیں جو اس کو گھر لے جائیں گے۔ اگر

خاوند صحیح سلوک نہیں کر رہا تو یہ یتیم بچی ہے، اس کی کون نگرانی کرے گا؟

یہ جاہلیت کے اندر ایک رسم تھی جو چلی آرہی تھی کہ یتیموں کے مال پر بھی اور ان پر بھی قبضہ کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک اتار کر ان کی اس رسم بد کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا کہ خبردار! اگر تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں عدل نہیں کر سکتے یا تمہاری نیت نعوذ باللہ ٹھیک نہیں ہے تو ان سے کوئی رشتہ نہ کرو۔ وہ جہاں چاہیں رشتہ کریں اور تم ان کو منع نہ کرو۔ اور یہ ضروری نہیں کہ تم یتیم لڑکیوں سے شادی کرو۔ اگر شادی کرنا چاہتے ہو تو دنیا کے اندر اور بھی عورتیں ہیں تم دو کرنا چاہو، تین کرنا چاہو یا چار کرنا چاہو تو کر لو، لیکن یتیم لڑکیوں پر قطعاً ظلم نہ کرو۔

یتیم لڑکی سے نیک نیتی سے شادی کی فضیلت:

خاندان میں اگر کوئی یتیم لڑکی ہے اور وہ آدمی اس سے نیک نیتی سے رشتہ کرنا چاہتا ہے اور اس کا باقاعدہ حق المہر ادا کرے، یہ اس کے لیے بہت بڑا ثواب ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کے ایک صحابی ہیں، آپ نے ایک دن ان کی پگڑی میں خوشبو کا اثر دیکھا، فرمایا: یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میں نے شادی کر لی ہے، اتفاق سے بیوی کا تیل کپڑوں پر لگ گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بیوہ عورت سے شادی کی ہے یا کنواری عورت سے شادی کی ہے؟ اس نے کہا: میں نے بیوہ عورت سے شادی ہے۔ آپ نے فرمایا: تم تو جوان آدمی ہو، کنواری سے شادی کرتے؟ اس نے کہا: اصل بات یہ ہے کہ میرے ابا فوت ہو گئے ہیں اور میری چھ بہنیں ہیں۔ اگر میں کسی کنواری لڑکی کو شادی کر کے لے آتا جو میری بہنوں کی عمر کی ہوتی تو بظاہر بھی عجیب لگتا، اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ میری بہنوں کو نہ سنبھال سکتی، اس لیے میں نے بیوہ عورت سے شادی کی ہے کہ میری چھ بہنوں کی ماں بن کر پالے گی۔

شادی میں رنگ ڈالنا ہندوانہ رسم:

بعض لوگ اس سے یہ نکال لیتے ہیں کہ شادی کی خوشی میں رنگ ڈالنا جائز ہے؛ کیونکہ حضور پاک ﷺ نے بھی صحابی پر رنگ دیکھا تھا۔ حالانکہ یہ رنگ ڈالنا ہندوؤں کی رسم ہے، اس کا مسلمانوں کی رسم سے کوئی تعلق نہیں۔ جہاں تک اس صحابی کا واقعہ ہے...... شریعت کے اندر حکم یہ ہے کہ مرد وہ خوشبو استعمال کرے جس میں کپڑوں پر رنگ تو نہ لگے، لیکن خوشبو زیادہ پھیلنے والی ہو اور عورتوں کے لیے حکم ہے کہ ان کی خوشبو میں رنگ ہو، لیکن اس کی خوشبو مدھم ہونی چاہیے کہ اس کی خوشبو دور تک نہ پھیلے کہ کوئی عورت گزرے تو لوگ خوشبو سونگھتے پھریں کہ کون گزر رہا ہے؟ ہاں

مدھم خوشبو ہو اور رنگ ہو تو وہ شوہر دیکھے گا، کوئی بات نہیں ہے۔ اور عرب اس پر عمل کرتے ہیں۔

ایک مرد کتنی شادیاں کر سکتا ہے؟

اس آیت کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تم دو شادیاں کرو تو جائز، تین شادیاں کرو تو جائز اور چار کرو تو جائز ہے، لیکن فرمایا: ﴿مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ﴾ اس کا معنی یہ ہے کہ تم نکاح کرو جو تمہیں اچھی لگے وہ دو دو، تین تین، چار چار۔

اس لیے شیعہ کے نزدیک چار کی پابندی نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک نو تک بھی جائز ہے۔ دنیا کے اندر صرف شیعہ اور غیر مقلدین کا فرقہ ہے جس نے قرآن کی آیت کا مفہوم اپنی منشاء سے کیا ہے کہ دیکھو دو اور تین پانچ، پانچ اور چار نو، تو لہٰذا نو سے نکاح کر سکتا ہے۔ اور ان کا دوسرا استدلال یہ بھی ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کے گھر میں نو بیویاں تھیں، حالانکہ آپ نے تو گیارہ نکاح فرمائے ہیں۔

اور بعض فرق باطلہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ قید ضروری نہیں ہے؛ کیونکہ سورۃ فاطر میں آتا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی صفت بیان کی ہے: ﴿اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ﴾ [فاطر:1] وہاں بھی یہی الفاظ ہیں کہ اللہ کے فرشتے ہیں جن کے پر دو دو ہیں، تین تین ہیں اور چار چار ہیں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے چھ سو پر ہیں اور بعض ایسے فرشتے بھی ہیں جن کے پانچ ہزار بھی ہیں۔ اس لیے یہاں کوئی پابندی نہیں ہے، جتنا مرضی آئے نکاح کرو۔

اس طرح انہوں نے اللہ کے قرآن میں تحریف کی ہے اور بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس مذہب نے قرآن کو بدلا۔ جس کے نزدیک متعہ ویسے جائز ہے جب ان کے ہاں عورت کے مسئلے میں ویسے بھی نرمی ہے تو پتہ نہیں انہیں کیا ضرورت پیش آگئی کہ اللہ کے قرآن میں تحریف کردی۔ اور ان کے نزدیک صرف یہ نہیں کہ متعہ جائز ہے، بلکہ ان کے نزدیک بہت بڑی عبادت ہے، بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ ان کی ایسی ایسی روایات ہیں کہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔

بعض روایات میں تو یہ لکھا ہوا کہ اگر عورت ایک دفعہ متعہ کرے یا مرد ایک دفعہ متعہ کرے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے، دو دفعہ کرے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے درجہ پر، تین دفعہ کرے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے اور جب چار دفعہ کرے تو خود محمد رسول اللہ ﷺ کے درجہ تک پہنچتا ہے...... نعوذ باللہ......

اور یہ بھی لکھا ہے کہ عورت جب جنابت کا غسل کرتی ہے اور پانی کو بدن سے صاف کرتی ہے، اس سے جو

قطرے گرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے فرشتے پیدا کرتے ہیں۔ پتہ نہیں یہ مذہب ہے یا ڈرامہ ہے۔ مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی ہے کہ جس مذہب کی بنیاد تکیہ ہو، صحابہ پر گالیاں ہوں، جس مذہب کی بنیاد تبراء ہو، جس کے آگے پیداوار بذریعہ متعہ ہو، خود اس مذہب کا اندازہ لگالیں۔ اور ان کی عبادت کے ڈھنگ آپ نے خود دیکھے ہیں کہ جو بہت زیادہ مقبول ہوئے ہیں، گلے میں لوہے کی زنجیریں پہن لیتے ہیں، لوہے کے کڑے پہن لیتے ہیں، جبکہ اللہ فرماتے ہیں: یہ جہنم میں پہنائے جائیں گے۔

دوسرا پہلو اس کا یہ ہے کہ اسلام کو بدنام کرنے کے لیے جتنے کافر ہیں، جتنے یہود و نصاریٰ ان کے ایجنٹ ہیں، اسلام کو بدنام کرنے لیے اس مسئلہ کو بطور خاص چھیڑا جاتا ہے کہ مسلمان اتنے بڑے ظالم ہیں کہ چار بیویاں رکھتے ہیں، اتنا بڑا استحصال ہے۔ اب تو آپ کے ہاں بھی ایسے لوگ پیدا ہوئے ہیں کہ انہوں نے لکھا کہ یہ کیا عدل ہے کہ ایک مرد تو چار بیویاں رکھ سکتا ہے اور ایک عورت چار خاوند کیوں نہ رکھے؟ لوگوں نے بڑی واہ واہ کی کہ ایسا منصف پیدا ہی نہیں ہوا! کیونکہ اسلام کے خلاف بات جاری تھی، اس کو اٹھایا اور اپنے ملک میں لے جا کر اس کے اعزاز واکرام کیے اور انعامات دیے گئے۔ اسلام دشمنی کا جہاں بھی کوئی پہلو نکل رہا ہے کفار اس کو اٹھالیں گے۔ سلمان رشدی کو دیکھ لیں اس پر کروڑوں ڈالر خرچ ہو رہے ہیں۔ بہر حال یہ اسلام کے خلاف بڑا پروپیگنڈہ ہے۔

صرف ایک شادی کرنے کا شبہ اور جواب:

ہمارے بعض لوگ جو عورتوں سے بڑے مرعوب ہیں وہ بھی قرآن پاک میں ایک شبہ پیدا کر دیتے ہیں کہ یہاں تو قرآن نے کہا کہ تم چار بیویاں رکھ سکتے ہو، لیکن اگر ڈر ہو تو پھر ایک بیوی۔ اور دوسری جگہ قرآن میں آتا ہے: ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ [النساء:۱۲۹] تم ہرگز عدل نہیں کر سکتے جتنی بھی کوشش کرو۔ تو اس آیت کے اندر گویا کہ منع کر دیا ہے، لہٰذا ایک شادی کرو۔ تو انہوں نے بھی عورت کو خوش کرنے کے لیے قرآن کا معنی بدل دیا ہے۔ یہ بھی قرآن کی تحریف ہے۔ اگر یہی معنی ہوتا کہ ایک سے زیادہ شادی نہیں ہو سکتی، تم ہرگز عدل نہیں کر سکتے تو اسلام کے اندر کسی کی بھی چار بیویاں نہ ہوتیں۔ تو جن کی چار بیویاں ہیں، نعوذ باللہ انہوں نے قرآن کی اس آیت کی مخالفت کی ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ اللہ کے قرآن کو سمجھا نہیں گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارے ذمہ عدل ہے کہ دو بیویاں ہیں،

تین ہیں، چار بیویاں ہیں۔ لباس کے اندر عدل، کپڑے کے اندر، نان ونفقہ کے اندر، جگہ میں، وقت میں عدل کرو۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے، باقی تم یہ چاہو کہ دل میں بھی عدل برابر کریں تو یہ تمہاری طاقت نہیں ہے۔ یہ معاملہ اللہ ہاتھ میں ہے۔ کسی بیوی سے محبت زیادہ ہے اور کسی سے کم ہے، یہ تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے، چاہے تم جتنی کوشش کرو۔

اگر کسی بیوی سے محبت زیادہ ہو تو:

دو بیویاں ہیں: ایک سے محبت زیادہ اور دوسری سے کم ہے۔ ایک بوڑھی ہوگئی اور دوسری جوان ہے تو فطری بات ہے کہ جوان سے محبت زیادہ ہوتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ ایک بڑی سلجھی ہوئی عورت ہے، اس نے گھر کو بڑا بنا سنوار رکھا ہے اور دوسری ایسی ہے کہ جب بھی گھر میں جاؤ تو کباڑ خانہ بنا ہوا ہے۔ ایک ایسی بات کرتی ہے کہ خاوند خوش ہو جاتا ہے، خاوند کو راحت وسکون ملتا ہے اور ایک ایسی بات کرتی ہے کہ جیسے بچھو پر ہاتھ پڑ گیا ہو کہ اس نے ڈنگ مارنا ہی مارنا ہے۔ تو یہ ایک فطری بات ہے کہ جو اچھا سلوک کرے آدمی اس سے زیادہ رغبت کرے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دل کا معاملہ تمہارے ہاتھ میں نہیں، جتنی کوشش کرو عدل نہیں کر سکتے، اس لیے وہ تمہیں معاف کر دیا ہے۔ میرے پاک نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! میں اپنی بیویوں میں عدل وانصاف اور برابری جو میرے بس میں ہے کر رہا ہوں، لیکن میرے اللہ! دل تو تیرے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ کسی طرف زیادہ ہے تو میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ میرے اللہ! اس مسئلہ میں آپ مجھ پر ملامت نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں ظاہری عدل میں پکڑیں گے کہ تم نے ظاہری انصاف کیا ہے یا نہیں کیا ہے؟ حتیٰ کہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ اگر سفر ہے اور آدمی کی دو چار بیویاں ہیں تو قرعہ اندازی کرے۔ جس کا نمبر نکل آئے اس کو لے جاؤ، باقی ناراض نہ ہوں۔ ویسے اگر اپنی مرضی ہو تو کسی کو بھی ساتھ لے کر جا سکتے ہو۔

اسلام چار بیویوں کی اجازت دینے میں اکیلا نہیں ہے:

مسئلہ سمجھیں کہ اسلام نے چار بیویوں کی اجازت دی ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، محض دشمن کا ایک پروپیگنڈہ ہے۔ جیسا کہ عرض کیا کہ آپ دین کا کام کریں، آپ کا کوئی نام نہیں لے گا۔ آپ دو دو لاکھ کے مجمعوں میں جا کر سیرت النبی اور توحید پر تقریر کریں، صبح اخبار کے اندر چھوٹی سی خبر نہیں لگے گی اور اگر آپ اسلام کے خلاف ذرا

بکواس کر دیں تو سرخیاں لگی ہوئی ہوں گی، پوری دنیا کا میڈیا آپ کو اٹھا رہا ہوگا کہ یہ بہت پڑھا لکھا آدمی ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ زیادہ شادیاں کرنے کا تعلق صرف مذہب اسلام سے نہیں ہے، بلکہ آپ تہذیب فارس، تہذیب روم دیکھ لیں، اسی طرح سابقہ انبیاء کے زمانے دیکھ لیں، ان کے دور میں بھی تو تعددِ ازواج تھا، کوئی منع نہیں تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو یہودی بھی مانتے ہیں، نصرانی بھی مانتے ہیں، سب مانتے ہیں۔ ان کی بھی تو کئی بیویاں تھیں: بی بی ہاجرہ اور بی بی سارہ علیہما السلام۔ اور اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں، اسی طرح ایسے نبی بھی گزرے ہیں جن کی چار پانچ، دس یا اس سے بھی زیادہ بیویاں تھیں۔

صرف دو نبی ایسے گزرے ہیں جن کی شادی نہیں ہوئی: ایک حضرت یحییٰ علیہ السلام اور دوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں سے اتریں گے تو ان کی شادی ہوگی اور ان کی اولاد بھی ہوگی اور اس کے بعد ان کو موت آئے گی اور پھر میرے مدنی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے میں دفن ہوں گے۔ آج کل جو لوگ دوسری شادی کے خلاف بڑا واویلا کرتے ہیں وہ ہندو ہیں۔ ان کا بڑا کرشنا جو بڑا اوتار گزرا ہے، ان کے ویدوں کے اندر دیکھ لیں کہ کرشن بہت بڑا اوتار ہے۔ اس کے ہندو کتابوں میں عورتوں سے عجیب وغریب معاشقے مذکور ہیں۔ اب تو عیسائیوں نے بھی ماننا شروع کر دیا ہے کہ پہلے تورات وانجیل اور سابقہ کتابوں میں یہ ملتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بیویاں زیادہ تھیں۔ کئی عیسائیوں نے کتابوں کے اندر لکھ کر باقاعدہ اقرار کر لیا ہے۔ تو جب یہ بات پہلے سے چلی آرہی ہے تو اسلام میں یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے کہ اس کو بدنام کیا جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کو ہزاروں سال گزر گئے ہیں۔ ان کے زمانے میں یہ بات موجود ہے اور دیگر پیغمبروں کے زمانہ میں بھی جب یہ بات موجود ہے تو صرف اسلام پر الزام لگانے کا کیا مطلب ہے؟ اگر تم بڑے منصف مزاج ہو تو موسیٰ علیہ السلام پر بھی اعتراض کرو، داؤد پر بھی کرو۔

چار سے زیادہ بیویوں کی اجازت نہیں:

تیسری بات یہ سمجھیں کہ اسلام نے ایک عادلانہ نظام دیا ہے۔ نہ تو انسان پر پابندی لگا دی کہ دوسری شادی نہیں کر سکتے اور نہ اس کی کھلی چھٹی دے دی کہ دس کرلو گیارہ کرلو، پچاس کرلو، بلکہ ایک حد مقرر کر دی ہے کہ تم ایک وقت میں چار نکاح کر سکتے ہو، پانچویں شادی نہیں کر سکتے۔



اور اس کا عملی طور پر بھی نمونہ سامنے آ گیا کہ غیلان بن سلمہ الثقفی رضی اللہ عنہ جب اسلام لے آئے تو فرماتے ہیں کہ میرے پاس دس عورتیں تھیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ تم ان دس عورتوں میں سے چار کو رکھ لو اور باقیوں کو طلاق دے دو۔ انہوں نے چار کو رکھ لیا، باقیوں کو طلاق دے دی۔

انہی کا ایک واقعہ آتا ہے کہ جب امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا، اس نے ان چاروں بیویوں کو ایک ایک طلاق دے دی اور ساری جائیداد لڑکوں کو دے دی، تا کہ میری بیویاں وارث نہ بنیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے بلا کر فرمایا: کیا تم نے جائیداد بچانے کے لیے ساری بیویوں کو طلاق دی ہے؟ (چونکہ یہ طلاق رجعی تھی، اس لیے فرمایا کہ) ان سے فوراً رجوع کرو، ورنہ میں درے مار مار کر تمہیں ٹھیک کر دوں گا۔ اتنا عرصہ گزر گیا آج تمہیں طلاق یاد آ گئی ہے؟ فوراً ان سے رجوع کرو اور تمہیں ان کا حق دینا ہوگا۔ پھر اس نے رجوع کر لیا۔ اسی طرح اسلام میں کئی صحابہ آئے ان کی پانچ بیویاں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا: ایک کو طلاق دے دو، چار رکھ سکتے ہو، پانچ نہیں رکھ سکتے۔ یہ کتنا منصفانہ عدد ہے۔ بہر حال ہمارا مقصد یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا: چار رکھ سکتے ہو، پانچویں نہیں رکھ سکتے۔

زیادہ شادیوں کی اجازت کیوں ہے؟

یہ تاریخ عالم ہے کہ مرد عورتوں کی بنسبت زیادہ مرتے ہیں۔ ایک جنگ بھی ہو جائے تو دیکھ لیں کہ مرد کتنے ختم ہو جائیں گے؟ آپ کسی جنگ کا ریکارڈ سامنے رکھ کر دیکھ لیں مرد ہی مریں گے، عورتیں تو گھروں میں ہوتی ہیں۔ جب عورتیں زیادہ ہو جائیں تو آپ ایمان سے بتائیں کہ ان کا کیا حال ہوگا؟ اگر ایک آدمی کو چار لڑکیوں سے شادی کی اجازت نہ دی جائے تو اس کا کیا حال ہوگا؟ آدمی ایک بیوی پر بڑا فخر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ غیر شرعی سو بیویاں رکھ لوں گا تو جائز ہیں، لیکن نکاح کی چار نہ رکھوں گا۔

دوسری شادی پر اعتراض کیوں ہوتا ہے؟

ہندو اور کافر تہذیبوں کا ہمارے اوپر بھی اثر ہے۔ اگر ہمارے پاس جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور بڑے بڑے لوگوں کے پاس دس بیس عورتیں نہ ہوں تو وہ بڑے کہلاتے ہی نہیں ہیں، وہاں بیویاں ناراض نہیں ہوتیں، لیکن جب دوسری شادی کر لے تو پہلی بیوی طوفان کھڑا کر دے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کا دراصل جائیداد

کا جھگڑا ہے، دوسری عورت سے کوئی جھگڑا نہیں ہے؛ کیونکہ اگر اس دوسری عورت سے اولاد ہو جائے گی تو جائیداد ادھر تقسیم ہو جائے گی، ورنہ جو عورتیں آج کہتی ہیں کہ چار بیویاں ناجائز ہیں اور کل آپ اشتہار دے دیں کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں اور پانچ لاکھ حق المہر دوں گا اور ایک بنگلہ بھی دوں گا تو سب سے پہلے لائن لگا کر یہی کھڑی ہوں گی کہ ہمیں قبول کرلو۔ آپ کہیں کہ پہلے میری دو بیویاں ہیں تو وہ کہیں گی کہ کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ بھی تو ہماری بہنیں ہیں، آپ تو ہمیں علیحدہ محل دے رہے ہیں۔ تو یہاں وہ بات بھی بھول جائیں گی کہ پہلے کتنی بیویاں ہیں؛ کیونکہ حق المہر پانچ لاکھ جو ہے۔

اور اگر کوئی غریب آدمی اپنی عزت کو، اپنی عفت کو محفوظ کرنے کے لیے گناہوں سے بچنے کے لیے شادی کرنا چاہے تو پہلے اس کو کوئی دینے کے لیے تیار نہیں ہوگا اور اگر تیار ہو جائے تو لوگ کہیں گے کہ دیکھو دوسری شادی کر رہا ہے۔ چاہے وہ گناہ کرتا پھرے، حرام کھاتا پھرے، کوئی اعتراض نہیں کرے گا، مگر وہ حلال نہ کھائے۔

مسلمانوں پر زیادہ شادیاں کرنے کا الزام:

یاد رکھیں! بعض لوگ حضور اکرم ﷺ پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ نے نو شادیاں کی ہیں اور مسلمان کا کام ہی یہی ہے کہ یہ کچا، پکا گوشت کھاتے ہیں اور عورتوں سے شادی کرنا ان کا کام ہے۔

یاد رکھیں! میرے پاک نبی ﷺ اتنے معصوم ہیں، پاک ہیں، شہوانیت اور حیوانیت سے اتنے دور ہیں کہ مکہ کے سارے دشمنوں نے ان کے نبی ہونے کا انکار کیا، لیکن میرے مدنی ﷺ کے کریکٹر پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔ ابوجہل، ابولہب سے بڑا کوئی دشمن نہیں ہوگا۔ تاریخ عالم کو کھنگال ڈالیں کسی دشمن نے بھی حضور اکرم ﷺ کے کردار پر انگلی نہیں اٹھائی، کفار مکہ تو خود آپ کے پاس چل کر آئے کہ سارے مکہ کے سردار آپ کے سامنے ہیں، جس سردار کی لڑکی کو چاہو ہم آپ کے دروازے پر حاضر کر دیں گے، لیکن ہمارے خداؤں کو برا نہ کہو، اگر دولت چاہیے تو پورے مکہ کے خزانے حاضر ہیں، حکومت چاہیے تو تخت حاضر ہے، لیکن مہربانی کریں آپ جو ہمارے خداؤں کو برا کہتے ہیں تو ہمارے دلوں پر آرے چل جاتے ہیں۔ آپ نرمی کریں اور آپس میں کوئی سمجھوتا کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ آج بھی کہتے ہیں کہ اتنی سخت تقریر نہ ہو، تا کہ آپ کا نام بھی لیا جائے۔

حضور ﷺ کی زیادہ شادیوں کی حکمت:

بہر حال کوئی دشمن آپ کے کردار پر اعتراض نہ کر سکا، آپ کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں، محسنہ

اسلام، محسنہ محمد مصطفیٰ ﷺ۔ یہ خاتون اوّل ہیں، لیکن تمہارے ہاں ہر عورت خاتونِ اوّل بن جاتی ہے۔

یاد رکھیں! جب بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح ہوا اس وقت آپ کی عمر پچیس سال اور بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی اور ان کے دو خاوند پہلے ہو چکے تھے اور ان دونوں سے اولاد بھی ہے۔ خود اندازہ کریں کہ ایک عورت چالیس سال کی ہو جائے اور چار پانچ بچوں کی ماں بھی ہو، دو شوہر بھی گزر گئے ہوں، اس میں جوانی والی کون سی بات رہ گئی ہے؟ اور خاص طور پر گرم ملک کی عورت ہو، جس ملک کی پوری خوراک گرم ہو، وہاں چالیس سال کی عورت اور پانچ بچوں کی ماں بننے کے بعد اس کے اندر وہ کون سا جذبہ رہ جاتا ہے؟ لیکن حضور اکرم ﷺ کی صفتیں سن کر بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پہچان لیا کہ آگے جا کر انہوں نے کچھ بننا ہے، خدا کرے کہ یہ میرے نصیب میں آجائے۔ اور اس کے باوجود دیکھ لیں کہ حضور اکرم ﷺ ساری ساری رات حراء میں بیٹھے ہیں، مہینہ مہینہ وہاں رہتے ہیں، اس کے بعد گھر آ کر رات گزارتے ہیں، بی بی صاحبہ کھانے کی چیزیں بنا کر دیتی ہیں تو حضور اکرم ﷺ پھر غاروں میں عبادت کے لیے جا رہے ہیں۔ اگر آپ نے خواہشِ نفسانی کے لیے شادی کی ہوتی تو آپ پندرہ سال کی لڑکیوں سے شادیاں کرتے۔ آج اگر بوڑھوں کو پیسے مل جائیں وہ بھی پندرہ سال والی کو لے آتے ہیں یا آپ چالیس سال کی بوڑھی سے شادی کر لیتے اور اس وقت مکہ والوں کا کوئی جھگڑا بھی نہیں تھا، جھگڑا تو چالیس سال کے بعد ہوا۔ جب حضور اکرم ﷺ نے توحید کی دعوت دی اور پھر جو حضور اکرم ﷺ کی شادیاں ہوئیں وہ ترپن سال کی عمر کے بعد ہوئیں اور زندگی کے آخری دو سالوں میں سب اللہ کے حکم سے ہوئی ہیں۔

بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شادی اللہ کے حکم سے ہوئی، بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی اللہ کے حکم سے ہوئی، بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا اور جس جس بیوی سے شادی ہوئی۔ اس کا ایک پس منظر ہے کہ اللہ کے حکم سے ہوئی ہیں۔ تو جب میرے مدنی پاک ﷺ نے تمام نکاح میرے اللہ کے حکم سے کیے ہیں اور اس عمر مبارک میں کیے ہیں جب آپ ﷺ کی عمر مبارک زیادہ ہو گئی تو نفسانی خواہشات کا الزام لگانا ماسوائے کفر کے، بغض باطن اور شقاوتِ قلبی کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ دشمن تو دشمن ہے، جو مرضی آئے کہہ دے۔

کئی بیویوں کو اسلام میں تحفظ:

اسلام نے چار شادیوں کی اجازت دی ہے اور ساتھ پابندی لگائی کہ پانچویں نہیں کر سکتے اور یہ بھی کہا کہ اگر

عدل نہیں کرو گے تو قیامت کے دن فالج زدہ اٹھائے جاؤ گے، تا کہ محشر والے دیکھ لیں کہ اس کی دو بیویاں تھیں، لیکن ان میں عدل نہیں کرتا تھا۔ اسلام نے عورت کی حفاظت کی، تا کہ وہ بازار کی زینت نہ بنے، اوپن ایئر تھیٹر نہ بن جائے۔ وہ کسی کے عقد نکاح میں جائے، کسی کی بیوی بنے اور اس کو تحفظ ملے۔

عورت کئی خاوند نہیں رکھ سکتی:

اور دوسری بات یاد رکھیں کہ عورت کو اسلام نے حکم نہیں دیا کہ وہ چار خاوند رکھ سکے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خاوند کو حاکم بنایا ہے: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ [النساء: ۳۴] اور عورت کو محکوم بنایا ہے۔ ایک حاکم کے نیچے محکوم تو زیادہ ہو سکتے ہیں، لیکن ایک محکوم کے اوپر حاکم زیادہ ہوں تو کام ٹھپ ہو جائے گا۔ اب دیکھ لیں! بادشاہ ایک ہے، لیکن اس کے کئی وزیر مشیر ہیں، کام چل رہا ہے، لیکن اگر اوپر چار بادشاہ ہوں تو گاڑی نہیں چلے گی۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ جب چار خاوند ہوں، بیوی ایک ہو اور ایک وقت میں چاروں کو ضرورت پڑ جائے تو وہ کیا کرے گی؟ اس کے بعد نطفہ کا فیصلہ کریں گے کہ یہ کس کا ہے؟ اگر ایک بچہ ہو اس کو تقسیم کرنا پڑے تو کیا اس کو ٹکڑے ٹکڑے کریں گے؟

پسند اور حلال کی جگہ شادی کرو:

یاد رکھیں! اسلام نے جو بھی حکم دیا ہے عین عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ اس کے دو ترجمے ہیں: ایک ترجمہ ہے کہ جو پسندیدہ ہو؛ کیونکہ ہر آدمی اپنی پسند کی شادی کرتا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہے کہ ''مَا أُحِلَّ لَكُمْ'' جو تمہارے لیے حلال ہو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ وہ ہے جو حلال ہو۔ حرام چاہے کتنا اچھا ہو وہ پسندیدہ نہیں ہو سکتا۔ تو معنی ہوا کہ جو رشتے تمہارے لیے حلال ہیں۔

کس کس عورت سے نکاح حرام ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ایسا معاشرہ بنا دیا کہ بعض رشتوں کے اندر حرمت ابدی ہے کہ ہمیشہ کے لیے حرام ہیں۔ کوئی آدمی ماں سے نکاح نہیں کر سکتا، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں یہ بھی ہوتا تھا کہ ہماری عورت ہے، گھر سے باہر کیوں جائے یا ماں اپنی جائیداد کا حصہ لے کر گھر سے باہر کیوں چلی جائے؟ اگر کچھ لوگ حقیقی ماں سے نکاح نہیں کرتے تھے، لیکن

سوتیلی ماں سے عام رواج تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ماں حرام کردی، بہن حرام کردی، بیٹی حرام ہوگئی، خالہ حرام ہوگئی۔ ان سب رشتوں پر پابندیاں لگادیں اور فرمایا: دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع نہ کرو کہ ایک آدمی نکاح کرتا ہے، ابھی اس کی بیوی موجود ہے اور وہ اس کی دوسری بہن سے شادی کرلے یہ منع ہے۔ دو بہنوں کو ایک وقت میں ایک گھر کے اندر جمع ہونا شریعت نے حرام کردیا ہے۔

یہ علیحدہ بات ہے کہ ایک بہن سے شادی کی تھی، اس کو طلاق دے دی یا وہ بے چاری مرگئی، اس کی عدت گزرنے کے بعد اس کی دوسری بہن سے شادی کرلی یہ جائز ہے، لیکن دو بہنیں بیک وقت نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں۔

دو بہنوں سے بیک وقت نکاح کیوں حرام ہے؟

یہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے حکم دیا، تاکہ عورت پر ظلم نہ ہو؛ کیونکہ اگر وہ ایک مرد کی بیویاں بن جائیں تو لازماً ہر عورت یہ چاہتی ہے کہ خاوند کا میلان میری طرف زیادہ ہو تو اس طرح دوسری بہن پر ظلم ہوتا اور اس کے اندر حکمت بھی ہے۔ دیکھ لیں! آج جتنے فتنے اٹھتے ہیں اکثر لوگ سالیوں کے ساتھ ......نعوذ باللہ...... تعلقات قائم کرلیتے ہیں۔ ایسا بھی ہوا کہ بہن نے اپنی بہن کا گھر برباد کیا ہے۔ عورتیں طعنہ تو مرد کو دیتی ہیں، لیکن سب سے زیادہ ظالم عورت ہوتی ہے، جو اپنی بہن کو بھی نہیں دیکھ سکتی، اپنی بہن کے گھر کو بھی نہیں دیکھتی، اپنی بہن کو نکلوا کر خود شادی کرلیتی ہے۔

عورت کا مرد پر ظلم:

اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا کہ جب شادی ہوتی ہے تو پہلے دن سے ہی یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ آپ ہماری لڑکی کو علیحدہ رکھیں گے؛ کیونکہ ہم نے تمہاری ماں کی خدمت کے لیے کوئی نوکرانی تو نہیں بھیجی۔ اور وہ پہلے دن سے مرد کو اس کی ماں سے کاٹ رہی ہے۔ عورت پر ظلم ہو رہا ہے کہ جس عورت نے اس کو پیٹ میں رکھا تھا، تم اسی سے علیحدہ کر رہی ہو، جس باپ کے نطفے سے وہ پیدا ہوا تھا آج اس سے اس کو علیحدہ کر رہی ہو؟ صاف بات ہے کہ جب وہ علیحدہ رہے گا تو ماں باپ کے گھر میں کبھی کبھی جائے گا؛ کیونکہ اس کی بیوی علیحدہ ہے، اس کا کھانا علیحدہ ہے۔

اگر اس کے اندر قربانی کا جذبہ ہوتا تو کہتی: آپ اپنے والدین کے گھر میں رہیں، ان کی خدمت کا موقع ملے گا، ان کو کسی خادم اور نگران کی ضرورت ہے، اس لیے ہم وہیں رہیں گے، لیکن وہ اگر ایسا کرے تو وہ بیوی بیوی نہ رہی؛

کیونکہ بیوی تو وہ ہے جو سب سے علیحدہ کر دے۔

ہر آدمی کے لیے چار بیویوں کا حکم لازمی نہیں ہے:

اسی لیے اسلام نے جو حکم فرمایا اس میں حکمتیں ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر کوئی شادی کرنا چاہے، اس کو بیک وقت چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔ یہ حکم نہیں کہ ہر آدمی لازماً چار شادیاں کرے؛ کیونکہ ہر آدمی کے احوال مختلف ہیں۔ ایک آدمی ہے جو ایک بیوی کے ساتھ بھی گزارہ نہیں کرسکتا، وہ کمزور ہے۔ اور ایک آدمی ایسا ہے کہ اس کا ایک بیوی سے گزارہ نہیں ہوسکتا، اس کو اللہ نے زیادہ قوت اور طاقت دی ہے، اس کے روزانہ کے حقوق ادا کرنے سے اس کی بیوی قاصر ہے۔

دوسری شادی کی ضرورت کیوں ہے؟

اور دوسری بات یہ ہے کہ اس قسم کا آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے قوت وطاقت دی ہے جب عورت آٹھ دن کے لیے حیض میں ہوگئی یا عورت حاملہ ہوگئی، عورت نفاس میں ہے، ولادت کے مراحل میں ہے، دودھ پلانے کے مراحل میں ہے، پھر ایک بچہ، پھر دو بچے، پھر تین بچے، پھر چار بچے ہوگئے۔ اب ان کی لمبی ذمہ داریاں ہیں اور خاوند کے بھی اپنے تقاضے ہیں تو کیسے پورے ہوں گے؟ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی نے بڑے شوق سے شادی کی، لیکن اولاد نہیں ہوئی۔ اب اس نے جا کر لیڈی ڈاکٹر سے چیک اپ کروایا تو فیصلہ ہوگیا کہ عورت میں نقص ہے، بچے پیدا کرنے کے قابل نہیں ہے تو کیا وہ طلاق دے دے؟ کاٹ کر پھینک دے؟ اب اس عورت کا آخر کیا گناہ ہے؟ اگر مرد کو دوسری شادی کی اجازت نہ ہو تو کیا مرد پہلی بیوی کو طلاق دے دے؟ تو پھر یہ ظلم نہیں ہوگا؟ اس لیے اسلام نے دوسری شادی کی اجازت دے دی کہ پہلی عورت کو طلاق نہ دو، اس کے حقوق بھی ادا کرو۔ اگر وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں تو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے، تمہارے اندر بھی یہ نقص ہوسکتا تھا۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی نے شادی کرلی، بیوی گھر میں آگئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بیوی کو کوئی ایسی بیماری ہے جو متعدی ہے۔ تو کیا اب وہ اس کو گھر سے باہر نکال دے؟ طلاق دے دے؟ کہ مجھے تو ایک شادی کرنی ہے، دوسری تو میں نہیں کرسکتا۔ ایسے ملک جو اپنے آپ کو ایڈوانس ملک کہتے ہیں، وہاں شہزادیوں کو طلاقیں ہو رہی ہیں؛ کیونکہ قانون میں گنجائش نہیں ہے۔ اگر اسلام پر عمل ہوتا تو پہلی بیوی دھکے نہ کھاتی، بچے دربدر نہ ہوتے۔

کسی ملک کے اندر جنگ ہو جائے اور وہاں مرد مارے جائیں، عورتیں زیادہ ہو جائیں تو ان عورتوں کا کیا کیا جائے؟ کیا ایکسپورٹ کے دفاتر کھولے جائیں کہ ہمارے ملک میں عورتیں زیادہ ہیں، جس ملک میں مرد زیادہ ہوں وہ ہم سے لے لیں۔ اگر ہم اسلام کے قانون کو مان لیں کہ ایک بندہ چار بیویاں رکھ لے تو الحمد للہ تقسیم برابر ہو جائے گی، کسی کو ملک چھوڑنے اور دربدر ہونے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور اسلام نے ان کو حقوق دیے ہیں کہ اگر دو یا تین بیویاں ہیں، حکم ہے کہ عدل کریں۔

یتیم کے مال کی حفاظت:

﴿وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اندر حکم فرمایا کہ یتیموں کا مال ان کو دیا جائے، جب وہ صحیح معنی میں عاقل و بالغ ہو جائیں؛ کیونکہ بعض اوقات آدمی بالغ تو ہوتا ہے، لیکن اس کو رشد اور کمال حاصل نہیں ہوتا اور اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کی جائیداد ضائع کر دے گا۔ اس لیے ورثاء احتیاط کریں، ان کو مال اس وقت دیں جب وہ صحیح معنی میں عقل وفہم والے ہو جائیں۔ بعض بچے کم عمر ہوتے ہیں، لیکن سمجھدار ہوتے ہیں اور بعض بیس سال کے ہو جاتے ہیں، لیکن عقل پندرہ سال والے کے برابر بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے یتیم کے مال کو حفاظت کے ساتھ رکھا جائے۔ جب وہ عقل وافر کو پہنچ جائیں تو ان کو ان کا مال سونپ دیا جائے، ان کے مال کو بدل کر یا کسی شکل میں بھی ضائع نہ کیا جائے؛ کیونکہ یہ حقوق العباد ہے اور یہ اموال یتامی ہے کہ ایسے کمزور لوگ جن کا اللہ کے سوا کوئی معاون، والی اور ناصر نہیں۔

حلال رزق ملنے سے پہلے حرام کی طرف مت دوڑو:

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے تھے: "لَا تَعْجَلْ بِالرِّزْقِ الْحَرَامِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكَ الرِّزْقُ الْحَلَالُ الَّذِي قُدِّرَ لَكَ." [تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۲۰۷] میرے بھائی! جلدی جلدی حاصل کرنے کے لیے رزق حرام حاصل نہ کرو۔ یعنی آدمی سمجھتا ہے کہ ابھی یتیموں کا مال ملتا ہے کھالو، پھر دیکھا جائے گا۔ یا جلدی رزق ملے، چاہے نشہ بیچ کر ملے، حرام بیچ کر ملے، یتیموں کا مال کھا کر ملے یا ہمیں سودی معاملات کے اندر ملے۔ اس لیے فرمایا: جلدی نہ کرو اور صبر کرو۔ جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے رزق حلال لکھا ہے وہ تجھے ملے گا۔ جلدی کر کے رزق حرام بربادی کا باعث ہے۔ وقتی طور پر تو کہا جاتا ہے کہ یہ کتنا سمجھدار آدمی ہے کہ چند مہینوں کے اندر کروڑوں پتی بن گیا ہے، لیکن جب آپ اس کا انجام

دیکھیں گے تو کہا جاتا ہے کہ عبرت حاصل کریں گے۔ جیسا کہ لوگوں نے جب قارون کو دیکھا کہ وہ اپنے خزانے کے ساتھ نکلا ہے اور اس کے خزانوں کا یہ عالم تھا کہ تین سو سے زیادہ خچر اس کے خزانے کی چابیاں اٹھاتے تھے تو خود اندازہ لگائیں کہ اس کے خزانے کتنے ہوں گے؟ ایک دن وہ اپنے لشکر کے ساتھ نکلا تو بعض لوگ کہنے لگے: ﴿يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ﴾ [القصص: ۷۹] ہائے! ہمیں بھی ملتا۔ دیکھو! کیسے مزے ہیں!! جب اللہ تعالیٰ نے قارون کو پکڑ لیا تو کہنے لگے: اچھا ہوا کہ ہمیں ایسا نہیں ملا۔

یتیم کا مال کھانے کی صورتیں:

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے تھے: ''لَا تَتَبَدَّلُوا الْحَرَامَ مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْحَلَالِ مِنْ أَمْوَالِكُمْ، يَقُولُ: لَا تُبَذِّرُوا أَمْوَالَكُمُ الْحَلَالَ وَتَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمُ الْحَرَامَ.'' [تفسیر ابن کثیر] کیا بے وقوفی کرتے ہو کہ حرام مال لے کر اپنے حلال کو تبدیل کر رہے ہو؟ کیونکہ لوگوں کا جو مال مار رہے ہو یہ مال تو حرام ہے تو کیا فائدہ ہوا؟

حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ اور حضرت زہری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ''لَا تُعْطِ مَهْزُولًا وَتَأْخُذْ سَمِينًا.'' [ایضا] اپنی کمزور بکری دے دی اور موٹی تازی لے لی، یعنی اپنا کمزور مال یتیم کے مال میں شامل کر دیا اور یتیم کا اچھا مال اپنے مال میں شامل کر لیا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ اپنا کھوٹا سکہ ادھر ڈال دیا اور کھرا پیسہ لے لیا۔ یہ بھی تبدیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہ کرو۔

حضرت مجاہد، حضرت سعید بن جبیر، ابن سیرین، مقاتل بن حیان، سدی اور سفیان بن حسین رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ﴾ کا معنی یہ ہے کہ اپنے مال کو یتیم کے مال کے ساتھ ملا دیا اور ظاہر کیا کہ ہم تو اپنے ساتھ یتیم کو کھلاتے ہیں، اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور ہر چیز مشترک ہے، ہم اس کو علیحدہ نہیں سمجھتے۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس طرح اس کے مال کو کھا لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ﴾ ایسا کرنا بہت بڑا گناہ ہے؛ کیونکہ یاد رکھیں! ایک تو قطع رحمی کا گناہ ہے، دوسرا مظلوم پر ظلم کا گناہ ہے اور تیسرا حقوق العباد کا کھانا ہے۔ اور یہ ایسا گناہ ہے کہ یہ اللہ بھی معاف نہیں کرتے جب تک کہ بندہ معاف نہ کرے یا اس کا حق ادا نہ کرے۔

اس لیے علماء، فقہاء اور مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر تم نے کسی کا حق دینا ہے اور وہ بندہ مر گیا تو اس کے وارثوں کو دو۔ اور بعض اوقات ایسے حالات بھی ہیں کہ اس کے وارث بھی نہیں مل رہے تو پھر بھی حکم ہے کہ خیرات کر دو۔ اللہ تعالیٰ

اس کو بھی اجر دیں گے اور تمہیں بھی ثواب دیں گے۔

کتنی دکھ والی بات ہے کہ آج لوگ سب سے زیادہ انہی معاملات میں بے احتیاطی کرتے ہیں۔ نماز پڑھنا اپنی بھلائی ہے، تم اگر نافلہ عبادت کرتے ہو، قرآن پڑھتے ہو، روزہ رکھتے ہو تمہاری بھلائی ہے۔ حقوق العباد میں بات یہ ہے کہ تمہارا لوگوں کے ساتھ معاملہ کیسے ہے؟ دین کو وہاں آزمایا جائے اور اس مسئلہ میں ہمارے طبقہ کا حال اچھا نہیں ہے۔ ہم نے بہت کم لوگ دیکھے ہیں جو احتیاط کرتے ہیں۔

ہم نے ایسے اساتذہ بھی دیکھے ہیں جب ان کے پاس جا کر ٹھہرو، ہم نے مدرسے سے کھانا منگوا کر کھالیا، تا کہ استاذوں کو تکلیف نہ ہو تو صبح استادوں نے باقاعدہ پوچھا: کہ صاحب رات کو کھانا کون لایا تھا؟ ہم نے کہا: طالبوں کے ساتھ ہم نے کھالیا۔ انہوں نے فرمایا: لنگر میں آپ کے لیے نہیں پکا تھا، آپ ہمارے مہمان تھے، آپ مدرسہ کے مہمان تو نہیں تھے۔ تو انہوں نے پوچھا کہ ایک طالب علم کے کھانے کا کتنا خرچہ ہے؟ بتایا گیا کہ دو روپے ہیں تو انہوں نے دو روپے دے دیے کہ یہ لے لو اور مدرسہ میں جمع کرادو؛ کیونکہ یہ ہمارا مہمان ہے۔ ہم قیامت کے دن اللہ کو کیا جواب دیں گے؟

طلاق دینا اللہ کو ناپسند ہے:

﴿اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا﴾ مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿حُوْبًا﴾ کا معنی گناہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا: ((يَا أَبَا أَيُّوبَ! إِنَّ طَلَاقَ أُمِّ أَيُّوبَ كَانَ حُوبًا)) [المعجم الکبیر، رقم: ۳۲۸] اے ابو ایوب! تم نے گناہ کیا ہے، تم نے ام ایوب کو کیوں طلاق دی ہے؟

مقصد یہ تھا کہ بلا وجہ طلاق دینا گناہ ہے۔ اگر کوئی جائز وجہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے راستہ رکھا ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال میں مبغوض چیز طلاق ہے۔ اپنی بیوی کی اصلاح کی کوشش کرے، جب کوئی راستہ نہ رہے تو اللہ تعالیٰ نے طلاق کا راستہ رکھا ہے۔

طلاق دینے کا سنت طریقہ:

لیکن پھر بھی طلاق میں جلد بازی نہ کرو اور سنت کے مطابق طلاق دو کہ عورت حیض سے پاک ہو جائے اور اس

طہر میں میاں بیوی نہ ملیں، اس میں ایک طلاق دے۔ اور اگر دوسری طلاق دینی ہو تو دوسرے طہر میں دے اور اگر تیسری طلاق دینی ہو تو تیسرے طہر میں دے۔ طہر عورت کے پاکیزگی کے ایام کو کہتے ہیں۔

عدل نہ ہو سکے تو یتیم لڑکی سے شادی نہ کرو:

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ((اَلْحُوبُ الْإِثْمُ)) حوب کا معنی گناہ ہے۔

بعض روایات کے اندر یہ آتا ہے کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے طلاق دینے کا ارادہ کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: طلاق دینا بہت بڑا گناہ ہے۔ [مستدرک حاکم: ۲/ ۳۰۲]

لہٰذا اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ یتیموں کا مال ملا کر کھانا بہت بڑا گناہ ہے اور بہت بڑی خطا ہے۔ یتیموں کے مال سے بچو۔

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾

یعنی اگر کسی کی گود میں یتیم لڑکی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ میں اس سے شادی کروں، لیکن سمجھتا ہے کہ میں عدل نہیں کر سکوں گا اور حق المہر بھی اس کے ہم پلہ عورتوں کے برابر نہیں ادا کر سکتا تو فرمایا کہ تم یتیم لڑکی سے شادی نہ کرو، تمہارے لیے عورتوں کی تنگی تو نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ ایک آدمی کے پاس ایک یتیم لڑکی تھی اور اس کا باغ تھا اور اس آدمی نے اس لڑکی کو اپنے پاس روکا ہوا تھا، حالانکہ اس کو اس لڑکی میں کوئی رغبت نہیں تھی تو اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾۔

راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ وہ لڑکی اس آدمی کے ساتھ اس باغ اور اس کے مال میں شریک تھی، تاکہ اس کے باغ کو اور اس کے مال کو وہ ہضم کر لے؛ کیونکہ اگر وہ اس کی شادی دوسری جگہ کرتا تو لازمی بات ہے کہ جائیداد جاتی، لہٰذا جائیداد پر قبضہ کرنے کے لیے لڑکی سے شادی کر لی۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ یتیم لڑکیوں پر ظلم نہ کرو۔ اگر ان سے نکاح کرو تو عدل کرو، مہر دو، برابری کرو، عزت دو، ورنہ بصورتِ دیگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دوسری عورتیں رکھی ہیں۔ اس لیے بلا وجہ یتیم لڑکیوں سے شادی کر کے ان پر ظلم نہ کرو۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس

آیت ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى﴾ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: میرے بھانجے! یہ یتیم لڑکی اپنے ولی کی پرورش میں تھی اور اس کے مال میں شریک تھی اور اس کے ولی کو اس کا مال اور جمال اچھا لگتا تھا تو اس کا ولی چاہتا تھا کہ اس کے مہر میں انصاف کیے بغیر اس سے نکاح کرلے تو ان کو منع کر دیا گیا کہ ان سے انصاف کیے بغیر ان سے نکاح نہ کریں اور ان کے بارے میں مہر کے سب سے اعلیٰ طریقہ پر پہنچیں۔ اور ان اولیاء کو حکم دیا گیا کہ ان یتیم لڑکیوں کے علاوہ ان کو جو عورتیں اچھی لگیں ان سے نکاح کرلیں۔

حضرت عروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: لوگوں نے اس آیت ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى﴾ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى النِّسَاءِ الّٰتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا﴾ [النساء: ۱۲۷] ''اور (اے پیغمبر!) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں شریعت کا حکم پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں حکم بتاتا ہے، اور اس کتاب (یعنی قرآن) کی جو آیتیں جو تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ بھی ان یتیم عورتوں کے بارے میں (شرعی حکم بتاتی ہیں) جن کو تم ان کا مقرر شدہ حق نہیں دیتے اور ان سے نکاح کرنا بھی چاہتے ہو، نیز کمزور بچوں کے بارے میں بھی (حکم بتاتی ہیں) اور یہ تاکید کرتی ہیں کہ تم یتیموں کی خاطر انصاف قائم کرو۔ اور تم جو بھلائی کا کام کرو گے، اللہ کو اس کا پورا پورا علم ہے۔''

حضرت عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ [النساء: ۱۲۷] جب یتیم لڑکی قلیل مال والی اور کم خوبصورت ہو تو تمہاری رغبت کم ہو جاتی ہے۔ تو ان اولیاء کو ان یتیم عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا جن کے مال اور جمال میں انصاف کے بغیر رغبت رکھتے ہوں۔ یہ منع اس وجہ سے کیا گیا کہ وہ عورتیں جب کم مال دار اور کم خوبصورت ہوں تو یہ ان سے بے رغبت ہو جاتے ہیں۔ [بخاری، رقم: ، رقم: ۴۵۷۳]

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا أُولِي أَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ﴾ [الفاطر: ۱] اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے بعض ایسے ہیں جن کے دو پر ہیں، بعض کے تین پر ہیں اور بعض کے چار پر ہیں اس سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہاں زیادہ کی نفی نہیں ہے اور یہاں زیادہ پر پابندی ہے کہ

اللہ کے نبی ﷺ نے سمجھا دیا کہ چار نکاحوں سے زیادہ نکاح نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اس آیت کو سامنے رکھ کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جتنے مرضی آئیں نکاح کر لو۔ اس لیے مفسرین رحمہم اللہ نے فرمایا: یہ جگہ بندوں کے لیے امتنان و احسان ہے۔ اگر چار سے زیادہ کی اجازت ہوتی تو اللہ تعالیٰ یہاں فرما دیتے کہ پانچ چھ آٹھ کر لو، لیکن جب پابندی آ گئی تو اب کوئی چار سے زیادہ نکاح نہیں کر سکتا۔

چار سے زیادہ شادیاں حضور ﷺ کی خصوصیت تھی:

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض لوگ کہتے ہیں کہ نو شادیاں اس لیے جائز ہیں؛ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی نو بیویاں تھیں، حالانکہ اگر غور کریں تو گیارہ تھیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیق میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے تو پندرہ بیویوں سے نکاح کیا، تیرہ عورتوں کے پاس آپ تشریف بھی لے گئے، یعنی شادی ہوئی اور آپ کے پاس ایک وقت میں گیارہ بیویاں بھی رہیں، لیکن آپ کی وفات مبارک ہوئی تو آپ کے پاس نو بیویاں تھیں۔

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ سے لے کر آج تک تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت تھی۔ اللہ نے اپنی نبی کو اجازت دی تھی اور کسی کو اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ اس پر احادیث دلالت کر رہی ہیں کہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو بعض ایسی خصوصیات دی تھیں جو اور کسی کو نہیں ملیں، حتیٰ کہ صحابہ کہتے ہیں: اگر حضور ﷺ ایک لاکھ کے مجمع میں بھی کھڑے ہو جائیں تو سب سے اونچے نظر آتے تھے۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ کا قد بہت لمبا نہیں تھا اور نہ چھوٹا تھا، بلکہ بالکل اعتدال پر تھا، لیکن یہ آپ کی شان تھی کہ جہاں کھڑے ہوتے اونچے نظر آتے تھے اور یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت تھی کہ جب آپ چلتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ اوپر سے نیچے کی طرف آ رہے ہیں۔

لونڈیوں سے شادی کے مسائل:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③﴾ اگر تم ڈرتے ہو کہ تم چار عورتوں میں برابری نہیں کر سکو گے تو ایک بیوی سے شادی رکھو یا وہ لونڈیاں جو جہاد میں تمہارے حصے میں آئیں، وہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں۔ پھر ان کے حقوق اتنے نہیں ہوتے جتنے حرہ آزاد عورتوں کے حقوق ہوتے ہیں۔

اسلام پر لونڈیوں کے بارے میں اعتراض کیا جاتا ہے۔ یہ جاہلانہ اعتراض ہے۔ پروپیگنڈہ اتنا زیادہ کر دیا

جاتا ہے کہ مسلمان بھی گھبرا جاتے ہیں کہ اچھا اسلام میں لونڈی جائز ہے؟ جب قرآن حکیم ہے تو مسلمانوں کو سوچنے، ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اصل مسئلہ سمجھیں کہ امیر المومنین باقاعدہ شریعت کے حکم کے مطابق جہاد کرے، یہ نہیں کہ کرسی کے لیے لڑ پڑیں یا ملک حاصل کرنے کے لیے لڑ پڑیں یا کسی کی دولت حاصل کرنے کے لیے لڑ پڑیں، یہ جہاد نہیں، بلکہ فساد ہے۔ جہاد وہ ہوتا ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے، اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کیا جائے۔ اور باقاعدہ امیر المومنین کی بیعت ہو، اس کے مطابق مسلمان جہاد کریں اور جب اللہ تعالیٰ فتح دے دیں اب کافروں کا جتنا مال ان کے قبضے میں آیا ہے وہ مالِ غنیمت ہے۔ ان کے لڑکے، لڑکیاں، مرد، عورتیں جو قید ہوں گے وہ غلام ہوں گے۔

اب مثلاً: ایک سو لڑکے اور ایک سو لڑکیاں قید ہو گئیں۔ تو اگر آپ کو زیادہ عقل ہے تو آپ بتائیں کہ ان کا کیا کریں؟ اسلام پر اعتراض بعد میں کریں: ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہم ان کو چھوڑ دیں، ان کو کوئی سزا نہ دیں تو یہ اب کہاں جائیں؟ کیونکہ ان کا ملک تو آپ نے فتح کر لیا ہے، ان کے باپ دادا مارے گئے ہیں۔ اب وہ کسی دوسرے ملک میں جا کر گناہ کریں؟ یا آپ ان کو کب تک قید میں ڈالیں گے یا آپ زبردستی ان کو کلمہ پڑھائیں گے؟ آخر آپ کو ان کے بارے میں کوئی نہ کوئی فیصلہ تو کرنا ہے۔ اسلام نے کتنا عادلانہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ایسی لڑکیاں مجاہدین میں تقسیم کر دو، یہ ان کے لیے ہیں۔ اور ان کو حکم دے دیا کہ خبردار! ان پر کوئی ظلم اور زیادتی نہ ہو، لیکن اگر تم ان کو آزاد کر کے بیوی بنا لو تو تمہیں اللہ تعالیٰ دہرا اجر دیں گے۔ اور حکم دے دیا کہ اگر رمضان میں تم سے کوئی غلطی ہو جائے تو غلام آزاد کرو۔ اگر تم اپنی بیوی کو کہہ بیٹھے ہو کہ تو ماں کی طرح ہے، تو ایک غلام آزاد کرو۔ تو اسلام نے یہ احکامات اس لیے دیے ہیں، تاکہ غلام آزاد بھی ہو جائیں اور ان کی حفاظت بھی ہو جائے اور مفتوحہ لڑکیوں کو کوئی چھت بھی مل جائے۔

﴿اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾ کا معنی:

﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳﴾

بعض مفسرین رحمہم اللہ نے ﴿تَعُوْلُوْا﴾ کا معنی اہل و عیال کیا ہے۔ اور بعض مفسرین رحمہم اللہ نے اس کا معنی فقر کیا ہے۔ مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس تفسیر پر اعتراض ہے؛ کیونکہ اگر زیادہ اولاد کا ڈر ہے تو وہ باندھیوں سے بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس کا اصل معنی "اَلَّا تَجُوْرُوْا" ہے کہ تم ظلم سے بچ جاؤ گے۔ یعنی اگر چار رکھتے ہو تو عدل

نہیں کر سکتے تو ایک کرو۔ اور اگر تمہارے پاس باندی ہے تو اس کو بھی رکھ سکتے ہو، یہ قریب ہے اس بات کے کہ تم ظلم سے بچ جاؤ گے۔ جیسا کہ ابو طالب نے اپنے مشہور قصیدہ میں عائل کا معنی ظلم لیا ہے۔

بِمِيزَانِ قِسْطٍ لَا يَخِيسُ شُعَيْرَةً
لَهُ شَاهِدٌ مِنْ نَفْسِهِ غَيْرُ عَائِلٍ

میزان انصاف ایسا کرو جو کے برابر بھی نقص نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے اپنے نفس خود گواہی دے رہے ہوں گے اس پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

اور جیسا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ نے کچھ لکھا تھا تو آپ نے ان کو جواب دیا تھا "إِنِّي لَسْتُ بِمِيزَانٍ لَا أَعُولُ." "میں کوئی ایسا میزان نہیں جو ظلم کرنے والا ہوں، بلکہ میں عدل کرتا ہوں، انصاف کرتا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس آیت ﴿ذٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا﴾ کا معنی "ظلم نہ کرو" روایت کیا گیا ہے۔

اور ایک روایت کے اندر حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ، حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت حسن، حضرت ابو مالک، حضرت ابورزین، حضرت نخعی، حضرت شعبی، حضرت عطاء الخراسانی، حضرت ضحاک، حضرت قتادہ، حضرت سدی، حضرت مقاتل بن حیان رحمہم اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ﴿أَلَّا تَعُولُوا﴾ کا معنی "أَلَّا تَمِيلُوا" ہے کہ ایک طرف میلان نہ کرنا؛ کیونکہ یہ بھی ظلم ہے۔

حق مہر کی ادائیگی کے مسائل:

﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾

تم عورتوں کو حق مہر فریضہ سمجھ کر ادا کرو۔

ایک مہر عاجلہ ہوتی ہے اور دوسری آجلہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ کے ہاں لکھا جاتا ہے مہر معجل اور مہر مؤجل۔ "معجل" کا معنی ہے جو فوراً ادا کیا جائے اور "مؤجل" کا معنی ہوتا ہے جو بعد میں ادا کیا جائے۔ مثلاً بوقت نکاح طے ہو گیا کہ دس ہزار ریال مہر ہے: پانچ ہزار معجل اور پانچ ہزار مؤجل ہے۔ اس کا معنی ہے کہ پانچ ہزار تو ابھی ادا ہوں گے اور پانچ ہزار دیر سے ادا ہوں گے۔ یہ ٹھیک ہے۔ لیکن جو جلدی ادا ہونے کی شرط ہے وہ فوراً ادا ہونے چاہئیں۔ اکثر علماء کا یہی حکم ہے کہ میاں بیوی کے ملنے سے پہلے حق المہر ادا ہو جائے۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ حق المہر

کی جو رقم ہے یہ خالص بیوی کا حق ہے۔ اس کے ماں باپ کا، اس کے بھائیوں کا اور اس کے رشتہ داروں کا کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔

عرب کے اندر یہ ہے کہ نکاح کی شرائط طے ہونے کے بعد باقاعدہ حق المہر نکاح سے بھی پہلے دے دیا جاتا ہے۔ جو شریف والدین ہیں وہ یہ کرتے ہیں۔ مثلاً: خاوند نے دس ہزار ریال حق المہر دیا۔ والدین اپنی طرف سے دس ہزار، بیس ہزار اور ملا کر دے دیتے ہیں کہ یہ تمہارے خاوند نے دیا ہے اور یہ ہماری طرف سے ہے۔ اب اپنی منشاء سے تم سامان کی خریداری کر لو تو وہ بچی اپنی سہیلیوں کے ساتھ مل کر سودا خرید لیتی ہے۔

اور ہمارے ملکوں کے اندر یہ رواج ہے کہ پہلے تو جو حق المہر لکھتے ہیں جھوٹا لکھتے ہیں۔ یعنی دیکھا کہ بڑے گھر کے اندر رشتہ ہو رہا ہے تو لکھ دیا کہ ایک مربع زمین، دو لاکھ روپے نقد، ایک کوٹھی۔ کیونکہ اس کو پتہ ہے دینا تو نہیں ہے۔ اب دوسرے قانونی طور پر مضبوط کراتے ہیں کہ نکاح نامہ میں لکھا جائے، پھر اقرار نامہ میں لکھا جائے، لیکن جب نیت نہ ہو تو اسٹام کا کیا کریں گے؟ اصل بات تو اللہ کا ڈر ہے۔ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے، اگر نہ بھی لکھو وہ نہیں کھائے گا، بلکہ وہ تمہارے گھر میں آ کر منت کرے گا کہ اپنے پیسے لے لو، کل کو میں مر نہ جاؤں اور میری اولاد نہ دے، میں اپنی قبر کیوں خراب کروں؟ جبکہ کوئی تحریر نہیں ہوتی۔ اور اگر نیت ہی خراب ہو تو:

ع عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے

جس نے دینا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور بیوی کو ادا کر دے۔ یہ نہ ہو کہ قیامت میں بندہ اپنی بیوی کی وجہ سے جہنم میں چلا جائے۔

دوسری بات یہ ہو سکتی ہے کہ بیوی حق المہر معاف کر دے۔ معاف کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم اسے رات کو ہی کہو کہ حق المہر معاف کرتا ہے یا گھر جاتا ہے؟ یہ ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ آپ اس کو اس کا حق دیں، مگر وہ کہے کہ میں نہیں لینا چاہتی۔ آپ کہیں کہ اپنے پاس رکھ لو، یہ تمہارا حق ہے، اسلام نے، شریعت نے یہ حق دیا ہے، یہ تم رکھ لو۔ اب وہ دو ماہ بعد تین ماہ بعد اپنی مرضی سے واپس کر دے تو ٹھیک ہے۔ اب تم استعمال کر سکتے ہو، وہ خالص تمہارے لیے حلال ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنی مرضی سے معاف کر دے۔

اسی طرح علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک آدمی بیوی سے اتنا پیار کرے، اتنا پیار کرے اور جب دیکھے وہ پیار میں

مخمور بیٹھی ہے تو اس وقت اس کو کہے کہ حق المہر معاف کر دو تو علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم یہ بھی دھوکہ دے رہے ہو۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ مولوی لوگ چندہ کرتے ہیں کہ مدرسہ میں اتنے یتیم بچے ہیں مر جائیں گے، برباد ہو جائیں گے۔ اس طرح سے پیسہ نکالنا اور ڈاکے سے پیسے نکالنا برابر ہے؛ کیونکہ تم نے اس طرح کی کہانی پیش کی کہ اس نے جیب سے پیسے نکال دیے۔ اس طرح پیسہ لینا حرام ہے، تمہارا کام یہ ہے کہ اپنی ضرورت ان کے سامنے رکھ دو، دل کرے دے دو، نہ دو تو فی امان اللہ، میں جا رہا ہوں۔

اسلام نے یہ بھی شرط رکھی ہے کہ جب بیوی کو مہر دو تو خوشی کے ساتھ دو، یہ نہ سمجھو کہ لکھا گیا۔ یہ گلے میں عذاب ہے۔

حق المہر کیوں رکھا گیا ہے؟ اس لیے کہ کوئی بہت بڑا سودا ہو تو ہم کہتے ہیں کہ کچھ ایڈوانس دیں، ورنہ ہم کیسے اعتماد کرلیں؟ تو اللہ نے فرمایا: جب بندے کا سودا کر رہے ہو تو یہاں بھی کچھ پیش کرو، تاکہ تمہارے اس عقد کے اندر برکت اور وزن آجائے، پکا اور پختہ عقد ہو جائے، جو باتوں کی حد تک محدود نہ رہے۔

(نکتہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک نسخہ بتاتے تھے کہ کسی آدمی کو کوئی بیماری ہو جائے تو وہ اپنی بیوی کے حق مہر میں سے کچھ پیسے مانگ لے؛ کیونکہ یہ خالص حلال ہے، ان پیسوں سے تم شہد خریدو اور جب آسمان سے پانی برسے تو وہ پانی برتن میں جمع کرلو۔ اس کو شہد میں ملا کر پیو تو اللہ تعالیٰ وہ بیماری ختم کر دیں گے؛ کیونکہ شہد حلال، پانی بھی حلال اور پیسہ بھی حلال۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ بیماریاں ختم کر دے گا۔ لیکن اس پر عمل تو وہ کرے گا جس نے بیوی کو حق مہر دیا ہو۔

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زمانہ جاہلیت کے اندر یہ رواج تھا کہ جب کوئی آدمی اپنی لڑکی کی شادی کرتا تو حق المہر کے پیسے لے لیتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرمایا اور یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ یہ کافروں کا رواج ہے کہ بیٹی کے پیسے باپ کھالے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا: اپنی لڑکیوں کے نکاح کرو۔ تو ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا: حق المہر اور شرائط کیا ہونی چاہئیں؟ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو خاندان جو آپس میں طے کرلیں جائز ہے۔ [سنن کبریٰ للبیہقی: ۷/۲۳۹]



﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝﴾ [النساء:٥،٦]

’’اور نا سمجھ (یتیموں) کو اپنے وہ مال حوالے نہ کرو جن کو اللہ نے تمہارے لیے زندگی کا سرمایہ بنایا ہے، ہاں ان کو ان میں سے کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے مناسب انداز میں بات کرلو۔ اور یتیموں کو جانچتے رہو، یہاں تک کہ جب وہ نکاح کے لائق عمر کو پہنچ جائیں، تو اگر تم یہ محسوس کرو کہ ان میں سمجھداری آچکی ہے تو ان کے مال انہی کے حوالے کردو۔ اور یہ مال فضول خرچی کرکے اور یہ سوچ کر جلدی جلدی نہ کھا بیٹھو کہ وہ کہیں بڑے نہ ہوجائیں۔ اور (یتیموں کے سرپرستوں میں سے) جو خود مالدار ہو وہ تو اپنے آپ کو (یتیم کا مال کھانے سے) بالکل پاک رکھے، ہاں اگر وہ خود محتاج ہو تو معروف طریق کار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کھالے۔ پھر جب تم ان کے مال انہیں دو تو ان پر گواہ بنالو، اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے۔‘‘

یتیم کون ہوتا ہے اور کب تک ہوتا ہے؟

انسانوں میں یتیم اس کو کہتے ہیں جس کا باپ فوت ہوجائے اور جانوروں میں یتیم اس کو کہتے ہیں جس کی ماں مر جائے۔ اور یتیمی کا حکم اس وقت ہوتا ہے جب تک وہ عاقل بالغ نہ ہوجائے، اس کے بعد یتیمی کا حکم باقی نہیں رہتا۔

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا﴾

یتیموں کو مال سپرد کرنے کی عمر:

وہ مال جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری زندگی کا سبب بنایا ہے؛ کیونکہ مال بھی ایک نعمت ہے۔ مال ہوگا تو زکوۃ بھی ہوگی، مال ہوگا تو حج بھی ہوگا، مال ہوگا تو خیرات بھی ہوگی، صدقات ہوں گے، مال ہوگا تو مساجد و مدارس بنیں گے۔

م ل ایک نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ بے وقوفوں کو نہ دو۔

بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد وہ یتیم جو ابھی چھوٹا ہے، اس کی عقل نہیں آئی، اس کو مال دینا شریعت کے

اندر نا جائز ہے۔ اگر تم نے بے وقوفوں کو مال دے دیا تو لازمی بات ہے کہ وہ ضائع ہو جائے گا۔

اپنی اولاد کو مال دینے کا وقت:

بعض علماء نے فرمایا: یہاں مطلق حکم ہے کہ اگر تیرے اپنے بچے بھی ہیں، لیکن وہ کم عقل ہیں تو ان کے ہاتھ میں دولت نہ دو۔ اگر تمہاری اپنی بیوی ہے، اس کے ہاتھ میں بھی دولت نہ دو۔ ورنہ لاکھوں کی شاپنگ ہو جائے گی، پھر تم بھیک مانگتے پھرو گے۔ کیونکہ عورت ایسی چیز ہے اس کے لیے اگر تم نے دس لاکھ کے بھی زیور بنائے ہیں تو ایک منٹ میں کہہ دے گی کہ آپ نے مجھے کیا دیا ہے؟ تم نے میرے لیے آج تک کیا کیا ہے؟ چاہے پوری زندگی آپ اس پر نچھاور کرنے والے ہوں۔

اس لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: سب سے ناشکری عورت ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: چاہے مرد اس کے لیے جتنی قربانی کرے، لیکن ایک منٹ میں بیٹھ کے کہہ دے گی: تو نے پوری زندگی میرے لیے کیا کیا ہے؟

یہ سب سے بڑی ناشکری ہے۔ اور جو بندے کا شکر نہ کرے وہ اللہ کا شکر بھی نہیں کرتا۔

اس لیے حکم ہے کہ بے وقوف چاہے یتیم ہے، چاہے تیری اپنی اولاد ہے یا اپنی بیوی ہے، ان کے ہاتھ میں پیسے نہ دو۔

﴿وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ﴾

ان کو کھانا دو، ان کو کھلاؤ ان کو پہناؤ۔

﴿وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝﴾

اور جب ان سے بات کرو تو پیار سے بات کرو، اچھی بات کرو، جب یتیم سے بات کرو تو اس کو سمجھا دو کہ بیٹا! میں جو تجھے پیسے نہیں دیتا وہ تیری وجہ سے نہیں دے رہا کہ تم ابھی چھوٹے ہو۔ جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو یہ سب دولت تمہاری ہے، یہ سب مال تمہارا ہے، ہمارے پاس تو امانت ہے، ہم چاہتے ہیں کہ ہم تمہیں امانت اس وقت سپرد کریں جب تم اس کے اہل ہو جاؤ گے۔

﴿وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ﴾

جب یتیم لڑکے بڑے ہو جائیں تو ان کا امتحان کرو، جب نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں یعنی بالغ ہو جائیں تو ان کو ان کا مال دے دو۔

بچے میں رشد کو پہچاننے کا طریقہ:

اور یاد رکھیں کہ بارہ سال کی عمر کو بھی بچہ بالغ ہو جاتا ہے۔ بلوغت کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ بڑے آدمیوں کے بچے جلدی بالغ ہو جاتے ہیں اور غریبوں کے بچے ذرا دیر سے بالغ ہوتے ہیں۔ اس طرح گرم ملک کے لوگ جلدی بالغ ہو جاتے ہیں اور ٹھنڈے علاقوں کے لوگ دیر سے بالغ ہوتے ہیں۔ فرمایا: جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کا امتحان کرو، یعنی ان کو تھوڑے پیسے دے دیے کہ کوئی سودا لے آؤ، کوئی چھوٹی موٹی تجارت کرو۔ اب اندازہ کرو کہ یہ اپنے پیسوں کو سنبھال سکتا ہے یا نہیں؟ اگر تم محسوس کرو کہ وہ اپنی عقل کو پہنچ گیا ہے، سمجھدار ہے، پیسہ ضائع نہیں کرے گا تو ان کا مال ان کو واپس کر دو۔ ان کی امانت ان کے حوالے کر دو۔

امام شعبی رحمہ اللہ اور ایک قول میں امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿رُشْدًا﴾ کا مطلب ہے کمالِ عقل کہ جب تک وہ صحیح معنی میں کمالِ عقل کو نہ پہنچے اس کو مال نہ دو۔ وہ بوڑھا بھی ہو جائے بے وقوف ہے۔ اور ایک آدمی جس کی عمر چالیس سال ہے، وہ سمجھدار ہے، ایک آدمی کی عمر پچاس سال ہے، لیکن اسے کوئی پتہ نہیں چلتا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زیادہ سے زیادہ پچیس سال ہے اور یہ ایسی عمر ہے کہ آدمی بروقت شادی کر لے تو دادا بن سکتا ہے۔ جب پچیس سال کی عمر میں برائی، بھلائی کو سمجھ لیتا ہے۔

یتیموں کا مال جلدی سے نہ کھاؤ:

﴿وَلَا تَأْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ﴾

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خبردار یتیموں کے مال کو فضول خرچی کے ساتھ نہ کھاؤ کہ یتیموں کا مال ہے، اس کا روست بناؤ، بروست بناؤ اور جلدی جلدی کھا رہے ہو کہ بچہ بڑا ہونے والا ہے، تین چار سال کے بعد جائیداد چلی جائے گی، اس لیے جتنی ہڑپ کرنا چاہتے ہو کر لو۔

ایک واقعہ:

جیسا کہ مثال مشہور ہے کہ دو ساتھی اکٹھے جا رہے تھے: ایک ساتھی نے کہا: میں غسل کر لوں۔ اس نے کہا:

میرے پاس تین سو روپے ہیں، ان کو اور کپڑوں کو لے لو، میں نہالوں اور تم کنارے پر بیٹھ جاؤ۔ وہ نہانے لگا: اس نے غوطہ لگایا جب باہر نکلا تو وہ آدمی نہیں تھا۔ خیر تھوڑی دیر کے بعد وہ آدمی آ گیا۔ اس نے کپڑے دے دیے، اس نے کہا: پیسے دو۔ اس نے کہا: حساب کرلو۔ اس نے کہا: کس بات کا حساب کرلیں؟ اس نے کہا: جھگڑے کی کیا بات ہے؟ حساب کرلو۔ وہ کہے: کمال کرتے ہو! حساب کیوں نہیں کرتے ہو؟ چند لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے اس آدمی کو بے وقوف بنایا جس کے پیسے تھے کہ جب وہ کہہ رہا تھا کہ حساب کرلو تو تم حساب کیوں نہیں کرتے ہو؟ وہ کہے: بھائی! کس چیز کا حساب کریں؟ لوگوں نے کہا: آخر حساب کیوں نہیں کرتے؟ آخر مجبور ہو کر اس نے کہا: حساب کرو۔ اس نے کہا: بات یہ ہے کہ جب تم نے غوطہ لگایا تو میں نے سمجھا کہ تم مر گئے ہو۔ ایک آدمی جا رہا تھا، میں نے اس کو سو روپے دیے کہ اگلی بستی والوں سے کہنا کہ بندے لے آئیں، ہمارا بندہ ڈوب گیا ہے، وہ چلا گیا۔ اتنی دیر میں تم نکل آئے۔ میں نے کہا: شکر ہے، ہمارا بندہ تو سلامت ہے۔ تو میں نے ایک اور بندے کو سو روپے دیے کہ بستی والوں کو کہنا کہ نہ آئیں، ہمارا بندہ ٹھیک ٹھاک ہے۔ اتنے میں تم نے ایک اور غوطہ لگایا، میں نے ایک سو اور دے دیا تو اب بتاؤ کہ میرے پاس کتنے بچتے ہیں؟ میں تو تین سو تمہاری وجہ سے خرچ کر چکا ہوں۔ لوگوں نے اس کو کہ اس نے تمہاری ہمدردی میں پیسے خرچ کیے ہیں۔ اب وہ آدمی روتا ہوا گھر چلا گیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خبردار! ایسے تم یتیم کا مال نہ کھا جانا کہ دو روپے کا نمک اور دو روپے نمک والے کے؛ کیونکہ اللہ تو جانتا ہے۔ اس لیے ایسا نہ کرنا اور یتیموں کو ان کا مال دے دینا۔

﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ﴾ اگر تم امیر ہو اور تمہارے پاس یتیم ہے، ان کے مال سے تم ایک پیسا بھی نہ کھاؤ۔ جب اللہ نے تمہیں اپنا پیسہ دیا ہے تو تمہیں ان کا مال کھانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر تم خود غریب ہو تو اتنا کھا سکتے ہو جو جائز ہے۔ یتیم کی خدمت بھی کرو اور اس کی حفاظت بھی کرو اور اس کے مال سے اتنا کھاؤ جتنا دستور کے مطابق کھانا جائز ہے۔

﴿فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝﴾

جیسا کہ جب تم ان کو ان کے مال واپس کرو تو گواہ بنالو، یہ نہ کہو کہ گھر کا معاملہ ہے، اپنے دامن کو پاک رکھنے کے لیے گواہ بنالو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کو یتیم اکڑ جائے، یتیمی بھول جائے اور کہے کہ آپ نے مجھے تو مال دیا ہی نہیں ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں معاشرہ یا محلہ بدنام کر دے۔ اس لیے ہر معاملہ میں گواہ رکھو، تا کہ تمہارا دامن صاف رہے،

تم دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی حساب سے بے باک رہو۔

یتیم پر شفقت:

(حدیث) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((كَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ)) تم میں سے جو یتیم کی خبر گیری کرے، یتیم کی نگہداری کرے قیامت کے دن وہ میرے ایسے قریب ہوگا جیسے ان دو انگلیوں کا فاصلہ ہے۔[مسلم، رقم: ۲۹۸۳]

علماء نے ایک اشارہ بھی لکھا ہے کہ جب تم کسی یتیم پر ہاتھ رکھو، یتیم پر نظر ڈالو تو غور کرو کہ یہ وقت میرے محمد مدنی ﷺ پر بھی گزرا ہے۔

مال بڑی نعمت ہے:

مال اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ یہ نہیں کہ تم اس کو بے وقوفوں کو دے دو اور وہ مال کو لٹا ڈالیں۔ مال بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز پیدا نہیں فرمائی جو بندے کے لیے خیر اور باعث رحمت نہ ہو۔ صرف ہم اپنے استعمال سے اس خیر کو شر میں بدل دیتے ہیں۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ نے دولت دی ہے تو خیرات کر رہا ہے، مدارس بنا رہا ہے، مساجد بنا رہا ہے، حج کر رہا ہے، زکوۃ دے رہا ہے اور عشر دے رہا ہے۔ یہ مال باعثِ خیر اور باعثِ رحمت ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا سارا مال خدمت اسلام میں خرچ ہوا ہے...... سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سارا مال اسلام کے لیے خرچ ہوا ہے...... سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سارا مال اسلام کے لیے صرف ہوا ہے۔ اس لیے مال بھی نعمت ہے۔

آگ بھی نعمت ہے۔ اس پر کھانا پکاتے ہیں، اس سے گرمی حاصل کرتے ہیں، اسی سے آپ کی مشینریاں چلتی ہیں، لیکن اس آگ کو آپ اگر کسی گھر کو جلانے میں لگا دیں تو آپ نے خیر کو خود شر میں بدل دیا ہے۔

اللہ نے آپ کے اندر شہوانی قوت رکھی ہے۔ اگر آدمی اس کو اپنی بیوی میں خرچ کرے تو عبادت ہے اور اگر آپ اس کو حرام میں بدلیں تو وہی بات شر بن جائے گی۔

مال بیچنے کی پابندی کے مسائل:

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسی آیت مبارکہ سے فقہاء کرام رحمہم اللہ نے حجر کے مسائل نکالے ہیں...... فقہاء سب اللہ کے فرمان اور اس کے نبی کے فرمان کے تابع ہوتے ہیں۔ وہ ایسے غواص ہوتے ہیں جو قرآن وسنت کے سمندر میں

ڈوب کر موتی لاتے ہیں...... قرآن نے حکم دیا کہ بے وقوف کو اپنا مال نہ دو۔ تو انہوں نے اس سے احکام نکالے کہ اگر ایک آدمی دیوانہ ہے تو اس کو مال نہ دو؛ کیونکہ اس کو پتہ نہیں کہ میں نے یہاں دس ریال دینے ہیں یا ایک ہزار دینا ہے؟ تو پاگل پر بھی حکومتِ وقت پابندی لگا سکتی ہے کہ وہ اپنے مال میں تصرف نہ کرے، تا کہ اس کا مال محفوظ رہے۔

اور ایک ہوتا ہے حجر للصغر کہ ایک بچہ ہے، صاحب جائیداد ہے، اس کے والدین فوت ہو گئے ہیں، اس کا بڑا مال ہے۔ چھ سات سال اس کی عمر ہے تو اس پر بھی پابندی لگا دی جاتی ہے؛ کیونکہ وہ بچہ ہے، وہ سمجھتا نہیں ہے، اس کو تو پتہ ہی نہیں ہے کہ میں نے جائیداد کہاں خرچ کرنی ہے اور کہاں خرچ نہیں کرنی؟ لہٰذا اس پر بھی پابندی لگ گئی بوجہ چھوٹے ہونے کے۔ وہاں بھی قاضی وقت آرڈر کرے گا کہ یہ بچہ چھوٹا ہے۔ جب تک بڑا نہ ہو اس کے فلاں فلاں کمیٹی بنا دو، جو اس کے مال کی حفاظت کرے۔

اور ایک حجر للفلس ہوتا ہے کہ ایک آدمی نے قرضہ لے لیا، مثلاً: دس لاکھ قرضہ لے لیا اور اس کی جائیداد دس لاکھ کی ہے۔ اب وہ جائیداد بیچ رہا ہے، اب قاضی کو درخواست دے سکتے ہیں کہ اس نے ہمارا دس لاکھ قرضہ دینا ہے اور یہ جائیداد بیچ رہا ہے۔ اگر جائیداد ختم ہو گئی تو قرضہ کہاں سے دے گا؟ تو وہاں بھی قاضی پابندی لگا دے گا کہ خبردار! اس کو زمین اور جائیداد بیچنے کی اجازت نہیں ہے جب تک کہ اپنے قرض خواہوں کو قرض ادا نہ کرے۔ اب یہ سارے مسئلے اس آیت سے ملے ہیں۔

عورتیں عقل اور دین میں ناقص ہیں:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: عورتیں عقل کی بھی ناقص ہیں اور دین کی بھی ناقص ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: حضور! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: عورت کو ایک ماہ کے اندر جو حیض کے دن ہیں، ان دنوں کے اندر وہ عبادت سے رک گئی اور مرد تو پورا مہینہ عبادت کرے گا، اسی طرح ولادت کا موقع آ گیا بعض عورتوں کو چالیس دن تک نفاس کا خون بند نہیں ہوتا تو چالیس دن تک عورت نماز و روزہ سے رکی ہوئی ہے۔ تو یہ اس کی عبادت میں نقص آ گیا۔

عورت پر اللہ نے جہاد فرض نہیں کیا، حالانکہ جہاد بہت بڑی عبادت ہے۔ عورت کے لیے امامت کوئی نہیں، حالانکہ امامت کے بہت بڑے فضائل ہیں۔ عورت کے لیے اذان کوئی نہیں ہے، حالانکہ اذان دینے والے کے بڑے فضائل ہیں کہ قیامت کے دن ان کی گردنیں اونچی ہوں گی کہ پتہ چلے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آواز بلند کرتے تھے، لیکن عورت اذان

نہیں دے سکتی۔ صف اوّل میں حاضر ہونے کے بڑے فضائل ہیں، لیکن عورت صف اوّل کے اندر نماز بھی نہیں پڑھ سکتی۔ یہ اس کا نقصان دین کا ہے۔ جو اللہ نے اس کے اندر رکھا ہے، اس کا کوئی حل بھی نہیں ہوسکتا۔

صحابہ نے عرض کیا: یہ بات تو ہمیں سمجھ آ گئی، لیکن ناقص العقل کیسے ہوتی ہے؟ حالانکہ یہ تو بڑی تیز ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: عقل کا معنی یہ ہوتا ہے کہ جو صحیح استعمال ہو۔ اللہ تعالیٰ نے عقل دی تھی کہ وہ اللہ کی، اللہ کے رسول ﷺ کی، والدین کی اور اپنے شوہر کی فرمانبردار رہے، لیکن عورت تو سب سے بڑی نافرمان ہے۔ اپنے شوہر کو ایک منٹ کے اندر بیٹھ کر انکار کر دے گی کہ آج تک آپ نے مجھے کیا دیا ہے؟

تو فقہاء نے اس آیت سے مسئلہ نکالا ہے کہ عورت کے ہاتھ میں بھی مال نہ دو۔ دیکھو! اگر عورت کو اپنے مال کا مختار بنا دیا تو عموماً تباہی کا انتظار کرو، چاہے آٹھ سال کے بعد آئے یا دس سال کے بعد آ جائے۔

فقہاء نے مسئلہ نکالا ہے کہ اگر گھر کے اندر خاوند ہے تو وہ تصرفات اپنے ہاتھ کے اندر رکھے، گھر کے اندر اتنے پیسے دے جو گھر کے خرچ چلانے کے لیے کافی ہوں۔

حدیث کا مفہوم ہے: وہ فرد، وہ قومیں اور وہ ملک کبھی فلاح نہیں پا سکتے جن کے امور عورتوں کے ہاتھ میں آ جائیں۔

آپ چاہے ملا کہیں، دقیانوسی کہیں، چودہ سو سال پرانی باتیں کہنے والا کہیں، ہمارا ایمان ہے۔ چاند کے اندر شبہ ہوسکتا ہے، لیکن فرمانِ محمد مصطفیٰ ﷺ میں شبہ نہیں ہوسکتا۔ آپ فرمائیں اور وہ بات غلط ہو دنیا کا نظام بدل سکتا ہے، لیکن اللہ کے نبی کا فرمان غلط نہیں ہوسکتا! کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ کا اپنا فرمان نہیں ہوتا، بلکہ وہ اللہ کی وحی ہوتی ہے، لیکن ادا لسانِ رسول ﷺ سے ہوتی ہے۔ اس لیے قرآن نے فرما دیا: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ [النجم: ۳، ۴] میرے مدنی پاک ﷺ اپنی خواہش، اپنے ارادے سے کوئی کلمہ بھی ارشاد نہیں فرماتے۔ جو کچھ فرماتے ہیں اللہ کی وحی سے فرماتے ہیں۔

اپنی بیوی بچوں کو بھی مال دینے میں احتیاط کرو:

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کے فرمان: ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ﴾ کے اندر "السُّفَهَآءَ" سے مراد اپنی اولاد اور اپنی عورتیں ہیں، یتیم مراد نہیں ہیں، بلکہ یتیم بھی چھوٹا ہے یا تمہاری اپنی اولاد بھی چھوٹی ہے تو ان کے ہاتھ میں پیسہ نہ دو، تاکہ وہ پیسے کو ضائع نہ کر دیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت الحکم بن عتیبہ رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رحمہ اللہ

اور حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اپنے بچے اور عورتیں ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس سے مراد یتیم بچے ہیں، ابھی وہ بالغ نہیں ہوئے، عاقل نہیں ہوئے تو ان کا مال ان کو نہ دو۔

حضرت مجاہد، عکرمہ اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ''السُّفَهَاءَ'' سے مراد عورتیں ہیں؛ کیونکہ عورتیں بھی ناقص العقل ہوتی ہیں، وہ بھی پیسے ضائع کر دیتی ہیں۔ اور پیسہ ایسی چیز نہیں کہ اس کو بلا وجہ ضائع کر دیا جائے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے۔

(حدیث) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے آقا سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إن النِّسَاءَ سُفَهَاءُ إِلَّا الَّتِي أَطَاعَتْ قَيِّمَهَا)) [تفسیر ابن کثیر] عورتیں کم عقل ہوتی ہیں، مگر وہ عورت جو اپنے خاوند کی اطاعت گزار ہو، اس کی فرمانبرداری کرنے والی ہو وہ عاقل ہے۔

خدمت گار بھی کم عقل ہوتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ''السُّفَهَاءَ'' سے مراد یہ ہے کہ جو تمہارے خادم ہیں ان کو مال نہ دو، وہ بھی شیاطین الانس ہوتے ہیں۔ ان کو کیا درد ہوگا؟ محنت تم نے کی ہے، وہ دس کی بجائے سو روپے خرچ کرے گا، تمہارے مال کو ضائع کر دے گا۔ اللہ کی نعمتوں کو ضائع کرنا شریعت میں حرام ہے۔

فقہاء نے حدیث مبارک کی روشنی میں لکھا ہے کہ اگر دریا بہہ رہا ہے اور تم وضو کر رہے ہو تو پانی ضائع نہ کرو، بلکہ اتنا پانی استعمال کرو جتنا وضو کے لیے ضرورت ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ دریا ہے، کیا ہو جائے گا؟ اور ایک ایک عضو کو سو سو دفعہ دھو رہے ہو، یہ شرعاً ناجائز ہے۔ اللہ کی نعمتوں کو ضائع نہ کرو، بلکہ جو پیسے تم ضائع کر رہے ہو اس کو آخرت کے لیے بھیج دو صدقات نفقات میں اللہ کے راستوں میں لگا دو۔

﴿وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: ((لَا تَعْمَدْ إِلَى مَالِكَ وَمَا خَوَّلَكَ اللّٰهُ وَجَعَلَهُ لَكَ مَعِيشَةً فَتُعْطِيَهُ امْرَأَتَكَ أَوْ بَنِيكَ ثُمَّ تَنْظُرَ إِلَى مَا فِي أَيْدِيهِمْ وَلَكِنْ أَمْسِكْ مَالَكَ وَأَصْلِحْهُ وَكُنْ أَنْتَ الَّذِي تُنْفِقُ عَلَيْهِمْ مِنْ كِسْوَتِهِمْ وَمُؤْنَتِهِمْ وَرِزْقِهِمْ.)) [تفسیر ابن کثیر] مال پر اعتماد نہ کر اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اللہ نے تیرے

گزارے کا ذریعہ بنا دیا ہے اب تو اگر اپنے مال کو اپنی بیوی کو دے دیتا ہے، پھر دیکھتا رہتا ہے کہ مجھے ضرورت ہے، پھر لوگوں سے مانگتے ہو، بیٹے سے مانگتے ہو، ایسا نہ کرو، بلکہ اپنے مال کو اپنے کنٹرول میں رکھو، اپنے مال کو صحیح جگہ پر خرچ کرو، تاکہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے اور تم اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرو۔ یہ نہیں کہ تم محتاج بن کر بیوی سے کہو: مجھے پیسے چاہئیں؛ کیونکہ تم نے اس کو مالک بنا دیا۔ اللہ نے تمہیں مالک بنایا ہے، تم مالک بن کر رہو، تاکہ کنٹرول تمہارے ہاتھ میں ہو۔

کون سے تین شخصوں کی دعا قبول نہیں ہوتی؟

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: تین بندے ایسے ہیں کہ وہ اللہ سے دعا مانگتے ہیں، لیکن اللہ ان کی دعا منظور نہیں کرتے: ایک وہ آدمی کہ اس کی عورت بڑی بدخلق ہے، لیکن وہ پھر بھی اس کو طلاق نہیں دیتا۔ اس کی دعا بھی منظور نہیں ہوتی۔ اسی طرح دوسرا آدمی وہ ہے جو اپنا مال بے وقوفوں کو دے دیتا ہے۔ اور تیسرا آدمی وہ ہے جس نے کسی کو قرضہ دیا، لیکن اس وقت گواہ نہیں بنائے۔ ایسا بندہ بھی دعا کرے تو اللہ تعالیٰ منظور نہیں فرماتے؛ کیونکہ اس نے اللہ کے قرآن کی مخالفت کی ہے۔ اللہ نے فرمایا: اپنا مال بے وقوفوں کو نہ دو۔ جب وہ اپنا مال بے وقوفوں کو دے رہا ہے تو اللہ کی مخالفت کر رہا ہے اور اپنے مال کا نقصان کر رہا ہے، پھر مال کی برکت کی دعا بھی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کیوں منظور کریں؟ اور اللہ نے حکم دیا ہے کہ جب معاملہ کرو تو گواہ بناؤ یا تمہارے درمیان لکھنے والا لکھے، تاکہ کل خدانخواستہ موت وحیات ہے، کوئی ریکارڈ تو ہو، لیکن تم کہو: میں نے تو اعتبار کیا تھا، حالانکہ تم نے تو قرآن کی مخالفت کی ہے، اعتبار کیا کیا تھا؟

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے قول کے اندر جو سیئۃ الخلق کا لفظ آیا ہے، اس کے علماء نے دو ترجمے فرمائے ہیں: ایک یہ ہے کہ بعض عورتیں بدزبان ہوتی ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر خاوند سے لڑے گی، بات بات پر جھگڑا کرے گی۔ اور قرآن پاک میں آیا ہے: ﴿وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ [البقرۃ:۲۱۶] کہ بعض اوقات تم ایک چیز کو برا سمجھتے ہو، لیکن وہ تمہارے لیے بہتر ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک حدیث مبارک میں آیا ہے کہ اگر عورت کے اندر کوئی خرابی ہے، مثلاً: بدزبان ہے، ہر وقت کائیں کائیں کرتی رہتی ہے، اگر تم نے اس پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں اجر دے گا۔ یہ نہیں کہ تم اس کو طلاق دے دو۔

علماء نے لکھا ہے کہ سیئۃ الخلق سے مراد وہ عورت ہے جو بدکار ہو، یعنی عزت کی حفاظت نہیں کرتی، بدچلن ہے۔ ایسی عورت کو گھر میں رکھنا حرام ہے۔ تمہیں پتہ ہے کہ وہ زنا کر رہی ہے، اس کے تعلقات فلاں آدمی کے ساتھ ہیں، اس کے بعد بھی تم اسے اپنی بیوی بنا کر رکھو، یہ گناہ ہے، یہ بے غیرتی ہے۔ شریعت تمہیں یہ حکم نہیں دیتی کہ تم اسے قتل کر دو، تاکہ تمہارے ذمہ بلا وجہ گناہ نہ لگے اور اس کو دوسرا شوہر قابو کر سکتا ہے تو کر لے، تمہیں اللہ تعالیٰ کوئی اور شریف عورت دے دے گا۔

﴿وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ﴾

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یعنی جب وہ بالغ ہو جائیں۔ حلم خواب کو کہتے ہیں کہ نیند میں احتلام آ جائے، اس کے اندر پانی نکل آئے تو یہ بالغ ہونے کی نشانی ہے۔ بعض بارہ سال میں بالغ ہو جاتے ہیں، بعض پندرہ سال تک بالغ ہو جاتے ہیں۔ یہ مختلف احوال ہیں۔ گورنمنٹ جو قانون بنا دیتی ہے کہ بچہ اٹھارہ سال تک بالغ ہوگا، یہ غلط ہے۔ اگر ایک بچہ بارہ سال سے بالغ ہو تو کیا وہ چھ سال تک پھرتا رہے؟

یتیمی کب ختم ہوتی ہے اور روزہ کب مکمل ہوتا ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس فرمان کو یاد کیا ہے: ((لَا يُتْمَ بَعْدَ احْتِلَامٍ، وَلَا صُمَاتَ يَوْمٍ إِلَى اللَّيْلِ)) [سنن ابی داؤد، رقم: ۲۸۷۳] جب احتلام آ جائے، بالغ ہو جائے تو اب یتیم نہیں رہا، بلکہ بالغ ہو گیا ہے۔ اسی طرح جب رات آ جائے تو روزے کا کیا مطلب ہے؟

تین قسم کے لوگوں کے گناہ معاف:

(حدیث) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ، وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يَعْقِلَ)) [ابوداؤد، رقم: ۴۴۰۳] تین آدمیوں پر عذاب نہیں لکھا جاتا: ایک سونے والا جب تک بیدار نہ ہو۔ نیند کے اندر اس سے کوئی بات نکل گئی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، وہ نہ لکھو۔ دوسرا چھوٹا بچہ جس وقت تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔ اور تیسرا مجنون ہے، دماغ خراب ہو گیا۔ جب تک اس کا دماغ صحیح نہ ہو یا پندرہ سال کا نہ ہو اس پر کچھ نہیں لکھا جاتا۔ کیونکہ شریعت کی پابندی اور گناہوں کی سزا عقل والے کے لیے ہے۔



بالغ ہونے کی علامات اور مسائل:

صحیحین کے اندر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب جنگ احد آئی تو میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مجھے بھی جنگ میں شرکت کی اجازت دی جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہاری کتنی عمر ہے؟ میں نے عرض کیا: چودہ سال تو آپ نے اجازت نہ دی اور فرمایا: تم ابھی چھوٹے ہو۔ جب خندق کا موقع آیا تو میں پھر پیش ہوا اور عرض کیا: مجھے جنگ میں جانے کی اجازت دیں۔ آپ نے فرمایا: عمر کتنی ہے؟ میں نے عرض کیا: پندرہ سال۔ آپ نے فرمایا: اب تمہیں اجازت ہے۔

تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ اسی حدیث کو پیمانہ بناتے تھے کہ اگر آدمی کی عمر پندرہ سال ہو جائے تو سمجھو کہ وہ بالغ ہو گیا ہے، بڑا ہو گیا ہے۔ اگر وہ کم ہے تو ابھی جوانی کے حکم میں نہیں آئے گا۔[1]

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر آدمی کے ناف کے نیچے کے بال کھردرے آ جائیں تو کیا یہ بھی بلوغت کی علامت سمجھی جاتی ہے یا نہیں؟ تو بعض علماء فرماتے ہیں: اگر اہل ذمہ میں ہے تو سمجھی جائے گی اور یہ بال بلوغت کی علامت ہوں گے؛ کیونکہ وہ لوگ کسی تدبیر کے ذریعہ بال بڑھانے کی کوشش نہیں کر سکتے؛ اس لیے کہ بلوغ کی وجہ سے ان پر جزیہ واجب ہو جاتا ہے اور اگر وہ اہل ذمہ میں نہیں تو بلوغت کی علامت نہیں سمجھی جائے گی۔ مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بھی بلوغت کی علامت ہے؛ کیونکہ آدمی کے بالغ ہونے کے بعد وہاں بال آنا شروع ہو جاتے ہیں، چاہے وہ اہل ذمہ میں ہو یا نہ ہو۔

اس لیے جب بنو قریظہ یہودیوں کا محاصرہ ہوا تو جب قیدی آئے تو حضور اکرم ﷺ نے بچوں کے بارے میں حکم دیا کہ دیکھو! ان کے ناف کے نیچے بال نکلے ہیں یا نہیں نکلے؟ اگر نکلے ہیں تو ان کو قتل کر دو کہ یہ بالغ ہیں۔ اور اگر نہیں نکلے تو ان کو چھوڑ دو، یہ بچے ہیں، جن کا کوئی جرم نہیں ہے۔

عطیہ القرظی فرماتے ہیں: میں ان بچوں میں سے تھا جن کے بال نہیں نکلے تھے تو مجھے چھوڑ دیا گیا۔[2]

اسلام کے اندر بڑی وسعت ہے۔ مثلاً: پندرہ سال کا ہونا علامت ہے۔ اسی طرح احتلام کا ہونا علامت ہے، اسی طرح ناف کے نیچے بالوں کا نکلنا بھی علامت ہے۔ اور اسلام نے یہ حکم دیا کہ اگر ضرورت ہو تو ایسی جگہ کا معائنہ

[1] ...... [بخاری، رقم: ۲۶۶۴]
[2] ...... [ترمذی، رقم: ۱۵۸۴]

بھی کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک لڑکے نے ایک لڑکی پر تہمت لگائی۔ اس نے کہا: میں نے اس کے ساتھ برا کام کیا ہے۔ تو وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لایا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی تحقیق کرو، کیا اس کے زیر ناف بال نکلے ہیں یا نہیں نکلے؟ اور اس کے بال نہیں نکلے تھے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کو حد نہیں لگ سکتی، یہ بچہ ہے۔ اگر بالغ ہوتا تو پھر اس پر حد جاری کرتے۔[1] ہاں قاضی تعزیر کر سکتا ہے۔

نگران بقدرِ ضرورت یتیم کے مال سے کتنا لے سکتا ہے؟

﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ﴾

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ نے یتیم کے اولیاء کے بارے میں نازل کی کہ اگر تم غنی ہو تو یتیم کے مال کو نہ کھاؤ اور اگر تم فقیر ہو تو تم نگرانی کے عوض بقدرِ ضرورت استعمال کر سکتے ہو، اس سے زیادہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

قدر ضرورت کے بارے میں فقہاء نے دو قول لکھے ہیں: ایک تو یہ ہے کہ اگر یہ آدمی کسی دوسری جگہ مزدوری کرے تو دس ریال ملیں گے تو اس کو چاہیے کہ اس سے بھی کم لے؛ کیونکہ یتیم اس کی پرورش میں ہے، اس کو اجر وثواب ہے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ جتنا اس کا روٹی پانی اور ضروریات ہیں اتنے تک کھانے کی اجازت ہے۔

(مسئلہ) ایک آدمی غریب تھا، اس نے یتیم کے مال سے ضرورت کے مطابق کھا لیا۔ کل اللہ نے اس کو بھی امیر بنا دیا۔ اب جتنا اس نے ضرورت کے مطابق یتیم کا مال لیا تھا، اس کو واپس کرے یا نہ کرے؟

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ اس لیے کہ جب اس نے لیا تھا تو وہ فقیر تھا اور اس نے بقدر حاجت لیا تھا اس سے زیادہ نہیں لیا تھا۔

اور بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ نے اس کو غنی بنا دیا ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ جو کچھ اس نے لیا تھا واپس کر دے، تاکہ قیامت میں اس کے دفعیہ میں کسی قسم کی کوئی بات باقی نہ رہے۔

یاد رکھیں! جو صحیح معنی میں مومن ہیں، اللہ سے ڈرنے والے ہیں، جن کے دل میں اللہ کا خوف ہے، یہ مسائل ان

---

[1] [غریب الحدیث لابی عبید: ۳/۲۸۹]

کو سمجھ آتے ہیں، لیکن جن لوگوں نے اپنا گزر بسر، اپنا کھانا پینا سب کچھ حرام، سود، رشوت سے بنیادیں بنا رکھی ہیں، ان کو یہ مسئلے کیا سمجھ آئیں گے کہ یتیم کا مال کیا ہوتا ہے؟

حقوق العباد کی اہمیت:

پہلے دور میں علماء کرام اتنے محتاط ہوتے تھے کہ ساری زندگی انہوں نے جو مدرسہ سے تنخواہ لی آخر وقت میں اللہ نے ان کو غنی بنا دیا تو انہوں نے حساب کر کے جتنی تنخواہ لی تھی اتنا مدرسہ میں جمع کرا دیا کہ ہم نے تنخواہ لی تھی آٹھ گھنٹے کی، پتہ نہیں ہم نے آٹھ گھنٹے صحیح معنی میں پڑھایا یا نہیں پڑھایا، کبھی چھٹی کر دی ہو، کبھی غفلت کر گئے ہوں تو قیامت میں ہم ایک ایک گھڑی کا حساب کیسے دیں گے؟ انہوں نے سارے پیسے کا حساب لگا کر مدرسہ میں جمع کروا دیے۔
ایسے لوگ بڑی احتیاط کرتے ہیں۔ کیونکہ حقوق العباد کا معاملہ بڑا شدید ہے۔ ہم لوگ حقوق اللہ کے بارے میں تو سوچتے ہیں اور حقوق العباد کے بارے میں ہم فکر نہیں کرتے۔ حالانکہ حقوق العباد بڑا شدید مسئلہ ہے کہ اگر آپ نے کسی کا حق کھایا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں کرتے، توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا، حج کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتا، آدمی میدان جنگ میں شہید ہو جائے تو بھی معاف نہیں ہوتا جب تک کہ اس حق والے کا حق معاف نہیں ہوتا؛ کیونکہ وہ بندے کا حق ہے اور بندے کا حق اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتے۔ لیکن آج ہم اس موضوع کو اس طرح بھول گئے ہیں کہ اس طرف بالکل دھیان باقی نہیں رہتا۔
یاد رکھیں! سب سے زیادہ مسئلہ مدرسہ والوں کا ہوتا ہے۔ رباط والے، خیراتی ادارے چلانے والے، خیراتی ہسپتال چلانے والے؛ کیونکہ وہ لاکھوں لوگوں کے حقوق ہیں، کسی نے ایک روپیہ دیا، کسی نے ایک لاکھ دیا، کسی نے سو روپے دیے تو سب کے حق آ گئے۔ اب اس نے کھایا تو سارے جہان کا حق اس پر آ گیا تو وہ کس کس سے بخشوائے گا؟ اس لیے پہلے دور کے اندر اللہ والے اس قسم کی ذمہ داریاں قبول بھی نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ نے ہمیں علم دیا ہے تو ہم پڑھا دیں گے باقی ذمہ داریاں قبول نہیں کرتے۔

یتیم کی پرورش کے بدلہ میں بقدر ضرورت کھا سکتے ہو:

ایک آدمی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ((لَيْسَ لِي مَالٌ، وَلِي يَتِيمٌ لَهُ مَالٌ، قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلْ مِنْ مَالِ يَتِيمِكَ، غَيْرَ مُسْرِفٍ وَلَا مُتَأَثِّلٍ مَالًا)) [سنن ابن ماجہ، رقم: ۲۷۱۸] یا رسول

اللہ! میرے پاس دولت نہیں ہے، لیکن میں غریب آدمی ہوں۔ اب میرے ذمہ یتیم بھی آ گیا ہے تو آپ مجھے فرمائیں کہ میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ یتیم کے مال سے تم اتنا کھا سکتے ہو کہ اس میں اسراف بھی اس کے مال کو ہلاک اور ضائع بھی نہ کرو اور یہ بھی نہ کرنا کہ اپنا مال تو بچا لو اور یتیم کا مال کھا لو یا اپنے مال کے فدیہ میں اس کا مال ہڑپ کر لو۔ بلکہ جتنا بقدر ضرورت ہے اتنا ہی استعمال کر سکتے ہو اس سے زیادہ تمہیں استعمال کرنے کا حق نہیں ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی احتیاط:

آپ اندازہ فرمائیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر بیٹھے تو دو دن کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ آپ کپڑا اٹھائے ہوئے جا رہے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ کدھر جا رہے ہیں؟ آپ نے کہا: کیا تمہیں پتہ ہے کہ میری کپڑے کی دکان ہے اور میں کپڑے کا کاروبار کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا: حضرت! اگر آپ کاروبار کریں گے تو امت کا بوجھ کون اٹھائے گا؟ آپ نے فرمایا: پھر میرے بچے کہاں سے کھائیں گے؟ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: شوریٰ کو بلا لیں کہ بیت المال سے خلیفہ وقت کو خرچہ دیا جائے۔ اور خلیفۃ المسلمین اپنے چوبیس گھنٹے رعایا کی حفاظت میں لگائے۔ اگر آپ اپنے کاموں میں وقت لگائیں گے تو رعایا کا کام نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المال والوں کو بلوایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وظیفہ مقرر کیا گیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمر! ایک بات یاد رکھو! ایک عام امتی جتنا کھاتا ہو مجھے اتنا وظیفہ چاہیے، اس سے زیادہ مجھے نہیں چاہیے، تاکہ میں قیامت کے دن جواب دے سکوں۔

(واقعہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ نے اپنی بیوی سے خواہش ظاہر کی کہ جی چاہتا ہے کہ کوئی میٹھی چیز بنا کر کھائی جائے۔ کئی دنوں کے بعد بی بی صاحبہ نے کوئی میٹھی چیز بنائی اور حضرت کی خدمت میں پیش کر دی۔ تو آپ نے پوچھا کہ یہ کوئی ہدیہ ہے؟ انہوں نے کہا: ہدیہ نہیں ہے، آپ نے ایک دفعہ خواہش ظاہر کی تھی تو میں نے آپ کی خواہش کو مدنظر رکھا اور روزانہ جو وظیفہ آتا تھا اس سے چٹکی بھر آٹا تھوڑا سا میٹھا قطرہ قطرہ بچاتی رہی تھی۔ اتنے دنوں کے اندر وہ اتنا جمع ہوا کہ ایک چھوٹی سی میٹھے کی پلیٹ بن جائے تو میں نے آپ کے لیے بنا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: تم بیٹھ کر انتظار کرو، میں ابھی آتا ہوں۔ اور آپ نے پلیٹ ہاتھ میں پکڑ لی اور سیدھا بیت المال میں تشریف لے گئے اور فرمایا: یہ بیت المال میں داخل کر لو اور آئندہ میرے وظیفے سے اتنی مقدار کم کر دو، اس سے کم

میں بھی میرے گھر کا گزارہ ہو سکتا ہے تو میں قیامت کے دن زیادہ لینے پر نہ پکڑا جاؤں۔

یہ خلافت کا تصور تھا۔ آج دیکھ لیں کہ ہمارے ایک عام سپاہی کا کیا خرچ ہے؟ ایک دن میں وہ کتنے پیسوں کا سگریٹ پی جاتا ہے؟ کیا وہ اپنی تنخواہ سے اتنے سگریٹ پی سکتا ہے؟ اسی طرح ایک پٹواری کو دیکھ لیں اور اس کے مکان کو دیکھ لیں اور اس کی جائیدادیں دیکھ لیں۔

یتیم کے مال کے حقوق:

(حدیث) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! میں کتنا حصہ یتیم کے لیے نکالوں؟ آپ نے فرمایا: ((مَا كُنْتَ ضَارِبًا مِنْهُ وَلَدَكَ غَيْرَ وَاقٍ مَالَكَ بِمَالِهِ وَلَا مُتَأَثِّلٍ مِنْهُ مَالًا)) [صحیح ابن حبان، رقم: ۴۲۴۴] جیسے تم اپنے بچے کو کھلاتے ہو اتنا اس کو بھی کھلایا کرو۔ وہ بھی تو تمہاری اولاد ہے اور اتنا اس سے لیا کرو جتنا ضرورت ہو۔ اس کے مال کو خراب نہ کیا کرو۔

(حدیث) ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میرے پاس یتیم ہیں، ان کے اونٹ بھی ہیں اور میرے اونٹ بھی ہیں۔ اور میں اپنے اونٹوں میں کبھی سیر ہو جاتا ہوں اور کبھی محتاج ہو جاتا ہوں تو میرے لیے ان کا کتنا دودھ حلال ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر آپ گمشدہ کو تلاش کرتے ہو، کسی کو خارش ہو جائے اور اس کا علاج کرتے ہو حوض کو پلستر کرتے ہو تو اتنا لے سکتے ہو جتنا اس کی نسل کو نقصان نہ ہو۔ [موطا امام مالک: ۲/۰۳۴]

لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اونٹوں کی خدمت بھی کرے، اونٹوں کے حوض بھی ٹھیک کرے اور انٹوں کو خارش ہو جائے تو ان کا علاج بھی کرے تو پھر دودھ لے سکتا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ جتنا تم نے یتیم کا مال کھایا تھا اگر اللہ تعالیٰ تمہیں غنی کر دیں تو تم ان کا مال واپس کرو؛ کیونکہ یتیم کا مال کھانے سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ کوئی آدمی مضطر ہے، اس نے دوسرے کا مال کھا لیا۔ جب اس کا اضطرار ختم ہوگا تو اس کا مال واپس کرنا پڑے گا۔ اسی طرح تم نے یتیم کا جتنا مال غریبی کے زمانے میں استعمال کیا ہے، اب تم مالدار ہو گئے ہو تو اب تم حساب کر لو کہ مثلاً اتنا استعمال کیا تھا تو اس کو واپس کر دو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اب خود تمہیں غنی کر دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی احتیاط:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: جب سے اللہ نے مجھے بادشاہ بنایا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ میں یتیموں کا والی



ہوں۔ جیسے یتیم کے والی کو بقدرِ ضرورت کھانا جائز ہے، میں بھی بیت المال سے اتنا لیتا ہوں جتنی ضرورت ہو، اور ضرورت نہیں ہوتی تو نہیں لیتا اور اگر لے بھی لیتا ہوں تو پھر جب اللہ تعالیٰ دیتا ہے تو میں بیت المال میں داخل کر دیتا ہوں۔ [سنن کبریٰ للبیہقی: ۶/۵]

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝﴾ [النساء: ۷ تا ۱۰]

”مردوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریبی ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، چاہے وہ (ترکہ) تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔ اور جب (میراث کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم اور مسکین لوگ آجائیں تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دو، اور ان سے مناسب انداز میں بات کرو۔ اور وہ لوگ (یتیموں کے مال میں خرد برد کرنے سے) ڈریں جو اگر اپنے پیچھے کمزور بچے چھوڑ کر جائیں تو ان کی طرف سے فکر مند رہیں گے۔ لہٰذا وہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی سیدھی بات کہا کریں۔ یقین رکھو کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔ اور انہیں جلد ہی ایک دہکتی آگ میں داخل ہونا ہوگا۔“

ربط آیات:

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے میراث کا اجمالی حکم بیان فرمایا ہے، جیسا کہ اس سورت کی ابتداء میں ہی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ اپنے رب سے ڈرو اور رشتہ داروں کا لحاظ رکھو، رشتہ داری کے حقوق کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اللہ تعالیٰ دیکھنے والے اور جاننے والے ہیں۔

اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مردوں کے لیے بھی حصہ ہے جو کچھ والدین نے چھوڑا اور رشتہ داروں

نے چھوڑا اور اسی طرح عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے جو کچھ والدین نے اور رشتہ داروں نے چھوڑا تھوڑا یا زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے کردہ ہے، جس میں کسی قسم کا کوئی ردوبدل نہیں ہوسکتا۔

اس کے اندر وضاحت ہوگئی ہے کہ مردوں کے لیے بھی میراث ہے اور عورتوں کے لیے بھی میراث ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت (کفر کا زمانہ، حضور اکرم ﷺ سے پہلے کا دور) جب شریعت نہیں تھی لوگ اندھیروں کے اندر تھے، ہر کوئی اپنی اپنی عقل کے مطابق معاملات کو چلا رہا تھا؛ کیونکہ نہ شریعت تھی، نہ کتاب تھی اور نہ رسول تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقریباً چھ صدیاں گزر گئی تھیں تو لازم بات ہے کہ حالات بدل جاتے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کچھ لوگ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں ایسے تھے جو توحید پر قائم اور ملت ابراہیمی کو سمجھتے تھے جو دین نصرانیت پر صحیح معنی میں قائم تھے۔ لیکن اکثریت اندھیروں میں بھٹک رہی تھی، اکثریت شرک و بدعات میں تھی۔ ہر جگہ ہر قبیلے کا اپنا خدا تھا، ہر قبیلے کے اپنے رسم ورواج تھے، ہر قبیلے کے اپنے طور طریقے تھے۔

حرم میں آج عورتوں کی حالت:

جیسے آج بھی اسی طرح کی جاہلیت اولیٰ عود کر آئی ہے، کتنی دنیا ہے جو بھٹک رہی ہے کہ میری بیٹیاں، میری بہنیں واجب الاحترام ہیں، ہزاروں روپے خرچ کر کے عمرہ پر تشریف لاتی ہیں، لیکن باریک کپڑے پہنے ہوئے ہوتے ہیں، چہرے کھلے ہوئے ہوتے ہیں، بال کھلے ہوتے ہیں، ہاتھ اوپر کریں تو بازو تک نظر آ رہے ہیں۔ ایسے عمرے اور طواف کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے میری بیٹیاں مردوں میں گھس رہی ہیں، مردوں کے آگے گزر رہی ہیں، مردوں سے اختلاط ہو رہا ہے، حالانکہ طواف نفلی عبادت ہے اور مردوں سے اختلاط حرام ہے۔ اس لیے حکم ہے کہ وہ ایسے وقت میں طواف کریں جب رش نہ ہو اور باہر طواف کریں۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو عزت بخشی ہے، اس کو رشتے بخشے ہیں، ماں ہے، بہن ہے، بیٹی ہے۔

قرآن میں مردوں کے خطاب میں عورتیں بھی شامل ہیں:

قرآن کے اندر اکثر مردوں کے لیے حکم آتا ہے؛ کیونکہ عورتیں مردوں کے تابع ہوتی ہیں۔

عورتیں بھی ترکہ میں وارث ہیں:

لیکن اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے بطور خاص عورتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ مردوں کے لیے بھی حصہ ہے اور

عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت کے اندر قاعدہ یہ تھا کہ اگر کوئی آدمی مرجاتا تھا تو اس کی میراث مردوں کو دے دیتے تھے، عورتوں کو حصہ نہیں دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم لڑکی کو حصہ کیوں دیں؟ نہ تو یہ جنگ کرتی ہے، نہ باپ کے ساتھ تلوار اٹھاتی ہے تو یہ جائیداد کی حق دار کیسے بنے گی؟ ہماری جائیداد کا حق دار وہ ہے جو ہمارے ساتھ بازو دے کر کھڑا ہوتا ہے، ہمارے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کرتا ہے، لڑائیاں لڑتا ہے، دشمن سے زخمی ہوتا ہے اور عورت نے تو کسی دوسرے گھر میں چلے جانا ہے، اس کو ہم جائیداد کیوں دیں؟ لہٰذا وہ عورتوں کو جائیداد سے محروم کر دیتے تھے۔

نکمے لڑکے بھی وارث ہیں:

اور بعض کافر ایسے تھے جو بیٹے کمزور ہوتے تھے، لڑائی کے قابل نہ ہوتے تو ان کو بھی جائیداد نہ دیتے تھے کہ تم بڑے نکمے ہو، کمزور ہو، تمہیں جائیداد دینے کا کیا فائدہ ہے؟ جائیداد تو اس کو دی جاتی ہے جو بہادر ہو، تم تو بزدل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظلم کو ختم کر دیا۔

رشتہ داروں کو ترکہ میں حصہ:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خبردار! جو والدین یا اقرباء اپنی جائیداد چھوڑتے ہیں، ان میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے، ان میں قوی کا بھی حصہ ہے اور ضعیف کا بھی حصہ ہے۔ خبردار! تم نے ان کے گھر میں اولاد پیدا کی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو وارث بنایا ہے۔ اور جائیداد بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔

لیکن آج کتنے مسلمان گھرانے ہیں جو اپنی لڑکیوں کو جائیداد میں حصہ نہیں دیتے، کتنے گھرانے ہیں، کتنا ظلم وفساد بڑھ رہا ہے۔ کوئی نوجوان لڑکیاں ہیں، بڑے بڑے زمینداروں اور صنعت کاروں نے ان کی صرف اس لیے شادی نہیں کی کہ اس طرح جائیداد چلی جائے گی، لہٰذا بہنوں کے بال سفید ہو گئے۔ اور کتنی بیوہ عورتیں ہیں کہ چھ ماہ بعد یا ایک سال بعد ان کا خاوند مر گیا، ان کی کوئی اولاد نہیں یا ایک اولاد ہے، گھر کے اندر بٹھا رکھی ہے، تاکہ جائیداد ہمارے قبضے میں رہے۔ یہ ظلم ہے اور کافروں کی رسم ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کے لیے حصے مقرر کر دیے ہیں۔ تمہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ تم اس میں دخل اندازی کرو اور وارثوں کو ان کے حصے ادا نہ کرو؟؟



غیر ورثاء کو کچھ دے دینا استحبابی حکم ہے:

﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝﴾

فرمایا: میراث کی تقسیم کے وقت جب کوئی رشتہ دار آ جائیں یا کوئی یتیم آ جائیں یا محتاج آ جائیں تو ان کو کچھ نہ کچھ دے دو، ان کو کچھ کھلا دو، کپڑے پہنا دو اور ان سے بہتر انداز میں بات کرو۔

بعض علماء کرام مفسرین کرام سلف صالحین کہتے ہیں کہ یہ حکم استحبابی ہے کہ اگر جائیداد تقسیم ہو رہی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ رشتہ داروں کی موجودگی میں تقسیم ہوگی۔ تو اس وقت غریب بھی عموماً موجود ہوتے ہیں اور ان میں مسکین بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تمہیں بھی تو والد کی جائیداد بغیر محنت کے مل گئی ہے کہ ساری زندگی باپ کماتا رہا اور تم گل چھرّے اڑاتے رہے، ساری زندگی باپ محنت کرتا رہا اور تم گلی ڈنڈا کھیلتے رہے اور آج کروڑوں کی جائیداد تمہیں بغیر محنت کے مل رہی ہے تو تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اور جو تمہارے غریب رشتہ دار آ گئے ہیں ان کو بھی کچھ دے دو، کچھ مسکینوں کو بھی دے دو۔

اگر جائیداد ایسی ہے کہ وارث بہت ہیں اور خود زیادہ مستحق ہیں، غریب و مسکین ہیں تو دوسرے ان رشتے داروں کو جو وارث ہیں، مگر غریب ہیں، ان کو پیسے نہ دے سکو تو کم از کم ان سے اچھی طرح بات کرو، ان سے یہ نہ کہو کہ آج جائیداد تقسیم ہونے کا دن تھا، آپ بھی تیار ہو گئے۔ ان کو طعنے نہ دو، بلکہ ان کو سمجھاؤ کہ یہ یتیموں کا مال ہے، پہلے سے مسکینوں کا مال ہے، اس سے ہم کیسے تمہاری خدمت کر سکتے ہیں؟ ہم مجبور ہیں، ان کی جائیداد میں ہم تمہیں کچھ نہیں دے سکتے؛ کیونکہ اسلام حکم دیتا ہے کہ اگر کبھی مانگنے والا آئے تو ان کو کبھی نہ جھڑکا کرو، ان کو کبھی برا نہ کہا کرو، ان کو کبھی گالی نہ دیا کرو، ان کو کبھی ڈانٹا نہ کرو۔ اگر تم ان کو دے سکتے ہو تو دے دو، ورنہ کہہ دو: اللہ کریم ہے، اللہ تمہیں بھی دیں گے۔ اور اگر کبھی کسی بیوہ یتیم یا مسکین کی مدد کرتے ہو تو بہتر ہے کہ ظاہر نہ کرو، بلکہ چپکے سے ان کی مدد کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا بدلہ دیں گے۔

تیسری بات یہ یاد رکھیں کہ جن غریبوں کی مدد کرو ان پر کبھی احسان نہ جتلاؤ، ورنہ تم نے جو کچھ کیا تھا وہ سب کا سب برباد ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ﴾

[البقرة: ۲۶۴] اپنے صدقات وخیرات کو احسان جتلا کر، کسی کو ستا کر، گالی دے کر، طعنہ دے کر ضائع نہ کرو۔ تم نے اللہ تعالیٰ کے لیے دیا ہے، کسی پر احسان کا کیا مطلب ہے؟

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی خدمت میں جب کوئی سائل آتا تھا تو حضرت باقاعدہ اس کے لیے چادر بچھاتے تھے اور فرماتے تھے: لوگو! ہم ان کی عزت کیوں نہ کریں؟ یہ تو آخرت کے ڈاکیے ہیں۔ جب ہم ان کو دیں گے تو یہ آخرت میں پہنچا دیں گے۔ ہماری چیزیں جب اتنی دور پہنچانے والے ہیں تو کیا ہم ان کی عزت نہ کریں؟ اگر یہ غریب نہیں ہوں گے تو ہم صدقات کہاں پر کریں گے؟

بعض علماء نے فرمایا: یہ حکم مستحب ہے کہ جائیداد کی تقسیم کے وقت اگر غریب رشتہ دار آئیں تو ان کو بھی کچھ نہ کچھ دے دو اور اگر ان کو نہ دو تو گناہگار نہیں۔

بعض علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امر وجوب کے لیے ہے۔ پہلے غریب رشتے داروں کو دینا واجب تھا۔ جب اللہ نے حصے بنا دیے کہ لڑکے کے دو حصے، لڑکی کا ایک حصہ ہے اور بیوہ کا آٹھواں حصہ ہے یا چوتھا حصہ ہے۔ جب حصے معین ہو گئے تو اب رشتے داروں کو دینے کی ضرورت نہیں رہی۔

﴿وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۹﴾

فرمایا: تم بھی تو بچے چھوڑ کر جاؤ گے، جیسے یہ بچے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ اگر تم اپنی اولاد کو چھوڑ دو، اپنے کمزور بچوں کو چھوڑ دو تو کتنے ڈرتے ہو؟ اسی طرح یہ بھی کسی کی اولاد ہیں، یہ بھی تو کسی کے بچے ہیں، واجب الرحم ہیں، اس لیے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی بات کیا کرو، انصاف کی بات کیا کرو۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰﴾

جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ ایسے ہیں جیسے انگارے کھا رہے ہوں اور عنقریب جہنم کی آگ میں جلائے جائیں گے۔ اگرچہ بظاہر حلوہ کھا رہے ہیں، مزے میں ہیں، لیکن اس کا انجام آگ اور جہنم کے انگارے ہیں۔

رشتہ داروں کے حصوں میں کمی بیشی کیوں ہے؟

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠﴾ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اصل وراثت میں تو سب شریک ہیں، لیکن آگے ہر ایک کے حصے کم اور زیادہ اس لیے ہوتے ہیں؛ کیونکہ رشتہ میں بھی فرق ہے۔ بعض رشتہ دار زیادہ

قریب ہیں اور کچھ کا رشتہ زیادہ قوی ہے، کبھی نسب کی وجہ سے قرابت ہے، کبھی زوجیت کی وجہ سے قرابت ہے اور کبھی ولاء کی طرف سے قرابت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سب کو اتنا حصہ دیا ہے جتنا اس کا حق ہے۔

کیا جہیز دینے سے حصہ ادا ہو جاتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے عین عدل فرمادیا اور مشرکین کے اس ظلم کو ختم فرمادیا کہ لڑکے تو وارث بنیں، لڑکیاں وارث نہ بنیں۔ بدقسمتی سے آج مسلمانوں میں بھی مشرکین کی ہی رسمیں باقی ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جو مسلمان ہیں، لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے لڑکی کی شادی کی تھی، اس کو جہیز دیا تھا، پیسہ دیا تھا، اس کا حصہ ادا ہو گیا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ وراثت علیحدہ چیز ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرض ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اتارا ہے اور اس میں کسی کا کوئی احسان نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کا وارث آپ کا بیٹا بنے گا۔ اگر آپ کا بیٹا نہ ہوتا تو کوئی وارث نہ بنتا۔ اگر اللہ نے آپ کو اولاد دی ہے، لڑکے دیے ہیں، لڑکیاں دی ہیں تو مال بھی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، پھر ان کے حصے بھی اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیے ہیں۔ اگر آپ نے اپنی لڑکی کو جہیز میں جو کچھ بھی دیا ہے اس کا تعلق میراث سے قطعاً نہیں ہے۔

ہمارے ہاں علاقائی رواج ایسا بن گیا ہے کہ بہنیں شرم سے کہہ دیتی ہیں کہ ہم نے بھائیوں سے کیا حصہ لینا ہے؟ میرا حصہ بھائیوں کو دے دو، حالانکہ وہ دل سے خوش نہیں ہوتیں۔ جب ان کی شادی ہو جاتی ہے تو ان کی اولادیں ہو جاتی ہیں تو وہ بھائی ظلم کرتے ہیں تو وہ کہتی ہیں کہ ہمارا حصہ دو۔ پہلے وہ بے چاری دھوکہ میں آ کر اپنا حصہ دے چکی ہوتی ہیں، اس لیے ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ موت سے پہلے کسی عالم کی صحبت میں بیٹھ کر وصیت تیار کر کے لکھوائے اور گواہوں کے اس پر دستخط کروائے کہ میں نے اتنا قرضہ دینا ہے، اتنا قرضہ لینا ہے، زمین اتنی میری ہے اور اتنی مستاجری پر ہے اور میری جائیداد شریعت اور قرآن وسنت کے مطابق تقسیم کی جائے اور اس کے حصے یہ ہیں۔ اپنی زندگی میں وصیت مرتب کروا کر تصدیق کروا کر محفوظ کر دے، تاکہ اس کی موت کے بعد یہ نہ ہو کہ میت گھر میں رکھی ہو اور اولادیں جائیداد پر لڑ پڑیں۔ جتنی کہ دولت زیادہ ہو اتنے فتنے زیادہ ہوتے ہیں۔

شانِ نزول:

(حدیث) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بی بی اُمِ کُجّہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر

عرض کیا کہ میری دو لڑکیاں ہیں اور ان کا باپ مر گیا ہے، اب میراث میں وہ کچھ نہیں دیتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ﴾۔

مفت میں ملی جائیداد کی قدر نہیں ہوتی:

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کی اولادوں کو ہدایت دے کہ جب جائیداد مفت ملے تو وہ اڑا دیتے ہیں۔ جیسا کہ مثال مشہور ہے کہ ایک آدمی بازار میں جا رہا تھا، اس کا جوتا ذرا خراب تھا۔ اس نے پگڑی اتار کر جوتے کو صاف کیا۔ دیکھنے والے نے کہا: یہ بڑا احمق ہے! بھلا کوئی پگڑی سے بھی جوتا صاف کرتا ہے؟ تو ایک اور سمجھدار آدمی وہاں کھڑا تھا، اس نے کہا: یہ بے وقوف نہیں ہے، جوتا اس نے اپنے پیسوں سے خریدا ہے اور پگڑی اس کے باپ کی ہے۔ اس لیے اس کے ہاں پگڑی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور جوتے کا درد اس کو محسوس ہو رہا ہے؛ کیونکہ اس نے پیسوں سے خریدا ہے۔

کیا ورثا کے علاوہ کا بھی حق ہے؟

اس کے اندر دو قول ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے یا پہلے سے ہی مستحب تھا؟

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا کہ یہ آیت محکمہ ہے، منسوخ نہیں ہے، اس پر عمل کیا جائے گا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ امر وجوب کے لیے ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جب رشتہ داروں کا دل خوشی سے چاہے تو حاضر مسکین کو بھی تھوڑا تھوڑا دے دیں، جن کا میراث میں حصہ نہیں ہے۔

حضرت ابن مسعود، حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم، حضرت مکحول، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت عطاء بن ابی رباح، حضرت زہری اور حضرت یحییٰ بن یعمر رحمہم اللہ فرماتے ہیں: یہ امر وجوب کے لیے ہے۔

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبیدہ وارث ہوئے، انہوں نے حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کر کے جو رشتہ دار آئے ہیں ان سب کو کھلا دو۔ انہوں نے فرمایا: اگر اس آیت کا حکم نہ ہوتا تو یہ بکری بھی مال میں شامل ہو جاتی، لیکن حکم ہے کہ جن رشتہ داروں کا حصہ نہیں ہے ان کو بھی اس میں شامل کر دیا جائے۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت اسماء بنت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رحمہا اللہ فرماتی ہیں کہ جب انہوں نے باپ کی میراث تقسیم کی، اس زمانہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی زندہ تھیں۔ انہوں نے یہ کیا کہ جتنے رشتہ دار تھے

سب کو دیا، چاہے ان کا حصہ بنتا تھا یا نہیں بنتا تھا۔ اور اس کے بعد فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ ......﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب یہ خبر ملی تو کہا کہ انہوں نے یہ اچھا نہیں کیا۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرنے والے کو حکم دیا ہے کہ مرنے سے پہلے اگر وہ چاہے تو وصیت کر دے کہ جو غریب رشتہ دار ہیں، جو میرے وارث نہیں بنیں گے، ان کو بھی کچھ نہ کچھ دیا جائے۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ خود سب کو جائیداد دی جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سخی تھے ان کی اولادیں بھی سخی تھیں اور اولادوں کی اولادیں بھی سخی تھیں۔ انہوں نے تو اپنا سب کچھ زندگی میں لٹا دیا۔

بہر حال بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق وصیت کے ساتھ ہے کہ مرنے والا وصیت کر جائے۔ اس لیے میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ جو مسائل نص قطعی سے واضح ہیں ان کے اندر کبھی اختلاف نہیں ہوا، مثلاً میراث کے اندر حکم ہے کہ لڑکے کے دو حصے اور لڑکی کا ایک حصہ ہے، کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جب آیت: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ......﴾ آگئی تو یہ حکم ختم ہو گیا۔

بعض علماء نے فرمایا: بلا وجہ ہم نسخ کے کیوں قائل ہو جائیں؟ آیت اپنے مقام پر ہے، لیکن امر وجوب کے لیے نہیں، استحباب کے لیے ہے۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ﴾ کا معنی یہ ہے کہ جب میراث تقسیم ہو اور غریب رشتہ دار بھی آجائیں جو وارث نہیں ہیں، یتیم غریب اور مسکین لوگ آجائیں اور مال بھی ماشاء اللہ بہت سارا ہے تو اب ہر آدمی دیکھتا ہے کہ یہ لے رہا ہے، وہ لے رہا ہے، اس کے دل میں بھی آتا ہے کہ مجھے بھی کچھ مل جاتا۔ اللہ تعالیٰ چونکہ رؤف و رحیم ہیں، اپنے بندوں پر مہربان ہیں، اللہ نے فرمایا: ان کو بھی تھوڑا تھوڑا دے دو، تا کہ ان کا دل بھی راضی ہو جائے۔

مال کو صدقہ سے بچانا اچھا نہیں:

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ [الانعام: ۱۴۱] کہ جب کوئی پھل کٹنے کا وقت آئے، گندم کٹ رہی ہے، چاول کٹ رہا ہے، غریب آگئے تو ان کو بھی کچھ نہ کچھ دے دو، ان کا بھی حق ہے، تا کہ ان کے دل سے تمہارے لیے دعا نکلے، ان کے دل تمہاری طرف سے زخمی نہ ہو جائیں۔ اس لیے اللہ نے



ان لوگوں کی مدح بیان کی ہے جو اپنے پھلوں میں، ثمرات میں، زراعت میں، کھیتوں میں جب کٹنے کا وقت آتا ہے تو غریبوں کا حصہ بھی رکھتے ہیں۔

اور اللہ نے قرآن میں ان لوگوں کی مذمت بیان کی ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو کہتے تھے کہ چپکے چپکے رات کو چلو، تا کہ بستی والے غریبوں کو پتہ نہ لگے، اس لیے رات کو چلو، قدم پر قدم رکھو، آواز بھی نہ آئے۔ تو اللہ تعالیٰ کا ایسا جلال آیا کہ اللہ نے ان کا سارا کھیت ہی برباد کر دیا کہ تم غریبوں سے بچانا چاہتے تھے، اللہ نے سارا مال برباد کر دیا۔

حدیث میں آیا: ((مَا خَالَطَتِ الصَّدَقَةُ مَالًا إِلَّا أَهْلَكَتْهُ)) [شعب الایمان، رقم: ۳۲۴۶] کسی مال میں صدقہ نہ ملاؤ، ورنہ سارا مال بے برکت اور خراب ہو جائے گا۔ صدقہ مال کی حفاظت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یاد رکھیں! اللہ کے راستے میں خیرات کرنے کی اتنی برکتیں ہیں، اللہ بلائیں اور مصیبتیں ٹال دیتے ہیں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے ہو۔ اور صدقہ ایسی چیز ہے جو اللہ کے غضب کو بجھا دینے والی چیز ہے۔ اگر مصیبتوں کے بادل آ رہے ہوں تو آپ نے خیرات کی، غریب کے دل سے آواز نکلی، اللہ تعالیٰ نے اس کو ٹال دیا۔

اللہ کے راستے میں صدقہ کرنے والے کا مال کبھی کم نہیں ہوتا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ جو کچھ تم میرے راستے میں خرچ کرتے ہو میں اس کا فوراً بدلہ دیتا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ((مَا نَقَصَ مَالٌ مِنْ صَدَقَةٍ)) [معجم الصغیر، رقم: ۱۴۲] کہ جتنی خیرات کرو، تیرے مال میں کمی نہیں آئے گی۔ آپ دیکھیں کہ سخی کبھی بھی بھوکا نہیں مرتا، خیرات کرنے والوں کے رزق اور مال میں برکتیں ہی برکتیں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اتنا دیتے ہیں کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ کہاں سے آ گیا؟ بس دل کو سمجھانے والی بات ہے۔

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾﴾ [النساء: ۱۱]

"اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ اور اگر (صرف) عورتیں ہی ہوں، دو یا دو سے زیادہ، تو مرنے والے نے جو کچھ چھوڑا ہو، انہیں اس کا دو تہائی حصہ ملے گا۔ اور اگر صرف ایک عورت ہو تو اسے (ترکے کا) آدھا حصہ ملے گا۔ اور مرنے والے کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا، بشرطیکہ مرنے والے کی کوئی اولاد ہو، اور اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں تہائی حصے کی حق دار ہے۔ ہاں اگر اس کے کئی بھائی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا (اور یہ ساری تقسیم) اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد ہوگی جو مرنے والے نے کی ہو، یا اگر اس کے ذمے کوئی قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد۔ تمہیں اس بات کا ٹھیک ٹھیک علم نہیں ہے کہ تمہارے باپ بیٹوں میں سے کون فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے تم سے زیادہ قریب ہے؟ یہ تو اللہ کے مقرر کیے ہوئے حصے ہیں، یقین رکھو کہ اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔"

پہلے میراث کا اجمالی ذکر تھا اب تفصیلی حکم ہے۔

شانِ نزول:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ یہ سعد کی دو بیٹیاں ہیں، ان کا والد آپ کے ساتھ غزوہ احد میں لڑتے ہوئے شہید ہوگیا ہے۔ اب ان کا چچا ساری جائیداد پر قابض ہے، ان کے والد کی جائیداد نہیں دیتا۔ اور یہ لڑکیاں ہیں، اگر ان کو کوئی حصہ نہ ملا تو غریب لڑکیوں سے شادی کون کرے گا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کوئی حکم نازل فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت میراث نازل فرمائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لڑکیوں کے چچا کو پیغام بھیجا کہ سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی مال دو اور ان کی والدہ کو آٹھواں حصہ دو اور باقی مال آپ کا ہوگا۔ [ترمذی، رقم: ۲۰۹۲]

یہ بات بھی سمجھ لیں! زمانہ جاہلیت میں میراث تو ملتا تھا، اس میراث کے ملنے کے تین اسباب تھے:

1 ......نسب۔

2 ......متبنیٰ کہ وہ کسی کو بیٹا بنا لیتے تھے، لیکن اس کو بھی اپنی جائیداد کا وارث سمجھتے تھے، اسلام کے اندر کسی کو بیٹا بنانا جائز ہے، اس سے محبت کرنا جائز ہے، لیکن میراث کے حکم میں وہ حق نہیں رکھتا، میراث کا حق صرف حقیقی بیٹا رکھتا

ہے۔ ہاں تم اپنی محبت سے اس کو کچھ دے دو، اس کے لیے کچھ بنا دو، تا کہ وہ بعد میں بھیک نہ مانگتا پھرے، لیکن وہ تمہارا وارث نہیں بن سکتا۔

3 ......اور الحلف والمعاہدۃ یعنی دو آدمی آپس میں قسم اٹھاتے تھے کہ تو میرا بھائی میں تیرا بھائی، تیرا خون میرا خون، تیری جان میری جان، تیرا قتل میرا قتل، تیرا نقصان میرا نقصان ہے اور تو میرا وارث ہے میں تیرا وارث ہوں۔ اور اس پر وہ قسم کھاتے تھے اور باقاعدہ ایک دوسرے کو وارث سمجھتے تھے۔

ابتداء اسلام میں میراث کی بنیادیں:

خود سمجھیں کہ کسی غیر کو بیٹا کہہ دیا تو وارث مانا، لیکن اپنی بیٹیوں کو وارث نہ مانا۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے اور یہی غیر کے قانون میں جھول ہوتا ہے جو آدمی کو نظر نہیں آتا۔

جب اسلام آیا تو اس کے اندر میراث کی دو بنیادیں تھیں:

1 ......ایک ہجرت کہ جو لوگ مدینہ منورہ ہجرت کر کے گئے، مہاجر مہاجر کا وارث بنتا تھا، غیر مہاجر کا وارث نہیں بنتا تھا۔ یعنی ایک آدمی نے ہجرت نہیں کی، چاہے وہ کتنا قریبی رشتہ دار ہے، اس کو میراث میں حصہ نہیں ملتا تھا۔

2 ......دوسرا مواخات تھا کہ میرے آقا سرکار مدینہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ تم اس کے بھائی اور یہ تمہارا بھائی ہے۔ جب وہ بھائی بن گئے تو اس میں اسلام کا ابتدائی حکم یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے وارث بن گئے۔ پھر جب اللہ نے آیاتِ میراث نازل کیں تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

وارث بننے کی تین اسباب:

میراث کا سبب تین چیزوں کو بنایا گیا ہے:

1 ......نسب،

2 ......نکاح کے بعد بیوی خاوند کی اور خاوند بیوی کا وارث بنایا گیا۔

3 ......ولاء، یعنی تمہارے پاس کچھ باندیاں یا غلام تھے، تم نے ان کو آزاد کر دیا۔ اب تم ان کے وارث بنو گے۔ اسی طرح وہ آقا جس نے غلاموں کو آزاد کیا تھا، اگر وہ مر جائے اور اس کے نسبی، عصبی اور ذوالارحام میں سے کوئی ورثاء موجود نہ ہوں تو یہ آزاد شدہ غلام اس کے ورثاء بنیں گے۔

یاد رکھیں! ان میں سب سے بڑی بنیاد نسب ہے اور نسب کے اندر حکم ہے: "اَلْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ" جو نسب میں سب سے زیادہ قریب ہے وہ سب سے زیادہ حق دار ہے۔ بیٹا، باپ وغیرہ میراث کے اندر بھی ان کا زیادہ حق ہوتا ہے، اس کے بعد پھر دوسروں کا نمبر آتا ہے۔

بیٹے کو ڈبل اور بیٹی کو سنگل کیوں ملتا ہے؟

اسلام نے ایسا عدل وانصاف کیا اور فرما دیا کہ خبردار! تم اپنی عقل کو نہ لڑاتے رہنا کہ اسلام نے لڑکے کو تو دو حصے دیے ہیں، بیوی کو آٹھواں حصہ ملتا ہے، ماں کو چھٹا حصہ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم نہیں جانتے ہو کہ ﴿أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾ تمہارے نزدیک سب سے زیادہ نفع دینے والا کون ہے؟ وہ میں جانتا ہوں اور میں نے جو میراث کی تقسیم کی ہے اس نفع کے مطابق کی ہے۔ جو تمہیں نفع زیادہ دے گا اس کا حصہ بھی زیادہ ہوگا اور جو تمہیں نفع کم پہنچائے گا اس کا حصہ بھی کم ہوگا۔ جس پر اخراجات زیادہ ہوں گے اس کا حصہ بھی زیادہ ہوگا، جس پر اخراجات کم ہوں گے اس کا حصہ بھی کم ہوگا۔

لڑکا جب بڑا ہو جائے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ ماں باپ کا خرچہ بیٹے پر ہے۔ اگر شادی ہوگی تو بیوی کا خرچہ بھی بیٹے پر ہے۔ اپنے گھر کے سارے معاملات بھی بیٹے کے ذمہ ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو حصہ بھی زیادہ دیا ہے۔ اگر لڑکی ہے جب تک وہ بالغ نہ ہو اس کا خرچہ ماں باپ کے ذمہ ہے، جب بالغ ہوگئی، شادی ہوگئی تو اس کا خرچہ شوہر کے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس لیے اس کے حصے کو کم کر دیا۔ اللہ نے کسی سے بے انصافی نہیں کی، عین عدل کے ساتھ فیصلے کیے ہیں۔

میت کے ترکہ میں ترتیب حقوق:

(مسئلہ) آدمی کے مرنے کے بعد اس کے مال میں سے اس کا پہلا حق یہ ہے کہ آپ اس کی تجہیز وتکفین کریں۔ اس کے بعد اگر اس پر قرضہ ہے تو اس کے مال میں سے اس کا قرضہ اتاریں، اگرچہ ساری جائیداد قرضہ میں چلی جائے اور اس کے وارثوں کو کچھ نہیں بچتا تو نہ بچے؛ کیونکہ قرضہ ایسی چیز ہے جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا، کسی کی دعاؤں اور وظیفوں سے بھی معاف نہیں ہوتا۔

اگر اس کے بعد اس کا ترکہ بچ جائے تو باقی ماندہ سے اس کی وصیت کو نافذ کرنا ہے۔ یعنی اگر کوئی مردہ وصیت

کر گیا ہے کہ میرے مال میں سے اتنے پیسے مدرسہ کو دے دو، اتنے پیسے مسجد کو دے دو، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی وصیت قرضے ادا کرنے کے بعد اگر مال کے تیسرے حصے جتنی ہے یا کم ہے تو نافذ ہوگی، اگر ثلث سے زیادہ ہے تو صرف ثلث مال وصیت میں دیا جائے گا۔ اور وارثوں کے لیے تو مال کی وصیت بالکل معتبر نہیں ہے۔ اور اگر یہ وصیت کر جائے گا کہ میرا سارا مال مسجد کو دے دو تو یہ وصیت کل مال میں نافذ نہیں ہوگی؛ کیونکہ اسلام اس کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ اپنے ورثاء کو غیر محفوظ کر دے، اسلام اس کو یہ حق نہیں دیتا کہ اپنی اولاد پر ظلم کر جائے۔

اور اس کے بعد یہ احکام دیکھے جائیں گے کہ اگر ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں تو لڑکے کو دو حصے ملیں گے اور لڑکیوں کو ایک ایک حصہ ملے گا اور اگر بیوی ہے تو اس کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ اور اگر ایک آدمی مر گیا اور لڑکی چھوڑ گیا ہے تو لڑکی کو کل مال کا آدھا حصہ ملے گا۔ اور ایک آدمی مر گیا دو لڑکیاں چھوڑ گیا یا دو سے زیادہ چھوڑ گیا تو ان کو کل مال کا دو تہائی حصہ ملے گا۔

احکامِ میراث کی تفصیل:

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت مبارکہ میں اور جو اس کے بعد آیت مبارکہ ہے اور اسی طرح وہ آیت جو سورت کے بالکل آخر میں آئی ہے ان تین آیات میں اللہ نے علم الفرائض یعنی علم میراث کا بیان فرمایا ہے۔ علم الفرائض بڑا اہم علم ہے، اس کا استنباط اوّلاً قرآن پاک کی ان آیات مبارکہ سے ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں اس کی تفصیل ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا اور سمجھایا اور اس کی تفسیر بھی آپ کو سمجھا دی۔

ان تین آیات کے اندر علم الفرائض کا مفصل بیان ہے، باقی بعض مسائل میں جن میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے ان کا موقع کتب احکام ہیں۔ اگر کسی نے دیکھنا ہو تو کتب مسائل و دلائل کو دیکھ لے۔ ہم یہاں اتنا ذکر کریں گے جتنا حدیث رسول پاک سے سمجھ آجاتی ہے۔

موجودہ دور میں کمپیوٹر کی اہمیت اور فائدہ:

علم المیراث میں زیادہ حساب کتاب کا معاملہ ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ اب یہ بالکل آسان ہو گیا ہے، لہٰذا جتنے بڑے بڑے مدارس ہیں اور جتنے بڑے بڑے دار الافتاء ہیں ان کو چاہیے کہ ایک کمپیوٹر رکھ لیں۔

اب علم المیراث پورے کا پورا کمپیوٹر میں بند ہوگیا ہے۔اس کے اندر تو اتنی آسانی ہوتی ہے کہ وہ مسائل جن کا ہم پہلے حساب کتاب کے لیے کئی کئی گھنٹے لگا دیتے تھے، اب صرف ہاتھ سے چھونے کی ضرورت ہے۔آپ نے مسئلہ لکھا: ایک آدمی مرگیا اور ایک بیوی دو لڑکے، چار لڑکیاں، ماں اور باپ چھوڑ گیا۔ یہ لکھ کر ہاتھ لگاتے ہیں اور مسئلہ فوراً حل ہوجاتا ہے۔کوئی مشکل میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔لیکن یہ تب ہے جب کسی کو کمپیوٹر کے اس پروگرام کو صحیح استعمال کرنا آتا ہو اور مسائل میراث سے واقف بھی ہو۔

اسی طرح ایک آدمی کی جائیداد ہے، اس کا مسئلہ چوبیس پر تقسیم ہوگیا یا آٹھ پر تقسیم ہوگیا تو آپ نے جتنے سہم نکالنے ہیں تو آپ کو ایک سیکنڈ میں ایک ایک روپے کا ایک ایک پائی کا حساب کرکے دے دے گا، یعنی جتنی اس نئے علوم میں شیطانیت آرہی ہے اسی طرح اس کے فائدے بھی بڑے ہیں۔اب ماشاء اللہ فقہ ائمہ اربعہ کی کتب بھی زیادہ تر انٹرنیٹ پر آگئی ہیں۔آپ نے کوئی مسئلہ دیکھنا ہو کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کیا کہتے ہیں؟ تو مسئلہ نکال سکتے ہیں۔اب آدمی کو کتابیں اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑتی، ایک چھوٹی سی ڈسک ہو تو اس میں ہزاروں کتابیں آپ کی جیب میں ہیں۔آپ نے جو مسئلہ دیکھنا ہو اس کو دیکھ سکتے ہیں۔مسئلہ آگے کھڑا ہے۔ہم مولوی لوگ ہیں، ہم زیادہ کتابیں نہیں خرید سکتے تو ہمارے لیے یہ بڑی بات ہوگئی۔اس کے اندر کتابیں آگئیں، اب ہمارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ امام مالک رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ ان کے مستدلات کیا ہیں؟

علم دین کی اقسام:

حدیث میں علم الفرائض سیکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ویسے ہر مسلمان موٹی موٹی باتیں یاد کرلے، کوئی مشکل نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اَلْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ، وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ: آيَةٌ مُحْكَمَةٌ، أَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ، أَوْ فَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ)) [ابوداؤد، رقم: ۲۸۸۵] علم تو بس تین ہیں اس کے ماسوا تو بس فائدہ ہے: پہلی چیز قرآن کی وہ آیات جو محکمات ہیں؛ کیونکہ قرآن میں بعض آیات متشابہات ہیں۔ان کو محکمات کی روشنی میں دیکھنا پڑتا ہے، پھر اللہ کا قرآن سمجھ آجائے گا۔دوسری چیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ جو ثابت ہے۔اور تیسرا علم فریضہ عادلہ کہ اللہ نے جو کسی کا حصہ معین کردیا، اس کو یاد رکھیں۔یہ اصل علم ہے۔

اس لیے اصول ہے کہ جب آدمی علم کی تعریف کرتا ہے تو سب سے پہلی چیز ''مَعْرِفَةُ اللهِ'' اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا ہے ''وَمَعْرِفَةُ نَبِيِّهِ'' حضور اکرم ﷺ کی معرفت ورسالت کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ یعنی ایک آدمی فلکیات میں پی ایچ ڈی کرے اور اللہ کی ذات وصفات کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے، وہ عالم نہیں کہلائے گا، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو، جس کو میرے مدنی سرکار کی نبوت ورسالت کی معرفت حاصل ہو۔ اور جو حضور اکرم ﷺ کی کی ختم نبوت کو نہیں مانتا وہ جاہل ہے، عالم نہیں کہلائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام وشریعت کی معرفت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کا حکم دیا ہے اور کن چیزوں سے روکا ہے؟ اور اسی طرح عالم وہ ہوتا ہے جس کے دل میں اللہ کی خشیت ہو، اللہ کا خوف وعظمت ہو: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ [الفاطر:۲۸] امام بخاری ﷫ نے کتاب العلم میں باب باندھا ہے: ''العِلْمُ قَبْلَ القَوْلِ وَالعَمَلِ'' دین کی باتوں کا اقرار کرنے اور عمل کرنے سے پہلے دینی معرفت ضروری ہے۔

(حدیث) حضرت ابوہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهَا؛ فَإِنَّهُ نِصْفُ الْعِلْمِ وَهُوَ يُنْسَى، وَهُوَ أَوَّلُ شَيْءٍ يُنْزَعُ مِنْ أُمَّتِي)) [ابن ماجہ، رقم: ۲۷۱۹] لوگو! میراث کا علم سیکھو کہ کتنا حصہ کس کا ہے اور کتنا حصہ کس کا ہے؟ اور لوگوں کو بھی سکھاؤ۔ یہ نصف علم ہے۔ سب سے پہلے میری امت کے سینوں سے یہی علم اٹھالیا جائے گا، لوگ نہیں جانتے ہوں گے کہ کس کا کتنا حصہ ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ ﷫ فرماتے تھے کہ میراث کو نصف العلم اس لیے کہا گیا کہ ہر آدمی اس میں مبتلا ہے۔ سب نے مرنا ہے اور سب کی میراث کے حصے ہونے ہیں تو اس علم کے مسائل کا تعلق مرنے کے بعد سے ہے۔ جس طرح باقی شریعت کا تعلق مرنے سے پہلے کے ساتھ ہے تو اس اعتبار سے یہ آدھا علم ہوا۔

اور کئی لوگ بہنوں کے حصے کھا گئے، رشتہ داروں کے حصے کھا گئے تو ہر آدمی نے اس میں مبتلا ہونا ہے۔ علم الفرائض کو سیکھو اور اس کے مسائل کو سمجھاؤ۔

شانِ نزول:

حضرت جابر بن عبد اللہ ﷛ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق ﷛ بنوسلمہ قبیلہ کے اندر جا رہے تھے۔ ان کو پتہ چلا کہ میں بیمار ہوں تو میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ جب حضور اکرم ﷺ میرے پاس آئے تو میں اس حال میں تھا کہ کچھ نہیں جانتا تھا، یعنی بے ہوش تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے پانی منگوا کر



وضو فرمایا اور جو پانی برتن میں جمع ہوا آپ نے فرمایا: اس کے چھینٹے اس کے منہ پر مارو۔ جب وہ مارے گئے تو میں ہوش میں آگیا اور میں نے حضور پاک ﷺ سے عرض کیا: اللہ نے مجھے مال دیا ہے، مجھے حکم دیں کہ میں کیسے تقسیم کروں؟ تو اللہ نے قرآن کی یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ﴾۔
[بخاری، رقم: ۴۵۷۷]

اللہ اپنے بندوں پر ان کے والدین سے بھی زیادہ مہربان ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ﴾

اس سے علماء نے مستنبط کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ان کے والدین سے بھی زیادہ مہربان ہے؛ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ والدین کو نصیحت کر رہے ہیں کہ اپنی اولادوں کا خیال کرو، ان کو میراث دو تو معلوم ہوا کہ وہ والدین سے بھی رحم والا ہے۔ ورنہ والدین تو اپنی اولاد پر خود رحم کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے، اس سے بڑا رحم کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ بندہ اپنے باپ کی نافرمانی کرے تو باپ ایک دفعہ بخشے گا، دو دفعہ بخشے گا، تین دفعہ بخشے گا، لیکن یہ اس کا کمال ہے کہ ستر سال قبر کے سجدوں میں گزر جائیں، صرف ایک دفعہ اللہ کے آگے جھک کر توبہ کر لو اور شرک چھوڑ دو تو اللہ فرماتے ہیں: میں نے ستر سال کا شرک معاف کر دیا۔ ساری زندگی شراب میں گزر گئی، لیکن ایک دفعہ توبہ کر لی تو اللہ نے معاف کر دیا۔

اللہ کی مہربانی کا اندازہ:

(حدیث)((قَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْيٍ فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ، تَبْتَغِي، إِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ، أَخَذَتْهُ فَأَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَأَرْضَعَتْهُ، فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَرَوْنَ هَذِهِ الْمَرْأَةَ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ؟ قُلْنَا: لَا، وَاللهِ وَهِيَ تَقْدِرُ عَلَى أَنْ لَا تَطْرَحَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَلَّهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هَذِهِ بِوَلَدِهَا))[مسلم، رقم: ۲۷۵۴] ایک عورت جب قیدی ہوئی تو اس کا بچہ علیحدہ ہو گیا، ماں علیحدہ ہو گئی۔ اب وہ عورت ڈھونڈ رہی ہے، کافی کوشش اور محنت کے بعد اس کو بچہ مل گیا تو اس نے جلدی سے بچے کو سینے سے لگا لیا، اس کو بوسے دے رہی ہے، اس سے چمٹ رہی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ! یہ عورت جو اپنے بچے سے اتنا پیار کر رہی ہے، اگر اس کو طاقت و قدرت ہو تو کیا یہ اپنے ہاتھوں سے اس

بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ صحابہ نے عرض کیا: حضور! کیسے ڈالے گی؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ رحم فرمانے والے ہیں۔

وہ بھی اپنے بندوں کو آگ میں نہیں ڈالتے، اگر تم خود گرو تو تمہاری مرضی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو تمہیں بچانا چاہتے ہیں۔ اس لیے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے، ایک سو تائیس کتابیں نازل کیں، تاکہ تم جہنم سے بچ جاؤ اور تم اللہ کی نافرمانیوں سے بچ جاؤ۔ تم زبردستی جہنم میں جانا چاہو تو اس کا کیا علاج ہے؟

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَثَلِي وَمَثَلُكُمْ)) میری مثال اور تمہاری مثال ایسے ہے جیسے کوئی پروانہ، کوئی پرندہ آگ میں جاتا ہے، بندہ روکتا ہے، تم آگ میں گرنا چاہتے ہو اور میں تمہیں پکڑ پکڑ کر روکنا چاہتا ہوں۔ تم آگ میں گرنا چاہتے ہو، مگر میں تمہیں بچانا چاہتا ہوں۔

میراث کی تقسیم کا فارمولا:

امام بخاری رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ پہلے مال اولاد کے لیے تھا اور والدین کے لیے وصیت تھی۔ اللہ نے اس کو منسوخ کر دیا، اب اللہ نے لڑکے کے دو حصے مقرر کر دیے، لڑکی کو ایک حصہ دے دیا، والدین میں سے ہر ایک کے لیے اللہ نے چھٹا حصہ رکھا اور کبھی ماں کو تیسرا حصہ دیا اور بیوی ہے تو اس کو آٹھواں حصہ ملے گا خاوند کے لیے نصف ترکہ یا چوتھائی حصہ ہوگا۔[1]

بعض ورثاء کے حصوں میں شبہ کا جواب:

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ آیات نازل فرمادیں اور ان کے حصے معین فرمادیے کہ لڑکے کا بھی حصہ ہے، لڑکی کا بھی حصہ ہے، ماں باپ کا بھی حصہ ہے۔ بعض لوگوں کو یہ بات ناگوار گزری اور کہنے لگے: عجیب بات ہے! اب بیوی کو بھی چوتھایا آٹھواں حصہ ملے گا اور اسی طرح بیٹی ہو تو اس کو آدھا حصہ ملے گا اور اگر چھوٹا بچہ ہے تب بھی اس کو حصہ ملے گا، حالانکہ یہ (چھوٹا لڑکا، بیوی، ماں باپ) نہ تو جنگ کرتے ہیں، نہ غنیمت حاصل کرتے ہیں تو ان کو حصہ کیوں دیا جائے؟

انہوں نے کہا: شاید حضور اکرم ﷺ کچھ عرصہ بعد خاموش ہو جائیں یا یہ بات بھول جائیں یا ہم بار بار عرض کریں تو

[1] ..... [بخاری، رقم: ۴۵۷۸]



حضور اکرم ﷺ حکم تبدیل کر دیں۔ تو ان میں سے بعض نے آ کر یہ باتیں کیں کہ یا رسول اللہ! ہم لڑکی کو اس کے والد کے چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ دیں، حالانکہ وہ گھوڑے پر سوار نہیں ہوتی اور نہ ہی لڑائی کرتی ہے۔ اور ہم چھوٹے بچے کو میراث دیں، حالانکہ وہ کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ وہ لوگ جاہلیت میں میراث اسی کو دیتے تھے جو لڑ سکتا تھا اور ان میں بھی سب سے بڑے کو مقدم رکھتے تھے۔ [ابن کثیر: ۲/۲۲۶]

اللہ تعالیٰ کے احکام و قواعد بدلا نہیں کرتے، انسانوں کے قانون بدل جاتے ہیں؛ کیونکہ انسان ناقص ہے اور اس کی معلومات بھی ناقص ہیں، اس لیے ان کا قانون دس سال بعد فیل ہو جاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون کبھی فیل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اللہ کا علم اتنا کامل ہے کہ ان کو ہماری ضروریات، مصلحتوں اور حقوق کی مقدار کا ہمارے پیدا ہونے سے پہلے بھی پتہ ہے، ہمارے پیدا ہونے کے بعد بھی پتہ ہے اور قیامت تک جو حالات آئیں گے ان کا بھی پتہ ہے، لہٰذا اللہ نے اس شریعت میں اپنے بندوں کے لیے ایسے قواعد بنائے ہیں جو دائمی اور ابدی ہیں، جن میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے نبی اللہ کے احکام کی تنفیذ کرتے ہیں، اللہ کے نبی اللہ کے احکام کو بدل نہیں سکتے۔

اس لیے یاد رکھیں! اللہ کے قانون نہیں بدلا کرتے۔ جب حضور اکرم ﷺ کے ساتھ یہ بات کی گئی تو آپ نے فرمایا: اللہ نے قانون بنا دیا ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

اگر لڑکیاں ایک سے زیادہ ہوں تو دو تہائی مال ملے گا:

﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ﴾

بعض نے فرمایا: ﴿فَوْقَ﴾ کا لفظ یہاں زائد ہے؛ کیونکہ دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو ان کے لیے بھی دو تہائی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں آتا ہے: ﴿فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ﴾ [الانفال: ۱۲]۔

مفسر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ کہنا کہ ﴿فَوْقَ﴾ کا لفظ زائد ہے یہ بات غلط ہے، بلکہ اگر کہیں لفظ زائد آتا ہے تو مثلاً تاکید اور توکید ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا طَٰٓئِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ۚ﴾ [الانعام: ۳۸] نہیں اڑتے پرندے مگر اپنے پروں سے۔ پرندہ اپنے پروں سے ہی اڑتا ہے۔ تو پروں کا ذکر کرنے کا مقصد تاکید ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ﴾ [الانفال: ۱۲] ان کی گردن مارو۔ اب گردن اوپر ہوتی ہے۔ مقصد تاکید ہے، ورنہ اللہ کے کلام میں ایک حرف بھی زائد نہیں ہوتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام

ہے، اس کے ایک ایک حرف کے اندر حکمتیں ہوتی ہیں۔ اگر ﴿فَوْقَ﴾ کا لفظ زائد ہوتا تو آگے قرآن کہتا ہے ﴿فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ﴾ کہ ان دونوں کے لیے دوتہائی ہے، لیکن قرآن نے جمع کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس سے یہ مفہوم سمجھ آیا کہ دولڑکیاں ہیں یا دو سے زیادہ ہیں، ان کے لیے دوتہائی ہے۔ اور اگر ایک لڑکی ہے تو اس کے لیے آدھا ہے، جیسا کہ آگے تفصیل کے ساتھ پڑھیں گے۔ کیونکہ اگر دو بہنیں بھی ہوں تو ان کے لیے دوثلث ہیں۔ تو دولڑکیوں کو دوثلث ملیں گے۔

جیسا کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ جب مر گئے تو دولڑکیاں اور ایک بیوی چھوڑ گئے تو حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ دوتہائی ان کی لڑکیوں کو دے دو، آٹھواں حصہ اس کی بیوہ کو دے دو اور باقی تم بھائی لے لو۔

ایک لڑکی کا، والدین کا کیا حصہ ہے؟

﴿وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ﴾

اگر ایک لڑکی ہو تو آدھا حصہ ملے گا۔

﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ﴾

ایک آدمی مر گیا اور اپنے ماں باپ چھوڑ گیا تو دیکھو اولاد بھی ہے یا نہیں ہے؟ اگر ماں باپ ہیں اور اولاد بھی ہے تو اب ان کو چھٹا حصہ ملے گا۔

مثلاً میت ایک لڑکی چھوڑ گیا اس کو آدھا حصہ ملے گا ماں اور باپ کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اب پھر جو باقی بچے گا وہ پھر عصبہ ہونے کی وجہ سے باپ کو ملے گا۔

اور اگر صرف والدین ہیں تو ماں کو تیسرا حصہ اور باقی سب باپ کو ملے گا۔

اگر خاوند ہے یا بیوی ہے تو ان کو ان کا حصہ ملے گا اور ماں کو تیسرا حصہ اور باقی باپ کو ملے گا۔

اولاد اور ماں باپ کے حصوں کی تفصیل:

﴿فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ﴾

اگر ماں باپ بھی ہیں اور بہن بھائی بھی ہیں.....

بہن بھائیوں کے احوال پھر تین قسم پر ہیں: بعض وہ ہوتے ہیں کہ ماں باپ ایک ہوں۔ ایک وہ ہے کہ ماں تو ایک

ہے، لیکن باپ الگ ہیں۔ اور ایک یہ ہے کہ باپ تو ایک ہے، لیکن ماں الگ الگ ہیں۔

بہر حال جیسے بھی ہیں، اگر وہ بہن بھائی ہیں تو تقسیم اس طرح ہوگی؛ کیونکہ وہ حاجب بنیں گے۔ باپ موجود ہے تو وہ میت کے وارث تو نہیں بنیں گے، لیکن ماں کے لیے حاجب بن جائیں گے کہ ماں کو ثلث ملنا تھا، اب اگر بہن بھائی ہیں تو ماں کو سدس ملے گا۔

اور اگر باپ کے علاوہ کوئی وارث نہیں تو سب باپ لے گا۔ دو بھائی ہوں یا ایک بھائی ہو ان سب کا ایک حکم ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جمہور کا قول یہی ہے کہ بھائیوں کو خود تو کچھ نہیں ملے گا، لیکن ماں کو حصے سے روک دیں گے۔ اور ایک قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے، وہ فرماتے ہیں: ماں کو تو سدس ملے گا اور جو بچے گا وہ بھائیوں کو ملے گا۔

بہر حال اس مسئلہ کو یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب کے حصے مقرر فرما دیے ہیں کہ اگر لڑکا لڑکی ہیں تو دو حصے لڑکے کے ہیں اور ایک حصہ لڑکی کا ہے۔

اور اگر لڑکیاں ہیں اور ایک سے زیادہ ہیں تو ان کے لیے دو تہائی ہے۔

اور اگر ایک لڑکی ہے تو اس کو آدھا مال دیا جائے گا۔

مرنے والے نے اگر ماں باپ چھوڑے ہیں اور مرنے والے کی اولاد بھی ہے تو ان کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر اولاد نہیں ہے، صرف اس کے ماں باپ ہیں تو ماں کو تیسرا حصہ ملے گا۔

اور اگر میت کے بھائی بھی موجود ہیں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔

بہر حال تفصیلات کے لیے ضروری ہے کہ آدمی علماء سے رجوع کرے جو آپ کے علاقے کے مفتی ہیں ان سے رجوع کریں۔ چونکہ میراث کے مسائل میں کچھ باریکیاں ہیں جو عام آدمی نہیں سمجھ سکتا۔

میراث کا مسئلہ پوچھنے کا طریقہ:

یاد رکھیں! جب آدمی میراث کے مسئلے میں علماء سے رجوع کرے تو باقاعدہ لکھے کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے، اب اس کے ورثاء میں مثلاً: ایک لڑکا، دو لڑکیاں، ایک بیوی، ماں، باپ، بھائی اور بہنیں ہیں، تاکہ مفتی کو مسئلہ نکالنے میں آسانی ہو۔ اگر آپ نے ایک جگہ بھائیوں کا تذکرہ نہیں کیا تو صاف بات ہے کہ مفتی تو غلطی کر جائے گا؛ کیونکہ بھائی

ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر بھائی نہ ہوں تو ماں کو کل مال کا چوتھائی ملے گا اور پھر لوگ کہیں گے: ایک مفتی یوں فتویٰ دیتا ہے اور ایک مفتی یوں فتویٰ دیتا ہے۔ حالانکہ مفتی خود فتویٰ نہیں بدلتے، بلکہ جو کچھ ہم پوچھنے میں غلطیاں کرتے ہیں اور توقع یہ رکھتے ہیں کہ مفتی کو خود پتہ چل جائے گا۔ اب اس بے چارے کو علم غیب تو نہیں ہے۔

ہمیشہ ایک اصول یاد رکھیں کہ کبھی ایک لفظ ادھر ادھر نہ بدلیں۔ جو ہو گیا اللہ کی مرضی سے ہو گیا، آپ صحیح صورت حال عالم کے سامنے رکھیں کہ یہ واقعہ ہوا ہے اور یہ لفظ نکلے ہیں، اتنا میں نے کہا ہے۔ اب مجھے بتائیں کہ اللہ کی شریعت کیا کہتی ہے؟ تو وہ آپ کو صحیح فتویٰ دیں گے۔ اور اگر آپ نے اگر مگر لگا دیا تو وہ مجبور ہیں، سو وہ انہیں لفظوں پر فتویٰ دیں گے جو سامنے ہیں۔

خلاصہ سمجھ لیں کہ اگر کوئی مر جائے تو لڑکے کا ایک اور لڑکی کا آدھا حصہ ہے اور بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا یا اس کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ ماں کے بھی دو حصے ہیں: اگر میت کے بھائی موجود ہیں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر موجود نہیں ہیں تو تیسرا حصہ ملے گا۔ میت کی تین لڑکیاں ہیں، بیٹا کوئی نہیں تو ان کو دو تہائی حصہ ملے گا اور باقی دیگر وارثان کو ملے گا اور اگر ایک لڑکی چھوڑ گیا تو اس کو آدھا حصہ ملے گا اور باقی دیگر وارثوں کو دیا جائے گا۔

یہ موٹی بات یاد رکھیں، تاکہ اگر کوئی مسئلہ پوچھے تو بتا دیں باقی فتویٰ دینا ان لوگوں کا کام ہے جو علم میراث کے ماہر ہوتے ہیں۔ پھر وہ دیکھتے ہیں کہ مسئلہ بارہ سے بنے گا، آٹھ سے بنے گا؛ کیونکہ حصے بنانے پڑتے ہیں، تاکہ صحیح تقسیم ہو جائے۔

قرآن میں ﴿كَلٰلَةً﴾ کا لفظ آتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿كَلٰلَةً﴾ اس کو کہتے ہیں کہ ایک آدمی مر گیا، اس کی اولاد بھی نہیں ہے اور ماں باپ بھی نہیں ہیں۔

﴿مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ﴾

اللہ تعالیٰ نے سارے حصے بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ میراث کب تقسیم ہو گی؟ وصیت یا قرض کے بعد تقسیم ہو گی۔

اللہ تعالیٰ سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائیں؛ کیونکہ آخرت کی پہلی منزل کا آغاز ہے۔

میت کو کلمہ کی تلقین:

جب میت پر سکرات الموت ہو تو اس وقت سورۃ یٰسین کی تلاوت کی جائے، تاکہ رحمت کے فرشتے نازل ہوں

اور موت کے اندر آسانی ہو۔

اور دوسری ضرورت میت کے ورثاء وغیرہ کے لیے یہ ہے کہ ان میں سے کوئی میت کے قریب بیٹھ کر ہلکی آواز میں "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھتا رہے کہ وہ سن لے، لیکن شور نہ کریں اور میت کو یہ نہ کہیں کہ کلمہ پڑھو، بلکہ اس کے پاس بیٹھ کر "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھنا شروع کردیں؛ کیونکہ جب وہ کلمہ سنے گا تو اس کو خود بخود کلمہ یاد آئے گا اور وہ پڑھے گا، لیکن اس کو کہا نہ جائے؛ کیونکہ موت شدت کی گھڑی ہے، خدانخواستہ وہ کہہ دے کہ میں نہیں پڑھتا۔ اس لیے اس کے ساتھ بیٹھ کر پڑھتا رہے، تاکہ اس کو کلمہ کی تلقین ہوجائے اور وہ بھی کلمہ پڑھ لے اور اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ ایمان پر فرمادے۔ جب وہ مرجائے گا تو اس کا حق یہ ہے کہ جو ورثاء بیٹھے ہیں وہ فوراً اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بند کردیں؛ کیونکہ جب ابتداء سے روح پھونکی جاتی ہے تو اس کی ابتداء سر سے ہوتی ہے اور جب نکالی جاتی ہے تو نیچے سے اس کی ابتداء ہوتی ہے اور آخر میں آنکھوں سے نکلتی ہے۔

یہی وجہ ہوتی ہے کہ بعض اوقات آنکھیں کھلی رہتی ہیں اور ہمارے جاہل کہتے ہیں کہ بے چارہ بیٹے کی انتظار کر رہا ہے۔ یہ بے وقوفی کی بات ہے۔ کیونکہ اب روح تو ہے نہیں کہ وہ اپنی آنکھیں خود بند کرے، اس لیے ہمیں حکم ہے کہ اس کی آنکھوں پر ہم ہاتھ دے دیں۔ اور اس کا چہرہ قبلہ کی طرف کردیا جائے، تاکہ اللہ نے جو قبلہ بنایا ہے یہ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ہمارا قبلہ یہی اللہ کا کعبہ ہے اور ہمارا چہرہ قبلہ کی طرف رہے۔

میت پر غم کا اسلامی طریقہ:

اور دوسرا حکم یہ ہے کہ مرنے کے بعد اس کا ماتم نہ کیا جائے۔ یہ سب کافروں کے کام ہیں، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی آنسو بہا رہا ہے تو وہ جائز ہے، لیکن فریاد، واویلا، چیخ وپکار ہائے برباد ہوگئے، لٹ گئے، تقدیر نے ایسا کیوں لکھ دیا، اللہ کو بھی ہمارا یہی بندہ ملا تھا، اس کو ساری دنیا میں اور کوئی نہیں ملا۔ یہ کافرانہ کلمات ہیں، جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

جو لوگ کسی کے مرنے پر ماتم کرتے ہیں ان کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ، وَشَقَّ الْجُيُوْبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ)) [بخاری، رقم: ۱۲۹۷] جو ماتم میں اپنے چہروں پر تھپڑ مارے اور کپڑے پھاڑ ڈالے یا سیاہ لباس پہنے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کا میری جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آج کل

تو رواج ہے کہ اگر عورت کا خاوند مر گیا تو وہ سیاہ کپڑے پہنے گی۔ اسی طرح اگر کوئی بڑا آدمی مر گیا تو سر میں مٹی ڈال رہے ہیں، چیخ رہے ہیں۔ اور اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہوں تو سر میں چاقو بھی مار رہے ہیں اور پتہ نہیں کیا کیا کر رہے ہیں! یہ سب چیزیں حرام ہیں، ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر صرف آنسو بہہ رہے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی علامت ہے۔ کیونکہ فطرتِ انسانی ہے جب کوئی عزیز جدا ہوتا ہے تو لازمی بات ہے کہ اس کا صدمہ ہوتا ہے۔

میت کی تجہیز و تکفین کا طریقہ:

پھر اس میت کے غسل کا بندوبست کریں۔ سنت تو یہ ہے کہ بیری کے پتے پانی میں ڈال کر گرم کریں۔ بہر حال اب تو صابن آگئے ہیں؛ کیونکہ مقصد بدن کی صفائی ہے۔ صحیح غسل دینے والا میت کو غسل دے اور اسے کفن دیا جائے اور اس پر خوشبو وغیرہ لگانا سنت ہے۔

جنازہ اور تدفین میں تاخیر نہ کرو:

میت کا ایک حق یہ بھی ہے کہ جنازہ میں تاخیر نہ کریں۔ یہ جاہلیت کی رسم ہے کہ اس کا بھائی باہر ہے، اس لیے اس کو دو دن رکھو، وہ آجائے۔ ابھی فلاں رشتہ دار نہیں آیا، ابھی فلاں رشتہ دار نہیں آیا۔ کیا رشتہ دار قبر میں ساتھ چلے جائیں گے؟ اگر وہ آبھی جائیں تو قبر سے باہر رہیں گے، قبر کے اندر اس کے ساتھ تو نہیں جائیں گے؟ لہٰذا پھر ان کے آنے یا نہ آنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟

جہاں مرے وہیں دفن کیا جائے:

اسی طرح یہ بھی مسئلہ ہے کہ جہاں موت آئے اسی شہر میں دفن کرو، بلا وجہ منتقل نہ کرو۔

اگر مکہ یا مدینہ میں میت نے تدفین کی وصیت کی ہو:

علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی وصیت کر گیا کہ مجھے مکہ یا مدینہ میں دفن کیا جائے تو اس کی اس وصیت کو پورا کیا جائے، لیکن افضل یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے موت لکھی ہے وہیں دفن کر دو۔

میت کو آرام سے لے کر چلیں:

جب میت کو لے کر چلیں تو آرام سے چلیں، جیسا کہ کسی زندہ کو لے کر جا رہے ہیں، دوڑنا نہیں اور الٹا سیدھا نہ

ریں، تاکہ میت کو تکلیف نہ ہو، اس کو آرام سے اٹھا کر چلیں۔

جنازہ کا امام:

اور جنازے کے لیے کوشش کریں کوئی موحد آدمی، صحیح العقیدہ آدمی نماز پڑھائے۔ اگر میت کی اولاد میں کوئی پڑھالکھا ہے تو اولاد کا حق ہے کہ وہ جنازہ پڑھائے۔ اگر اولاد جاہل ہے تو اس علاقے کا کوئی عالم، صحیح العقیدہ موحد، کوئی مشرک نہ ہو؛ کیونکہ اس کی دعا مانگنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ غیر اللہ کا پجاری اور غیر اللہ کو سجدے کرنے والے نہ ہوں، اس لیے کوشش کیا کریں کہ جنازہ صحیح عقیدہ والا آدمی پڑھائے، تاکہ غریب کی آخری منزل تو صحیح ہو جائے۔

جنازہ کے بعد دعا نہیں ہے:

اور سنت یہی ہے کہ جو دعا میرے مدنی ﷺ نے سکھائی ہے وہی پڑھیں۔ جنازے کی نماز کے بعد کوئی دعا نہیں ہے۔ جب قبر میں دفن کر دیں تو پھر دعا مانگ سکتے ہیں، ورنہ جنازے کے بعد دعا مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اللہ کے نبی ﷺ کی دعا پر اعتماد نہیں ہے اور مولوی کی دعا پر اعتماد ہے۔

میت کے لیے سوگ کے ایام:

اور اس کے بعد یاد رکھیں کہ سوگ تین دن کا ہے، اس کے بعد کوئی سوگ نہیں ہے۔ صرف بیوی کے لیے چار مہینے دس دن سوگ ہے۔ یعنی گھر سے باہر نہ نکلے، میک اپ سنگھار نہ کرے، سرمہ نہ لگائے اور بلاضرورت گھر سے باہر نہ جائے، کہیں بازار میں نہ جائے، غیروں سے نہ ملے اور اس گھر میں رہے جس گھر میں خاوند پر موت آگئی اور اگر عورت حاملہ تھی تو وضع حمل ہونے کے بعد عدت گزر جائے گی۔ عدت کے بعد اس کو حق ہے کہ وہ میک اپ سنگھار کرے، شادی کے پیغام آجائیں، تاکہ نکاح ہو؛ کیونکہ بلاوجہ بیوہ کو گھر میں بٹھانا حرام ہے۔

تین دن کے سوگ کا معنی یہ ہوتا ہے کہ میت کے ہمسائے یا رشتہ دار کھانا پکا کر بھیجیں۔ میت کے گھر سے کھانا حرام ہے۔ ایک ان کے گھر میں بندہ مر گیا دوسرا برادری آکر بیٹھ جاتی ہے۔ اب اگر وہ روٹی نہ کھلائیں تو کہیں گے بڑا بدبخت ہے۔ برادری بیٹھی ہے اور یہ کھانا بھی نہیں دیتا۔

تعزیت کا طریقہ:

تعزیت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب میت والوں کے پاس جاؤ، ان سے کہو کہ اللہ اجر و ثواب دے، اللہ کی مرضی، ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ'' اللہ تمہیں صبر دے، اللہ پسماندگان کو صبر دے، اللہ تعالیٰ نعم البدل عطا فرمائے۔ دعا کر کے آجائیں۔ ہمارے ہاں جو پرچھے پر بیٹھنے کا رواج ہے، مٹی پر بیٹھے ہیں، فاتحہ پڑھیں اور ہر مرتبہ ہاتھ اٹھائیں، یہ کوئی ضروری نہیں ہوتا، صرف زبان سے دعا کر دینا بھی کافی ہوتا ہے۔

خلاصۂ مسائلِ میراث:

اس کے بعد یہ دیکھیں کہ میت کے ذمہ اگر کوئی قرض ہے تو قرضہ ادا کر دیں۔ اگر ساری جائیداد قرضے میں چلی جائے تب بھی قرضہ ادا کرو۔

اب اس کے بعد دیکھو کہ وہ کوئی وصیت کر گیا ہے کہ مسجد بناؤ، مدرسہ بناؤ، پانی کا انتظام کرو۔ اگر وصیت کر گیا تو اس کے ثلث مال میں وصیت نافذ ہوگی۔

اگر وہ یہ وصیت کر جائے کہ میری ساری جائیداد مسجد کو دے دو تو اس پر عمل نہیں ہوگا؛ کیونکہ وارثوں کا حق نہیں مارا جا سکتا۔ اس کو زیادہ سے زیادہ صرف ثلث میں وصیت کرنے کا اختیار ہے۔

وصیت کی تنفیذ کے بعد اس کی جائیداد کو تقسیم کیا جائے گا کہ لڑکے کے دو حصے اور لڑکی کا ایک حصہ ہوگا، لڑکیاں ایک سے زیادہ ہوں تو دو تہائی اور ایک لڑکی ہو تو آدھا مال ملے گا۔

بیوی ہے تو اس کو چوتھائی حصہ ملے گا یا آٹھواں حصہ ملے گا۔

ماں ہے تو اس کو ثلث یا سدس ملے گا۔

اسی طرح اللہ نے قرآن میں فرائض بیان کر دیے ہیں۔

﴿آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾﴾

اللہ نے فرمایا: ہم نے جو حصے مقرر کر دیے ہیں اس کے اندر اس کی حکمت ہے؛ کیونکہ تمہیں کوئی پتہ نہیں کہ تمہیں زیادہ فائدہ اولاد سے پہنچے گا یا والدین سے پہنچے گا۔

وصیت لکھنے میں سستی نہ کرو:

شریعت کے اندر حکم ہے کہ آدمی اپنی وصیت تیار رکھے، بلکہ اس پر کوئی رات بھی ایسی نہ گزرے کہ جس میں اس کا وصیت نامہ لکھا ہوا موجود نہ ہو، محفوظ نہ ہو؛ کیونکہ انسان کی زندگی کے معاملات ہیں، اولاد کو پتہ نہیں ہوتا، رشتہ داروں کو بھی پتہ نہیں ہوتا، قرض ہے اور اسی طرح انسان کے حقوق ہیں، اس کے املاک ہیں۔ اس لیے بہتر یہ ہوتا ہے کہ وہ ان سب کی تفصیل اپنی وصیت میں لکھے کہ میں نے اتنا قرض دینا ہے اور اتنا قرض لینا ہے اور میری جائیداد جس کا اللہ نے مجھے مالک بنایا ہے، میری موت کے بعد کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق تقسیم کی جائے، تاکہ وہ ذمہ داری سے بھی بچ جائے اور مرنے کے بعد بلا وجہ عذاب کا مستحق نہ بنے۔

اور اہل علم کے لیے ضروری ہے کہ کم از کم موٹی موٹی باتیں فرائض کی یاد رکھیں۔ یہی سورۃ النساء میں جو اللہ تعالیٰ نے رکوع مبارک نازل فرمایا ہے، اس کو بھی اگر آدمی دو چار دفعہ پڑھ لے اور اس کا ترجمہ بھی سمجھ لے تو موٹی موٹی باتیں یاد ہو جاتی ہیں۔ اور اگر کبھی جزئیات کی ضرورت پڑے تو لازمی بات ہے کہ وہ علم میراث کے ماہرین، اصحاب علم کے پاس رجوع کرے۔

﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾﴾ [النساء: ١٢]

"اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ کر جائیں، اس کا آدھا حصہ تمہارا ہے، بشرطیکہ ان کی کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو۔ اور اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو انہوں نے کی ہو اور ان کے قرض کی ادائیگی کے بعد تمہیں ان کے ترکے کا چوتھائی حصہ ملے گا۔ اور تم جو کچھ چھوڑ کر جاؤ اس کا ایک چوتھائی ان (بیویوں) کا ہے، بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو۔ اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو تم نے کی ہو اور تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد ان کو تمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا۔ اور اگر وہ مرد یا عورت جس کی میراث تقسیم ہونی ہے، ایسا ہو کہ نہ اس کے والدین زندہ ہوں، نہ اولاد، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن زندہ ہو تو ان میں سے ہر ایک چھٹے حصے کا حق دار ہے۔ اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے، (مگر) جو وصیت کی گئی ہو اس پر عمل کرنے کے بعد اور مرنے والے کے ذمے جو قرض ہو اس کی ادائیگی کے بعد، بشرطیکہ (وصیت یا قرض کے اقرار کرنے سے) اس نے کسی کو نقصان نہ پہنچایا ہو۔ یہ سب کچھ اللہ کا حکم ہے اور اللہ ہر بات کا علم رکھنے والا، بردبار ہے۔"

نسبی اور سسرالی رشتے:

سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا جو آپ پڑھ چکے ہیں: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ انسان کے رشتے دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک نسب کا رشتہ ہوتا ہے اور ایک سسرالی رشتہ ہوتا ہے۔ یہ دو رشتے ہیں جن سے رشتہ داریاں پیدا ہوتی ہیں۔ نسب سے مراد آدمی کا بیٹا ہے، پوتا ہے، والد ہے، والدہ ہے ان سارے رشتوں کا تعلق نسب سے ہے۔

اور بعض رشتے ایسے ہوتے ہیں جن کا تعلق زواج سے ہوتا ہے؛ کیونکہ آپ کا کوئی تعلق نہیں ہوتا دور کی رشتہ دار کی لڑکی سے شادی ہوگئی، اب ان سے رشتہ داری بن گئی۔ تو ساس سسر سے بھی رشتہ داری ہوگئی، بیوی کے رشتہ داروں سے بھی رشتہ داری ہوگئی۔ اس میں بیوی کے حقوق بھی آگئے، خاوند کے حقوق بھی آگئے۔

اگر وہ تیسرے حصے سے زیادہ وصیت کر جائے۔ مثلاً کہے کہ میرا آدھا مال خیرات کر دینا تو بھی تہائی سے زیادہ پر عمل نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ وہ ورثا کو محروم کر رہا ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لیے کہ

ایک صحابی تھے ان کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ نے مجھے کافی جائیداد دی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ساری کی ساری جائیداد اللہ کے راستے میں دے دوں۔ آپ نے فرمایا: بالکل نہیں۔ اس نے کہا: حضور! مجھے اجازت دیں کہ میں آدھی جائیداد خیرات کردوں اور آدھی جائیداد میرے ورثاء کو تقسیم کی جائے۔ آپ نے فرمایا: بالکل نہیں، غلط بات ہے۔ اللہ نے جو تمہارے وارث بنائے ہیں ان کے لیے کچھ چھوڑ دو، یہ تو نہیں کہ تم ساری خیرات کردو اور بعد میں وارث بھیک مانگتے پھریں۔ یہ بات غلط ہے۔ اس نے کہا: اچھا تیسرا حصہ خیرات کرنے کی اجازت دیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اچھا تیسرے کی اجازت تو ہے، لیکن یہ تیسرا حصہ بھی زیادہ ہے، یعنی بہتر یہ ہے کہ اس سے بھی کم کی وصیت کرو۔ بہر حال حضور اکرم ﷺ نے اس کو تیسرے حصے کی وصیت کی اجازت دے دی۔

اس لیے تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ سب سے پہلے میت کا قرض ادا کریں گے قرضے کے بعد جائیداد باقی ہے تو دیکھیں گے کہ وصیت ہے یا نہیں؟ اگر وصیت نہیں تو بات ختم ہوگئی، مال ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ اگر وصیت ہے تو دیکھیں گے کہ وہ تیسرے حصے سے زیادہ تو نہیں بنتی؟ اگر تیسرے حصے سے کم ہے تو ٹھیک ہے، تیسرے حصے تک ہے تو ٹھیک ہے، اس وصیت کو نافذ کردیں گے۔ اس کے بعد جو بچے گا اس کو شریعت کے مطابق تقسیم کریں گے۔ اگر وصیت تیسرے حصے سے زیادہ ہے تو تیسرے حصے جتنی وصیت کو نافذ کردیں گے، باقی مال ورثاء میں تقسیم کردیں گے۔

وصیت میں نقصان پہنچانے کی صورتیں:

قرض ہو یا وصیت ہو، قرآن نے ایک پابندی لگادی ہے: ﴿غَيْرَ مُضَآرٍّ﴾ نقصان پہنچانے کی نیت نہ ہو۔ مثلاً: ایک آدمی مرنے لگا، اس نے کہا: اگر میں نے جائیداد چھوڑی تو میرے وارث لے لیں گے اور اتنا حصہ ان کو مل جائے گا۔ اس کا ایک گہرا دوست تھا تو اس کے بارے میں کہہ دیا کہ میں نے اس سے اتنا قرضہ لیا تھا، حالانکہ اس سے قرض نہیں لیا تھا۔ اس کی نیت یہ تھی کہ میرے ورثاء کی بجائے میرے اس دوست کو حصہ مل جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قرضے کا اقرار کرکے اپنے ورثاء کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔

اور وصیت میں ایک نقصان یہ ہے کہ مثال کے طور پر ایک سو ایکڑ زمین چھوڑی ہے، اس میں دس ایکڑ سب سے

قیمتی ہے۔ اس نے کہا: یہی خیرات کر دو اور جو باقی بچے وہ وارثوں میں تقسیم کر دو۔ یہ بات بھی شریعت کے احکام کے خلاف ہے۔

اہل میت کے ساتھ ہمدردی:

شریعت کا یہ بھی حکم ہے کہ جو آدمی فوت ہو جائے اس کے گھر میں تین دن تک کھانا منع ہے؛ کیونکہ وہ قابل رحم ہیں، ان کے ساتھ ہمدردی کی جائے، نہ یہ کہ ان کا آدمی فوت ہو گیا اور برادری آ کر بیٹھ گئی۔ اب ان دو سو آدمیوں کے کھانے کا انتظام کرو۔ اگر اس کو اتنی بڑی ہمدردی ہے تو کسی ہوٹل میں کھانا کھالے اور آ کر بیٹھ جائے۔

اسی طرح یہ حکم ہے کہ جو آدمی مر گیا، اس کے جو قریب والے ہمسائے ہیں وہ تین دن تک اس میت کے گھر کھانا بھیجیں۔ جب سب محلے والے بھیجیں گے تو مہمان بھی کھالیں گے، گھر والے بھی کھالیں گے اور ان کی ہمدردی بھی ہو جائے گی۔ ان کے گھر میں کھانا بھیجنا چاہیے، نہ کہ کھانا کھانا چاہیے۔

قل خانی کا حکم:

تیسری بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں جو رواج ہے کہ قل خوانی شریف کرنی ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بدعت ہے۔ اگر یہ دین کی بات ہوتی تو اللہ کے نبی ﷺ اس کا حکم فرماتے۔ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں وضو، غسل، نکاح، طلاق، میراث کے احکام سمجھائے ہیں، اگر تیسرے دن میت کے حق میں قل خوانی ضروری تھی تو سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ حکم دیتے۔

دوسری بات، فقہاء نے لکھا ہے کہ آدمی مر گیا، مرنے کے بعد جو خیرات کر رہے ہیں، یہ کس کے مال سے ہے؟ کیونکہ مرنے کے بعد مال وارثوں کا ہے۔ وارثین میں کچھ چھوٹے بچے ہیں، ان کو میراث تب ملے گی جب وہ عاقل بالغ ہوں گے۔ ان کی اجازت کے بغیر میت کے مال سے خیرات کر رہے ہو یہ حرام ہے۔ اگر کوئی ایک بیٹا کہتا ہے کہ میں خیرات کروں گا تو کیا وہ اپنے حصے سے کرے گا یا میت کے ترکہ سے کرے گا؟ اس لیے شریعت ان چیزوں کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ ایسے رسم و رواج بن گئے ہیں لوگ مجبور ہو گئے ہیں کہ اگر نہیں کریں گے تو ناک کٹ جائے گی، لوگ گلہ کریں گے کہ فلاں کا باپ مر گیا بد بخت ایسا تھا کہ اس نے قل خوانی بھی نہیں کی ہے۔ تو لوگ برادری میں ناک رکھنے کے لیے یہ کرتے ہیں، ورنہ ان کو بھی پتہ ہوتا ہے کہ ہم اور زیر بار ہو جائیں گے، ہم اور مقروض ہو جائیں گے۔



ترکہ سے بیوی کا حق المہر ادا کرنا بھی فرض ہے:

ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیں جس کی طرف عام لوگوں کی توجہ نہیں جاتی کہ ایک آدمی مرگیا، اس نے اپنی بیوی کو حق المہر ادا نہیں کیا، جیسا کہ ہمارے ہاں حق المہر لکھ دیتے ہیں کہ ایک مربع زمین، ایک کوٹھی، تین لاکھ روپے نقد اور اگر جھگڑا ہو جائے تو پانچ ہزار روپے ہر مہینہ ادا کرے گا۔ اب اگر آدمی مرجائے اور حق المہر نہیں دیا تو اسلام یہ کہتا ہے کہ سب سے پہلے اس کی جائیداد سے اس کی بیوی کو حق المہر ادا کرو؛ کیونکہ یہ بھی قرض ہے، اس کی پوری جائیداد حق المہر میں چلی جائے تو کسی وارث کو کچھ نہیں ملے گا۔

یاد رکھیں! اسلام کے اصولوں پر چلو گے تو نہ تکلیف ہوگی نہ پریشانی ہوگی۔

ترکہ میں خاوند کا حصہ:

ایک آدمی کی بیوی مرگئی اور اس کی کوئی اولاد نہیں تھی، نہ اس خاوند سے اور نہ کسی اور خاوند سے اگر اس کی پہلے کہیں شادی ہوئی تھی تو جائیداد کا آدھا حصہ اس کے خاوند کا ہے۔

اگر بیوی مرگئی، لیکن اس کی اولاد ہے، چاہے اسی خاوند سے یا پہلے خاوند سے تو اس جائیداد کا چوتھائی حصہ خاوند کو ملے گا لیکن شرط یہ ہے کہ اگر اس پر قرضہ ہے تو پہلے جائیداد سے قرضہ ادا کیا جائے گا یا اس نے ثلث مال میں وصیت کی ہے تو وصیت نافذ کرکے۔ جو بچے گا اس میں سے چوتھائی خاوند کو دیا جائے گا۔

ترکہ میں بیوی کا حصہ:

اگر خاوند مرجائے بیوی زندہ ہے، اگر خاوند کی اولاد نہیں ہے تو اس کی بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا۔

اگر خاوند کی اولاد ہے اسی بیوی سے ہو یا دوسری بیوی سے تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔

یہاں مسئلہ سمجھ لو کہ ایک آدمی کی چار بیویاں ہیں تو اس طرح نہیں کیا جائے گا کہ ہر ایک کو چوتھا حصہ دیا جائے، ورنہ باقی سب وارث محروم ہو جائیں گے۔ اس لیے یوں سمجھیں کہ آدمی مرگیا، اس کی جائیداد چار سو ریال ہے تو ایک سو ریال بیوی کو ملے گا اور اگر دو بیویاں ہیں تو بچاس بچاس ریال ملیں گے اور اگر چار بیویاں ہیں تو پچیس پچیس ریال ملیں گے اور اگر مرنے والے کی اولاد ہے ایک بیوی ہے یا چار بیویاں ہیں تو سب بیویوں کو آٹھواں حصہ ملے گا۔

خاوند کے مقابلہ میں بیوی کو کم حصہ کیوں ملتا ہے؟

خدا کی شان دیکھیں کہ اگر خاوند مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا اور اگر اولاد ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا؛ کیونکہ یہ عدت کے بعد دوسری شادی کر سکتی ہے اور اس کو دوسرے خاوند سے بھی جائیداد میں حصہ ملے گا اور بیوی مر جائے خاوند زندہ ہے تو اس کو آدھا حصہ ملے گا، وارث تو بعد میں بنے گا، پہلے تو خرچ کرے۔ آج لوگ کہتے ہیں کہ اسلام نے انصاف نہیں کیا، لڑکی کو ایک حصہ اور لڑکے کو دو حصے دے رہا ہے۔ خاوند کل ترکہ کا آدھا یا چوتھا حصہ لے رہا ہے اور بیوی کو چوتھا یا آٹھواں حصہ مل رہا ہے۔

یاد رکھیں! اسلام عدل کرتا ہے؛ کیونکہ لڑکی پیدا ہوگی تو اس کا خرچہ ماں باپ کے ذمہ ہے۔ جب اٹھارہ بیس سال کی ہو کر اس کی شادی ہو جائے گی تو اب خرچہ خاوند کے ذمہ ہوگا۔ اور لڑکا اگر جوان ہو تو ماں باپ کو بھی کھلائے اور شادی کرے، بیوی کا خرچہ بھی اٹھائے۔ جس پر بوجھ زیادہ تھا اللہ نے اس کو ترکہ بھی زیادہ دے دیا اور جس پر بوجھ کم تھا اللہ نے اس کا ترکہ بھی کم کر دیا۔

میاں بیوی کے ترکہ کی تقسیم میں عورت کو پہلے کیوں ذکر کیا؟

اس آیت کے اندر اللہ نے عورت کا مسئلہ بیان کیا کہ عورت مر جائے تو خاوند کو آدھا حصہ ملے گا اور مرد کا ذکر بعد میں کیا کہ خاوند مر جائے تو عورت کو چوتھا حصہ ملے گا۔ حالانکہ اصولاً تو ہر جگہ مرد کا ذکر پہلے ہوتا ہے۔ علماء نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ عورت کی جائیداد اس کی اپنی ملک، اپنے علاقے میں ہے، اس کے بھائیوں یا والدین کے پاس ہے، اس کے ہاتھ میں نہیں۔ اس لیے اللہ نے اہمیت دی کہ ایسا نہ ہو جب بیوی مر گئی، اس بیوی کے بھائی کہیں کہ ہماری بہن مر گئی، اس لیے کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور اس خاوند بے چارے کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ میری وہاں کیا کیا جائیداد ہے؟

وارثوں کے لیے وصیت کرنا اب جائز نہیں:

جب تک میراث کا حکم نہیں آیا تھا اس وقت تک وصیت کا حکم لازمی تھا۔ آدمی کچھ نہ کچھ اپنے رشتہ داروں کے لیے وصیت کر جائے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے میراث کے احکام نازل فرما دیے تو اب رشتہ دار وصیت کے محتاج نہیں رہے۔ اب یہ ہے کہ آدمی اپنی عاقبت کی بہتری کے لیے وصیت کرنا چاہتا ہے تو ثلث مال یا اس سے کم میں

کر سکتا ہے کہ کوئی صدقہ خیرات مدرسہ کے بارے میں وصیت کر جائے، تاکہ میرے مرنے کے بعد مجھے ثواب ملتا رہے۔ اس کو وصیت کا حق ہے۔

کلالہ کا معنی اور وجہ تسمیہ:

﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً﴾

ایک آدمی یا عورت مر گئی اور وہ کلالہ ہے۔ کلالہ کی تفسیر میں علماء کے کئی اقوال ہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کا اصل بھی نہیں اور فرع بھی نہیں۔ یعنی نہ باپ ہے اور نہ اولاد ہے۔ کلالہ اکلیل سے مشتق ہے، یعنی تاج۔ جیسے وہ ہر طرف سے سر کو گھیر لیتا ہے، معنی یہ ہے کہ مرنے والے کی اصل بھی نہیں اور فرع بھی نہیں، باہر کے رشتہ داروں نے گھیرا ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کلالہ کا کیا معنی ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک بات کہہ رہا ہوں۔ اگر میری بات سچی ہے تو الحمد للہ اور اگر میری بات غلط ہے تو اس کا اللہ اور اس کے رسول سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ غلطی مجھ سے ہوگی۔ میں نے کلالہ کا معنی یہ سمجھا ہے: ''مَنْ لَا وَلَدَ لَهُ وَلَا وَالِدَ'' [تفسیر ابن کثیر] کہ جو ایسی حالت میں مرے کہ نہ اس کا باپ ہے اور نہ اس کی اولاد ہے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: جو بات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرما چکے ہیں مجھے ان کی رائے کی مخالفت کرنے میں حیا آتی ہے۔
[سنن کبریٰ: ۶/ ۲۲۴]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''كُنْتُ آخِرَ النَّاسِ عَهْدًا بِعُمَرَ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: الْقَوْلُ مَا قُلْتُ وَمَا قُلْتُ وَمَا قُلْتُ، قَالَ: الْكَلَالَةُ مَنْ لَا وَلَدَ لَهُ وَلَا وَالِدَ وَهٰكَذَا قَالَ عَلِيٌّ وَابْنُ مَسْعُودٍ وَصَحَّ عَنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَبِهِ يَقُولُ الشَّعْبِيُّ وَالنَّخَعِيُّ وَالْحَسَنُ وَقَتَادَةُ وَجَابِرُ بْنُ زَيْدٍ وَالْحَكَمُ، وَبِهِ يَقُولُ أَهْلُ الْمَدِينَةِ وَأَهْلُ الْكُوفَةِ وَالْبَصْرَةِ'' [سنن سعید ابن منصور، رقم: ۵۸۹] میرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخر دور تک ساتھ رہا اور فرماتے تھے: میں نے یہ کہا، میں نے یہ کہا، میں نے یہ کہا۔ جب کلالہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''الْكَلَالَةُ مَنْ لَا وَلَدَ لَهُ وَلَا وَالِدَ'' کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کا باپ بھی نہ ہو، بیٹا بھی نہ ہو۔ حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے کہ کلالہ اس کو کہتے ہیں جو

مرجائے اور نہ اس کی اولاد ہو نہ باپ۔ اسی طرح امام شعبی، امام نخعی، حضرت حسن، حضرت قتادہ، حضرت جابر بن زید، حضرت حکم اور اسی طرح فقہاء سبعہ اور ائمہ اربعہ ﷭ سب یہی کہتے ہیں کہ کلالہ کا معنی یہ ہے کہ جس کا باپ بھی نہ ہو اور اولاد بھی نہ ہو۔ بلکہ صحابہ سے لے کر ائمہ تک کا یہی قول ہے۔ بہر حال سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی رائے اکیلی نہیں رہی، بلکہ ان کے ساتھ جمہور سلف بھی آ گئے اور جمہور خلف بھی آ گئے اسی طرح اہل مدینہ، اہل بصرہ، اہل کوفہ (جو علوم کے مرکز تھے ان) کا بھی یہی قول ہے۔ بلکہ ایک مرفوع حدیث بھی اس معنی میں ملی ہے۔

ایک قول یہ بھی آیا ہے کہ کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کی اولاد نہ ہو، لیکن صحیح قول پہلا ہے کہ اولاد بھی نہ ہو اور باپ بھی نہ ہو۔ مفسر ابن کثیر ﷫ فرماتے ہیں کہ جس راوی نے یہ بات کہی ہے ہوسکتا ہے کہ اس نے سمجھا نہ ہو کہ لا ولد تو سنا ہو اور لا والد نہ سنا ہو۔

کلالہ کی میراث میں اخیافی بھائی کا حصہ:

﴿أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر کوئی مرد مر گیا یا عورت مر گئی اور وہ کلالہ ہیں کہ ان کا باپ دادا بھی نہیں اور اولاد بھی نہیں، نہ بیٹا، نہ بیٹی، نہ پوتا، نہ پوتی، لیکن ایک بھائی ہے یا ایک بہن ہے۔ بھائیوں کی تین قسمیں ہوتی ہیں: ایک حقیقی بھائی کہ باپ بھی ایک ہو اور ماں بھی ایک ہو۔ بعض علاتی بھائی ہوتے ہیں کہ باپ تو ایک ہے، لیکن مائیں الگ ہیں۔ اور بعض اخیافی بھائی ہوتے ہیں کہ یعنی ماں تو ایک ہے، لیکن باپ علیحدہ ہیں۔

یہاں جو قرآن نے فرمایا ہے: ﴿أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ﴾ یہاں اخیافی بھائی مراد ہے۔ یعنی مرنے والے کی اولاد اور باپ نہیں ہے، صرف ماں کی طرف سے ایک بھائی یا بہن ہے، حتیٰ کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی قرأت میں ہے کہ جب یہ آیت پڑھتے تھے: ﴿أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ﴾ تو ساتھ ''مِنْ أُمِّهٖ'' بھی پڑھتے تھے۔ حالانکہ یہ قرأت شاذہ ہے، قراءات سبعہ میں سے نہیں ہے۔ لیکن اس کا تواتر ہے اور عمل بھی اسی پر ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے بھی یہی تفسیر کی کہ اس کا باپ بھی نہیں اور اس کی اولاد بھی نہیں۔ اس کا ماں کی طرف سے ایک بھائی یا بہن ہے، اس کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر اس قسم کے دو، تین، چار یا زیادہ بھائی یا بہنیں ہیں تو اب سب تیسرے حصے میں شریک ہوں گے؛ کیونکہ اخیافی بہن بھائی باقی ورثاء سے مختلف ہیں کہ وہ ماں کی طرف سے وارث بنتے ہیں؛ کیونکہ ان کا باپ الگ ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ اگر لڑکا اور لڑکی ہوں تو لڑکے کے دو حصے اور لڑکی کا ایک حصہ ہوگا، لیکن اگر اخیافی بہن بھائی ہیں تو یہ برابر ہوتے ہیں، ان میں تیسرے حصے کو برابر تقسیم کر دیں گے۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ ماں جائے بھائی تب وارث بنتے ہیں جب مرنے والے کا باپ بھی نہیں اور دادا بھی نہیں اگر باپ مر جائے یا دادا تو یہ وارث نہیں بنے گا۔ اسی طرح اگر مرنے والے کا بیٹا موجود ہے تب بھی وارث نہیں بنے گا۔ اخیافی بہن بھائی تب وارث بنیں گے جب اس مرنے والے کے اوپر کا یعنی اصل کوئی نہ ہو اور نیچے کا بھی کوئی نہ ہو یعنی اولاد بھی نہ ہو۔

چوتھا فرق یہ ہے کہ ماں کی طرف سے جو اخیافی بھائی ہیں چاہے وہ ایک ہے، دو ہیں، تین ہیں، چار ہیں، پانچ ہیں یا دس ہیں تو ان سب کو تیسرے حصے سے زیادہ نہیں ملتا۔

کلالہ کی میراث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اخیافی بہن بھائیوں کا حصہ:

((قَالَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ: حَدَّثَنَا يُونُسُ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: قَضَى عُمَرُ أَنَّ مِيرَاثَ الْإِخْوَةِ مِنَ الْأُمِّ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ مثل الْأُنْثَى، قال الزُّهْرِيُّ: وَلَا أُرَى عُمَرَ قَضَى بِذَلِكَ حَتَّى عَلِمَ بِذَلِكَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) [تفسیر ابن کثیر] سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ جو ماں کی طرف سے بھائی ہیں ان کے لیے حصہ مقرر کیا تھا۔ ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ کہ اگر بھائی اور بہنیں ہیں تو بھائی کو دوہرا اور بہن کو اکہرا حصہ ملے گا۔ حضرت زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اگر یہ فیصلہ کیا ہے تو لازماً انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا ہوگا۔

اصولی بات یاد رکھیں کہ یہ بات طے شدہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کلالہ کا معنی ہے کہ ایک آدمی مر گیا اس کا والد بھی نہیں اور اولاد بھی نہیں، وہ ایک بھائی اور ایک بہن چھوڑ گیا تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر وہ زیادہ بہن بھائی یعنی دو بھائی تین بہنیں یا تین بہن بھائی چھوڑ گیا، یعنی دو سے زیادہ ہیں تو اس کے مال کا تیسرا حصہ سب میں برابر برابر تقسیم کر دیں گے۔ یہ قول تمام صحابہ سے ہے۔ اخیافی بہن بھائی کا حصہ ہی شریعت نے الگ رکھا ہے۔ ایک آدمی مر جائے اس کا باپ موجود ہے یا بیٹے موجود ہیں تو ماں کی طرف سے جو بہن بھائی ہیں وہ وارث نہیں بنتے۔

کلالہ کی میراث میں اختلاف:

﴿فَإِنْ كَانُوٓا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ﴾

اس شرکت کے مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ مثلاً عورت مرگئی، اس نے خاوند چھوڑا اور ماں چھوڑی یا دادی چھوڑی اور ماں کی طرف سے دو بھائی یا بہنیں ہیں اور باپ کی طرف سے بھی بھائی چھوڑے۔ اب جمہور فرماتے ہیں کہ خاوند کے لیے آدھا مال ہے، ماں ہے یا دادی ہے اس کو سدس دیں گے، جو ماں کی طرف سے بہن بھائی ہیں ان کو ثلث دیں گے، اور باپ کی طرف سے جو اولاد ہے وہ بھی شریک ہوجائے گی، اور جو ماں کی طرف سے ہے وہ بھی شریک ہوجائے گی؛ کیونکہ ان کے اندر ایک بات قدر مشترک ہے کہ وہ ماں کی طرف سے اس کے بہن بھائی بن گئے؛ کیونکہ اگر اس کی اپنی اولاد ہوتی تو زوج کو چوتھا حصہ ملتا؛ کیونکہ خاوند کو آدھا حصہ تب ملتا ہے جب اس کی بیوی کی اولاد نہ ہو، اور بیوی کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا، جو ماں کی طرف سے بھائی ہیں وہ ثلث میں شریک ہوجائیں گے۔ اگر اس کے باپ کی طرف سے کوئی بھائی ہو تو وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہوجائیں گے۔

''وَقَدْ وَقَعَتْ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةُ فِي زَمَنِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُمَرَ، فَأَعْطَى الزَّوْجَ النِّصْفَ، وَالْأُمَّ السُّدُسَ، وَجَعَلَ الثُّلُثَ لِأَوْلَادِ الْأُمِّ، فَقَالَ لَهُ أَوْلَادُ الْأَبَوَيْنِ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! هَبْ أَنَّ أَبَانَا كَانَ حِمَارًا، أَلَسْنَا مِنْ أُمٍّ وَاحِدَةٍ؟ فَشَرَّكَ بَيْنَهُمْ''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس طرح کا ایک مسئلہ پیش آگیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا کہ خاوند کو آدھا حصہ دو، ماں کو چھٹا حصہ دو اور ماں کی طرف سے اولاد کو ثلث دے دو۔ باپ کی طرف سے جو اس کے بہن بھائی تھے انہوں نے امیر المؤمنین سے کہا: ہمارا باپ کوئی گدھا تھا؟ کیا ہم ایک ماں سے پیدا نہیں ہوئے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی ثلث میں شریک کیا۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ مسئلہ آیا تو انہوں نے بھی ان کو ثلث میں شریک کیا۔ اسی طرح کا قول حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے۔ حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ہے۔ اور اسی طرح حضرت سعید بن المسیب، قاضی شریح، حضرت مسروق، حضرت طاؤس، محمد بن سیرین، ابراہیم نخعی، عمر ابن عبد العزیز، حضرت شریک اور حضرت ثوری رحمہم اللہ ان سب کا مذہب بھی یہی ہے۔ اسی طرح امام مالک امام شافعی، اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

((وَكَانَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ لَا يُشَرِّكُ بَيْنَهُمْ، بَلْ يَجْعَلُ الثُّلُثَ لِأَوْلَادِ الْأُمِّ، وَلَا شَيْءَ لِأَوْلَادِ الْأَبَوَيْنِ، وَالْحَالَةُ هَذِهِ لِأَنَّهُمْ عَصَبَةٌ.))

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ان کو ہم شریک نہیں کریں گے۔ جو ثلث ہے وہ صرف ان کے لیے ہے جو ان کی ماں کی طرف سے بہن بھائی ہیں، اولاد الاب کو کچھ نہیں دیں گے؛ کیونکہ وہ عصبہ ہیں۔ اور اس قول کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے لیا ہے اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مشہور روایت ہے اور اسی قول کو امام شعبی اور ابن ابی لیلیٰ نے، حضرت امام ابوحنیفہ، ابویوسف، محمد بن الحسن، حسن بن زیاد، زفر بن ہذیل، امام احمد، حضرت یحییٰ بن آدم نے، نعیم بن حماد نے، ابوثور نے، داؤد بن علی الظاہری رحمہم اللہ نے لیا ہے کہ اولاد الام کو ثلث ملے گا، اولاد ابوین کو کچھ نہیں ملے گا؛ کیونکہ وہ عصبہ ہیں۔ عصبہ ہونے کی صورت میں جو ان کو ملے گا اس کے وہ حقدار ہیں، ان کے لیے کوئی حصہ مقرر نہیں ہے۔

دوسروں کے لیے وصیت کر کے وارثوں کو محروم کرنا:

﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ﴾

﴿غَيْرَ مُضَارٍّ﴾ کا معنی یہ ہے کہ ایک آدمی مرنے لگے وہ سوچے کہ میرے مرنے کے بعد میرے وارث مال لے جائیں گے، انہوں نے زندگی میں میرے ساتھ اچھا نہیں کیا، یہ میرے مرنے کے بعد تو مزے نہ کریں۔ اس نے وصیت کر دی کہ میری ساری جائیداد یتیم خانے کو دے دو۔ یہ منع ہے۔ کیونکہ جن کا اللہ نے حق رکھا ہے، تم ان کو کیوں محروم کر رہے ہو؟ لہٰذا ثلث سے زیادہ وصیت نہ کرو۔

بعض آدمی...... نعوذ باللہ...... جھوٹے قرضے کا کہہ دیتے ہیں کہ میں نے فلاں آدمی کا دو لاکھ دینا ہے وہ قرضہ ادا کر دیں۔ حالانکہ اس کا کچھ بھی نہیں دینا ہوتا۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میرے وارثوں کو نہ ملے اور میرے دوستوں کو مال ملے؛ کیونکہ انہوں نے ساری زندگی مجھے تنگ کیا ہے۔ اس لیے ایسا کرنا منع ہے۔ اگر وصیت کرے تو عدل کے ساتھ کرے۔

یا ایک آدمی مر گیا دوسرا آدمی کہتا ہے کہ میں نے اس سے ایک لاکھ لینا ہے، جبکہ اس سے دس ہزار لینے تھے۔ یہ بھی ظلم ہے کہ ایک آدمی خواہ مخواہ آ کر مدعی بن جائے۔ اس کو کہا جائے کہ تمہارے پاس کوئی سند ہے؟ تو وہ کہے کہ یہ

بڑا اچھا آدمی تھا ہمارا لین دین تھا، سند کوئی نہیں تھی، لیکن میرے پاس گواہ ہیں۔ وہ جھوٹے گواہوں کو لا کر گواہی دلوا دے گا اور پانچ پانچ ہزار روپے ان کو دے دے گا۔ آج کل تو گواہ باہر کھڑے ہوتے ہیں کہ ہمارا سودا کرو۔ بڑے تجربہ کار گواہ ہوتے ہیں۔ آپ کبھی بھول جائیں گے، لیکن وہ کبھی نہیں بھولتے؛ کیونکہ ان کو دن رات گواہی دینے کی عادت ہوتی ہے، وہ ڈرتے نہیں ہیں۔ نیا آدمی جائے تو اس کے پاؤں بھی کانپنے لگ جاتے ہیں۔ یہ جھوٹا دعویٰ بھی ظلم ہے۔

فرمایا: اگر کسی نے وارثوں کو محروم کرنے کی کوشش کی یا وارثوں کے حصے کو گھٹا دیا یا کسی وارث کو زیادہ دے دیا تو یہ ساری چیزیں شریعت کے خلاف ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ نے حکم دیا کہ تیرے بیٹے کو ایک لاکھ ملنا ہے، لیکن وہ وصیت کرے کہ میرے بیٹے کو دو لاکھ دے دینا، باقی بعد میں تقسیم کرنا۔ اس کا مطلب ہے کہ...... نعوذ باللہ...... اللہ کا فیصلہ غلط ہے اور تیرا فیصلہ ٹھیک ہے۔

اس لیے یاد رکھیں! اگر تمہارے چار بیٹے ہیں اور تم نے کسی ایک بیٹے کو گلاس ہدیہ میں دے دیا ہے تو چاروں کو برابر دو، ورنہ یہ بھی زیادتی ہے۔

بعض لوگ ایک بیٹے کو کوٹھی لکھ کر دے دیں گے، باقی بے چارے دھکے کھاتے پھریں گے۔ یہ بھی ظلم ہے۔ دینا ہے تو سب کو برابر دیں، تاکہ ظلم نہ ہو۔ ہاں کسی کو زندگی میں باقی اولاد کے مقابلہ میں خدمت وغیرہ کے صلہ میں کچھ زیادہ دینا چاہو تو دے سکتے ہو۔

وصیت میں وارثوں کو نقصان پہنچانا گناہ ہے:

(حدیث) ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْإِضْرَارُ فِي الْوَصِيَّةِ مِنَ الْكَبَائِرِ))

[السنن الکبریٰ للبیہقی، رقم:١٢٥٨٦] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آقائے نامدار سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وصیت کے اندر کسی کو نقصان پہنچانا بھی گناہ کبیرہ ہے۔

مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت موقوف ہے۔

مثلاً ایک آدمی وارث کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ پہلے بھی وہ وارث ہے اور پھر وصیت میں بھی اس کو کچھ دے جائے تو کیا اس کے اس اقرار کا ہم اعتبار کریں گے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔

بعض ائمہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے وارثوں کے حصے متعین فرمادیے ہیں اور حدیث میں ہے: ((لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ)) [ترمذی، رقم: ۲۱۲۰] تو اب وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔

لیکن بعض ائمہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے کوئی وصیت کی اور اقرار واعتراف کیا کہ میں نے یہ کیا ہے تو اس کو بھی اب قبول کریں گے۔ لیکن جمہور اسی طرف ہیں کہ وصیت کے احکام اس وقت تک تھے جب تک اللہ نے وارثوں کے حصے متعین نہیں فرمائے تھے، جب اللہ نے سب کچھ مقرر فرمادیا اب وارث کے بارے میں وصیت نہیں ہوگی۔ وارث کے علاوہ کسی کے لیے وصیت ہے تو ٹھیک ہے، تاکہ بلاوجہ اس پر تہمت کا خوف نہ رہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ أَعْطَى لِكُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ)) [ترمذی، رقم: ۲۱۲۰] اللہ نے ہر حق والے کا حق متعین فرمادیا ہے کہ بیٹے کا یہ حصہ ہے، بیٹی کا یہ حصہ ہے، خاوند کا یہ حصہ ہے، بیوی کا یہ حصہ ہے، ماں کا یہ حصہ ہے، بھائی، بہنوں کا یہ حصہ ہے تو اب وصیت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہی مذہب امام مالک رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول قدیم ہے کہ وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید یہ ہے (امام شافعی رحمہ اللہ آخری عمر میں مصر میں تشریف لے آئے تو کتب کا ذخیرہ بڑھ گیا تو جو بات انہوں نے وہاں فرمائی اس کو قولِ جدید کہا جاتا ہے۔) کہ اس کی وصیت مانی جائے جب اس نے وصیت میراث کے بارے میں کی ہو۔ اور یہی مذہب حضرت طاؤس، حضرت عطاء، حضرت حسن اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہم اللہ کا ہے اور اسی قول کو امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ اور دلیل یہ پکڑی کہ رافع بن خدیج رحمہ اللہ نے وصیت کی تھی کہ جس کا دروازہ بند کردیا ہے پھر اس کو نہیں کھولنا۔ تو ان کی وصیت پر عمل کیا گیا۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کے اقرار کو نہیں مانیں گے، تاکہ باقی ورثاء کے بارے میں برا گمان نہ رہے۔

((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ)) [بخاری، رقم: ۵۱۴۳]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! بچو بدگمانی سے۔ یہ بدگمانی بھی بڑی جھوٹی بات ہے۔

جب بھی گمان کرو تو مسلمان کے بارے میں اچھا گمان کرو کہ ایسا نہیں ہوسکتا وہ مسلمان ہے، اس کو کیا ضرورت ہے کہ وہ میرے بارے میں ایسی بات کرے۔ اس وقت بات کرو جب یقین ہو۔ تم نے سنی ہو یا دو گواہوں نے



تمہیں کیسی ہو، ورنہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ [النساء:۵۸] کہ اگر تمہارے پاس کسی کی امانت ہے تو اس امانت والے کو اس کی امانت پہنچاؤ۔ یہ نہیں فرمایا کہ وارث کو پہنچاؤ اور غیر وارث کو نہ پہنچاؤ۔

اگر کسی نے اقرار کیا ہے اور وہ اقرار نفس الامر میں بھی صحیح ہے اور مطابق واقعہ ہے تو پھر دیکھیں گے کہ اقرار مانیں یا نہ مانیں؟ اگر ایک وارث اقرار کر رہا ہے کہ میرے لیے زیادتی ہے اور وہ کسی دوسرے کو نقصان پہنچا رہا ہے تو یہ حرام ہے۔

اختلاف اس وقت ہے جب جائز بات ہو اور اگر وہ اقرار خلافِ شریعت ہے تو حرام ہے، اس کو نہیں دینا؛ کیونکہ اللہ نے قرآن میں فرمادیا: ﴿غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ⑫﴾ یہ جو احکامات دیے ہیں اللہ کی طرف سے وصیت ہیں۔ ان پر کاربند رہو، شریعت کے خلاف نہ کرو۔ اور پھر یہ بھی یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے ہیں۔ اگر ہم کوئی جھوٹ بول رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حلم والے ہیں کہ ہمیں جلدی نہیں پکڑتے، ورنہ اگر ہر گناہ پر پکڑ لیں تو کوئی بندہ زمین پر چلتا ہوا نظر نہ آئے؛ کیونکہ ہم سب خطا کار ہیں۔ اور اچھے وہ ہوتے ہیں جو اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ اللہ پاک ہم سب کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ⑬ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ⑭﴾ [النساء:۱۳، ۱۴]

"یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ اس کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ایسے لوگ ہمیشہ ان (باغات) میں رہیں گے۔ اور یہ زبردست کامیابی ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا، اسے اللہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کو ایسا عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔"

ربطِ آیات:

پچھلے دو رکوع میں میراث کے احکام بیان کرنے کے بعد اب ایک قاعدہ بتادیا کہ میرے احکام میری حدود ہیں۔ جیسا کہ آج کل ملکی حدود ہوتی ہیں کہ یہ بارڈر ہے۔ اب جو حد سے کراس کرے گا دوسرے گولی ماردیں گے کہ تم نے بغیر اجازت کے کیسے کراس کیا ہے؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے جتنے بھی احکامات ہیں گویا حدود ہیں کہ لڑکے کے دو حصے اور لڑکی کا ایک حصہ ہے۔ اس میں کوئی تجاوز کرے تو اس کے لیے جہنم ہے۔

یادرکھیں! ذوی الفروض کے بارے میں عصبات کی تقسیم آپ کو بغیر علماء کے سمجھ نہیں آئے گی، ان کو پتہ چل سکے گا جو علم میراث کو سمجھنے والے ہیں۔ اور تین قسم کے مسائل کو ہمیشہ لکھ کر پوچھا کریں: نکاح، طلاق اور میراث، تاکہ بعد میں ردوبدل نہ ہوسکے، نہ عالم الجھن میں آئے اور نہ تم الجھن میں آؤ۔

وارث نہ ہونے کے اسباب:

میراث کے اندر کچھ مستثنیات ہیں یادرکھ لیں۔ مسلمان مسلمان کا وارث بنتا ہے، مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔ مثلاً باپ مسلمان ہوگیا بیٹا کافر ہے تو بیٹا باپ کا واث نہیں ہوگا۔ کیونکہ مسلمان کا وارث مسلمان ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ)) [بخاری، رقم: ٦٧٦٤] مسلمان کافر کا وارث نہیں بنے گا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بنے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے مسلمان تھا، اللہ نہ کرے وہ مرتد ہوگیا، قادیانی بن گیا یا عیسائی بن گیا اور اسی حالت میں مرگیا تو فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کی جائیداد کا جتنا حصہ اسلام کے زمانہ کا ہے اس کا تو وارث بنے گا اور جو ارتداد کے بعد کا مال ہے مسلمان اس کا وارث نہیں بنے گا۔

میراث کے بعض مسائل:

ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی جس میں خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق تھا۔ خاوند فوت ہوگیا اور عورت ابھی عدت میں ہے۔ خاوند نے رجوع نہیں کیا تھا، عورت وارث بنے گی۔ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور عدت گزرگئی، وہ عورت چلی گئی۔ اس کے بعد خاوند مرگیا تو عورت وارث نہیں بنے گی؛ اس لیے کہ اس آدمی نے اپنی زندگی میں اپنی صحت وعافیت میں اس کو طلاق دی اور عدت میں اس نے رجوع بھی نہیں کیا تھا۔



ایک آدمی نے عورت کو طلاق بائن دے دی وہ ابھی عدت کے اندر ہے اور خاوند فوت ہو گیا ہے۔ اب اس کے لیے دو عدتیں ہو گئیں: طلاق والی عدت تین حیض ہے، خاوند فوت ہو جائے تو عدت چار ماہ دس دن ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ دیکھو کہ اس کی عدت زیادہ کونسی باقی ہے؟ اگر زیادہ چار مہینے دس دن والی ہے یا تین حیض والی ہے تو زیادہ عدت کو شمار کرلو، وہ وارث بن جائے گی۔ کیونکہ خاوند اس کی عدت کے اندر فوت ہوا ہے، لہٰذا آپ ان مسائل پر خصوصی خیال کیا کریں۔ اللہ رحمت فرمائے کہ یہ حقوق العباد کا مسئلہ ہے اور حلال وحرام کا مسئلہ ہے۔

ایک آدمی مر گیا، اس کی بیوی حاملہ تھی، اب میراث کیسے تقسیم کریں؟ کیونکہ جو پیٹ میں ہے اس کو بھی میراث ملنی ہے اور ہمیں یہ پتہ نہیں کہ لڑکی ہوگی یا لڑکا۔ علماء فرماتے ہیں کہ ابھی میراث روک لو۔ جب تک وہ بچہ یا بچی پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک میراث تقسیم نہ کی جائے۔ اب باقی وارث ڈنڈے لے کر کھڑے ہو گئے کہ پیدا ہو یا نہ ہو، ہمارا کیا قصور ہے؟ ہمارا تو مال دو۔ اب علماء فرماتے ہیں: اندازہ کرو کہ اگر لڑکا ہوتا تو اس کو کتنا ملتا؟ اتنا حصہ روک لو اور باقی ورثا میں تقسیم کر دو۔ اگر لڑکا ہو تو اس کو اس کا حصہ دیا جائے اور اگر لڑکی ہو تو اس کو اس کا حصہ دے دو۔

اگر مثلاً خاوند کے مرنے کے فوراً بعد ہی بچہ پیدا ہو گیا تو عدت ختم ہو جائے گی؛ کیونکہ عدت وضع حمل تھی۔ جب وضع حمل ہو گیا تو عدت ختم ہو گئی۔

اسی طرح ایک آدمی نے طلاق دی ہے تو عدت تین حیض ہے۔

اب بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو حیض نہیں آتا۔ اب اگر اس کو خاوند طلاق دے دے تو اس کی عدت تین ماہ ہوگی؛ کیونکہ حیض نہیں ہے۔

ایک آدمی نے ایک لڑکی سے نکاح تو کیا، نکاح کرنے کے بعد خلوت صحیحہ نہیں کی، یعنی میاں بیوی علیحدہ بھی نہیں ہوئے اور نہ جماع ہوا۔ اگر اس کو خاوند طلاق دے دے تو کتنی عدت ہے؟ اس کی کوئی عدت نہیں ہے؛ کیونکہ وہ عورت مدخولہ نہیں ہے۔ اگر اس نے طلاق دے دی اور عورت حاملہ ہے تو عدت وضع حمل ہے۔

بعض لوگ اللہ معاف کرے شوق کر کے شادی کرلیں گے، لیکن پھر سال دو سال بعد اس کو طلاق دے دیں گے، تاکہ وارث نہ بنے، میں نے سال دو سال مزے کر لیے۔ اور اسی طرح پھر شادی کر کے اس عورت کو بھی بھگا دیا، تاکہ وارث نہ بنے۔ تو فرمایا: اللہ تعالیٰ تو جانتے ہیں کہ تم کس نیت سے شادی کر رہے ہو؟ اور کیوں طلاق دے رہے ہو؟

اس آیت سے ان جاہلوں کا بھی رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ اگر قرآن میں ہے تو ہم مانتے ہیں، ورنہ ہم نہیں مانتے، بلکہ جیسے اللہ کے قرآن کا حکم ماننا ہے اسی طرح حضور اکرم ﷺ کا فرمان بھی ماننا ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کا حکم در اصل اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔ پیغمبر ﷺ کبھی اپنی طرف سے حکم جاری نہیں فرماتے۔

کیا آدمی احکامِ میراث کے انکار سے کافر ہو جاتا ہے؟

﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾

ایک آدمی نے میراث میں زیادتی کی اس سے وہ کافر تو نہیں ہوا اور جہنم کے اندر ہمیشہ تو کافر رہے گا۔ مسلمان جتنا بڑا گناہ گار اور فاسق ہو، لیکن اس کی موت ایمان پر آئی ہے، چاہے اس کو جہنم کی سزا ملی ہے، کبھی نہ کبھی تو جہنم سے نکلے گا۔

لہٰذا اس آیت کے اندر ﴿وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ﴾ کا معنی ہے کہ اگر اس نے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا انکار کر دیا تو کافر ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں نہیں مانتا کہ لڑکے کے دو حصے اور لڑکی کا ایک حصہ ہو۔ یا کہتا ہے: (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ انصاف نہیں ہے کہ لڑکی کو کم دیا گیا ہے اور لڑکے کو زیادہ دیا گیا ہے، حالانکہ آج کل لڑکیاں لڑکوں سے آگے ہیں۔ ایسا کہنے والا کافر ہے اور کافر کی سزا ہمیشہ کے لیے جہنم ہے۔

کبھی کبھی ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں اور اس کا مقصود تشدید ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا گیا: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا﴾ [النساء: ۹۳] اگر کوئی آدمی قتل کو جائز سمجھتا ہے تو کافر ہے۔ جائز نہیں سمجھتا تو معنی یہ ہے کہ اس کے لیے بھی عمر قید ہے۔ جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ فلاں آدمی کو عمر قید ہو گئی۔ حالانکہ بیس سال قید ہوتی ہے؛ کیونکہ اتنے سالوں میں کون مرے گا اور کون جیے گا؟

اس لیے کبھی ہمیشہ کے الفاظ بولے جاتے ہیں اور مراد تشدید ہوتی ہے۔ اور کبھی اس کا معنی حقیقتاً مراد ہوتا ہے۔ اگر اس نے اللہ کے احکام کا انکار کیا ہے، مثلاً اس نے کہا: میراث کی باتیں ہم نہیں مانتے، یہ پہلے دور کی باتیں تھیں۔ اب دیکھیں! لڑکی بڑی فرماں بردار ہے، لڑکا بڑا نالائق ہے۔ لڑکی نے ڈی ایم اے کیا ہوا ہے، اسکول کے اندر استاذ ہے، تنخواہ لا کر باپ کو دے رہی ہے، لڑکے کے مقابلہ میں اس کو آدھا کیوں ملے؟ یہ کیسا انصاف ہے؟ اگر کوئی آدمی ایسا عقیدہ رکھے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کی حکمتوں سے اس کی عقل زیادہ بہتر ہے۔

اللہ کے عذاب کی خطرناکی:

﴿وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ ایسے آدمی کے لیے عذاب مہین ہے، کبھی آتا ہے ﴿عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾ اور کبھی آتا ہے ﴿عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس عذاب کو خود اللہ تعالیٰ عذاب عظیم فرمائیں تو وہ کتنا بڑا ہوگا جس عذاب کو اللہ تعالیٰ دردناک عذاب فرمائیں تو وہ کیسا دردناک ہوگا؟ اور جس عذاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمائیں کہ وہ اہانت والا عذاب ہے تو وہ کس درجہ کی اہانت ہوگی۔

حصہ داروں کے حصص کی مقدار میں مصلحت:

اللہ تعالیٰ نے میراث کے جو حصے مقرر فرمائے ہیں وہ اس اعتبار سے ہیں کہ جس کا میت سے جتنا زیادہ قرب ہے اس کا اتنا زیادہ حصہ ہے۔ میت کے مرنے سے اس کا جتنا نقصان زیادہ ہوا ہے اس کا اتنا زیادہ حصہ ہے۔ جیسا کہ مرد کی دیت زیادہ ہے اور عورت کی دیت کم ہے؛ کیونکہ جس کا مرد مر جائے گا ان کا گھر الٹ جائے گا، اس لیے اس کی دیت زیادہ ہے، کیونکہ ان کا نقصان زیادہ ہوا ہے۔ اور اگر عورت مر جائے وہ کوئی کما کر تو نہیں کھلا رہی تھی، اس لیے اس کی دیت کم ہے۔ اس لیے اللہ نے مرد کو دو حصے دیے ہیں؛ کیونکہ اس کا نقصان زیادہ ہے کہ ساری ذمہ داری بیٹے پر آگئی تو صاف بات ہے کہ اس کو حصہ بھی زیادہ ملے گا۔ لڑکی نے کم بوجھ اٹھانا ہے اس لیے اس کو حصہ بھی کم ملے گا۔

میراث صحیح تقسیم کرنے کا انعام جنت:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کی یعنی کسی وارث کو اپنی طرف سے بڑھا کر نہیں دیا اور کسی کو گھٹا کر نہیں دیا، حیلہ بہانہ بنا کر وارثوں کو محروم نہیں کیا، بالکل اللہ کے حکم اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اللہ نے جو فرائض مقرر کیے ان کو پورا پورا ادا کیا، ایسے شخص کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اور جنت کا پالینا سب سے بڑی کامیابی ہے۔

حدیث:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْخَيْرِ سَبْعِيْنَ سَنَةً، فَإِذَا أَوْصَى حَافَ فِي وَصِيَّتِهِ، فَيُخْتَمُ لَهُ بِشَرِّ عَمَلِهِ فَيَدْخُلُ النَّارَ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ

بِعَمَلِ أَهْلِ الشَّرِّ سَبْعِينَ سَنَةً، فَيَعْدِلُ فِي وَصِيَّتِهِ، فَيُخْتَمُ لَهُ بِخَيْرِ عَمَلِهِ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٤﴾﴾)) [ابن ماجہ، رقم: ۲۷۰۴]

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اچھے عمل کر رہا ہے، ستر سال تک سارے کام اچھے کیے، لیکن جب مرنے کا وقت آیا تو وصیت میں ظلم کر رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عمل شریر پر اختتام ہوا تو جہنم میں چلا گیا۔ اور کوئی آدمی ستر سال تک اہل شر والے عمل کرتا ہے، پھر وصیت کرنے میں انصاف کرتا ہے تو اس کا خاتمہ اس کے بہترین عمل پر کیا جاتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ .... وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٤﴾﴾۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان بالکل سچا ہے۔ اس لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ اچھا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہر کلمہ پڑھنے والے کا خاتمہ خیر پر فرمائے، اللہ تعالیٰ ہمیں تمام شرور سے، مصائب سے، گمراہیوں سے بچائے اور ہر کلمہ پڑھنے والے کو جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ کوئی پتہ نہیں لگتا کہ ساری زندگی ایک بندہ اچھے عمل کرتا آرہا ہے، لیکن ستر سال بعد شرک کر بیٹھا، مرتد بن گیا، ستر سال کے بعد جب مرنے پر آیا تو وصیت میں ظلم کر بیٹھا کہ میرے مرنے کے بعد میرا مال وارثوں کو نہ ملے، اس کی وجہ سے وہ جہنم میں چلا جائے گا۔ اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کے مقابلہ پر ایک آدمی برا ہے، ستر سال اس نے گناہوں پر گزارے۔ جب موت کا وقت آیا تو وصیت میں عدل و انصاف کیا، اللہ کے احکام کو مان لیا تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو گئے، اس کا خاتمہ خیر پر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے نجات عطا فرمائیں گے۔

((حَدَّثَنَا الْأَشْعَثُ بْنُ جَابِرٍ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ حَدَّثَهُ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْأَةُ بِطَاعَةِ اللَّهِ سِتِّينَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ)) [ترمذی، رقم: ۲۱۱۷]

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مرد ہو یا عورت، ساٹھ سال تک عمل کرتے ہیں، لیکن جب موت کا وقت آیا ایسی وصیت کرتے ہیں کہ اللہ کی حدود کو توڑ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جہنم کی آگ واجب کر دیتے ہیں۔

راوی فرماتے ہیں: اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: ﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾﴾ اس روایت کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے، لیکن جو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت نقل فرمائی ہے وہ زیادہ کامل ہے۔

﴿وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾﴾ [النساء: ۱۵، ۱۶]

''تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کریں، ان پر اپنے میں سے چار گواہ بنالو۔ چنانچہ اگر وہ (ان کی بدکاری کی) گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں روک کر رکھو، یہاں تک کہ انہیں موت اٹھا کر لے جائے، یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راستہ پیدا کردے۔ اور تم میں سے جو دو مرد بدکاری کا ارتکاب کریں، ان کو اذیت دو۔ پھر اگر وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے درگزر کرو۔ بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔''

احکام میراث کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے احکام بیان فرمائے ہیں جو زنا کا ارتکاب کریں تو ان کے لیے کیا سزا ہے؟

ربطِ آیات، گناہگار عورت کے احکام:

ربط بین الآیات آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو صحت وعافیت میں طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی تو اب وہ اس کی وارث نہیں بنے گی۔ وارث تب بنتی ہے جب خاوند فوت ہو جائے اور بیوی اس کے نکاح میں ہو یا طلاق رجعی دی اور ابھی اعدت نہیں گزری تو گویا وہ بھی نکاح میں ہے! کیونکہ وہ ابھی تک اس کے نکاح کی عدت میں ہے وہ وارث بنے گی۔

طلاق کب ہوتی ہے؟ کوئی آدمی اپنی شریف بیوی کو، مطیعہ بیوی کو طلاق نہیں دیتا۔ لازمی بات ہے کہ طلاق کی نوبت اس وقت آتی ہے جب نافرمانی کی گئی، ضد کی گئی، جھگڑے آگئے، خاوند تنگ آگیا، اب کوئی موقع اصلاح

نہیں رہا، ورنہ یہ علیحدہ بات ہے کہ کچھ لوگ ناجائز طلاق دیں، ورنہ عام طور پر کوئی شریف آدمی برداشت نہیں کرتا کہ اپنی بیوی کو طلاق دوں؛ کیونکہ طلاق تو آخری حل ہے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

جب پانی سر سے اوپر ہو جائے تو آدمی مجبور ہو جاتا ہے۔ اس لیے میراث کے بعد فوراً ایسے احکام کا ذکر کیا گیا، تاکہ عورتیں غلطی نہ کریں۔ اگر عورتوں نے غلطی کر لی ایک تو سزا کی مستحق ہوں گی، دوسرا خاوند کا نام ڈبو دیا کہ فلاں کی کیسی گندی عورت ہے!؟ تیسرا یہ ہے کہ اللہ نے جو اس کو خاوند کی میراث کا حق دار بنانا تھا اس سے بھی محروم ہو گئی، لہٰذا میراث کے احکام بیان کرنے کے بعد ان آیات کا ذکر کیا کہ اگر تمہاری عورتوں میں سے کچھ ایسی ہیں جو گناہوں کا ارتکاب کرتی ہیں تو ان کی کیا سزا ہے؟

وجہ مناسبت یہ ہے کہ عورتوں کو تنبیہ ہو، ان کو ہدایت ہو کہ خبردار! کبھی گناہ نہیں کرنا۔

ایک اصول یاد رکھیں کہ بات پورے معاشرے سے ہوتی ہے، خطاب عام ہوتا ہے۔ یاد رکھیں کہ اگر شریف آدمی ہے، خاندان اچھا ہے، شوہر بھی شریف ہے تو ان کے ہاں طلاق کا مسئلہ اس حد تک نہیں پہنچتا جب تک کہ وہ گناہ نہ کرے۔ مثلاً ایک عورت گھر کا کام اچھا نہیں کرتی تو خاوند ڈانٹ دے، بچوں کو وقت پر تیار نہیں کرتی، بچوں کے مدرسہ کا خیال نہیں رکھتی وہ ڈانٹ دے، لیکن جب اس کی عزت میں خیانت کرے گی، نعوذ باللہ وہ زنا کا ارتکاب کرے گی، کسی دوسرے مرد سے تعلقات رکھ لے گی تو شریف آدمی برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ اس کی ہر غلطی برداشت کر سکتا ہے، لیکن جب عورت اس کی عزت میں خیانت کرے، کسی غیر مرد سے تعلقات جوڑ لے تو شریف آدمی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اگر کوئی بے غیرت ہے تو اس کا تو کوئی شمار ہی نہیں، وہ تو انسانیت سے بھی نکلے ہوئے لوگ ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس بندے میں غیرت نہیں اس میں ایمان ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ ہمارا آج کل کا معاشرہ جدید مغربی تہذیب میں ایسا کھو گیا ہے کہ اکبر الہ آبادی کو یہ کہنا پڑا:

؎ خدا کے فضل سے دونوں میاں بیوی معزز ہیں
اسے غیرت نہیں آتی اسے غصہ نہیں آتا

بے غیرتی کی انتہاء:

آج کل بے غیرتی اتنی بڑھ چکی ہے اور بعض معاشرے اس مقام کو پہنچ چکے ہیں کہ وہ اپنی بیویوں کو ساتھ لاتے

ہیں اور اپنی گاڑی کی چابیاں ایک ڈبے میں ڈال دیتے ہیں۔اس کے بعد اندھیرا کر کے ڈبوں کو ہلا دیں گے۔ایک ایک ممبر نکلتا جائے گا اور چابی اٹھاتا جائے گا۔جس کی چابی جس کے ہاتھ میں آگئی اس کی بیوی کو وہ رات کو لے جائے گا اور اس پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ذائقہ بدل لیا۔وہ لوگ انسانیت سے،شرافت سے اور حدود اللہ سے کوسوں دور نکل گئے ہیں۔

زنا کے قریب جانے کی صورتیں اور ان کی ممانعت:

اس آیت مبارکہ کے اندر فاحشہ عورت کا بیان ہے۔لفظ فاحشہ ویسے تو عام ہے،لیکن یہاں اس سے مراد زنا ہے۔جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝﴾ [الاسراء:۳۲] زنا کے قریب مت جاؤ،یعنی جن جن باتوں میں زنا کا خطرہ ہوسکتا ہے۔کیونکہ سب سے پہلے آدمی کی نظر ہوتی ہے،اس کے بعد دل میں وساوس پیدا ہوتے ہیں کہ یہ لڑکی تو بہت خوبصورت ہے،پھر دل کا میلان زیادہ ہوا اور پھر بات ہوئی،پھر پیام شروع ہوا اور آخر میں جا کر انتہاء ہوگئی،لیکن جب تم اللہ کے حکم سے ڈر کر نظر بھی نہیں ڈالو گے تو تم اس سے دور رہو گے،قریب نہیں گئے،جس گلی میں تہمت کا خوف ہے وہاں عورت بے باک ہے،اس کے قریب نہ جائے۔

حضور اکرم ﷺ نے مثال بیان فرمائی کہ دیکھو!تم میں سے کوئی چرواہا اپنی بکریاں چراتا ہے اور وہ لوگوں کے گھاس کے قریب لے جاتا ہے۔چاہے اس کی نیت نہ بھی ہو تو بھی خطرہ ہوتا ہے کہ بکری دوڑ کر گھاس کھالے گی اور اگر وہ اپنی بکریوں کو دور رکھے تو یہ خوف ختم ہوگیا۔وہ بکریاں جا ہی نہیں سکتیں۔

تو اب اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ زنا کے قریب ہی نہ جاؤ۔جہاں یہ خطرہ پیدا ہو وہاں نہ جاؤ۔اس لیے اسلام نے عورتوں کو حکم دیا ہے ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ [الاحزاب:۳۳] اپنے گھروں سے باہر نہ نکلو اور اگر کبھی مجبوراً نکلنا بھی پڑے کہ خاوند ڈیوٹی پر چلا گیا ہے مثلاً،بچوں کو سکول چھوڑنا ہے،تو زیب و زینت،سنگھار کر کے،فیشن کر کے،دعوت گناہ کے لیے باہر نہ نکلے،بلکہ حیاء،ادب اور شرم سے باہر نکلے۔اگر کوئی مرد آجائے تو ﴿يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾ [النور:۳۱] اپنی نظریں نیچی کر لے۔مرد کو بھی حکم دیا ہے کہ عورت آرہی ہے تو اپنی آنکھیں نیچی کر لیں۔جب تمہاری نظر جھک جائے گی تو اللہ کی شان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا

خوف بھی آجاتا ہے؛ کیونکہ نظر اس کی جھکے گی جو اللہ سے ڈرے گا۔ جو اللہ سے نہیں ڈرے گا اس کی نظر نہیں جھکے گی، بلکہ وہ ساتھ والے کو بلا کر رہے گا۔ ادھر آؤ کام کی چیز ہے۔

کئی لوگ عورتوں کے پیچھے لگے کہ جب موقع ملے گا تو دیکھ لیں گے۔ جب موقع ملا اور دیکھا تو وہ اس کی اپنی ماں تھی، اپنی بہن تھی۔ یاد رکھو! اگر تم کسی کی بیٹی کو چھیڑو گے تو محلات میں بھی تیری بیٹی محفوظ نہیں رہے گی۔

دوسرا گناہ سے بچنے کے لیے اللہ نے حدیں مقرر کردی ہیں کہ لڑکا بالغ ہوگیا، لڑکی جوان ہوگئی، ان کی شادی کی کوشش کرو۔

تیسری بات یہ ہے کہ اپنے گھروں میں کوشش کریں اور کچھ نہیں تو اس کو قرآن کی تعلیم دے دیں، اس کو تعلیم الاسلام کی کتابیں پڑھادیں، کوئی دین کی کتاب پڑھادیں اور ان کے لیے نیک ماحول پیدا کردیں، تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں سے محفوظ رکھے۔

زنا کی سزا میں چار گواہوں کی شرط کیوں؟

ان سب حالات کے بعد اگر کسی عورت نے زنا کا ارتکاب کرلیا تو سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ تم گواہ بناؤ۔ اس کی سزا بہت بڑی ہے تو اس کو ثابت کرنا بھی بہت بڑا ہے کہ چار گواہ لاؤ اور چار گواہ بھی مرد ہوں، اس بارے میں عورت کی گواہی قبول نہیں ہوگی؛ کیونکہ اسلام کی منشاء یہ ہے کہ کم سے کم سزا ملے اور جب ملے تو نمونہ عبرت بن جائے، تاکہ دوسرا کوئی گناہ نہ کرے۔

اعداء الاسلام اتنے بڑے عیار ہیں کہ جن کاموں پر اسلام نے حدود اللہ قائم کی ہیں ان میں انہوں نے آزادی دی ہے۔ انگریزی قانون میں یہ ہے کہ اگر لڑکی نے یہ کہہ دیا کہ میں اپنی مرضی سے آئی تھی تو بات ختم ہوگئی اور کوئی سزا نہیں دیتے۔

بعض علماء نے چار گواہوں کے اندر ایک حکمت لکھی ہے کہ جرم بھی تو دو کررہے ہیں۔ اور وہ گواہی ایسی بھی نہ ہو کہ صرف شبہات ہوں کہ یہ کہیں کہ ہم نے اس بندے کو اس کے گھر میں آتے جاتے دیکھا ہے۔ جب خاوند گھر میں نہیں ہوتا تو یہ بندہ آتا ہے۔ اسلام اس حد کی شہادت کو نہیں مانتا؛ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ بندہ کسی مجبوری سے آیا ہو، پتہ نہیں وہ گیا ہو اور دروازے کے اندر بھی داخل نہ ہوا ہو۔ اسلام تو اتنا تک بھی نہیں مانتا کہ اگر مرد اور عورت اکیلے

ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے تو ان کو سزا ملے گی، لیکن حد نہیں لگے گی۔

اگر چار گواہوں کی گواہی سے ثابت ہو گیا کہ عورت نے زنا کیا ہے تو پہلے اسلام کے اندر حکم تھا کہ ان کو اپنے گھر میں بند کر دو، ان کا باہر نکلنا بالکل منع کر دو جب تک مر نہ جائیں یا پھر اللہ کوئی اور قانون مقرر کر دیں۔ یہ ابتدائی حکم تھا، جب حدود اللہ جاری نہیں ہوئی تھیں۔ اسی طرح یہ تھا کہ جنہوں نے گناہ کیا ان کو مارا جائے، ان کو طعن و تشنیع کی جائے۔ اگر انہوں نے توبہ کر لی اور توبہ کے بعد ٹھیک بھی ہو گئے تو توبہ کے بعد ان کو بلا وجہ طعنے نہ دیتے رہو۔ توبہ کے بعد گناہ دھل جاتا ہے، طعنہ دینے سے گویا تم شیطان کی مدد کر رہے ہو، تاکہ وہ پھر گناہ کی طرف لوٹے۔ جب اس نے توبہ کر لی ہے اور اللہ نے اس کو معاف کر دیا ہے تو ہم اس کو طعنہ دینے والے کون ہوتے ہیں؟ کیونکہ ہر بندہ گناہ گار ہوتا ہے۔ ایک بندہ زنا کرتا ہے، دوسرا زنا تو نہیں کرتا، لیکن جھوٹ بولتا ہے۔ ایک آدمی شراب پی رہا ہے، وہ گناہ، لیکن جو غیبت کر رہا ہے کیا یہ گناہ نہیں ہے؟

زنا کی سزا:

زنا کا یہ حکم اس وقت تھا جب تک اللہ تعالیٰ نے حدود (یعنی مستقل سزائیں) نہیں اتاری تھیں، سورۂ نور کی آیت نہیں اتاری تھی: ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ [النور: ۲] کہ اگر مرد بھی کنوارہ ہے اور عورت بھی کنواری ہے وہ زنا کریں تو ان کو ایک سو کوڑا مارا جائے۔ اور اگر مرد بھی شادی شدہ ہے اور عورت بھی شادی شدہ ہے یہ زنا کریں تو دونوں کو رجم کیا جائے۔ جب یہ آیت اتری تو پہلے والا حکم منسوخ ہو گیا کہ اس کو گھر میں بند کر کے رکھنا ہے۔

((قَالَ ابْنُ عباس رضی اللہ عنہ: كَانَ الْحُكْمُ كَذٰلِكَ حَتّٰى أَنْزَلَ اللّٰهُ سُوْرَةَ النُّوْرِ، فَنَسَخَهَا بِالْجَلْدِ أَوِ الرَّجْمِ))

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابتداء میں حکم یہی رہا کہ اگر عورت کا زنا ثابت ہو گیا، چار گواہوں نے گواہی دے دی تو عورت کو گھر میں بند کر دیتے تھے، جب تک کہ اس کی موت نہ آ جائے۔ اور جب اللہ نے سورۂ نور کی آیت نازل فرمائی تو یہ پہلا حکم ختم ہو گیا۔ اب ان کو یا تو کوڑے مارے جائیں گے یا رجم کیا جائے گا۔ اسی طرح حضرت عکرمہ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت حسن، حضرت عطاء الخراسانی، حضرت ابو الصالح، حضرت قتادہ، حضرت زید بن اسلم اور حضرت ضحاک رحمہم اللہ یہ سب حضرات بھی فرماتے ہیں کہ پہلا حکم منسوخ ہے۔

((قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ حِطَّانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الرَّقَاشِيِّ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ، أَثَّرَ عَلَيْهِ، وَكُرِبَ لِذٰلِكَ، وَتَرَبَّدَ وَجْهُهُ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِ ذَاتَ يَوْمٍ، فَلَمَّا سُرِّيَ عَنْهُ، قَالَ: خُذُوا عَنِّي قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، الثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ، وَالْبِكْرُ بِالْبِكْرِ، اَلثَّيِّبُ جَلْدُ مِائَةٍ وَرَجْمٌ بِالْحِجَارَةِ، وَالْبِكْرُ جَلْدُ مِائَةٍ ثُمَّ نَفْيُ سَنَةٍ، وَقَدْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَأَصْحَابُ السُّنَنِ مِنْ طُرُقٍ عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ حِطَّانَ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَفْظُهُ خُذُوا عَنِّي خُذُوا عَنِّي، قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.)) [مسلم، رقم:١٦٩٠]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں: ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوئی تھی، اللہ کے قرآن کا ثقل اور جبرائیل علیہ السلام کے آنے کا جو اثر تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا بوجھ ہوتا تھا، حتیٰ کہ آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ سردی کا زمانہ ہوتا تھا تو بھی آپ کے چہرے پر پسینے کے قطرے آجاتے تھے۔ ہم محسوس کر لیتے تھے کہ آپ پر وحی اتری ہے۔ جب آپ سے وحی کی کیفیت ختم ہوگئی تو آپ نے فرمایا: مجھ سے مسئلہ سمجھ لو، مجھ سے مسئلہ سمجھ لو۔ اللہ نے عورتوں کے لیے راستہ پیدا کر دیا ہے کہ اگر شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت ہے اور انہوں نے زنا کیا تو اس کی سزا رجم ہے اور اگر دونوں کنوارے ہیں تو ان کو ایک سو کوڑا مارا جائے اور ایک سال کے لیے ان کو نکالا جائے، تاکہ وہ اس سزا کے طور پر اپنے گھر سے بھی نکلیں، معاشرے سے بھی نکلیں۔ اللہ کے ہر حکم کے اندر حکمت ہے۔ دیکھیں! اگر لڑکا بھی کنوارہ ہے اور لڑکی بھی کنواری ہے، زنا ہوگیا۔ اب ان کی اصلاح یہ تھی کہ شادی کر لیں گے، لیکن شادی شدہ ہے اور اس کے بعد زنا کیا ہے تو اللہ فرماتے ہیں: ان کو دنیا میں نہ رہنے دیا جائے؛ کیونکہ جب گھر کے اندر حلال موجود تھا، اس کے بعد بھی اگر انہوں نے حدود سے تجاوز کیا ہے، ان کو پتھر مار مار کر مار دو، ان کو معاشرے میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن جن کی اصلاح کی امید تھی، ان کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو سو کوڑا مار دو اور ایک سال کے لیے ان کو نکال دو۔

بعض ائمہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ سال نکالنے کی سزا منسوخ ہوگئی۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایک سال نکالنے کا حکم یہ ہے کہ ان کو قید کر دو، ورنہ یہ دوسرے ملک کے اندر جا کر بھی یہی کریں گے۔

((قَالَ أَبُو بَكْرِ بْنُ مَرْدَوَيْهِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ حَمْدَانَ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ دَاوُدَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبْدِ الْغَفَّارِ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ أُبَيِّ كَعْبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبِكْرَانِ يُجْلَدَانِ وَيُنْفَيَانِ، وَالثَّيِّبَانِ يُجْلَدَانِ وَيُرْجَمَانِ، وَالشَّيْخَانِ يُرْجَمَانِ. هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.)) [تفسیر ابن کثیر]

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کنوارے مرد وعورت کو کوڑے مارے جائیں گے اور جلاوطن کیا جائے گا۔ اور شادی شدہ مرد وعورت کو کوڑے مارے جائیں اور سنگسار کیا جائے گا۔ اور بوڑھے مرد وعورت کو سنگسار کیا جائے گا۔ یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک قول میں اسی طرف گئے ہیں کہ دونوں سزائیں دی جائیں گی کہ پہلے کوڑے مارے جائیں گے، پھر رجم کیا جائے گا۔ لیکن جمہور علماء رحمہم اللہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کنوارے ہیں تو کوڑے مارے جائیں گے اور اگر دونوں شادی شدہ ہیں تو رجم کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو پکڑتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز اور غامدیہ عورت اور یہودیوں کو زنا پر سنگسار تو کیا تھا، لیکن اس سے پہلے ان کو کوڑے نہیں مارے تھے۔ تو اس سے معلوم ہو گیا کہ ان دونوں سزاؤں کو جمع کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا: جب سورت النساء نازل ہو گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا حَبْسَ بَعْدَ سُورَةِ النِّسَاءِ)) [المعجم الکبیر، رقم: ۱۲۰۳۳] کہ سورۃ النساء کے بعد اب قید نہیں کیا جائے گا۔

رجم کی سزا اب تک باقی ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ [النور: ۲] عورت زنا کرے یا مرد زنا کرے تو ان کو سو سو کوڑے مارے جائیں، لیکن رجم کی جو آیت ہے اس کے بارے میں ائمہ کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وہ آیت پہلے قرآن میں موجود تھی: ﴿اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ﴾ [ابن ماجہ، رقم: ۲۵۵۳] اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ اگر شادی شدہ مرد اور عورت زنا کریں تو ان کو رجم کیا جائے گا۔ پھر وہ آیت مبارک اٹھالی گئی، یعنی اس کی تلاوت منسوخ

ہوگئی، لیکن اس کا حکم باقی رکھا گیا؛ اس لیے کہ اگر حکم باقی نہ ہوتا تو حضور اکرم ﷺ کبھی رجم کا حکم نہ دیتے۔

منکرینِ رجم کا رد:

یاد رکھیں! جیسے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ویسے اللہ کے نبی ﷺ کا حکم ہے۔ ﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [النساء:۸۰] ہم مسئلہ قرآن میں دیکھیں گے یا سنت رسول پاک ﷺ میں دیکھیں گے۔ جب سنت رسول پاک ﷺ میں موجود ہے، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں رجم موجود ہے۔ اب جو لوگ رجم کا انکار کرتے ہیں وہ قرآن وحدیث کے منکر ہیں۔ ہمارا نیا طبقہ جو انگریزی پڑھ پڑھ کر جوان ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ کوئی رجم وغیرہ نہیں ہے۔ وہ پرانے دور کی باتیں تھیں۔ جو ایک آیت کا انکار کرے کافر ہے اور پھر قرآن کا انکار کرے تب بھی کافر ہے۔ کیونکہ بعض کو ماننا اور بعض احکام کا انکار کر دینا یہ پہلی والی امتوں کے اندر بیماری تھی کہ کچھ مان لیا اور کچھ کا انکار کر دیا۔ یعنی جو حکم فائدے میں نظر آیا اس کو مان لیا اور جو نقصان میں نظر آیا اس کا انکار کر دیا۔ جس کے بارے میں کسی شاعر نے کہا:

؎ خود کو بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

بندہ اپنے آپ کو بدلنے کے لیے تیار نہیں، لیکن اللہ کے قرآن کے احکام میں تبدیلیاں اور تاویلات کرتے ہیں۔ اللہ کے قرآن کا انکار کرنا صراحتاً کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو محفوظ رکھے اور اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایمان کامل نصیب فرمائے۔

ہمیشہ یاد رکھیں! جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ کے رسول کا حکم ہے، خلفائے راشدین کا حکم ہے، اس میں کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ہم ردوبدل کر سکیں۔

ردوبدل کرنے کی بیماری یہودیوں کے اندر تھی۔ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں تھے، ایک یہودی عورت نے زنا کیا اور وہ کسی بڑے گھر کی عورت تھی تو ان لوگوں نے سوچا کہ اس کا فیصلہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لے جاتے ہیں کہ مہربانی کر کے ہمارا فیصلہ کریں۔ چونکہ ہم یہودی ہیں، ہم نے کلمہ نہیں پڑھا تو حضور اکرم ﷺ لازماً کوئی رعایت کا فیصلہ کریں گے، کوئی تھوڑی سزا دیں گے، تاکہ ہمارے دل آپ کی طرف مائل ہو جائیں۔ وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے کہ یہ جرم ہے، آپ فیصلہ فرما دیں۔ حضور اکرم ﷺ نے

فرمایا: تم اہل کتاب ہو، تمہارا دعویٰ ہے کہ تورات کو مانتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم مانتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہاری کتاب میں کیا سزا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اگر کسی مرد یا عورت سے زنا ہو جائے تو اس کو گدھے پر بٹھا کر الٹی طرف کر دو، منہ پر کالک لگا دو، دو چار جوتے مار کر بازار میں پھرا کر چھوڑ دو۔ تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو تورات کے بہت بڑے عالم تھے، اسلام لا چکے تھے وہ مجلس میں موجود تھے انہوں نے عرض کیا: حضور! ان کو فرمائیں کہ کتاب لے آؤ۔ آپ نے ان سے فرمایا: کتاب لے آؤ۔ انہوں نے کہا: ہم لے آتے ہیں، وہ بڑے خوش تھے کہ تورات تو عبرانی زبان میں ہے، عربی زبان میں تو نہیں لکھی ہوئی کہ حضور پڑھ لیں گے۔ وہ کتاب لے آئے اور ان کے مولوی نے کتاب کھول کر رکھ دی اور اس جگہ جہاں رجم والی سطر تھے ہاتھ رکھ کر باقی پڑھنی شروع کر دی۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تو حافظ تھے، ان کو تورات کے صفحے یاد تھے انہوں نے کہا حضور! اس کو کہیں کہ ہاتھ بھی اٹھائے اور اچھی طرح سے عبارت پڑھے۔ جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہاری کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ رجم کرو۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں بھی تمہیں رجم کی سزا بتاتا ہوں؛ کیونکہ تمہاری کتاب میں بھی رجم کی سزا موجود ہے۔ تو حضور اکرم ﷺ نے ان کے لیے رجم کی سزا مقرر فرمائی، لیکن کوڑے مارنے کا فیصلہ نہ کیا۔ اس لیے ائمہ نے فرمایا کہ شادی شدہ زانی اور زانیہ رجم کیے جائیں گے۔

زنا کی سابقہ سزا منسوخ ہے:

﴿وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ﴾

اگر تم میں سے کسی نے زنا کیا ان کو ایذا پہنچاؤ۔ یعنی بعض علماء فرماتے ہیں: ان کو طعن و تشنیع کرو کہ تم نے بہت بڑا منہ کالا کیا ہے اور ان کو جوتے سے بھی مارو۔ یہ زانی اور زانیہ کے لیے سابقہ حکم ہے، لیکن جب اللہ نے قرآن میں یہ فیصلہ کر دیا کہ اگر وہ کنوارے ہیں تو ان کو کوڑے مارے جائیں اور اگر شادی شدہ ہیں تو ان کو رجم کیا جائے تو پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ﴾ کے بارے میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی نے زنا کیا ہے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے قوم لوط کا عمل کیا ہے؛ کیونکہ زنا کا حکم تو پہلے آ چکا ہے، اس لیے اس سے مراد یہ ہے کہ یہی سزا تھی کہ ان کو تھپڑ مارو، جوتے

ماردو اور سزا دو، لیکن بعد میں ان کے لیے بھی حکم آ گیا۔ بلکہ ایک قول میں ہے کہ اگر کوئی آدمی بدفعلی کرے کہ لڑکا لڑکے کے ساتھ یا کوئی مرد دوسرے مرد کے ساتھ قوم لوط کا عمل دہرائے تو اس کے لیے ایک سزا یہ بھی ہے۔

دو مردوں کی آپس میں بدفعلی کی اصل سزا کیا ہے؟

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ وَجَدْتُمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ)) [ترمذی، رقم:۱۴۵۶]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو دیکھو کہ وہ قومِ لوط والا عمل کر رہا ہے تو اس کرنے والے اور کرانے والے دونوں کو قتل کر دو۔ ان کو اس معاشرے میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مردوں کی باہمی بدفعلی کی مختلف سزائیں دی ہیں، اس لیے ان کی مخصوص سزا نہیں ہے، ان پر تعزیر ہے جو حاکمِ وقت مقرر کرے وہی سزا دی جائے گی۔

ہر گناہ سے توبہ ہو سکتی ہے:

﴿فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا﴾

یاد رکھیں! اگر ان دونوں کا جرم گواہوں کے سامنے ثابت نہیں ہوا اور عدالت میں نہیں پہنچا اور توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں۔ اور اگر جرم ثابت ہو گیا تو پھر سفارش کرنا منع ہے، رعایت کرنا بھی منع ہے۔

اور اگر جرم ثابت نہ ہوا اور وہ توبہ کر لیں تو فرمایا: اب ان کو بلاوجہ طعنہ نہ دو؛ کیونکہ اگر تم اس کو گناہ کا طعنہ دیتے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ تم اس کو پھر جرم پر لگانا چاہتے ہو اور تم پھر شیطان کی مدد کر رہے ہو۔ کیونکہ جب آدمی توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پاک کر دیتے ہیں گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں تو جب اللہ نے اس کا جرم معاف کر دیا تو تم اس کو طعنہ دینے والے کون ہوتے ہو؟

ایک بات کا خیال رکھا کرو! اگر تمہارے دوستوں میں کوئی آدمی کسی گناہ میں مبتلا ہے تو اس کے ساتھ ہمدردی یہ ہے کہ اس کو اکیلے میں نصیحت کرو کہ تم اچھے آدمی ہو، تمہیں یہ بات زیب نہیں دیتی اور اس کو محبت سے سمجھاؤ۔

حدیث میں آیا ہے کہ اگر کسی نے سمجھا کہ یہ کیسا بندہ ہے، زانی ہے طنز کیا! تو اللہ تعالیٰ اس کو تو توبہ کی توفیق دے دیں گے، لیکن تمہیں اسی بیماری میں مبتلا کر دیں گے۔

اس لیے کبھی کسی گناہ گار کو دیکھ کر طنز نہ کیا کرو۔ گناہ سے نفرت کرو، گناہ گار سے نفرت نہ کرو۔ کیونکہ گناہ گار مریض ہے، وہ ہمدردی کا مستحق ہے، اس سے ہمدردی کریں، اس کی خدمت کریں، اس کو ہدایت کریں، اس کو پیار کریں، اس کو اچھے ماحول میں بدلیں اور گندے ماحول سے نکال کر صالح ماحول میں لے آئیں، تاکہ اس کی اصلاح ہو جائے۔ تمہاری گھر میں کوئی بیمار ہو جائے تو کیا اس کو ٹانگ سے پکڑ کر باہر پھینک دیتے ہو؟ بیمار تو ہمدردی کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ، اس کی دوائی لے کر آؤ، ایک سے ٹھیک نہیں ہو رہا تو دوسرے کے پاس لے جاؤ۔ اسی طرح جو گناہ میں مبتلا ہیں وہ بھی بیمار ہیں۔ ان کا روحانی علاج کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو گناہ سے اور ہر عیب سے بچائے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ اللہ تعالیٰ بہت بڑے توبہ قبول کرنے والے ہیں کہ ایک آدمی ستر سال گناہوں میں گزارے، اس کے بعد اللہ کے دروازے پر آ کر رو پڑے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔ لہٰذا اللہ کے دروازے پر سچے دل سے گر جائیں۔

توبہ کے بعد گناہ گار کو طعنہ نہ دو:

صحیحین کی حدیث مبارکہ ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر کسی کی کنیز نے زنا کیا، اس کو حد لگ گئی، سزا مل گئی، اب اس کے بعد اس کو طعنہ نہ دو؛ کیونکہ اس پر حد جاری ہو گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی گناہ کو چھوڑنے والے کو طعنہ دے تو وہ گناہ کی طرف جاتا ہے۔

توبہ کرنے والے ایک ڈاکو کا واقعہ:

خود میرا مشاہدہ ہے۔ ایک آدمی بہت بڑا ڈاکو تھا۔ اللہ نے اس کو توبہ کی توفیق دی، اس نے توبہ کر لی اور بالکل ٹھیک ہو گیا۔ ایک دن وہ میرے پاس آ کر کہنے لگا: آپ میرے استاذ ہیں، بزرگوں کی اولاد ہیں، میری مدد کریں۔ آپ کو بھی پتہ ہے کہ مجھے دس سال ہو گئے ہیں کہ میں نے چوری ڈاکے ہر چیز سے توبہ کر لی ہے، لیکن مجھے ہر وقت پولیس پھر بلا لیتی ہے تو مجھے توبہ کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ وہ تو مجھے اس طرح بلاتے ہیں جیسے عام بدمعاشوں کو بلاتے ہیں اور تین چار دن تھانے میں پڑا رہتا ہوں، آپ مہربانی کر کے میرا نام نکلوائیں، ورنہ پھر مجھے کبھی کبھی شیطان گمراہ کرتا ہے کہ جب تھانہ ویسے ہی بھگتنا ہے تو پھر دوبارہ کام شروع کر دوں۔ جب میں یہ کام کرتا تھا تو تھانے والے ڈر کے مارے مجھے بلاتے بھی نہیں تھے۔ جس دن سے میں شریف ہو گیا ہوں اس دن سے بلانا شروع کر دیا

ہے۔ خیر! میں نے جا کر ایس پی سے بات کی، وہ مان گیا اور اس کا نام نکال دیا۔

﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓي اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَھُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ۝﴾ [النساء: ۱۷، ۱۸]

"اللہ نے توبہ قبول کرنے کی جو ذمہ داری لی ہے وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو نادانی سے کوئی برائی کر ڈالتے ہیں، پھر جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے، اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا بھی ہے، حکمت والا بھی۔ توبہ کی قبولیت ان کے لیے نہیں جو برے کام کیے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت کا وقت آ کھڑا ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کر لی ہے، اور نہ ان کے لیے ہے جو کفر ہی کی حالت میں مر جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے تو ہم نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

علماء فرماتے ہیں: بظاہر قرآن یہ کہتا ہے کہ جن لوگوں نے گناہ کیا جہالت سے، یعنی اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر جان کر گناہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ یاد رکھیں! یہ مطلب نہیں ہے؛ کیونکہ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔

قبولیتِ توبہ کا وقت کب تک ہے؟

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات مبارکہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم اس کی توبہ قبول کرتے ہیں جس شخص نے جہالت میں گناہ کیا اور اس کے بعد اس نے توبہ کی، حتیٰ کہ بیماری میں اس حد تک پہنچ گیا، لیکن ابھی غرغرہ کو نہیں پہنچا؛ کیونکہ اگر وہ اس مقام کو پہنچ جائے جس کو غرغرہ کہتے ہیں، یعنی کہ پانی ڈالا جائے تو غرغرہ کی آواز پیدا ہوتی ہے، پانی اندر نہیں جا سکتا، اس حالت کو حالت یاس کہتے ہیں۔ اور اس سے پہلے کی حالت کو حالت باس کہتے ہیں۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ اگر مرض شدید ہو گیا، کوئی امید نہیں رہی، ڈاکٹروں نے بھی جواب دے دیا کہ یہ نہیں بچ سکتا۔ یہ حالتِ باس ہے۔ حالت یاس اس کو کہتے ہیں سکرات لگ گئی اور غرغرہ شروع ہو گیا، بالکل امیدیں بھی ٹوٹ گئیں۔ تو جب تک حالت باس ہے اس وقت تک توبہ منظور ہے، لیکن جب وہ حالت یاس

میں آجائے تو توبہ منظور نہیں ہوگی۔

﴿بِجَهَالَةٍ﴾ کا معنی یہ نہیں کہ اس کو اس گناہ کا پتہ نہیں تھا تو توبہ قبول ہوگی اور پتہ ہو تو توبہ قبول نہیں ہوگی۔ کیونکہ بظاہر لفظ سے ذہن میں یہی بات آتی ہے، بلکہ ﴿بِجَهَالَةٍ﴾ کا معنی حماقت و بے وقوفی ہے۔ ایک آدمی جانتا ہے کہ یہ قتل ہے، لیکن کسی کو قتل کرتا ہے تو یہ حماقت والی بات ہے، ورنہ اس کو پتہ ہے کہ میں اس کو قتل کر رہا ہوں۔

گناہ جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے:

اس لیے حضرت مجاہد رحمہ اللہ اور دیگر علماء فرماتے ہیں: "كُلُّ مَنْ عَصَى اللّٰهَ خَطَأً أَوْ عَمْدًا، فَهُوَ جَاهِلٌ حَتّٰى يَنْزِعَ عَنِ الذَّنْبِ" جو شخص بھی اللہ کی نافرمانی کرے وہ جاہل ہے خواہ جان بوجھ کر کرے یا بھول کر، یہاں تک کہ وہ گناہ چھوڑ نہ دے۔

گناہ کا معنی ہی حماقت ہے۔ اس کو اپنی آخرت میں عتاب کا علم نہیں ہے یا اس نے فوری لذت کے لیے آخرت کے نفع کو چھوڑ دیا ہے۔ مثلاً ایک آدمی اس لیے چوری کر رہا ہے کہ مجھے دو لاکھ ریال مل جائے گا، لیکن وہ یہ نہیں سمجھتا کہ میری آخرت تباہ ہو جائے گی۔ یہ جہالت ہے، ورنہ وہ گناہ خطاً کرے یا عمداً کرے وہ گناہ ہے، جب تک وہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے جہالت ہے۔ اور توبہ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اگر وہ سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو منظور فرماتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کے بعد اس کو اپنے محبوبین میں شامل فرماتے ہیں۔ کتنے بڑے بڑے لوگ جو امیر المومنین فی الحدیث کے درجہ پر پہنچے اسی طرح بڑے بڑے لوگ جو ولایت کے آخری درجات پر پہنچے ان کی ابتدائی زندگی کا اگر مطالعہ کریں تو اللہ تعالیٰ معاف کرے گناہوں میں گزری ہوتی ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور اللہ تعالیٰ نے دل میں خیال ڈال دیا تو ان کی زندگی بدل گئی۔ کتنے بڑے بڑے لٹیرے ہیں جو صحیح معنی میں لوگوں کے محافظ بن گئے، کتنے بڑے زانی تھے جو لوگوں کی عزتوں اور عصمتوں کے رکھوالے بن گئے، کتنے بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا لوگ تھے جو توبہ کے بعد ولایت کے درجے پر جا پہنچے۔

ایک فاحشہ عورت کی بخشش:

ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک عورت گناہ میں پھنسی ہوئی تھی۔ جسے آج کل ہماری زبان میں طوائف کہتے ہیں۔ اتفاق سے وہ ایک دفعہ سفر میں تھی، اس کو پانی نہیں ملا تو ایک کنویں پر آئی۔ وہاں ڈول نہیں تھا تو اس نے



اپنا دماغ لڑایا کہ پانی کیسے نکالوں اور اس نے اپنے پاؤں سے جوتا اتارا اور دوپٹے کے ساتھ اس کو باندھ کر ڈول کو لوح بنالیا۔ چلو دو دو گھونٹ اس میں پانی آجائے۔ جب اس نے پانی نکالا اور ابھی اس نے منہ کو نہیں لگایا تھا کہ کنویں کے کنارے پر ایک کتا تڑپ رہا تھا، اس نے کہا: میں تو پھر بھی پانی نکال لوں گی، چلو پہلے اس جانور کو تو بچاؤں۔ تو اس نے اس کتے کو پانی ڈالا، وہ ہوش میں آگیا۔ اس نے دوبارہ پانی نکال کر خود پیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ملی کہ تم نے میرے جانور پر رحم کیا، میں نے تم پر رحم کیا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اور گناہگار عورت کا واقعہ:

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تاریخ کے اندر آتا ہے کہ ان کے دور میں ایک طوائفہ عورت تھی، وہ بڑے حسن و جمال کی مالک تھی، لوگ اس کے حسن و جمال میں برباد ہو رہے تھے۔ تو کچھ لوگوں نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی کہ حضرت! دعا کریں، ایک عورت ایسی فتنہ بنی ہوئی ہے کہ لوگ زنا میں مبتلا ہو رہے ہیں اور برباد ہو رہے ہیں کہ اس نے بازار سجایا ہوا ہے اور پیسے لے کر زنا کرتی ہے۔ آپ نے معلومات لیں اور ایک رات چپکے سے نکلے اور اس عورت کے دروازے پر پہنچ گئے۔ اس نے دیکھا (چونکہ حضرت کا شہرہ پوری دنیا میں تھا، اچھے برے سب جانتے تھے) کہا: آپ کہاں اس عورت کے دروازے پر کھڑے ہیں جہاں انسانیت شرماتی ہے!؟ تو آپ نے فرمایا: یہ باتیں چھوڑو اور بتاؤ تمہاری ایک رات کی قیمت کیا ہے؟ اس نے کہا: میں اتنے پیسے لیتی ہوں۔ آپ نے اسے پیسے دیے اور اندر تشریف لے گئے۔ فرمایا: میں نے تجھے پیسے دیے ہیں، اب آپ کا وقت میرا ہے۔ اس وقت میں تم نے میرے حکم کی تعمیل کرنی ہے۔ اس نے کہا: بالکل ٹھیک بات ہے۔ آپ نے فرمایا: اندر حمام میں جا کر غسل کرو اور یہ غریب کے کپڑے ہیں، یہی پہن لو اور اپنے گندے کپڑے اتار لو۔ اس نے اندر جا کر غسل کیا اور کپڑے پہن کر آئی تو آپ نے مصلیٰ بچھایا اور فرمایا: جیسے میں نماز پڑھوں تم بھی اسی طرح نماز پڑھو۔ آپ نے نماز شروع کی، جب سر سجدے میں رکھا تو اللہ کے سامنے رونے لگ گئے کہ یا اللہ! تیرا بندہ اتنا کر سکتا تھا، اپنی عزت کو داؤ پر لگا کر میں اس بازار میں آگیا ہوں۔ ان کو کیا پتہ ہے کہ میں کیوں آیا ہوں؟ آپ ہی میرے دل کا راز جانتے ہیں۔ جب نماز ختم ہوئی تو حضرت نے دعا کی اور فرمایا: اچھا بیٹی! ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ''۔ اس عورت نے کہا: اب میں بھی یہ زندگی نہیں گزار سکتی، میں بھی اپنے گناہوں سے توبہ کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بڑے

مقام پر پہنچایا۔

اس لیے یہ نہ سوچا کریں کہ ہم گناہ گار ہیں، ہم اس کے قابل نہیں ہیں۔ لازمی بات ہے جب ہم ہر لحاظ سے نامکمل ہیں تو ہم سے گناہ تو ہونے ہیں، یہ بھی اس کا کمال ہے کہ اس نے اپنی صفت ستاری اور غفاری کا بھی تو اظہار کرنا ہے۔ اگر ساری دنیا ٹھیک ہو جائے تو وہ کس کو بخشے گا؟ اگر ساری دنیا ہی پاک صاف ہو جائے تو کس کے گناہوں پر پردہ ڈالے گا؟ اس لیے جب بندہ صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ کے دروازے پر گر جائے تو اللہ کی رحمت فوراً آجاتی ہے۔

اسی طرح یاد رکھیں کہ توبہ جوانی میں کریں۔ ٹھیک ہے کہ موت سے پہلے بھی توبہ قبول ہو جاتی ہے، لیکن جب آدمی کی ٹانگیں جواب دے جائیں، جب ہر گزرنے والا آدمی اس کو دادا، چاچا کہنا شروع کر دے تو وہ کیا گناہ کر سکتا ہے؟ اصل توبہ کا وقت جوانی کا ہے۔

؎ در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبریست

یعنی سنت انبیاء ہے۔ اس لیے اپنی جوانی کو تباہی سے بچائیں۔ اگر آپ بھٹک گئے ہیں تو توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

گناہ سے بچنے کے لیے صحیح ماحول اپنائیں:

دوسرا یہ یاد رکھیں کہ جیسے انسان کو کوئی بیماری لگے تو اس وبا سے بچنے کے لیے ماحول کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اگر آپ اسی ماحول میں رہ جائیں تو پھر بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جن برے دوستوں کی وجہ سے آپ بھٹکے ہیں ان سے دور ہو جائیں، ان کی صحبت چھوڑ دیں، ان کی بجائے اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کریں، جتنی گندی کتابیں آپ کے گھر میں ہیں اٹھا کر پھینک دیں، اس کی بجائے صحابہ کی زندگی کو پڑھیں، مسلمانوں کے قرون اولیٰ کے احوال پڑھیں اور دین کی کتابیں پڑھیں، تاکہ تمہارے اندر انقلاب آئے اور تمہارا ماحول نیک ہو جائے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس گلی میں تمہیں تہمت لگنے کا خطرہ ہو کہ اس گلی میں گیا تو لوگ بدنام کر دیں گے۔ تو اس گلی میں جانا چھوڑ دو۔ جب اس گلی میں نہیں جاؤ گے تو خود بخود تہمت سے بچ جاؤ گے۔ فرمایا: ((اِتَّقُوا مَوَاضِعَ التُّهَمِ)) کسی کے گھر میں جاتے ہوئے لوگ کہتے ہیں: یہ اچھا آدمی نہیں ہے، فلاں گھر میں جاتا ہے۔ اگر اس گھر میں جانا چھوڑ دے تو کسی کی زبان کھل ہی نہیں سکے گی۔

جو لوگ بری صحبت میں ہیں کبھی تاش کھیل رہے ہیں، کبھی گانے سن رہے ہیں، کبھی گالیاں دے رہے ہیں، کبھی شام کو پکنک پر جا رہے ہیں اور گندی گندی باتیں ہو رہی ہیں تو اس کا علاج یہ ہے کہ بندہ اللہ کے دروازے پر توبہ کرے اور برے ماحول کو چھوڑ دے۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [التوبۃ:۱۱۹]

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔ جب آدمی صحیح لوگوں میں آ جاتا ہے تو ہدایت آسان ہو جاتی ہے۔

توبہ کا آخری وقت:

((عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ: كُلُّ ذَنْبٍ أَصَابَهُ عَبْدٌ فَهُوَ جِهَالَةٌ)) [تفسیر ابن کثیر] حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے مدنی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ فرماتے تھے کہ آدمی گناہ جب کرتا ہے تو یہ جہالت اور حماقت کی وجہ سے ہی ہے۔ صحابہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص بھی اللہ کی نافرمانی کرتا ہے یہ جہالت ہے۔ کیونکہ جاہل کے معنی ہیں کہ جس کو علم نہ ہو۔ جب بندہ گناہ کر رہا ہے تو اس نے گویا اللہ کو بھی نہ پہچانا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہ پہچانا اور اللہ کے احکام کو بھی نہ پہچانا، اس سے بڑی جہالت کیا ہوگی؟

حضرت قتادہ رحمہ اللہ، حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب تک آدمی صحت و تندرستی میں ہے توبہ کرے تو یہ قریب ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غرغرہ کی حالت سے پہلے توبہ کرلے تو یہ بھی قریب ہے۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا ختم ہونے والی ہے اور ختم ہونے والی چیز قریب ہوتی ہے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ))
[ترمذی، رقم:۳۵۳۷]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول فرماتے ہیں جب تک کہ وہ غرغرہ میں نہ پہنچے۔ اس وقت تک توبہ کرے تو توبہ منظور ہو جاتی ہے۔ صرف منظور نہیں ہوتی، بلکہ فرمایا: ((التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ، كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ)) [ابن ماجہ، رقم:۴۲۵۰] گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہو جاتا ہے جیسے

اس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہے۔

((قال ابنُ مَرْدَوَيْهِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْحَسَنِ الْخُرَاسَانِيُّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللهِ الْبَابْلُتِّيُّ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ نَهِيكٍ الْحَلَبِيُّ، سَمِعْتُ عَطَاءَ بْنَ أَبِي رَبَاحٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَتُوبُ قَبْلَ الْمَوْتِ بِشَهْرٍ إِلَّا قَبِلَ اللهُ مِنْهُ وَأَدْنَى مِنْ ذَلِكَ، وَقَبْلَ مَوْتِهِ بِيَوْمٍ وَسَاعَةٍ يَعْلَمُ اللهُ مِنْهُ التَّوْبَةَ وَالْإِخْلَاصَ إِلَيْهِ إِلَّا قَبِلَ مِنْهُ)) [تفسیر ابن کثیر]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث مبارک میں یہ روایت بھی آئی ہے کہ کسی ایمان والے بندے سے کوئی گناہ ہو گیا، موت سے ایک ماہ پہلے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتے ہیں، حتیٰ کہ موت سے ایک گھڑی پہلے توبہ کر لی اور اس کی نیت خالص تھی۔ جتنا بڑا جرم کیوں نہ ہو، پھر بھی اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ دلوں کو جانتے ہیں کہ یہ سچے دل سے توبہ کر رہا ہے یا صرف توبہ توبہ کے الفاظ ہیں۔

(حدیث) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: ((مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهِ عَامًا تِيبَ عَلَيْهِ، وَمَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِشَهْرٍ تِيبَ عَلَيْهِ، حَتَّى قَالَ: يَوْمًا، حَتَّى قَالَ: سَاعَةً، حَتَّى قَالَ: فُوَاقًا، قَالَ: قَالَ الرَّجُلُ: أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ مُشْرِكًا أَسْلَمَ؟ قَالَ: إِنَّمَا أُحَدِّثُكُمْ كَمَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) [مسند احمد، رقم: ۶۹۲۰] کہ جو شخص مرنے سے ایک سال پہلے توبہ کرے اس کی توبہ بھی قبول ہے اور جو مرنے سے ایک مہینہ پہلے توبہ کرے اس کی بھی قبول ہے، ایک ہفتہ پہلے کی توبہ بھی قبول ہے، ایک دن پہلے توبہ کرے تو قبول ہے، ایک گھڑی پہلے توبہ کرے تو اس کی توبہ بھی قبول ہے۔ راوی کہتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: اللہ فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ﴾ کہ قریب کا لفظ ہے اور آپ فرماتے ہیں کہ موت سے ایک سال پہلے یا ایک دن پہلے یا ایک گھڑی پہلے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں آپ کو وہ حدیث بیان کر رہا ہوں جو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔

(حدیث) حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے: ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے۔ وہاں حضرت ابو قلابہ رحمہ اللہ بھی موجود تھے تو حضرت ابو قلابہ رحمہ اللہ نے یہ روایت کی: ((إِنَّ اللهَ تَعَالَى لَمَّا لَعَنَ إِبْلِيسَ سَأَلَهُ النَّظِرَةَ، فَقَالَ: وَعِزَّتِكَ وَجَلَالِكَ لَا أَخْرُجُ مِنْ قَلْبِ ابْنِ آدَمَ مَا دَامَ فِيهِ الرُّوحُ، فقال الله عَزَّ وَجَلَّ:

وَعِزَّتِي لَا أَمْنَعُهُ التَّوْبَةَ مَا دَامَ فِيهِ الرُّوحُ.)) [تفسیر ابن کثیر] اللہ تعالیٰ نے جب ابلیس پر لعنت کی، ابلیس کو ملعون بنایا اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: ﴿فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ۝﴾ [ص:۷۷، ۷۸] اے لعین! نکل جاؤ، مردود ہو تم، تم پر قیامت تک لعنت ہے۔ شیطان نے اللہ سے مہلت مانگی کہ مجھے مہلت دے دو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت دے دی۔ تو اس نے کہا: اے اللہ! مجھے تیری عزت وجلال کی قسم ہے کہ آپ نے مجھے مہلت دی ہے، میں اس وقت تک آدم علیہ السلام کی اولاد اندر رہوں گا اور اس کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے اندر روح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ملعون! اگر تو گمراہ کرتا رہے گا تو میں بھی اپنے بندوں کی توبہ اس وقت تک منظور کرتا رہوں گا جب تک روح ان کے اندر ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب ابلیس کو مہلت ملی تو اس نے کہا: مجھے آپ کی عزت وجلال کی قسم ہے! میں آپ کے بندوں کو گمراہ کروں گا، میں ان کو اس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا جب تک کہ روح ان کے اندر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے بھی اپنی عزت وجلال کی قسم ہے! جب تک میرے بندے مجھ سے توبہ کرتے رہیں گے، معافی مانگتے رہیں گے تو میں بھی ان کے گناہ معاف کرتا رہوں گا۔..... اس لیے اللہ کی رحمت کا دروازہ کھلا ہے۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان ساری احادیث کو سامنے رکھیں تو خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ جب تک بندے کو اپنی زندگی کی آس ہے، امید ہے کہ میں بچ جاؤں گا اس وقت تک توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ منظور فرما لیتے ہیں۔ جب آس ٹوٹ گئی اور یاس میں آ گیا تو توبہ قبول نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ توبہ کو کیوں قبول کرتے ہیں؟

﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝﴾

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان ساری آیات کا خلاصہ یہ نکلا کہ انسان کی جب تک زندگی ہے وہ توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ توبہ اخلاص کے ساتھ ہو، ریا نہ ہو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو دلوں کے راز کو جانتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ حکیم بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔ اس کے اندر حکمت ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے بہت محبوب ہیں۔ اگر دنیا کے اندر انسان کسی چیز کا صانع ہو تو وہ چیز اس کو پیاری ہوتی ہے۔ اپنی اولاد کو نصیحت کرتا ہے کہ میرا خون پسینہ اس میں شامل ہے، میں نے ساری

زندگی محنت کر کے یہ چیز تمہارے لیے بنائی ہے۔ جب تم عاجز بندے ہو کر کوئی چیز پیدا کرتے ہو، بناتے ہو وہ تمہیں محبوب ہے۔ وہ تو خالق حقیقی ہے جس نے مخلوق بنائی ہے، کیا اس کو مخلوق پیاری نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے محبوب ہیں۔ اس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر علیہم السلام بھیجے، اپنی کتابیں نازل فرمائیں، ان کے سامنے حق و باطل کو واضح کر دیا اور ان کو بتایا کہ یہ حزب الرحمن ہے اور یہ حزب الشیطان ہے۔ لیکن اس کے بعد بندہ اپنے آپ کو خود جہنم میں ڈالے تو وہ خود ظلم کرنے والا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم تو اپنے آپ کو جہنم میں ڈال رہے ہو اور میں تمہیں پیچھے سے پکڑ پکڑ کر کھینچ رہا ہوں کہ جہنم میں نہ گرو، شرک و کفر نہ کرو، نافرمانی نہ کرو، زنا نہ کرو، چوری نہ کرو، قتل نہ کرو اور بری باتوں میں نہ الجھو، لیکن تم خود اپنے آپ کو جہنم میں ڈال رہے ہو۔

اس لیے آپ سارے قرآن مقدس میں دیکھ لیں کہ جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتیں دینے کا ذکر فرمایا ہے وہاں تو بطور خاص ذکر نہیں کیا گیا کہ میں نے تمہیں یہ دیا، اس نعمت کا تم نے یہ کیا، لیکن جہاں جہاں کسی بندے کو کوئی سزا ملی ہے، اللہ تعالیٰ نے صاف بیان فرمادیا ہے کہ تمہیں جو آج جہنم مل رہی ہے یہ تو تمہارا اپنا کیا ہوا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ [النحل:۱۱۸] ہم نے تو ان پر ظلم نہیں کیا کہ ان کو پکڑ کر جہنم میں ڈال دیں، انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا ہے۔ اور فرمایا: ﴿اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ [الطور:۱۶] تمہیں آج یہ سزا تمہارے اعمال کی وجہ سے دی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ [حم السجدۃ:۴۶] تیرا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ کہیں فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ [النساء:۴۰] اللہ تعالیٰ تو ذرے کے برابر بھی کسی بندے پر ظلم نہیں فرماتے۔ اور کہیں فرمایا: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ [بنی اسرائیل:۱۵] ہم کسی قوم کو عذاب نہیں دیتے جب تک اپنے پیغمبر نہ بھیجیں۔

لیکن اس کے باوجود جب تم ظلم پر، شرک پر، کفر پر، گناہوں پر اتنے جم جاؤ کہ تم گناہوں کو بھی فخر کر کے بیان کرو کہ ہم نے یہ کیا تو پھر اللہ تعالیٰ کے عذاب میں آجاتے ہو۔

توبہ و استغفار کے انعامات:

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں حکمت والا ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ تم سچے دل سے توبہ کرو تو میں توبہ کو قبول

کروں گا۔ ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ تُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا﴾ [التحریم:۸] اے ایمان والو! پکی سچی توبہ کرو کہ پہلے اپنے گناہوں پر ندامت کا احساس کرو، پھر ان گناہوں کو بالکل چھوڑ دو اور اس کے بعد نہ کرنے کا عہد کرو اور اللہ کے دروازے پر گر جاؤ تو اللہ کی رحمت فوراً آجاتی ہے۔

دوسرا استغفار میں اللہ نے بڑے بڑے انعام رکھے ہیں۔ فرمایا: ﴿فَقُلْتُ ٱسْتَغْفِرُواْ رَبَّكُمْ إِنَّهُۥ كَانَ غَفَّارًا﴾ [نوح:۱۰] اللہ تعالیٰ سے جب تم بخشش مانگتے ہو تو تمہارا رب بخشش فرمانے والا ہے، اس پر اپنے آسمانوں سے بخشش کی لگاتار بارش برساتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں اور تمہاری اولاد میں بھی برکت ڈالتا ہے کہ بندہ صرف استغفار کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ایسی آتی ہیں کہ اس کو پتہ بھی نہیں، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

نیک لوگوں کے لیے دنیاوی نعمتیں:

آپ نے خود مشاہدہ کیا ہوگا کہ بعض اللہ کے اولیاء بہت بڑے عابدین، زاہدین، صالحین لوگ آخری عمر میں بوڑھے کمزور ہو گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسی ایسی نعمتیں رکھی ہوتی ہیں کہ کوئی بادشاہ بھی تصور نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ اللہ کے فرماں بردار بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ساری مشینری ان کے تابع ہو جاتی ہے۔ جب وہ اللہ کے دین کا کام کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں محبت ڈال دیتے ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ دنیاوی نعمتیں کافروں کو کیوں دیتے ہیں؟ یاد رکھیں! کافر ہو یا مسلمان، اللہ کا بندہ ہے۔ آپ کے ملک میں اگر کوئی کافر رہتا ہو تو کیا آپ اس کی جان مال آبرو کا تحفظ نہیں کریں گے؟

دنیاوی مشکلات دور کرنے کا طریقہ:

اللہ تعالیٰ سے رجوع کا سب سے بہتر وقت یہ ہے کہ جب آپ صبح کی نماز کے لیے اٹھیں، اگر تہجد نصیب ہو تو الحمد للہ، ورنہ جب نماز کے لیے آ رہے ہیں تو اس وقت استغفار پڑھا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَبِٱلْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ [الذاریات:۱۸] مومن سحر کے وقت میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے ہیں۔ جن کے رزق میں تنگی ہے، جن کے گھروں کے اندر پریشانیاں ہیں، جن کے کاروبار میں برکتیں نہیں ہوتیں وہ صبح کو ''أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ'' پڑھیں۔ اگر پورا یاد نہ ہو تو ''أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ''، ''أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ'' پڑھیں۔

لیکن اس کے پڑھنے کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ زبان سے پڑھ رہے ہیں اور پتہ نہ ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اس لیے اس پر غور کرو کہ میری زبان سے کیا لفظ نکل رہا ہے؟ جب اس پر غور کرنا آپ سیکھیں گے تو چند دنوں کے بعد آپ کا دل اللہ تعالیٰ کے ذکر میں لگے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ [الرعد: ۲۸] اللہ کے ذکر میں سکون کی کیفیتیں نصیب ہوتی ہیں۔

حضور ﷺ کے نزدیک درود شریف پڑھنے والے کا مرتبہ:

ایک بہت بڑے محدث نے خواب دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ تشریف فرما ہیں، آپ کے سامنے ایک عالم بیٹھے ہیں، حضور اکرم ﷺ ان کی طرف بڑی توجہ فرما رہے ہیں، لیکن میری طرف رخ پھیر لیتے ہیں۔ کہتے ہیں: میں نے آپ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا: جب بھی میرا نام لیتا ہے تو درود لکھتا بھی ہے اور پڑھتا بھی ہے۔ اگر تم لکھتے ہو تو تم پڑھتے نہیں ہو اور اگر پڑھتے ہو تو تم لکھتے نہیں ہو۔ اس لیے تمہیں یہ قرب حاصل نہیں ہوا۔ فرماتے ہیں: اس کے بعد میں نے کبھی بھی حضور اکرم ﷺ کے نام کے ساتھ درود شریف نہیں چھوڑا۔

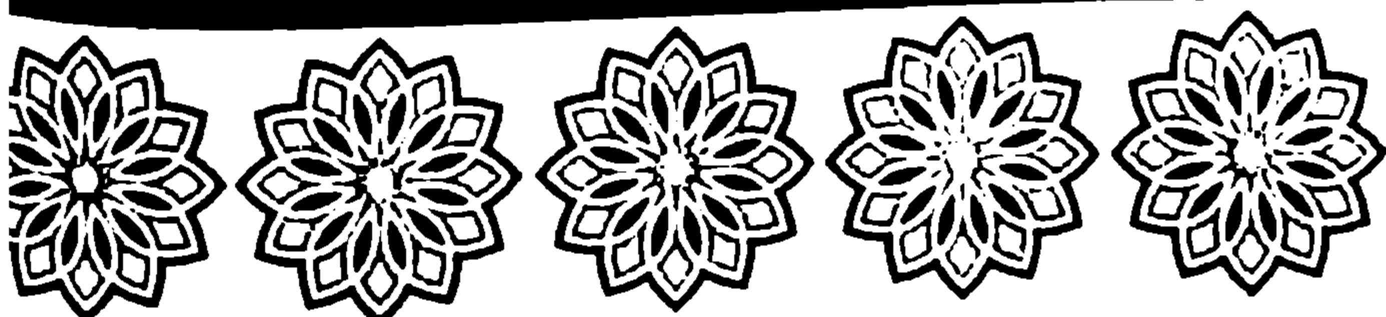
امام شافعی رحمہ اللہ کا وہ درود جو انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا اور اس کو بڑا مرتبہ ملا وہ یہ ہے "اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُونَ وَغَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُونَ" [مسند الشافعی] اس لیے سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ "لِسَانُكَ رَطَبَ لِذِكْرِ اللَّهِ" اللہ کے ذکر سے تیری زبان تر ہو جائے۔ نماز ذکر ہے، قرآن ذکر ہے اور عبادت ذکر ہے۔ بس جب دھیان اللہ کی طرف ہو جائے تو کام بن جائے گا۔

ایک عورت کے لیے لوگ اتنے دیوانے ہو جاتے ہیں تو کیا محمد مدنی ﷺ اور خدا کے لیے دیوانے نہیں ہو سکتے؟ یہ ہماری بدقسمتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ [البقرۃ: ۱۶۵] جو مومن ہیں وہ سب سے زیادہ میرے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ جب وہ میرا ذکر کرتے ہیں تو میں ان کا ذکر کرتا ہوں۔ جس کو خدا یاد کرے تو اس کی کتنی بڑی شان ہوگی......!!!

الحمد للہ! مدرسِ حرمِ مکہ جناب حضرت محمد مکی حجازی حفظہ اللہ کے سلسلہ دروس تفسیر قرآن کی یہ چھٹی جلد مکمل ہوئی۔ جس میں سورۃ آل عمران آیت ۳۰ سے لے کر سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۸ تک کی تفسیر شامل طباعت ہے۔ اس کا مزید سلسلہ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے اور تمام مسلمانوں کے لیے مفید عام و خاص بنائے۔ آمین

الله الله الله





تفسیرِ مکی

اس کائنات رنگ و بو میں تین اشیاء ایسی ہیں جو مخلوق کے قلوب کے لیے مقناطیس کی تاثیر رکھتی ہیں: بیت اللہ، کتاب اللہ اور اہل اللہ۔ اگر کسی جگہ پر ان تینوں کا اجتماع ہو تو مخلوق کے دلوں کا کھنچ آنا امر بدیہی ہے، جس کا مشاہدہ مسجد الحرام میں بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد مکی دامت برکاتہم العالیہ کے درسِ قرآن کے حلقہ میں کیا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا محمد مکی دامت برکاتہم العالیہ کے درس کا یہ حسن ہے کہ وہ جہاں توحید خداوندی کے رسوخ اور شرک و بدعت کی تردید پر زور دیتے ہیں، وہاں عشقِ رسول ﷺ اور سلف صالحین کی عقیدت و احترام پر حرف نہیں آنے دیتے، بلکہ اپنے اکابر کے طریق پر چلتے ہوئے جس کمال مہارت سے سامعین کو راہِ اعتدال پر گامزن کرتے ہیں یہ انہی کے درس کا خاصہ ہے۔ حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ کے دروس میں جہاں علمی نکات کی کثرت ہوتی ہے، وہیں عقائد کی درستگی، فکرِ آخرت، اخلاص و تقویٰ، اخلاقِ حمیدہ اور سیرت و کردار کی بلندی پر بھی زور دیا جاتا ہے۔ زیرِ نظر تفسیر "انوار الحرم" المعروف "تفسیرِ مکی" حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ کے دروس کا مجموعہ ہے۔



مکتبۃ الفقیر

☎ • 92-041-3476380 0300-8652792 | EMAIL